کلیاتِ پریم چند

24

مرتبہ
مدن گوپال

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی

کلیاتِ پریم چند

24

متفرقات

مرتبہ

مدن گوپال

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل (حکومتِ ہند)
ویسٹ بلاک 1، آر.کے.پورم، نئی دہلی 110 066

پیش لفظ

ایک عرصے سے ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ پریم چند کی تمام تصانیف کے مستند اڈیشن منظرِ عام پر آئیں۔ قومی اردو کونسل پریم چند کی تمام تحریروں کو ''کلیاتِ پریم چند'' کے عنوان سے 24 جلدوں میں ایک مکمل سیٹ کی صورت میں شائع کررہی ہے۔ ان میں ان کے ناول، افسانے، ڈرامے، خطوط، تراجم، مضامین اور اداریے بہ اعتبار اصناف یکجا کیے جارہے ہیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے :

ناول : جلد 1 سے جلد 8 تک، افسانے : جلد 9 سے جلد 14 تک،

ڈرامے : جلد 15 و جلد 16، خطوط : جلد 17،

تراجم : جلد 18 و جلد 19، متفرقات (مضامین اور اداریے) : جلد 20 سے جلد 24 تک

''کلیاتِ پریم چند'' میں متون کے استناد کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ مواد کی فراہمی کے لیے اہم کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ حسبِ ضرورت پریم چند کے ماہرین سے بھی ملاقات کرکے مدد لی گئی ہے۔

کلیات کو زمانی اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ سن اشاعت اور اشاعتی ادارے کا نام شائع کرنے کا التزام بھی رکھا گیا ہے۔

''کلیاتِ پریم چند'' کی یہ جلدیں قومی اردو کونسل کے ایک بڑے منصوبے کا نقش اوّل ہیں۔ اس پروجیکٹ کے تحت اردو ادب کے ان ادبا و شعرا کی کلیات شائع کی جائیں گی جو کلاسیکی حیثیت اختیار کرچکی ہیں۔ پریم چند کی تحریروں کو یکجا کرنے کی اس پہلی کاوش میں کچھ خامیاں اور کوتاہیاں ضرور راہ پاگئی ہوں گی۔ اس

سلسلے میں قارئین کے مفید مشوروں کا خیرمقدم ہے۔

آئندہ اگر پریم چند کی کوئی تحریر/تحریریں دریافت ہوتی ہیں، آئندہ ایڈیشنوں میں ان کو شامل کیا جائے گا۔

اردو کے اہم کلاسیکی ادبی سرمایے کو شائع کرنے کا منصوبہ قومی کونسل براے فروغِ اردو زبان کی ترجیحات میں شامل ہے۔ ان ادبی متون کے انتخاب اور ان کی اشاعت کا فیصلہ قومی اردو کونسل کے ادبی پینل نے پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی کی سربراہی میں کیا۔ ادبی پینل نے اس پروجیکٹ سے متعلق تمام بنیادی امور پر غور کرکے منصوبے کو تکمیل تک پہنچانے میں ہماری رہنمائی کی۔ قومی اردو کونسل ادبی پینل کے تمام ارکان کی شکرگزار ہے۔ ''کلیاتِ پریم چند'' کے مرتب مدن گوپال اور پروجیکٹ اسسٹنٹ ڈاکٹر رحیل صدیقی بھی شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے پریم چند کی تحریروں کو یکجا کرنے اور انھیں ترتیب دینے میں بنیادی رول ادا کیا۔

امید ہے کہ قومی کونسل براے فروغِ اردو زبان کی دیگر مطبوعات کی طرح ''کلیاتِ پریم چند'' کی بھی پذیرائی ہوگی۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ
ڈائرکٹر
قومی کونسل براے فروغِ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومتِ ہند،
نئی دہلی

فہرست

دیباچہ

کلیات پریم چند کی آٹھ جلدوں میں (جلد 1 سے جلد 8 تک) کشنا کے علاوہ پریم چند کے تمام ناول شامل ہیں۔ چھ جلدوں میں (جلد 9 سے جلد 14 تک) ان کے تمام افسانے (ہندی اور اردو میں لکھے ہوئے) شامل ہیں۔ دو جلدوں میں (جلد 15 اور 16) ان کے تمام ڈراموں (اور دوسری زبانوں کے ڈرامے جو ترجمے کیے گئے تھے) کو شامل کیا گیا ہے۔ ایک جلد میں (جلد 17) پریم چند کے تمام خطوط تاریخ وار پیش ہیں۔ دو جلدوں میں (جلد 18 اور 19) آزاد کتھا اور بچوں کے لیے لکھی گئی تمام تحریریں پیش ہیں، اور دو جلدوں (جلد 20 اور 21) میں پریم چند کے تمام اردو میں لکھے تبصرے اور مضامین شامل ہیں۔ پریم چند کی دو کتابیں جو انھوں نے ہندی میں ترجمہ کی تھیں، جلد (24) میں شامل ہیں۔ پہلی کتاب اناتول فرانس کی مشہور تصنیف تھائیس کا ترجمہ ہندی میں اہنکار کے نام سے اور جارج برناڈشا کا شرسٹھی کا آرمبھ ہے۔ دوسری کتاب پریم چند کی ادبی خدمات کے ابتدائی دور میں جو مضامین آلیور کرم ویل (1903) (جو ان کی ہی تخلیق تھی) اور شودیشی تحریک (1905) جو بنارس کے آوازۂ خلق میں شائع ہوئے تھے جلد 20 میں اس لیے شامل نہیں کیا گیا کیونکہ ان کا متن دستیاب نہیں ہوسکا۔ ان کو اس جلد میں شامل کیا گیا ہے۔ اس جلد میں وہ خطوط بھی شامل ہیں جو پریم چند کو مختلف ادیبوں نے لکھے تھے۔ اس جلد میں گجراتی کے رسالہ چترپٹ میں اور مراٹھی کے رسالے پرتبھا کے دو شماروں میں پریم چند کا انٹرویو جین آن کے مدیر اور شری ٹلیک نے پریم چند سے ممبئی میں ملاقات کے بعد لکھا تھا ان کو بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے لیے میں ڈاکٹر گوئنکا کا شکر گزار ہوں۔ آخر میں کتابوں کی فہرست شامل ہے۔

اردو کے تمام قارئین اور محققین پریم چند سے گذارش ہے کہ اگر پریم چند کی کوئی تحریر دستیاب ہوتی ہے اور کلیات پریم چند کے متعلق کوئی مفید جانکاری ہے تو ہم اس کا استقبال کریں گے اور آئندہ ایڈیشن میں اس کی تلافی کی جائے گی۔

حرف آخر میں پریم چند کی تمام تصانیف کے بارے میں ضروری تفصیلات دی گئی ہے۔

یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ کن کن Sources سے ان کا متن حاصل کیا گیا ہے۔ سو یہ بھی کہ ان کی تصانیف کے مسودے کہاں ہیں۔

آخر میں قومی کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ، پرنسپل پبلی کیشن آفیسر روپ کرشن بھٹ اور دیگر کارکنان خاص طور پر ڈاکٹر رحیل صدیقی کا ممنون ہوں کہ یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میری معاونت کی۔ شکریہ

مدن گوپال

پریم چند کے تین مضامین

آلیور کروم ویل

یہ دنیا ایک تھیٹر ہے جہاں ایکٹ کرنے والے تو بہت کم اور تماشائیوں کی بھیڑ بہت زیادہ ہے۔ مگر اس تھیٹر کی دلچسپیاں، اس کی کشش انھیں تھوڑے سے ایکٹروں کے جادو بھرے کارناموں اور جادو بھری باتوں پر منحصر ہے۔ یہ چند ایکٹرس اپنے جادو بھری تقریروں اور موہنی اداؤں سے ہمارے دلوں پر قبضہ کیے ہوئے ہیں اور ہم خوشیوں کی ایک عجیب کیفیت سے ان کی کوششوں کی داد دیتے ہیں۔ بیشک انگلستان کے مشہور شاعر اور فلسفی کارلائل کا یہ کہنا صحیح ہے کہ دنیا کا صحیح تعارف صرف ان بڑے لوگوں کے کارنامے ہیں جو وقتاً فوقتاً دنیا میں پیدا ہوئے۔ ہماری تفریح کی چیزیں اور وہ تمام چیزیں جو ہماری تحسین اور احترام کی مستحق ہیں، انھی بڑے آدمیوں کی محنتوں اور غور و فکر کا نتیجہ ہیں۔جس دنیا میں ہم رہتے ہیں وہ انھیں بیدار لوگوں کی اہم کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ ہماری روحیں، جن سے ہماری زندگی ہے وہ انھیں کے اشاروں پر چلتی ہیں۔ ہمارے خیالات، ہماری تہذیبی شکل، ہمارے طور طریقے بھی اسی سانچے میں ڈھلتے ہیں، جو وہ شخص ہمارے نظروں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جب ہماری اندرونی آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں، ہمارے خیالات گندے ہوجاتے ہیں، ہمارے بُرے کام بڑھ جاتے ہیں، ہماری خوشحالی ہمارا ساتھ چھوڑ دیتی ہے، ہمارا مذہب پرانا ہوجاتا ہے اور وقت کی طوالانی اس میں بہت سی تبدیلیاں کرکے اسے بناوٹی رسم و رواج کا مجموعہ بنا دیتی ہیں۔ ہمارے علم کا دائرہ سکڑ جاتا ہے اور ہم گمراہی کے سمندر میں ڈبکیاں کھانے لگتے ہیں تو ہم یکا یک چاہتے ہیں کہ کوئی گوتم بدھ، کوئی شنکر اچاریہ، کوئی ارسطو، کوئی محمدؐ، کوئی نیوٹن پیدا ہو، جو اپنی روحانی صلاحیت سے ہماری سوسائٹی کو فائدہ پہنچائے۔ جتنے مہلک عناصر اکٹھے ہوگئے ہیں ان کو دور کردے۔ نئے خیالات کے دریا بہا کر ہماری پیاس کو بجھائے اور ہمارے دماغ کے بجھتے ہوئے چراغ کو پھر سے روشن کردے۔ جب ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور کوئی ایسا شخص سامنے آتا ہے تو ہم اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اور جیسے ایک ہوشیار جادوگر اپنے جادو کے زور سے کٹھ پتلیوں کو نچاتا ہے، جس طرف چاہتا ہے، بٹھاتا ہے۔ اسی طرح یہ ہیرو بھی ہم

کو عجیب وغریب طلسم دکھا کر ہماری روح کو اپنے قابو میں کرلیتا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے اس کے کردار میں کون سی طاقت ہوتی ہے جو ہمارے دلوں پر اس کی عظمت کا سکہ بٹھاتی ہے۔ اس کی باتوں میں خدا جانے کیا اثر ہوتا ہے جو ہم پر جادو کرتا ہے۔ وہ بڑا زبردست مسمرائزر ہوتا ہے اور محض اس کی آنکھیں ہی نہیں بلکہ اس کی ہر بات اور ہر کام ہم پر مسمرائزم کا اثر ڈالتے ہیں۔

خدا نے انسان کو بہت سی خوبیاں دی ہیں لیکن ایسے لوگ تھوڑے ہی ہیں جنھیں اس نے ایجاد کرنے کی طاقت بخشی ہو۔ اگر عوام کو پیروی کرنے کے بجائے ایجاد کرنے کی طاقت ملی ہوتی تو آج دنیا کا کچھ اور ہی ڈھنگ ہوتا۔ ہر ایک انسان اپنے زعم میں خود ہی بہلول بنا بیٹھا ہوتا۔ یہ سب پیروی کرنے کی طاقت کا نتیجہ ہے کہ ہم ایک بڑے ہیرو کے پیچھے چلتے ہیں اور اس کے غیر مرئی قوتوں کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مگر یہ سمجھنا غلط فہمی سے خالی نہ ہوگا کہ خدا نے ہماری گھٹی میں ہیرو ورشپ کا مادہ ڈالا تو ہم میں یہ قابلیت بھی پیدا کردی کہ ہم ایک سچے ہیرو کو رنگے ہوئے سیاروں سے الگ کرکے پہچان کرسکیں۔ بہت بار ایسا ہوا کہ معمولی رگ اور پٹھے کے لوگ دنیاوی خواہشات اور ہوش کے قابو میں آکر ہیرو بن بیٹھے۔ عوام نے ان پر بھروسہ کیا، انھیں اپنا ہیرو مانا اور ان کے اشاروں پر چلے۔ مگر جب دانشوروں نے ان بناوٹی ہیروؤں کی باتوں اور کارناموں کو عقل کی کسوٹی پر کسا تو ان کی ساری قلعی کھل گئی۔ اگر ایسا ہیرو اس وقت تک زندہ رہا تو جیتے، جو اور مرا تو مرنے کے بعد لعنتوں کا شکار بنایا گیا۔ یہ نقلی ہیرو دنیا میں اتنے زیادہ ہوئے اور اتنی بار ان کے بھانڈے پھوٹے کہ ہمیں ایک سچے ہیرو کی پیروی کرتے ہوئے بھٹک جانے کا خطرہ لگا رہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی سچے ہیرو نمودار ہوئے، ہماری بری حالت کو سدھارنے کے لیے ماتھا پچی کرتے رہتے۔ ہماری بھلائی کے لیے گلا پھاڑ پھاڑ کر چلائے، ہم کو بھٹکا ہوا پاکر سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کی مگر ہمارے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ ہم ان کو بھی نقلی ہیرو سمجھا کیے۔ برابر ناکامیوں نے ان کے دل توڑ دیے اور اپنے مضبوط ارادوں اور بلند ارمانوں کو لیے ہوئے اس دنیا سے سدھار گئے۔ اگر ان کا سچا حال ان کی موت کے بعد عوام کو پتہ چلا تو ہم نے افسوس کے ساتھ ہاتھ ملے اور جن سے زندگی بھر دور دور رہتے تھے، ان کے مرنے کے بعد ان کی سمادھی کی پوجا کی اور مجسمے بنائے تاکہ ان کا نام قائم رہے۔ جولیس سیزر جب تک زندہ رہا لوگ اس پر یہ الزام

لگاتے رہے کہ وہ اپنے حقوق کا ناجائز استعمال کر رہا ہے اور روم کی جمہوریت کو دھول میں ملا کر خود بادشاہی چاہتا ہے۔ آخر بے رحم لوگوں نے اس کو قتل کیا مگر اس کی وفات کے بعد جب اس کی باتیں اور اس کے کارنامے جانچے گئے تو ان میں سچائی اور نیکی کوٹ کوٹ کر بھری پائی گئی اور لوگ اسے ہیرو ماننے لگے۔

کروم ویل، جس کے حالات ہم آگے چل کر مختصر طور پر بتلائیں گے، جب تک زندہ رہا غلط فہمیوں کی بوچھاریں سہتا رہا۔ مرنے کے بعد اس کے دشمنوں نے اس کی مٹی پلید کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آخر کار انیسوی صدی میں کارلائل نے اس کی عزت کی۔ اس کے خیالات اور کارناموں اور اصولوں کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور اس کی محنتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج کروم ویل کا نام عزت سے لیا جاتا ہے اور اب اتنی ہی بات پکی نہیں ہے کہ وہ سچا (واقعی) ہیرو تھا بلکہ سچے ہیروؤں میں اس کو خاص مقام حاصل ہے۔ بازاروں میں کبھی کبھی کھوٹے سکے بھی چالوسکوں کے پردے میں چھپے رہتے ہیں مگر ان کی اصلیت پرکھ لی جاتی ہے اور بڑی بے دردی سے پھینک دئے جاتے ہیں۔ کاش بھگوان ہمیں کوئی ایسی تیز قوت دیتا کہ ہم اس صورت میں بھی کھوٹے کھرے کو پرکھ لیا کرتے۔ کیا خوب کہا ہے ذوق نے۔

گوہر کو جوہری اور صراف زر کو پرکھے
ایسا کوئی نہ دیکھا وہ جو بشر کو پرکھے

کروم ویل کی پیدائش، بچپن اور تعلیم

آلیور کروم ویل 25/اپریل 1599 کو ہنٹینگڈن میں پیدا ہوا۔ اس کے والد کا نام رابرٹ کروم ویل تھا اور اس کی ماں کا نام الزبتھ سٹوارٹ۔ کروم ویل اور سٹورٹ دونوں خاندان کے ٹوٹنے کے بعد ترقی کی سیڑھی پر چڑھے تھے اور قدامت واعلیٰ نسبی کی نظر سے انگلستان کے اونچے سے اونچے خاندانوں کی برابری کر سکتے تھے۔

کروم ویل کا چچا سر آلیور کروم ویل جو اس نووارد کروم ویل کا دھرم پتا بھی تھا ہنچن بروک کا مشہور معزز زمیندار تھا اور امیروں کی طرح بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتا تھا۔ وہ اپنے پاس پڑوس میں ہی معزز نہیں گنا جاتا تھا بلکہ شاہی خاندانوں میں بھی اس کی آؤ بھگت تھی۔ مہارانی الزابتھ نے کئی بار اس قصبے کو اپنے قدم مبارک سے عزت بخشی تھی، اور اس کی وفات

کے بعد جیمس کبھی کبھار یہ عزت اس قصبہ کو دیتا رہا۔ جس وقت کروم ویل پانچ سال کا تھا۔ جیمس بڑی شان و شوکت سے وہاں پہنچا تھا اور کئی دن تک محفلیں خوب گرم رہیں۔ شیشہ و شراب کا دور چلا۔

کروم ویل کا باپ اوسط درجے کا آدمی تھا۔ اس کے پاس ہنگڈن کی چھوٹی سی کاشتکاری تھی، جس سے ایک ہزار پاؤنڈ سالانہ کا فائدہ ہوتا تھا۔ کروم ویل کے ماں کے قبضے میں ۲۵۰ پاؤنڈ سالانہ کے منافع کی زمین تھی جو وہ اپنے میکے سے جہیز میں لائی تھی۔ گو موجودہ زمانے کی مالی حیثیت کے لحاظ سے اس آمدنی کا شمار اوسط آمدنیوں کے آخری درجہ میں ہوگا، مگر اس زمانہ میں روز کی ضرورتیں اتنی زیادہ نہ تھیں اور یہ آمدنی ایک شریف خاندان کے گزر بسر کے لیے کافی تھی۔

رابرٹ کروم ویل ایک سلجھا ہوا متین اور سمجھدار انسان تھا۔ وہ تنہائی پسند تھا اور اس عادت نے اسے عام لوگوں کی نگاہ میں مغرور بنا دیا تھا۔ اسے بہت سے علوم میں کافی دخل تھا۔ اور گو آج کے زمانے میں علمی قابلیت کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے مگر اس زمانے میں یہ بے شک غیر معمولی بات تھی۔ امیروں اور اونچے گھر والوں کا رجحان علم حاصل کرنے کی طرف نہیں تھا بلکہ اکثر امیر لوگ اس کو نیچی نظر سے دیکھتے تھے۔ اگر انھیں بائبل پڑھنا آ گیا تو بس پنڈت ہوگئے۔ پھر انھیں کچھ اور جاننے کی ضرورت نہیں۔ ہاں ملٹری ٹریننگ ان کو خوب دی جاتی تھی اور جانوروں کا شکار کرنا ان کا پیارا شغل تھا۔

الزابتھ سٹورٹ کروم ویل کی ماں، سر تھامس سٹورٹ کی بہن تھی۔ کیوں کہ سر تھامس کے کوئی اولاد نہیں تھی اس نے آلیور کو گود لے کر اسے اپنا جانشین ہونے کا اعلان کردیا تھا۔ الزابتھ کی شادی ولیم رلن سے ہوئی تھی۔ مگر وہ کچھ ہی دنوں بعد پرلوک سدھار گئے۔ تب اس ودھوا نے رابرٹ کروم ویل سے شادی کی۔ اور خدا نے ان کو دس بچے دیے مگر کئی لڑکے ایک کے بعد ایک اپنے والدین کو داغ مفارقت دے کر دنیا سے رخصت ہوگئے۔ بیٹوں میں صرف کروم ویل جو پانچواں لڑکا تھا۔ جیتا جاگتا بچا تھا، کروم ویل کی ماں بہت نیک متین نیک سیرت اور سادہ زندگی پسند کرنے والی عورت تھی۔ یہ آخری صفت اس زمانے کی عورتوں میں مشکل سے ہی پائی جاتی تھی۔ چاروں طرف ٹیم ٹام کا زور تھا، اور بناوٹ اور دکھاوا عام بیماری تھی۔

رابرٹ اور الزابتھ دونوں ہنگڈن کے دیہاتی مکان میں بہت اطمینان سے زندگی بسر کرتے تھے اور اپنی سمجھداری کفایت شعاری اور سادگی سے ایک لمبے چوڑے خاندان کی جس میں دس بچے تھے، بخوبی پرورش کرتے تھے۔ یہ ان کے خوش اسلوبی کی خوبی تھی کہ انھیں غربت یا محتاجی کی تکلیفیں نہ اٹھانی پڑتی تھیں۔ یہ نیک بیوی اپنے پیارے شوہر کی موت کے بعد ۳۷ سال زندہ رہی اور اپنی لڑکیوں کی شادیاں اچھے خاندانوں میں کیں۔ بہت کم مائیں ایسے بچے جنتی ہیں جو اپنے مضبوط ارادوں سے ان کی بے انتہا تکلیفیں دور کرتے ہیں۔ جب اس کی زندگی کے دن پورے ہونے کو آئے تو اس نے کروم ویل سے درخواست کی کہ مجھے میرے خاندان کے قبرستان میں دفن کرنا، مگر کروم ویل کو یہ کب گوارہ ہوسکتا تھا کہ اسے ایک گمنام جگہ پر دفن کرے۔ چنانچہ بادشاہوں سی آن بان سے اس کی اَنتم کریا کی گئی۔ اور وہ بیسٹ مسٹر میں ہی دفن ہوئی۔ جب شاہی طاقت ایک بار پھر نئے سرے سے واپس آئی تو دشمنوں اور جاسوسوں سے یہ بھی نہ دیکھا گیا کہ اسے اس کی زمین کے ایک کونے میں خاموش پڑا رہنے دیں۔ بیچاری کی ہڈیاں کھدوا کر بڑی ذلت کے ساتھ ایک گڑھے میں پھینک دی گئیں۔

کروم ویل اپنے ماں باپ کا ہونہار بچہ تھا۔ اس کے بچپن کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ ہاں اس زمانے کی کچھ عوامی باتیں البتہ مشہور ہوگئی ہیں۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ مشہور لوگوں کے بارے میں کچھ باتیں عوام میں مشہور ہوجایا کرتی ہیں۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ بچپن ہی سے مستقبل میں عظمت کے نشان دکھائی پڑنے لگتے ہیں یا ناسمجھ عوام ان کی عجیب و غریب معجزاتی کارنامے کو دیکھ کر بھوچک رہ جاتی ہے اور ان کے بارے میں کچھ افواہیں گڑھ کر اپنی تسکین کر لیا کرتی ہیں۔ ہم بڑے لوگوں کے کرداروں میں معجزاتی باتوں کے دیکھنے کے اتنے عادی ہوگئے ہیں کہ ہماری آنکھیں شروع سے ہی ان کی تلاش کرنے لگتی ہیں۔ یہ شاید انسان کے نیچر میں شامل ہے کہ وہ ہر ایک عظیم کارنامے کو غیر معمولی باتوں سے جوڑ لیتا ہے۔ اور یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے کیوں کہ کوئی عظیم کارنامہ غیر معمولی قابلیت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔

کہتے ہیں کہ ایک بار آلیور کروم ویل کو خواب میں یہ پکار سنائی پڑی کہ تو انگلستان کا سے بڑا آدمی ہوگا۔ جب اس نے اپنے والد سے یہ قصہ کہا تو اس نے اس کا خوب

کان گرم کیے۔

دوسری بات یوں ہے کہ جب شہزادہ چارلس اپنے شاندار باپ جیمس کے ساتھ نارتھ بروک آیا تھا تو اس کی اور کروم ویل کی کسی بات پر ان بن ہوگئی۔ تو بات ہاتھا پائی تک پہنچی اور آخر کار کروم ویل میر رہا۔ ایک اور بات یوں مشہور ہے کہ وہ آس پاس کے انگورستانوں پر بڑی آزادی سے حملے کیا کرتا تھا، اور باغ بانوں نے اس کی لوٹ پاٹ سے تنگ آکر اسے سیبوں کا شیطان کہہ کر پکارنا شروع کردیا تھا۔

کروم ویل کی ابتدائی تعلیم ہنٹگڈن کے فری سکول میں ہوئی۔ اس وقت اس اسکول کے ہیڈ ماسٹر ٹامس بیرڈ تھے اور اس نئے طالب علم کی پیدائشی خصوصیات کو دیکھ کر اس کا دوست ہوگئے۔ بیرڈ اپنے آخری وقت تک اس اسکول کا پرنسپل رہا اور ہنٹگڈن میں لیکچر دیتا رہا۔ کروم ویل بھی اس کو عزت دینے میں اپنی طرف سے کچھ کسر نہ اٹھا رکھتا تھا۔ فری اسکول کا کورس ختم کرنے کے بعد کروم ویل ہنٹگڈن کے گرامر اسکول میں بھیجا گیا اور یہاں اس نے اپنی تعلیمی دور کا بڑا حصہ ختم کیا۔ سترہویں سال میں اس نے یہاں اپنی تعلیم پوری کی اور کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ کتنے دن وہاں پڑھتا رہا مگر یہ معلوم ہے کہ اس نے کوئی بڑی سند حاصل نہیں کی۔ اس کی تقریر اور اس کے خطوط سے البتہ پتہ چلتا ہے کہ وہ انگریزی اور لاطینی زبانوں کا ماہر تھا۔ کچھ مورخ کہتے ہیں کہ وہ یونان اور روم کی تاریخ بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ کروم ویل کے کالج کے زمانے کی زندگی کے حالات بھی مشکوک ہیں۔ مورخوں کے بیانات بھی ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ وہ آزاد اور اڑیل طالب علم تھا اور اپنا وقت کھیل اور تماشوں میں کاٹتا تھا۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ وہ بہت محنتی طالب علم تھا۔ کروم ویل کا من چاہے تعلیم کی طرف رجحان رہا ہو یا نہ رہا ہو، مگر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ قدرت کے صفحات کو جی لگا کر پڑھتا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ شیکسپیئر کے تخیلی کرداروں کا مطالعہ کرے وہ قدرت کے جیتے جاگتے کرداروں کومطالعہ کرتا تھا۔ زمانے کی تبدیلی کو بڑے غور سے دیکھتا تھا اور انسانی دل و دماغ کے الٹ پھیر کو خوب جانتا تھا۔ اس کے زمانے میں ایسے حادثات ہوئے جو کسی عظیم خیالات والے دل و دماغ پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ سولہویں صدی کے ساتھ شاندار ٹیوڈر خاندان کا خاتمہ ہوا اور سٹورٹ خاندان کے ظالم بادشاہ ان کے جانشین ہوئے۔ جب کروم ویل چھ

سال کا تھا۔ گن پاؤڈر پلاٹ نے تمام ملک میں ہلچل مچادی تھی۔ گیارہ ہی سال کا ہوا تھا کہ فرانس کے بادشاہ ہنری چہارم کو اپنی رعایا کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھا۔ مذہبی لڑائیاں بھی بڑی سرگرمی سے لڑی جا رہی تھیں۔ پیورِٹن دَل کے لوگوں نے جن کا پارلیمنٹ میں اس وقت بڑا زور تھا، جیمس کو مذہبی معاملوں میں یہاں تک تنگ کیا کہ آخر کار اس کو ہمپڑن کورٹ میں ایک اجلاس بلانا پڑا۔ جیمس دینی معاملات کو کافی حد تک سمجھتا تھا اور تعلیم بھی اعلیٰ درجے کی پائی تھی۔ اس نے اس اجلاس میں پیورٹن دَل کے مضبوط دلائل کو ایسے منہ توڑ جواب دیے۔ مگر نتیجہ اتنا ہوا کہ بائبل کا ترجمہ عبرانی سے انگریزی زبان میں کیاجانے لگا۔وہ انیسویں سال میں تھا جب سروالٹر ریلے 13 سال لندن ٹاور (جیل خانہ) میں قید رہنے کے بعد پھانسی پر چڑھایا گیا اور اسی زمانے میں تیس سالہ جنگ کی شروعات آسٹریا میں ہوا جس نے تمام یورپ میں تہلکہ مچا دیا۔

کروم ویل مشکل سے کیمبرج میں ایک سال رہا ہوگا کہ یتیم ہوگیا۔ مجبور ہوکر اپنے تعلیم کو خدا حافظ کہا، کیونکہ اس کی موروثی جائداد کا انتظام کرنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ ہنگڈن واپس آیا اور بڑی محنت سے اپنی جائداد کا انتظام کرنا شروع کیا۔

کرم ویل کی شادی

ٹھیک جوانی کے وقت والد کا سایہ سر سے اٹھ جانا اکثر گھر کی بربادی کی وجہ ہوتی ہے۔ اور خوشحال طبقہ کے آزاد نوجوانوں کے لیے تو ماں باپ کی وفات گمراہی اورعیاشی کی ابتدا ہوتی ہے۔ کروم ویل بھی اسی طبقہ کا نوجوان تھا اور چونکہ اس کو اپنے اعلی کردار ہونے پر پورا بھروسہ نہ تھا۔ اس لیے اسے یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں بری واسنائیں اس کو سیدھے راستے سے دور نہ کردیں۔ اسے معلوم ہوگیا کہ ان خطروں کی بنیاد آزادی ہے۔ لہٰذا اس نے اپنی آزادی ہی پر ہاتھ صاف کرنے کا پکا ارادہ کیا۔ انگلستان میں عموماً مردوں کی شادیاں پچیسویں سال کے بعد ہوا کرتی تھیں مگر کروم ویل نے اپنے اکیسویں ہی سال میں یہ طوق اپنے گلے میں لا ڈالا۔ 22اگست 1620 کو اس کی شادی الیزابیتھ بور چیر سے ہوئی۔ جو بہت سمجھدار، ارادے کی پکی دکھاوے سے دور اور پیاری عورت تھی۔ اپنے جیتے جی اس نے کروم ویل کے ساتھ محبت قائم رکھی، یہاں تک کہ شادی ہونے کے پچیس سال بعد جب اگر میاں بیوی میں ایک طرح

کی مایوسی آ جایا کرتی ہے جو خط کروم ویل نے اپنی بیوی کو لکھا ہے وہ محبت کی امنگ میں لپٹے ہوئے الفاظ سے ایسا بھرا ہوا ہے کہ جیسے کسی نوجوان خاوند کی قلم سے نکلا ہو۔

کروم ویل اپنی بیوی کو لے کر ہنٹگڈن آیا اور زور شور سے اپنی کھیتی باڑی میں لگ گیا۔ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ ایک معمولی عام امن پسند کسان کے روزانہ حالات تفصیل کے ساتھ لکھے ہوئے مل سکتے ہوں یا ان میں قصوں کی سی دلچسپی اور عجیب انوکھی باتیں پائی جاتی ہوں۔ کروم ویل کی زندگی یہاں کچھ ایسی سادگی اور خموشی سے بسر ہوتی تھی کہ اس کے بہت کم حالات معلوم ہوتے ہیں۔ یہ البتہ معلوم ہے کہ اسے اپنے خاندان کے ساتھ سچی اور بے لوث محبت تھی اس کے خاندان کا ہر ایک ممبر (رکن) اس کی آنکھوں کو تارا تھا، اور اس کے بدلے میں کروم ویل بھی تمام کنبے کی محبت اور عزت کے مزے لیتا تھا۔ اس آپسی میل محبت اور بے لوث رہن سہن نے بے شک اس کی زندگی کو پیار کے لائق بنا دیا ہے۔ وہ عوام سے بڑی بے تکلفی اور سادگی سے پیش آتا تھا اور آس پاس کے تمام لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔ ہنٹگڈن میں وہ گیارہ سال رہا۔اس دوران وہ صرف ایک بار 1628 میں اپنے قصبے سے چناؤ جیت کر پارلیمنٹ میں شریک ہوا تھا۔ جب وہ معین وقت یعنی ایک سال کے بعد لوٹا تو پھر وہی سادھوؤں جیسی زندگی بسر کرنے لگا۔

1632 میں اس نے ہنٹگڈن کو بیچ دیا اور سینٹ آیولیس میں آ کر رہنے لگا۔ یہاں بھی اس نے کاشتکاری کا نقشہ جمایا۔ مگر شاید اس کی طبیعت یہاں سے اچاٹ ہوگئی کیوں کہ اس نے چار ہی سال بعد اس کھیتی کو بھی بیچ دیا اور اپنے ماموں کے گھر کو جو ایلائی نام کے قصبہ میں تھا، اپنا مسکن بنایا۔ اس قصبہ میں وہ امن چین سے 1642 تک رہا۔ کھیتی کرواتا تھا اور اس کی آمدنی سے اپنے بڑے خاندان کی پرورش کرتا تھا۔ کروم ویل کی فراخ دلی صرف اپنے خاندان تک ہی محدود نہ تھی وہ اکثر مصیبت کے مارے غریبوں کی تکلیف اور مصیبت میں شریک ہوتا تھا۔ جو کچھ وہ روز مرہ سے بچا سکتا تھا وہ مصیبت کے مارے لوگوں میں خرچ کرتا تھا۔ خدا نے اس کو ہمدرد اور نرم دل بنایا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ دن بھر میں دو بار اپنے کھیتوں کے تمام مزدوروں کو اپنے چاروں طرف جمع کرکے بائبل سے دعا پڑھتا تھا گو مذہب پرستی سے اس کو مالی نقصان پہنچتا تھا مگر وہ اپنے مذہب اور اس کے پرچار کے لیے جان و مال کو کچھ نہ سمجھتا تھا۔ کروم ویل پیورٹن دھرم کا ماننے والا تھا۔ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں سبھی میں

اچھی اور بری دونوں باتیں پائی جاتی تھی۔ پیورٹن بھی اس اصول سے الگ نہ تھے۔ ان کے مذہب میں نیک سیرت اور محبت آزادی ہمدردی،اور نفس کو روکنے کی تعلیم، سب کچھ تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ مذہبی کٹرتا اور مذہبی جنون اکثر ان کی اور سب خوبیوں کو دبا لیتے تھے۔ پیورٹنوں کو اگر لڑائی کے میدان میں دیکھیے تو مضبوط ارادے، حوصلہ اور بہادری کی زندہ تصویر پایئے گا اور اگر حکومت کے دربار میں دیکھیے تو سمجھداری دور اندیشی اور سچائی کا اعلیٰ نمونہ پایئے گا۔ مگر لڑائی کے میدان میں ان کا دل حد سے بڑھا ہوا ہے۔ مذہبی کٹرپن ہزاروں گھروں کو بے چراغ کردیتا ہے اور دربار حکومت میں پارلیمنٹ کے اقتدار اور قدیم حقوق پر سفاکانہ حملہ کرتا ہے۔

پیورٹین دھرم واضح طور پر سبھی دکھاوے کی چیزوں سے نفرت کرتا تھا۔ اس کا مندر اس کا کلیسا جو کچھ تھا بائبل تھی۔ کہا جاچکا ہے کہ جیمس کے دورِ حکومت میں اس مقدس کتاب کا ترجمہ عبرانی سے انگریزی زبان میں کیا گیا۔ اس کے مترجم اعلیٰ درجہ کے ذہین، پرماتما سے ڈرنے والے اور عالم لوگ تھے۔ کئی ہفتے تک برابر محنت کرنے کے بعد یہ ترجمہ پورا ہوا تھا۔ ایک ایسے وقت میں جب تجارت کی دن دونی رات چوگنی ترقی نے سب کا دھیان رو پیہ حاصل کرنے کی طرف کھینچ لیا تھا اور عیسائی دھرم وقت کے پھیر میں پڑ کر بناوٹی اور نمائشی رسموں کا ڈھیر ہوگیا تھا۔ اس کتاب کا شائع ہونا عوام کے لیے امرت کا کام کرگیا۔ ان کی مذہبیت روحانی محافظ بن گئی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ عبرانی زبان پر اتنا عبور ہونا کہ انجیل سمجھنے کی قابلیت ہوجائے عوام کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لیے کل آبادی کا بڑا حصہ خدا کی پرستش کرنے سے مجبور تھا۔ بیشک ویکلف ترجمہ موجود تھا، مگر انگریزی زبان کی تبدیلیوں نے اسے عوام کی سمجھ کے قابل نہ رکھا تھا۔ جس جوش سے اس مذہبی کتاب کا خیر مقدم کیا گیا وہ اس بات کا گواہ ہے کہ لوگ اس کی امید لگائے تھے اور اس کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ کتاب بہت جلد عوام میں مقبول ہوگئی اور انگریزی خیالات کو جتنا اس کتاب نے سدھارا اتنا شاید ہی کسی دوسری کتاب نے نہ کیا ہو۔ اس وقت نہ کہیں شعر و شاعری کا ذکر تھا اور نہ ہی شاعروں اور نثر نگاری کا زور تھا۔ اگر خوبصورت نثر تھی تو یہی بائبل، اور اگر شاعری تھی تو یہی بائبل۔ بیشک شیکسپیئر کی لاجواب تصانیف موجود تھی مگر اس وقت یہ عوام میں مقبول نہ تھیں۔ صرف تھیٹروں اور نمائش گاہوں میں ہی ان کا نام سنا جاتا تھا یا فیشنیبل شریفوں کے حلقوں میں۔ عوام تو عام

طور پر لکھنے پڑھنے سے محروم تھے۔ کروم ویل اس کتاب کا بہت بڑا عاشق تھا۔ اس نے اپنے دل، زبان اور عمل کو اسی کتاب کے سانچے میں ڈھالا تھا۔ اس کی زبان بھی بالکل بائبل کی زبان سے ملتی تھی۔

پیورٹسن دھرم کے لوگ بائبل پر اندھا اعتقاد رکھتے تھے۔ اس وقت تک ان بڑے لوگوں کا نام و نشان نہ تھا جنھوں نے انجیل کو دماغ اور عقل کی کسوٹی پر کسا ہو۔ ہر ایک پیورٹن کا پورا اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد انھیں خدا کی عدالت میں جانا پڑے گا اور وہاں اپنے کرموں کے لیے انعام ملے گا یا سزا بھگتنی پڑے گی۔ جب وہ کہتا تھا کہ ہے خدا میری مدد کر۔ تب وہ اپنے خدا کے تصور کو اپنی آنکھوں کے سامنے کھڑا پاتا تھا۔ جب اس کو کامیابی حاصل ہوتی تھی تو سمجھتا تھا کہ شیطان اس پر حاوی ہوگیا ہے۔ جتنے اچھے کام وہ کرتا تھا ان سب کی تحریک کا محرک خدا تھا، جتنے برے کام ہوتے تھے ان سب کا تحریک شیطان تھا۔ یہ ان کا اعتقاد تھا اور اس اعتقاد سے جتنی بھلائی یا برائی ہوسکتی تھی ان سبھوں کا عامل کروم ویل تھا۔ کیوں کہ وہ محض ایک پیورٹن نہ تھا بلکہ یورٹنوں کا بیورٹن تھا۔

الزابتھ سے کروم ویل کے جو بچے پیدا ہوئے، ان میں سے ایک تو بچپن میں ہی جاتا رہا، چار لڑکی اور چار لڑکیاں جوانی کی عمر تک پہنچے۔

کروم ویل کی زندگی کا سب سے بڑا اور یاد رکھنے کے قابل کارنامہ 1640 کی سول جنگ میں شریک ہونا تھا، اور صرف شریک ہونا ہی نہیں بلکہ اس کے نتیجوں کے حاصل کرنے میں دل و جان سے ڈوب جاتا تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس نے عوام کا ساتھ دیا، اور بادشاہ کی طاقت کے خلاف کمر باندھی۔ مگر اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسے ذاتی طور پر شاہی حکومت سے کوئی شکایت یا نفرت تھی یا یہ کہ وہ اتنا مضبوط اور اونچے خیالات کا سیاست داں تھا کہ جمہوریت کی بنیاد ڈالنا چاہتا تھا۔ اس کے برعکس وہ شاہی حکومت کا حمایتی تھا اور جب اتفاقات اور واقعات نے حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھوں میں دے دی تو جس حکومت پر اس نے زور دیا، وہ عملاً شاہی حکومت تھی۔ ہاں، اس نام کو چھوڑ دیا گیا تھا ۔ کچھ نقادوں نے لکھا ہے کہ جنگ کے زمانے میں اس نے عوام کے لیے تلوار اٹھائی تھی مگر جب اس نے حالات کو پلٹتے دیکھا تو صرف اپنا ہی خیال کر کے شاہی حکومت قائم کرنا چاہا۔ اس بات کا اندازہ کرنا کہ یہ بات کہاں تک سچ ہے ناممکن ہے۔ مگر یہ بات سورج کی طرح روشن ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا پاک اور بے

لوث انسان تھا اور اس نے عوامی فلاح کو اپنے اقتدار کی بیڑی پر نہ چڑھایا ہوگا۔

اس نے شاہی حکومت کی مخالفت کیوں کی اس کی وجہ ظاہر ہے۔ اس زمانے میں رعایا پر بیجا ظلموں کی بھرمار تھی۔ بادشاہ چاروں طرف ظلم ڈھا رہا تھا۔ لہٰذا ہر فرد خاص و عام چھوٹا بڑا، برا بھلا گورنمنٹ کی سختیوں اور ظلم سے دہائی مانگ رہا تھا۔ صرف انھیں لوگ کو چھوٹ تھی جن پر بادشاہ کی نظر عنایت تھی۔ کروم ویل کا وطن سے محبت اور ہمدردی ان ظلموں کو نہ دیکھ سکتی تھی۔ قوم کے ہر ہمدرد کی طبیعت کا وہی تقاضہ ہونا چاہیے جو کروم ویل کا تھا۔ جب وہ غور کرتا تھا کہ اس بدانتظامی کی اصل وجہ کیا ہے تو اس کو عام طور پر یہی جواب ملتا تھا کہ چارلس کی سلطنت اور اس کا علاج۔ اس کی سمجھ میں یہ تھا کہ یا تو ظلم وستم ایک سرے سے دور کردیے جائیں۔ یا چارلس کی حکومت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکی جائے۔ پہلی صورت ضرور زیادہ اچھی تھی مگر چارلس غضب کی من مانی کرنے والا انسان تھا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ اس کے پتھر دل پر کسی کے لبھانے کا کچھ بھی اثر پڑتا۔ لہٰذا مجبور ہوکر دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ جس طرح بُروٹس نے کہا تھا کہ مجھے قیصر سے ضرور محبت تھی، مگر روم کی محبت اس سے کئی گنا زیادہ تھی۔ اس طرح کروم ویل کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کو شاہی حکومت ضرور پسند تھی مگر عوام کی تکلیف اس کے دل پر ایک بھاری پتھر تھی۔

کارلائل کا کہنا ہے کہ یہ سول وار اصلیت میں نیکی اور بدی کی لڑائی تھی۔ اس زمانے میں عیسائی دھرم بگڑ کر ملحدانہ حدود تک پہنچ گیا تھا۔ پکے مذہبی بہت کم رہ گئے تھے، پیورٹن فرقہ اپنے اعتقاد پر قائم تھا اور کیوں کہ پیورٹنوں کے نزدیک جتنے برے کام ہوتے تھے ان سب کا محرک شیطان ہوا کرتا تھا۔ اس لیے ان کو انگلستان کی خستہ حالت دیکھ کر قدرتاً یہ خیال ہوگیا تھا کہ یہاں شیطانیت کا زور ہے، اور وہ شیطان کو پچھاڑنے کے لیے دل و جان سے لڑے۔ دنیا کی تاریخ ایسی شاندارلڑائیوں سے بھری پڑی ہے۔ فرنچ انقلاب تو ایک معمولی مثال ہے۔

جیمس کے بعد مارچ 1625 میں چارلس تخت نشین ہوا۔ اور مئی میں اس کی شادی ہنری چہارم کی لڑکی یعنی لوئی تیرھویں کی بہن ہنریٹا سے ہوئی۔ عوام نے اس کا خیر مقدم بڑے جوش کے ساتھ کیا۔ کئی دن تک خوشیاں منائی گئیں۔ کیوں کہ لوگ جیمس کی حکومت سے تنگ آگئے تھے۔ اور ان کو امید تھی کہ نیا بادشاہ ضرور ان کی گردن کا بوجھ ہلکا کرے گا۔ اگر ان کو واقعی ایسی امید تھی تو وہ پوری نہ ہوئی کیوں کہ یہ بادشاہ ڈیوائن رائٹ اور بغیر کان پونچھ

ہلائے حکم منوانے کے معاملے میں اپنے باپ سے بھی آگے بڑھا ہوا تھا۔ اپنے جیتے جی وہ برابر کوشش کرتا رہا کہ ساری حکومت بے روک ٹوک اسی کے ہاتھوں میں رہے۔ اس کی بیوی جو اس کی صلاح کار تھی اس کی آنکھوں کے سامنے فرانس کے بادشاہ کے اقتدار کا نقشہ کھینچتی تھی اور چارلس کو بھی بادشاہت کا وہی طریقہ اپنانے پر زور دیتی تھی۔

چارلس کا دوسرا صلاح کار ویلیرس ڈیوک آف بکنگھم تھا۔ اس آدمی سے چارلس کو بچپن سے ہی پیار تھا۔ چنانچہ اس وقت وہ اس کا جگری دوست بھی تھا اور صلاح کار بھی۔ مگر چارلس اور بکنگھم دونوں ضدی تھے، مغرور تھے۔ انتظامی امور میں دونوں کمزور تھے۔ خدا نے ایک کو بھی نظر کی گہرائی، دور اندیشی اور ارادے کی پائیداری نہیں دی تھی جو کسی ملک کے انتظام کرنے والوں میں خاص طور سے پائی جاتی ہے۔ ایک کو بھی آنکھوں کی وہ تیزی حاصل نہ تھی جو عوام کے خیالات کی حرکت کو ٹھیک دیکھ سکتی، پرکھ سکتی۔ جیمس نے بہت سے ظلم کیے مگر اس کے نظام میں رعایا کے دلوں میں بغاوت نہیں بھڑکی۔ کیوں کہ جب وہ چاروں طرف سے گھر جاتا تھا تو ہمیشہ بیچ کا راستہ اختیار کر کے اپنا کام نکال لیا کرتا تھا۔ مگر چارلس کی گرفت اونٹ کی گرفت سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ وہ جس بات پر اڑ جاتا تھا اسے چھوڑنا سیکھا ہی نہ تھا۔

چارلس نے گدی پر بیٹھنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد روپے کی ضرورت سے مجبور ہو کر پارلیمنٹ بلائی اور اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ پارلیمنٹ نے اس وقت تک مالی امداد دینے سے انکار کیا جب تک نظام کی تمام گڑبڑی دور نہ کر دیں جائیں۔ اگر خاموش فرمانبرداری اور دیوی حقوق چارلس کا قانون تھا، تو جب تک حالات میں سدھار نہیں ہوتا تب تک مالی امداد نہیں' رعایا کا۔ آخر مداخلت سے جسے وہ غیر ضروری سمجھتا تھا خفا ہو کر چارلس نے پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا اور تقریباً ایک سال تک پارلیمنٹ کی مدد کے بغیر بادشاہی کی۔ مگر مالی امداد کے بغیر حکومت کیسے ممکن ہوتی، مجبور ہو کر 1626 میں دوسری پارلیمنٹ بیٹھی۔ ان دونوں پارلیمنٹوں میں ایسے ایسے عقلمند اور حوصلہ والے ہمدرد موجود تھے جن کا نام آج تک جگمگاتے ہوئے تاروں کی طرح روشن ہے۔ قوم کے ہمدردوں کا ایک جھرمٹ تھا جس میں ایلیٹ، پم، سلڈن، کوک، ہمبرون سٹورٹ، جیسے مشہور لوگ موجود تھے۔ اور ایسا ہمت ور جھرمٹ دوبارہ انگلستان میں نہ دکھائی دیا۔ اس پارلیمنٹ نے جمع ہوتے ہی انتظامی امور پر حملے کرنے شروع کیے۔ عوام کے سامنے بکنگھم کی مذمت کی، اور جب تک کہ ان کے تکالیف کی سنوائی نہیں ہوتی، مالی امداد

دینے سے انکار کیا۔ آخر چارلس نے غصے میں آکر اس پارلیمنٹ کو بھی برخاست کیا۔ تقریباً دو سال تک چارلس نے کوئی پارلیمنٹ نہیں بلائی۔ مالی ضرورتوں کو غیر واجب اور غیر منصفانہ طریقہ سے پورا کرتا رہا۔ زبردستی قرض لیے جاتے تھے جن کے ادا کرنے کا وعدہ کیا جاتا تھا مگر جھوٹا وعدہ کون پورا کرتا ہے۔ عدالتوں میں جتنے مجرم آتے تھے ان کو قید بامشقت کی بجائے جرمانے کی سزا دی جاتی تھی۔ ٹیکس بہت سی چیزوں پر بڑھا دیا تھا۔ لگ بھگ تمام روز مرّہ کی ضرورتوں کا ٹھیکہ دے رکھا تھا اور یہ ٹھیکیدار ان چیزوں کو اناپ شناپ داموں پر دیتے تھے۔ کوئی پکا اور ٹکاؤ ڈھنگ تھا تو وہ پارلیمنٹ کی منظوری تھی۔ چارلس پارلیمنٹ بلانے سے پہلو بچاتا رہتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ پارلیمنٹ کا کام صرف یہ ہے کہ اپنے بادشاہ کی جان مال سے مدد کرے مگر حکومت کے معاملوں میں دخل اندازی نہ کرے۔ مشکل سے دو سال بیتنے پائے تھے کہ ایک زبردست مشکل آڑے آئی۔

فرانس کے پروٹسٹنٹ فرقہ کے پیروکار جو ہیوگنوں کہلاتے تھے، بسکے کی کھاڑی پر لاروشیل میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ رشلو نے جو بکنگھم کی طرح فرانس کے بادشاہ کا ناک کا بال بنا ہوا تھا۔ ایک زبردست فوج سے ان کو گھیر لیا۔ انگلستان نے دخل اندازی کی مگر کسی نے اس پر دھیان نہ دیا۔ آخر اس نے گھرے ہوئے لوگوں کا ساتھ دیا۔ اور بکنگھم ایک بڑی فوج لے کر لاروشیل کی طرف چلا مگر وہاں اسے زبردست ہار کھانی پڑی۔ جب بکنگھم اس طرح شکست کھا کر اپنے وطن کو واپس آیا تو یہاں اس کی بڑی ذلت ہوئی۔ رعایا نے شور مچانا شروع کیا کہ ان کے تمام مصیبتوں کی وجہ بکنگھم ہے۔ اور اس کی گردن اڑا دینی چاہیئے۔ آخر 17 مارچ 1682 کو چارلس کی تیسری پارلیمنٹ جمع ہوئی اسی پارلیمنٹ میں ہمارا کروم ویل بھی ہنٹگڈن کا نمائندہ ہوکر آیا۔

پہلا کام جو اس پارلیمنٹ نے کیا وہ یہ تھا کہ کئی جلسوں میں مذہبی، تجارتی، عدالتی معاملوں پر غور و خوض کیا اور بہت بحث مباحثہ اور زبانی لڑائی جھگڑے کے بعد ایک پٹیشن آف رائٹس تیار کیا گیا اور اس کی منظوری کے لیے چارلس پر زور ڈالا گیا۔ عہد نامہ یا معاہدہ انگریزی آزاد کی چھت کا دوسرا کھمبا ہے۔ اس میں چار شرطیں شامل تھیں۔

(۱) کوئی آدمی پارلیمنٹ کی مرضی کے بغیر کسی قسم کی مالی امداد دینے پر مجبور نہ کیا جائے۔

(۲) کوئی آدمی عدالت کے سامنے پیش نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی گرفتاری کی کافی

وجہ عوام کے سامنے پیش نہ کردی جائے۔

(۳) رعایا کی مرضی کے خلاف فوجوں کی تعداد نہ بڑھائی جائے

(۴) ملک میں امن کے وقت کسی کو فوجی قانون کے مطابق سزا نہ دی جائے۔

یہ دیکھنا آسان ہے اس پٹیشن آف رائٹس نے پارلیمنٹ کے حقوق کو بہت کردئے۔ حکومت کے حقوق کا بڑا حصہ اس کی طرف آیا، بادشاہ کی طاقت محدود ہوگئی۔ چارلس بہت اڑیل مزاج کا انسان تھا مگر اس وقت اس کو مجبوراً جھکنا پڑا۔ چنانچہ اس نے اس عہد نامہ کو منظور کیا تب پارلیمنٹ نے اس کو چار لاکھ پاؤنڈ دیے۔

وینٹورتھ اور لارڈ جنھوں نے شروع میں بڑی سرگرمی دکھلائی تھی اب پارلیمنٹ کی اونچی اڑانوں سے اتنا ڈرے کہ بادشاہ سے جاملے اور ایلیٹ کو پارلیمنٹ کا باعزت خاص رکن اعلان کیا گیا۔ حالانکہ کروم ویل نے ان معاملوں میں شرکت کی تھی مگر ظاہری طور پر وہ اب کوئی کام نہ کرتا تھا۔ اس پارلیمنٹ نے چارلس کو ایسا سبق سکھایا کہ اس کو پھر پارلیمنٹ بلانے کی ہمت نہ پڑی اور گیارہ سال تک وہ پارلیمنٹ کے بغیر حکومت کرتا رہا۔ جب روپے کی ضرورت محسوس ہوتی تو ناجائز طریقوں کو استعمال کرتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا کرنے سے وہ Petiton of Right کی شرطوں سے نافرمانی کرتا تھا مگر یہ تو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ وہ بڑا چالاک اور دھوکہ باز آدمی تھا۔ وعدہ کرنا جانتا تھا مگر اس کو پورا کرنا اس نے سیکھا ہی نہ تھا۔ اس نے چارلس کے کسی یار دوست سے پیشکش کی کہ 'شپ منی' یعنی جہازی ٹیکس (جو پرانے زمانے میں ساحل کے کنارے رہنے والوں سے لڑائی کے وقت وصول کیا جاتا تھا) پھر سے جاری کیا جائے۔ یہ روپیہ سمندری قوت کے بڑھانے اور ساحل کی حفاظت کے لیے خرچ کیا جاتا تھا۔ گو اس وقت نہ تو کوئی سمندری لڑائی تھی اور نہ ہی زمینی مگر چارلس نے یہ ٹیکس لگا ہی دیا۔ اور اس طرح اپنی فضول خرچیوں کے بھٹے کے لیے ایندھن جما کرتا رہا۔ کیوں کہ یہ ٹیکس سراسر ناجائز تھا۔ بہت لوگوں نے اسے دینے سے انکار کیا کروم ویل بھی اسی جماعت میں تھا۔ ویٹورتھ اور لارڈ جو چارلس کے طرفدار ہوگئے تھے بڑے سمجھ دار اور اچھی رائے دینے والے لوگ تھے۔ کہتے تھے کہ بیڑا ہرگز نہ پار لگے گا اگر وہ کفایت شعاری سے کام نہ لے گا۔ لہٰذا کفایت اور صلح گیارہ سال تک بادشاہ کا اصول رہا۔ مگر حالات کچھ ایسے ہوئے کہ اسے مجبوراً پارلیمنٹ دوبارہ بلانی پڑی۔ 1638 میں اسکاٹ لینڈ والوں نے گورنمنٹ

کی سختیوں اور بے جا خرچوں سے تنگ آ کر بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔ لہٰذا اس بغاوت کو کچلنے کے لیے روپے کی ضرور ہوئی اور پارلیمنٹ کی رضامندی کے بغیر کوئی ڈھنگ کی مدد ملنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ وینٹورتھ (جواب اول آف سینٹرز مشہور تھا) آیرلینڈ سے بلایا گیا اور چارلس کی چوتھی پارلیمنٹ جمع ہوئی۔ 13اپریل 1640 کو باقاعدہ طور پر اس کے اجلاس شروع ہوئے۔ کروم ویل بھی کیمبرج سے تیار ہوکر آیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پارلیمنٹ نے مالی امداد دینے سے کُلی انکار کیا اور چارلس نے اسے صرف تیئس (23) دن کے بعد برخاست کردیا۔

شاید بادشاہ کی قسمت میں لکھا ہوا تھا کہ وہ ایک پارلیمنٹ بلائے جو آخر میں اسی کی جان کی پھانسی ہوجائے۔ اسکاٹ لینڈ نے دوبارہ حملہ کیا۔ اور پارلیمنٹ پانچویں بار جمع ہوئی۔ کروم ویل بھی اس کے ممبروں میں تھا۔ پارلیمنٹ تیرہ (13) سال تک جاری رہی جب کہ کروم ویل ہی کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔

یہ پارلیمنٹ شروع ہی سے سدھار کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ لہٰذا ہر ایک ممبر نے اپنے اپنے صوبہ کی تکلیفوں کی ایک فہرست تیار کی اور وہ فہرست پارلیمنٹ میں پڑھی گئی۔ ان کا اثر یہ ہوا کہ پارلیمنٹ نے پچاس قابل آدمیوں کو تعینات کیا کہ وہ ہر ایک صوبہ میں جاکر اصل حالات کا جائزہ لیں، اور جو کچھ اپنی تحقیق سے حاصل کریں وہ پارلیمنٹ کے سامنے پیش کریں تاکہ انھیں کے مطابق سے سدھار کیے جائیں اس پیشکش نے سرکاری نوکروں کو حد سے زیادہ ڈرا دیا کیوں کہ سارے ملک میں ان کی زیادتیوں سے دہائی مچ رہی تھی۔

لانگ پارلیمنٹ

ہم یہ بیان کرچکے ہیں کہ اسکاٹ لینڈ نے بغاوت کی اور اس بغاوت کو دبانے کے لیے روپے کی ضرورت محسوس ہوئی اور چارلس کو مجبوراً پانچویں پارلیمنٹ بلانی پڑی۔ یہ پارلیمنٹ تمام انگریزی پارلیمنٹوں سے زیادہ مشہور ہے اور چونکہ وہ تیرہ سال جاری رہی اسے لانگ پارلیمنٹ کا نام ملا۔ اس نے بڑے بڑے کام کیے اور بادشاہی کا ورق پلٹ کر پارلیمنٹ کی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ یہ آج جو ہم انگریزی حکومت دیکھتے ہیں وہ قریب قریب اسی نمونے پر بنائی گئی ہے جو اسی پارلیمنٹ نے قائم کیا۔ گو کچھ ہیر پھیر کردیا گیا۔ اس پارلیمنٹ میں وہ نمائندے جمع ہوئے جو حکومت کا سدھار کرنے پر دل و جان سے تلے ہوئے تھے۔ کروم ویل

بھی اس جماعت میں تھا۔ ہر ایک ممبر اپنے ساتھ ایک ایسا کھریتا لایا جس میں اس صوبہ کے آدمیوں کی تکلیفیں درج کی تھیں۔ اور یہ کھریتے عام طور پر پڑھے گئے۔ وہ تمام ظلم جو شاہی ملازموں کے ہاتھ رعایا کو اٹھانے پڑتے تھے۔ وہ تمام قرض جو رعایا سے جبراً وصول کیے گئے تھے، وہ تمام ٹیکس جو رعایا پر لگائے گئے تھے۔ وہ تمام سزائیں جو شاہی عدالتوں کی بدولت رعایا کو سہنی پڑی تھیں۔ اور ہزاروں طرح طرح کی شکایتیں ان کھریتوں میں درج تھیں اور ان کے پرچار نے رعایا کے دلوں میں ایک بغاوت کا جوش پیدا کردیا۔ پارلیمنٹ نے اتنے ہی پر بس نہ کیا، پچاس لائق آدمی کی ایک کمیٹی تیار کی گئی جس کو یہ کام سپرد کی گیا کہ وہ ایک کے بعد دوسرے صوبہ کا دورہ کرکے پتہ لگائے کہ رعایا کے خیالات کیا ہیں اور سرکار کے ظلموں سے کس حد تک رعایا کو تکلیف پہنچتی ہے۔

یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جو کچھ زیادتیاں کی تھیں وہ سراسر اپنی ہی مرضی سے نہیں کی تھیں۔ کچھ تو ملکہ ہنریٹا کی صلاح اور اشارے سے ہوئی تھیں اور کچھ خودغرض خوشامدی درباریوں کی امداد سے۔ لہٰذا عوام ان لوگوں کے خون کی پیاسی ہو رہی تھی ، پارلیمنٹ موقع ڈھونڈ رہی تھی کہ کب قوم کے ان برا چاہنے والوں کو شکنجے میں دھر سکے۔ چونکہ ارل آف اسٹفرڈ چارلس کا خاص دوست اور صلاح کار تھا، پہلے اس کی گردن اڑانے کا فیصلہ کیا گیا۔ (ادھورا)

آوازۂ خلق بنارس

(1 مئی 1903 سے 24 مئی 1903 تک)

سودیشی تحریک

ہندوستان کے لگ بھگ سارے اخبارات و رسائل نے اس حب الوطنی تحریک کی حمایت کی ہے۔ اور جو پہلے تھوڑا ہچکچا رہے تھے ان کا بھی یقین پختہ ہوتا جاتا ہے۔ مگر ابھی بھی اکثر خیر خواہوں کی زبان سے سننے میں آتا ہے کہ وہ ان مشکلوں کا سامنا کرنے کے قابل نہیں ہیں جو تحریک کے راستے میں ضروری آئیں گی۔ مثلاً کپڑا جتنا ہندوستان میں بنتا ہے اس کا چوگنا ولایت سے آتا ہے۔ تب جاکر اس ملک کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ملک بغیر مسلسل اور جگر توڑ کوشش کے ودیشی کپڑا بالکل روک دے۔ ملیں جتنی درکار ہوں گی اس کی تخمینہ ایک صاحب نے چالیس کروڑ روپے بتلایا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کیونکہ ایک دوسرے پرچے میں یہ تخمینہ تیس ہی کروڑ کیا گیا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ ملک اتنی پونجی لگانے کے لیے تیار ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ پونجی مل جائے گی تو پھر سوال ہوتا ہے کیا کیا جائے گا۔ روئی یہاں اتنی پیدا ہوتی ہے، اس میں سے دو حصے تو جاپان لے لیتا ہے اور ایک حصہ ہندوستان کے ہاتھ لگتا ہے۔ ولایت یہاں کی روئی بہت کم خریدتا ہے۔ اگر مان لیجیے سب روئی جو اس وقت پیدا ہوتی ہے یہیں روک لی جائے تو بھی ہماری ضرورتیں زیادہ سے زیادہ آدھی پوری ہوں گی۔ یعنی 105 کروڑ گز کپڑوں کے لیے ہم پھر بھی ولایت کے محتاج رہیں گے۔ یہ امید کرنا کہ دو چار سال میں کسان روئی کی کھیتی کو بڑھا کر یہ مشکل بھی آسان کردیں گے۔ ایک حد تک خواب معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہاں کی روئی سے کپڑا نہیں بنا جاسکتا اور ہندوستان میں شریف لوگ زیادہ تر مہین کپڑے استعمال کرتے ہیں۔ ان کے پہناوے کے ڈھنگ میں ایک دم انقلاب پیدا کردینا بھی مشکل ہے۔ یہ چند باتیں ایسی ہیں جو ابھی کچھ عرصے تک ہمارے ارادوں میں اڑچنیں ڈالیں گی۔ مگر تصویر کا دوسرا پہلو زیادہ روشن ہے۔ مغربی ہندوستان میں زیادہ تر کپڑا وہی استعمال کیا جاتا ہے۔ ولایتی کپڑے کا خرچ بنگال اور ہمارے صوبہ میں سب سے زیادہ ہے۔ ہم مہین کپڑوں کے بہت زیادہ شوقین نہیں ہیں۔ ہاں بنگال والے کیا مرد کیا عورت ایسے کپڑوں پر جان دیتے ہیں۔ ان میں بھی خاص طور پر وہی

حضرات جو تعلیم یافتہ ہیں۔ مگر جب یہ طبقہ اپنے جوش میں ہر طرح کا بلیدان کرنے کے لیے تیار ہے تو کیا مہین کی جگہ موٹے کپڑے نہ پہنے گا۔ قاعدہ کی بات ہے کہ شہر کے چھوٹے لوگ بڑے لوگوں کے کپڑوں اور رہن سہن کی نقل کرتے ہیں۔ جب بنگال کے بڑے لوگ اپنا ڈھنگ بدل دیں گے تو ممکن نہیں کہ دوسرے لوگ بھی ویسا ہی کریں۔ ہمارے صوبہ میں تن زیب اور ململ کا استعمال کچھ دنوں سے اٹھتا جاتا ہے اور اس کے قدرداں یا تو کچھ پرانے زمانے کے شوقین مزاج بوڑھے ہیں یا بازاری بے فکری۔ ہاں شریفوں کی عورتیں ابھی انھیں پر جان دیتی ہیں مگر امید ہے کہ اپنے مردوں کے مقابلے میں بہت پچھڑی نہ رہیں گی۔ بالخصوص جب مردوں کی طرف سے اس کا تقاضہ ہوگا۔ اس طرح مہین کپڑے کا خرچ کم ہوجائے گا اور جب موٹا کپڑا استعمال میں آئے گا تو سال میں بجائے چار جوڑوں کے دو سے ہی کام چلے گا۔ اگر شہروں میں بدیشی چیزوں کا رواج کم ہونے لگے تو دیہاتوں میں آپ سے آپ کم ہوجائے گا۔ ہم اپنے صوبہ کے تجربے سے کہہ سکتے ہیں کہ یہاں دیہاتی اکثر جولاہوں کا بنا ہوا کپڑا استعمال کرتے ہیں اور جاڑے میں گاڑھے کی دوہری چادریں۔ ان کو ودیشی کپڑوں کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوگی۔

گو اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ دنوں سے وہاں جاجا کر بدیشی چیزوں کا روج بڑھانا شروع کر دیا ہے۔ یہ موقع ہے کہ تعلیم یافتہ اصحاب جن میں اکثر دیہاتی ہوتے ہیں جب اپنے مکان کو جائیں تو اپنے پڑوسیوں کو بھلا برا سمجھا کر سیدھے راستے پر لے آئیں اور جیسی ضرورت دیکھیں روئی کی کھیتی کو بڑھانے کے لیے کہیں۔

روئی کے بعد چینی یا شکر دوسری جنس ہے جو ہم پانچ کروڑ روپے سالانہ کی باہر سے منگاتے ہیں۔ یہ افسوس کی بات ہے۔ ہمارے ملک کے کارخانے ٹوٹتے جاتے ہیں مگر اس کا سبب صرف تعلیم یافتہ طبقہ ہے۔ دیہاتی بیچارے تو ولایتی شکر کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے اور اکثر لوگوں نے تو بازار کی مٹھائی کھانا چھوڑ دیا اور شکر ایسی چیز ہے جس کی پیداوار کو آسانی سے بڑھایا جاسکتا ہے۔ ذرا بھی مانگ زیادہ ہوجائے تو دیکھیے اوکھ کی کھیتی زیادہ ہونے لگتی ہے۔ کسان منھ کھولے بیٹھے ہیں۔ یہی تو ایک چیز ہے جس سے وہ اپنی زمین کا لگان ادا کرتے ہیں۔ کپڑوں کے روکنے میں چاہے کتنی ہی دقتیں ہوں مگر شکر کا بند ہونا تو ذرا بھی مشکل نہیں۔ ہم ان لوگوں پر ہنسا کرتے تھے جو ہم لوگوں کو ولایتی شکر کھاتے دیکھ کر منھ بناتے تھے۔ ہماری

نظروں میں وہ لوگ غیر مہذب معلوم ہوتے تھے۔ اب ہم کو تجربہ ہوتا ہے کہ وہ ٹھیک راستے پر تھے اور ہم غلطی پر۔ بدیشی چیزوں کا رواج مہذب لوگوں کا ڈالا ہوا ہے اور اگر سودیشی تحریک کو کامیابی ہوگی تو انھیں کے لیے ہوگی۔

''آوازۂ خلق'' 16 نومبر 1905

بنارس

بنارس جس کا دوسرا نام کاشی ہے، شمالی ہند کا وہ شہر ہے جو اپنی قدامت، عظمت اور تاریخی شکوہ کے اعتبار سے اپنی مثال نہیں رکھتا اور آج بھی اس کی پیچیدہ اور تنگ گلیوں میں، اس کے پختہ گھاٹوں پر، اس کی سر بفلک عمارتوں میں اور اس کے باشندوں کے وضع قطع طور و طریق میں وہ پرانی ہندو تہذیب جس کا روشن پہلو اس کا علمی اور مذہبی ذوق اور تجسس اور تاریک پہلو اُس کی تنگ نظری اور رسم پرستی ہے، جھلک رہا ہے۔ دہلی نے چولا بدلا، لکھنؤ کی کایا پلٹ ہوگئی، الہ آباد بھی تناسخ کے دور سے گزر رہا ہے، پٹنہ نے بھی داستانِ ماضی کو فراموش کردیا مگر کاشی آج بھی اپنی روایاتِ قدیمہ کو سینے میں چھپائے گنگا کی گود سے لپٹا ہوا ہے۔

کاشی دریائے گنگا کے کنارے پر ایک ہلال کی شکل میں آباد ہے۔ مغل سرائے سے جب ریل گاڑی دریائے گنگا کے پُل پر پہنچتی ہے تو کاشی کا دلفریب منظر سامنے آتا ہے۔ مادھو داس کے دھریرے کے سر بفلک مینار، مندروں کے سنہرے کلس اور دھجائیں، شاندار محلات، وسیع اور پختہ گھاٹ سب مل کر مناظر کے دل پر تقدس اور احترام کا جادو سا کردیتے ہیں۔ سامنے گنگا اپنا غیرفانی نغمہ سنا رہی ہے۔ چھوٹی چھوٹی کشتیاں، ڈونگے، بجرے، دریائی طیور کی طرح اس کی متلاطم گود میں خوش فعلیاں کررہے ہیں۔ ایک طرف ریت کی زرد گوٹ کے سبزہ زار کی وسیع چادر ہے اور دوسری طرف اونچے کراروں پر کاشی کے مندر اور مینار عالمانہ سکوت کی تصویر بنے کھڑے ہیں۔ اگر ہندو تہذیب کی جیتی جاگتی تصویر دیکھنی ہو یا اُس کی قدامت کی، اس کی وسعت کی، اس کے عمق کی، اس کی فطرت پرستی کی تصویر دیکھنی ہو تو کاشی میں دریا کے کنارے جاکے دیکھو، موت سے ہم دوش بوڑھے اور بادۂ شباب میں مخمور نوجوان، خاک آلود سادھو اور لباس فاخرہ میں ملبوس دنیا پرست، ضعف کے کندھے پر سوار بوڑھیاں اور حسن و جوانی کے آغوش میں کھیلتی ہوئی دیویاں، سب شانہ بشانہ گنگا کے گھاٹوں پر اشنان، دھیان میں محو نظر آئیں گے اور آپ کے دل پر ایک ایسا غیرفانی اثر چھوڑ جائیں گے جو

تا زیست قائم رہے گا۔

موجودہ شہر بہت قدیم نہیں کہا جاسکتا۔ قدیم کاشی تقریباً چار سو میل شمال کی جانب برنا ندی کے اس پار واقع تھی۔ وہاں اب سار ناتھ کا ایک موضع ہے اور بدھ زمانے کے دو یادگار ستون۔ ایک ستون خالص پتھر کا ہے جسے راجہ اشوک نے نصب کیا تھا۔ دوسرا اینٹ کا ہے۔ قرب و جوار میں کھدائی کرنے سے زمانۂ قدیم کی اور بھی کتنی ہی مورتیں برآمد ہوئی ہیں جو وہاں محفوظ ہیں۔ اسی جگہ ایک درخت کے سائے میں بدھ نے نروان کا پہلا اپدیش دیا تھا۔

بنارس کے دو حصے کیے جاسکتے ہیں۔ ایک وہ جو گنگا کے کنارے آباد ہے۔ دوسرا وہ جو اس کے عقب میں ہے۔ ایک پختہ سڑک گویا ان دونوں حصوں میں خط فاصل ہے گنگا کے کنارے اصلی کاشی ہے جس کی خصوصیات میں اونچے سنگین مکانات، قدم قدم پر مندر، تاریک پیچیدہ اور دشوار گزار گلیاں، گلیوں میں عابدانہ شکوہ سے ٹہلتے ہوئے سانڈ بڑی بڑی کوٹھیاں اور ایک کراہت خیز عفونت۔ دوسرے حصے میں کوئی خصوصیت نہیں وہ الہ آباد، کانپور یا آگرے کے کسی محلے سے مختلف نہیں۔

کاشی میں سب سے زیادہ قابلِ دید چیز وہاں کے پختہ گھاٹ ہیں۔ سب سے پرفضا وساہمیدہ گھاٹ ہے۔ روایت ہے کہ یہاں کسی زمانے میں دس اسومیدہ یگ کیے گئے تھے۔ منکرن کا گھاٹ اس لیے بہت مقدس سمجھا جاتا ہے کہ یہاں اشنان کرنے سے خاص طور پر ثواب ہوتا ہے۔ سندھیا گھاٹ، گائے گھاٹ، پنچ گنگا گھاٹ وغیرہ بھی مشہور ہیں۔ بعض بعض گھاٹ تو سطحِ آب سے اتنے اونچے ہیں کہ لبِ دریا سے اوپر تک جانے میں دم پھول جاتا ہے۔

کاشی کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ہندوستان کا شاید ہی کوئی ایسا ہندو فرمانروا ہو جس نے یہاں اپنی قیام گاہ نہ تعمیر کی ہو۔ جے پور، اودے پور، گوالیار، بڑودہ، بیکانیر، کشمیر، وجے نگر، سبھی فرمانرواؤں کے مکانات موجود ہیں۔ دہلی کو یہ امتیاز اُس کے دنیاوی اقتدار کے باعث ہے اور کاشی کو اس کے روحانی اقتدار کے باعث۔ یہی نہیں ہندو قوم کا ہر ایک فرد خواہ وہ بنگالی ہو یا نیپالی، پنجابی ہو یا مرہٹی، دکھنی ہو یا بہاری، اپنی تہذیب اور معاشرت کی خصوصیات کے ساتھ علاحدہ علاحدہ محلوں میں آباد ہے۔ گویا ہندو دارالخلافت میں اُس کی باج

گزار ریاستوں نے سفارت خانے قائم کردیے ہیں۔

کاشی میں کئی عمارتیں اور مندر قابلِ دید ہیں۔ مادھو داس کا دھریرہ جو دراصل اورنگ زیب کی تعمیر کردہ ایک مسجد ہے گویا گردن اٹھائے سارے شہر کا جائزہ لے رہا ہے۔ اس کے دونوں میناروں کی اونچائی فرشِ مسجد سے 147 فٹ ہے۔ حالانکہ اسے تعمیر ہوئے ڈیڑھ سو سال سے زائد ہوئے مگر ابھی عمارت میں کسی قسم کا ضعف نظر نہیں آتا۔ وشوناتھ کا مندر کاشی کی خاصی پرستش گاہ ہے۔ وشوناتھ کاشی کے روحانی راجا اور بھیروناتھ کوتوال ہیں۔ وشوناتھ مندر کے گنبد پر سونے کا خول چڑھا ہوا ہے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فیاضی کی یادگار ہے۔ درگا کلندر، ان پورنا کا مندر، گیانی باپی وغیرہ یہاں کے مقدس مقامات ہیں۔ وشوناتھ کے مندر سے ملحق ایک مسجد ہے۔ وشوناتھ کا پرانا مندر پہلے یہیں تھا۔

کاشی نے بُدھ مذہب کا نشان تو مٹا دیا مگر اس کی یادگاریں اب تک قائم ہیں۔ سارناتھ کا ذکر ہم کرچکے ہیں۔ راج گھاٹ کے قلعے میں ایک بدھ وہار اب تک موجود ہے جو نقاشی اور سنگ تراشی کے اعتبار سے کاشی میں بہترین تعمیر کہی جاسکتی ہے۔ بعض ستونوں کی نقاشی تو سانچی کے ستونوں سے لگا کھاتی ہے۔

مان مندر بھی کاشی کی ایک قابل یادگار چیز ہے۔ یہ اس راجہ کے علم و کمال کی یادگار ہے جس نے فرائضِ فرمانروائی کے ساتھ آستانۂ علم کی جبہ سائی بھی کی۔ اس راجہ کا نام جے سنگھ تھا۔ شہنشاہ دہلی کے ایما سے اس نے تقویم کی اصلاح کی تکمیل کی اور دہلی، متھرا، اجّین، جے پور اور کاشی میں رصدگاہیں قائم کیں۔

جدید تعمیرات میں کوئنس کالج، پرنس آف ویلز کالج، شفاخانہ اور ٹاؤن ہال ہے۔ کوئنس کالج اس صوبے کا سب سے پرانا ادارہ ہے جو انگریزی عہد میں قائم ہوا۔ پہلے اس کا نام سنسکرت کالج تھا بعد ازاں کوئنس کالج رکھا گیا۔ اس کالج نے سنسکرت علوم کے نشوونما میں نمایاں حصہ لیا۔ اس کے کتب خانے میں صدہا نادر و نایاب سنسکرت قلمی نسخے محفوظ ہیں۔

کاشی کسی زمانے میں بہت دولت مند شہر تھا مگر اب ملک کے روزافزوں افلاس اور عوام مذاق تبدیل ہوجانے کے باعث یہاں کی تجارت مٹتی چلی جاتی ہے۔ یہاں کمخواب اور زربفت کے تھان بہت اچھے بنتے ہیں۔ فرانسیسی ریشمی مصنوعات نے یہاں کی تجارت کو بہت نقصان

پہنچایا ہے۔ اور ٹین اور ربر کے کھلونے جو غیر ممالک سے آتے ہیں اب زیادہ مقبول ہوتے جاتے ہیں۔ شہر سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر ہندو یونیورسٹی ہے۔ دس سال قبل یہاں ہرے ہرے کھیت لہراتے تھے۔ اب ہندو یونیورسٹی کی شاندار عمارتیں ہیں۔ اس یونیورسٹی میں قریب قریب ڈھائی ہزار طلبا تعلیم پاتے ہیں۔ ادبیات اور نظریات کے علاوہ انجینیئرنگ کا ایک اول درجہ کا کالج ہے۔ آیورویدک، فنِ علاج کے احیا کے لیے ایک آیورویدک کالج بھی کھول دیا گیا ہے اور لڑکیوں کے لیے بھی ایک کالج کی تعمیر ہوگئی ہے۔ کئی بڑے بڑے بورڈنگ ہاؤس ہیں جو تعلیم گاہ ہندوؤں کے نام سے موسوم ہو اس کے لیے کاشی سے زیادہ موزوں مقام نہیں ہوسکتا کیونکہ کاشی ہندو تہذیب اور علمی روایات کا مرکز ہے۔ سنسکرت کے کئی قدیم طرز کے پاٹ شالے بھی شہر میں ہیں۔

کاشی میں یوں تو بارہوں ماس جاتریوں کا آنا جانا ہوتا رہتا ہے مگر سورج یا چندر گرہن کے موقعوں پر یہاں اطراف و اکناف سے لاکھوں کی تعداد میں زائرین جمع ہوجاتے ہیں۔ کتنے ہی لوگ تو سب کچھ ترک کرکے کاشی میں اپنی زندگی کے باقی ایام کاٹنے کے لیے چلے آتے ہیں۔ اس لیے یہاں ہمیشہ چہل پہل رہتی ہے۔

کاشی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ چاہے جس طرف سے شہر میں جایئے، آپ کو باغیچوں کے سلسلے نظر آئیں گے۔ اُن کی چہاردیواری پختہ اور بہت اونچی ہوتی ہے اور اس چہار دیواری کے ایک حصے کو اونچا کرکے شاہراہ کے مقابل اُس پر مکانات تعمیر کردیے جاتے ہیں۔ انگریزی طرز کے بنگلوں کی طرح وسط میں مکانات نہیں ہوتے۔ یہاں شام کو روٗسا تفریح کے لیے اپنے اپنے باغیچوں میں آتے ہیں اور گھنٹے دو گھنٹے قیام کرکے واپس جاتے ہیں۔ یہ خصوصیت کاشی کے سوا شمالی ہند کے اور کسی شہر میں نظر نہیں آتی۔ مگر عام سیرگاہیں کاشی میں بہت کم ہیں۔ ابھی تک یہاں شہر کی توسیع کی کوشش نہیں کی گئی کیونکہ جہاں توسیع کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہاں آبادی اتنی گنجان ہے اور عمارتیں ایسی پختہ کہ وہاں گلیوں کو چوڑا کرنے یا سیرگاہیں قائم کرنے کی کوشش قبولیت کی نگاہ سے نہ دیکھی جائے گی۔

کاشی کی علمی اور ادبی زندگی کے ضمن میں ناگری پرچارنی سبھا کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ یہ ادارہ ہندی زبان اور ناگری رسم خط کی ترویج اور اشاعت کے لیے بیس پچیس سال قبل قائم

کیا گیا تھا۔ مسلسل سعی اور تنظیم کی بدولت اب وہ صوبے کا ہندی مرکز بن گیا ہے۔ اس کی ایک نج کی شاندار عمارت ہے۔ اس کا سب سے نمایاں کام وہ مبسوط اور جامع لغت ہے جو ابھی حال میں مکمل ہوا ہے اور جس کا نام ''سبدساگر'' ہے۔ اس کے علاوہ اس نے ہزارہا قلمی اور نایاب نسخوں کی تلاش کی ہے۔ اس کا ایک سہ ماہی رسالہ بھی شائع ہوتا ہے۔

(سہ ماہی 'روشن' بدایوں۔ جنوری تا مارچ 1984،
ج 71، شمارہ 1)

نوٹ : یہ مضمون پہلی بار ایک درسی کتاب نیرنگ ادب میں شائع ہوا تھا۔ پھر سہ ماہی 'روشن'، بدایوں (فروری 1943) میں شائع ہوا۔ اس مضمون کے لیے میں شمس بدایونی کا شکرگزار ہوں۔

اهنكار

بھومیکا

یورپ میں فرانس کا سرس ساہتیہ سرؤتم ہے۔ فرنچ ساہتیہ میں اناتول فرانس کا نام اگر سرؤچّہ نہیں تو کسی سے کم بھی نہیں، اور تھالیس انھیں مہودے کی ایک ادبھت رچنا ہے۔ ہاں، ایسی وِلکشن ساہتِک رِکرتی کو یہاں ایسا انوپم ساولیش ہوگیا ہے کہ ایک انگریز سمالوچک کے شبدوں میں وہ ''ساہتِک انگ وِنیاس'' کا آدرش ہے۔ کتھا بہت پرانی ہے عیسیٰ کی دوسری شتابدی کی۔ گھٹنا اتہاسک ہے۔ پراچین سمے کے ناموں سے کوئی پستک اتہاسک نہیں ہوتی۔ پرانے شِلا لیکھ اور تامرپتر بھی اتہاس نہیں ہیں۔ اتہاس ہے کسی سمے کی بھاشا اور وچار کو ویکت کرنا اور اس وشے میں اناتول فرانس نے کمال کر دکھایا ہے۔ وہ 1800 ورش پہلے کی دنیا کی آپ کو سیر کرادیتا ہے۔ پستک کے پاتر پراچین وستروں میں ورتمان کال کے منُشیہ نہیں ہیں بلکہ اسی زمانے کے لوگ ہیں، ان کی بھاشا شیلی وہی ہے، وچار بھی اتنے ہی پراچین۔ اس سمے کی عیسائی دنیا کا آپ کو اتنا اسپشٹ اور سجیو گیان ہوجاتا ہے جتنا سینکڑوں اتیہاسوں کے پڑھنے بھی الٹنے سے نہ ہوسکتا۔ عیسائی دھرم اپنی پرارمبھک دشا کی کٹھنائیوں میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے انویائی ادھیکانش دین دربل پرانی تھے، جنھیں امیروں کے ہاتھوں نتیہ کشٹ پہنچا کرتا تھا۔ اُچّے شرینی کے لوگ بھوگ ولاس میں ڈوبے ہوئے تھے۔ دارشنِکتا کی پردھانتا تھی بھانتی بھانتی کے وادوں کا زور شور تھا۔ کوئی پرکرتی وادی تھا، کوئی سکھ وادی، کوئی دکھ وادی، کوئی ویراگ وادی، کوئی شنکا وادی، کوئی مایا وادی۔ عیسائی مت کو وِدّوان تتھا شکچھت سمودائے تچّھ سمجھتا تھا۔ عیسائی لوگ بھی بھوت پریت، ٹونا، نظر کے قائل تھے۔ آپ کو سبھی وادوں کے ماننے والے ملیں گے جن کا ایک ایک واکیہ آپ کو مگدھ کردے گا۔ ڈما کلیز، نسیاس، کوٹا، ہرموڈورس، جینا تھیمیز، یوکرامیٹر، یتھارتھ میں بھنّ بھنّ وادوں کے ہی نام ہیں۔ عیسائی مت سویم کئی سمپر دایوں میں وِبھگت ہوگیا ہے۔ ان کے سدھانتوں میں بھید ہے، ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ لیکھک کی کلا چاتری اس میں ہے کہ ایک ہی ملاقات میں آپ اس کے چرتروں سے سدا کے لیے پریچت ہوجاتے ہیں۔ پالم کی تصویر کبھی آپ کے چت سے نہ نہیں اترے گی۔ کتنا سرل

پرسن مکھ دیالو پرانی ہے، اسے آپ اپنے باغیچے میں پیڑوں کو سینچتے ہوئے پائیں گے۔ اہنسا کا ایسا بھگت کہ اپنے کندھوں پر بیٹھے ہوئے پنچھیوں کو بھی نہیں اڑاتا۔ سنبھل سنبھل کر چلتا ہے کہ کہیں اس کے سر پر بیٹھا ہوا کبوتر چونک کر اڑ نہ جائے۔ تیماکلیز کو دیکھیے شنکا واد کی سجیو مورتی ہے۔ پر اتنے وادوں کے ہوتے ہوئے بھی تاتوکتا میں ہوتے ہوئے بھی عیسائی مت سے کہیں بڑھے ہوئے تھے۔ عیسائی دھرم کو جو اتنی سپھلتا پراپت ہوئی، اس کا ہیتو وہ ولاساندھتا تھی جس کی ایک جھلک آپ ''بھوج'' کے پرکرن میں پائیں گے۔ واستو میں یہ بھوج ساہتیہ سنسار میں ایک انوٹھی وستو ہے۔ دیکھیے، وِدوانوں اور دارشنکوں کے آچرن کتنے بھرشٹ ہیں، یہاں تک کہ ساری سبھا نشے میں مست ہوجاتی ہے، لوگ ویشیاؤں سے گلے مل کر سونے میں لیش ماتر بھی سنکوچ نہیں کرتے۔ اسی بھرشٹاچرن نے عیسائی مت کا بول بالا کیا۔ تھیوڈور ایک حبشی غلام ہے، لیکن اس کا چرتر کتنا اتول ہے۔ سنت اینٹونی کا چرتر ہمارے یہاں کے رشیوں سے ملتا ہے۔ کتنا شانت، کتنا سومیہ روپ ہے۔ عیسائیوں کی یہی دھرم پرائنتا اور سچرترتا تھی جو اس کی وجے کا مکھیہ کارن ہوئی۔

اس سمے کے کھان پان، رہن سہن، آچار ویوہار کا بھی پستک میں بہت ہی مارمک اُلیکھ کیا گیا ہے۔ پاپ ناشی نے جس ستمبھ کے شِکھر پر تپ کیا تھا اس کے نیچے جو نگر بس گیا تھا اور وہاں جو اتسو ہوتے تھے، ان کا ورنانت اس کال کا یتھارت چتر ہے: دیش دیش کے یاتریوں کے بھنّ بھنّ وستروں کو دیکھیے۔ کہیں مداری کا تماشا ہے، کہیں سپیرا سانپ کو نچا رہا ہے، کہیں کوئی مہیلا گدھے پر سوار میلے میں سے نکل جاتی ہے، پھیری والے چلّا رہے ہیں، فقیر گا گاکر بھیک مانگ رہے ہیں۔ سوچیے یہ وِشد چتر کھینچنے کے لیے لیکھک کو اس سمے کا کتنا گیان پراپت کرنا پڑا ہوگا۔

یہ تو پُستک کے اتہاسک مہتو کی چرچا ہوئی۔ اب مکھیہ کتھا پر آیئے۔ ایک سنت کے آہنکار اور اس کے پتن کی ایسی مارمک میمانسا سنسار کے ساہتیہ میں نہ ملے گی۔ لیکھک نے یہاں اپنی ولکشن کلپنا شکتی کا پریچے دیا ہے۔ ورتمان کال کے ایک کروڑپتی یا کسی ویشیا کے منوبھاؤں کی کلپنا کرنا بہت کٹھن نہیں ہے۔ ہم اسے نتیہ دیکھتے ہیں۔ اس سے ملتے جلتے ہیں۔ اس کی باتیں سنتے ہیں۔ لیکن ایک تپسوی کے ہردے میں بیٹھ جانا اور اس کے سنچت بھاؤں اور آکانکشھاؤں کو کھوج نکالنا کسی آتمگیانی ہی کا کام ہے۔ پاپ ناشی کے پتن کا کارن اس

کی واسنا لپسا نہ تھی۔ اس کا آہنکار تھا۔ یہ آہنکار کتنے گپت بھاو سے اس پر اپنا آسن جماتا ہے کہ ایسا پرتیت ہوتا ہے یوگی کے پتن میں دَیوی اِچھا کا بھی بھاگ تھا۔ پاپ ناشی تیاگ کی مورتی ہے۔ اتینت سنیمی، واسناؤں کو دمن کرنے والا، ایشور میں رَت رہنے والا۔ پر اس کے ساتھ ہی دھارمک سنکیرنتا اور متھیاندھتا بھی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جو اس کے مت کو نہیں مانتا، وہ ملیچھ ہے، نارکیہ ہے، اوہیلنیہ ہے، اسپرشیہ ہے۔ اس میں سہیشونتا چھو تک نہیں گئی ہے۔ دیکھیے وہ ملیما کلیز، نسیاس کا کتنے اتیجنا پورن شبدوں میں ترسکار کرتا ہے۔ دھرماندھتا نے اس کی وچار شکتی سمپورنت اپہرت کر لی ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ بنا کسی بدلے یا پھل کی آشا کے کوئی کیوں کر نروِرتی مارگ گرہن کر سکتا ہے۔ وہ تھالیس کا اڈّھار کرنے چلتا ہے۔ یہیں سے اس کے آہنکار کا ابھینے آرمبھ ہوتا ہے۔ ہمارے دھرم گرنتھوں میں بھی رشیوں کے گرو پتن کی کتھائیں ملتی ہیں، پر ان کا آرمبھ رشی کی واسنالپسا سے ہوتا ہے۔ رشی کو اپنی تپسیا کا گرَو ہو جاتا ہے۔ وشنو بھگوان اس کا گرَو مردن کرنے کے لیے اسے مایا میں پھنسا دیتے ہیں، رشی کا ہوش ٹھکانے آجاتا ہے۔ وہ آہنکار اڈّھار کے بھاو سے اُتپن ہوتا ہے۔ ادھار کیوں ؟ کسی کو آدھار کرنے کا دعویٰ کرنا ہی گرَو ہے۔ ہم ادھِک سے ادھِک سیوا کر سکتے ہیں، اڈّھار کیسا۔ پاپ ناشی کو پالم اس کام سے روکتا ہے۔ پر اس کی بات پاپ ناشی کے من میں نہیں بیٹھتی۔ وہاں سے لوٹتی بار پکھشیوں کے درشیہ دوارا پھر اسے چیتاونی ملتی ہے، پر وہ اس پر دھیان نہیں دیتا۔ وہ یاترا پر چل کھڑا ہوتا ہے، اِسکندریا پہنچتا ہے، جو ان دنوں یونان اور اَتھیس کے بعد وِدّیا اور وچار کا کیندر تھا۔ نِسیاس سے اس کی بھینٹ ہوتی ہے، تب تھالیس سے اس کا ساکشھات ہوتا ہے۔ سبھی سے اس کا ویوھار دھارمکتا کے گرو میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ تھالیس پہلے تو اس سے بھیے بھیت ہوتی ہے۔ پھر اس کے اپدیشوں سے دھارمک بھاو کا پُنیہ سنسکار ہوتا ہے۔ ''اننت جیون'' کی آشا اسے پاپ ناشی کے ساتھ چلنے پر پرستت کردیتی ہے، پاپ ناشی اسے استریوں کے آشرم میں پروشٹھ کر کے پھر اپنے استھان کو لوٹ جاتا ہے پر اس کے چت کی شانتی لُپت ہوگئی ہے۔ واسنا کی آگیات پیڑا اس کے ہردے کو ویتھِت کرتی رہتی ہے۔ اس کا آتم وشواس اٹھ گیا ہے، اس کی وِویک بُدّھی مند ہو گئی۔ اسے دُوہ سوپن دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اس مانسک آشانتی سے بچنے کے لیے ایکانت نواس کرنے کی ٹھانتا ہے اور جا کر ایک ستمبھ پر آسن جماتا ہے۔ وہاں سے بھی دوہ سوپن کے

کارن وہ ایک قبر میں آشریہ لیتا ہے۔ وہیں اس کی جوزیمس سے بھینٹ ہوتی ہے۔ اور وہ سنت اینٹونی کے درشنوں کو چلتا ہے۔ اسی استھان پر اسے تھالیس کے مرن آسن ہونے کی خبر ہوتی ہے وہ بھاگا بھاگا استریوں کے آشرم میں پہنچتا ہے۔ اس کے مانسک کشٹ کا ورنن کرنے میں لیکھک نے اَدوِتیہ پرتبھا دکھائی ہے۔ اتنی آویش پورن بھاشا کدا چت ہی کسی نے لکھی ہو۔ کیسا آگادھ پریم ہے، جس کی تھاہ وہ اب تک سویم نہ پا سکا تھا۔ اس کا جیون سنچت، ایشور وشواس غائب ہو جاتا ہے۔ وہ ایشور کو اَپ شبد کہتا ہوا، سنسارک بھوگ ولاس کو سورگ اور دھرم کے سکھوں سے کہیں اتّم، وانچھنیہ بتلاتا ہوا ہم سے سدیو کے لیے ودا ہوجاتا ہے۔ وہ آہنکار کی سجیو مورتی ہے۔ یہ درب ھاگیہ ایک چھن کے لیے بھی اس کا گلا نہیں چھوڑتا۔ نسیاس ودھری ہے لیکن ولاس پریتا کے ساتھ وہ کتنا سہ ہردے، کتنا سہیشنو کتنا شانت پرا کرتی ہے۔ اس کی ونے پورن باتوں کا اتر جب پاپ ناشی دیتا ہے تو اس کی سنکیرژنتا پرکاشٹھا کو پہنچ جاتی ہیں۔ وہ آہنکار اس سے بھی اس کی گردن پر سوار رہتا ہے۔ جب وہ تھالیس کے پاس نگر سے پرستھان کرتا ہے، تب کہتا ہے، 'استری، تو جانتی ہے کہ تیرے پاپوں کا کتنا بوجھ ہے'؟ یہاں تک کہ جب مورکھ پال سنت اینٹونی کے پرشنوں کے اتر میں سورگ شیّا دیکھنے کی بات کہتا ہے تو پاپ ناشی اُچھل پڑتا ہے کہ کدا چت وہ شیّا میرے ہی لیے بچھائی گئی ہے، حالانکہ اس سمے تک اسے اپنے آتم پتن کا یتھارتھ گیان ہو جانا چاہیے تھا۔

لیکن پاپ ناشی کا چرتر جتنا ہی مارمک ہے۔ اتنا ہی آرسک ہے۔ اس کی دھارمک وتنڈاؤں کو سنتے سنتے جی اوب جاتا ہے اور اس کے پرتی من میں گھرنا اتپنیہ ہوجاتی ہے۔ اس کے پرتی کُل تھالیس کا چرتر جتنا ہی مارمک ہے اتنا ہی منوہر ہے۔ فرانس کے اپنیاس کاروں میں استری چرتر کی میمانسا کرنے کا وشیش گن ہیں۔ اناتول فرانس نے تھالیس کے چترن میں استری منوبھاؤ کا جیسا شوکشھم پریچے دیا ہے وہ ساہتیہ میں ایک درلبھ وستو ہے۔ وہ سادھارن آستھتی کے ماتا پتا کی کنیا ہے۔ پر ماتر اسنیہ سے ونچت ہے۔ اس کی ماتا بڑی غصّے ور، پیسوں پر جان دینے والی استری ہے۔ تھالیس کا من بہلانے والا اس سے پریم کرنے والا حبشی غلام ہے۔جس کا نام احمد ہے اور جو گپت ریتی سے عیسائی دھرم کا انویائی ہے۔ احمد تھالیس کے بالیکا ہردے میں ہی عیسائی دھرم کے پرتی شردھا اتپنیہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا بپتسما بھی کرادیتا ہے۔ احمد اس کے کچھ دنوں بعد جب تھالیس گیارہ ورش کی تھی، مار

ڈالا گیا، اور اب تھالیس کی رکھشا کرنے والا کوئی نہ رہا۔ وہ اُچّے کوٹی کی استریوں کو دیکھتی تو اس کی بھی یہی اِچھا ہوتی کہ میری سواری بھی اسی ٹھاٹ باٹ سے نکلتی۔ انت میں ایک کٹنی اسے بہکا لے جاتی ہے اور تھالیس کا جیون مارگ نشچت ہو جاتا ہے۔ امیروں کی سبھاؤں میں ناچنا گانا، نقلیں کرنا اس کا کام ہے۔اس کی پرکھر بدھی تھوڑے ہی دنوں میں اس کلا میں پروین ہو جاتی ہے۔ تب وہ جنم بھومی اسکندریہ میں چلی آتی ہے۔ پر یہاں آنے کے پہلے ایک پُرش کی پریمِکا رہ چکی ہے اور اسی وشدھ پریم کا پھر بھوگنے کی لالسا اسے وِکل کرتی رہتی ہے۔

اسکندریہ میں پہلے تو اسے ابھینے کرنے میں سپھلتا نہیں ہوتی، پر تھوڑے ہی دنوں میں وہ وہاں کی ناٹیہ شالاؤں کا سنگار بن جاتی ہے۔ پریمیوں کی آمدورفت شروع ہوتی ہیں۔ کنچن کی ورشا ہونے لگتی ہے۔ کنتو تھالیس کو ان پریمیوں کے ساتھ اس مولک ادھ بھُت پریم کا آنند نہیں پراپت ہوتا جس کے لیے اس کا ہردے تڑپتا رہتا تھا۔ وہ سادھارن استریوں کی بھانتی دھارمک پرورتی کی استری تھی۔ اس میں بھکتی تھی، شردھا تھی، بھے تھا۔ وہ ''اگیات'' کو جاننے کے لیے ادگن رہتی تھی۔ اسے بھوشیہ کا سدا بھے لگا رہتا تھا۔ اس کے پریمیوں میں سکھ وادی نسیاس بھی تھا، لیکن اس کا من نسیاس سے نہ ملتا تھا۔ وہ کہتی ہے۔ مجھے تم جیسے پرانیوں سے گھرنا ہے۔ جن کو کسی بات کی آشا نہیں، کسی بات کا بھے نہیں۔ میں گیان کی اِچھک ہوں، سچے گیان کی اِچھک ہوں۔

اسی ''گیان' کو پراپت کرنے کے ادشیہ سے وہ دارشنکوں کے گرنتھوں کا ادھین کرتی، کنتو جِتلتا اور بھی جٹِل ہوتی جاتی تھی۔ ایک دن وہ رات کو بھرمن کرتے ہوئے ایک گرجا گھر میں جا پہنچتی ہے۔ وہاں اسے یہ دیکھ کر آشچر یہ ہوتا ہے کہ اس کے غلام ''احمد'' کی جس کا عیسائی نام تھیوڈور تھا۔ جینتی منائی جارہی ہے۔ تھالیس بھی سر جھکا کر بڑے دین بھاؤ سے تھیوڈور کی قبر کو چومتی ہے۔ اس کے من میں یہ پرشن ہوتا ہے۔ وہ کون سی وستو ہے جس نے تھیوڈور کو پوجیہ بنا دیا ؟وہ گھر لوٹ کر آتی ہیں تو نشچے کرتی ہے کہ میں تھیوڈور کی بھانتی تیاگی اور دین بنوں گی وہ نسیاس سے کہتی ہے۔ 'مجھے ان سب پرانیوں سے گھرنا ہے جو سکھی ہیں، جو دھنی ہو۔

ایک ولاس بھوگنی استری کے مکھ سے یہ وچن اسنگت سے جان پڑتے ہیں۔ کنتو جو

بڑے بڑے شرابی ہیں، وہ شراب کے بڑے سے بڑے نندک دیکھے جاتے ہیں۔ منشیہ کے ویوہار اور وچاروں میں اسادرشیہ منوبھاؤں کا ایک سادھارن رہسیہ ہے۔ تھالیس کو آتم ولاس میں بھی شانتی نہیں۔ اپنی ساری سمپتی کو اگنی کی بھینٹ کرنے کے بعد جب پاپ ناشی کے ساتھ چلتی ہے، اس سمے وہ نسیاس سے کہتی ہے۔ ''نسیاس میں تم جیسے پرانیوں کے ساتھ رہتے رہتے تنگ آ گئی ہوں۔ میں ان سب باتوں سے اُکتا گئی ہوں جو مجھے گیات ہیں؛ اور اب میں اگیات کی کھوج میں جاتی ہوں۔

تھالیس یہاں سے مرو بھومی کے ایک مہیلا آشرم میں پروشٹ ہوتی ہے اور وہاں آدرش جیون کا انوسرن کر کے وہ تھوڑے ہی دنوں میں ''ست'' پد کو پراپت کر لیتی ہے۔ تھالیس ولاسی ہونے پر بھی سرل پرکرتی، دیالو رمنی ہے۔ ایک سالوچک یتھارتھتہ اسے Immaral Immoratal کہا ہے اور بہت ستیہ کہا ہے۔ تھالیس امر ہے۔ یدیپی تھالیس کا شَو کھود نکالا گیا ہے، لیکن اناتول فرانس نے اس سے کہیں بڑا کام کیا ہے، اس نے تھالیس کو بولتے سنا دیا اور اُبھینے کرتے دکھا دیا۔ پاپ ناشی کے ساتھ آشرم کو آتے ہوئے وہ کہتی ہے۔ ''میں نے ایسا نرمل جل نہیں پیا اور ایسی پوتر وایو میں سانس نہیں لی۔ مجھے ایسا جان پڑتا ہے کہ اس چلتی ہوئی وایو میں ایشور تیر رہا ہے۔

کتنے بھگتی پورن شبد ہیں۔

لیکھک نے تھالیس کے چرتر لیکھن میں جہاں اتنی کشلتا دکھائی ہے وہاں اسے اتیت بھیرو بنادیا ہے یہاں تک کہ جب اسے پاپ ناشی کے وشے میں یہ پورن وشواس ہو جاتا ہے کہ وہ مجھے انت جیون پردان کر سکتا ہیں؛ ارتھات وہ اوشدھیاں جانتا ہے کہ جن کے سیون سے وردھااوستھا پاس نہ آئے، تو وہ کچھ بھئے سے، کچھ اسے لبدھ کرنے کے لیے اس کے ساتھ سنبھوگ کرنے کو پرستوت ہوجاتی ہے۔ یدیپی پاپ ناشی کی سینم شیلتا اسے اس پرلوبھن کا شکار ہونے سے بچا لیتی ہے۔ تتھاپی تھالیس کی یہ نلجتا کچھ اسوبھاوک سی پرتیت ہوتی ہیں۔ ویشیائیں بھی یوں سب کے ساتھ اپنی لاج نہیں کھویا کرتیں، ان میں بھی آتم ابھیمان کی ماترا ہوتی ہیں، ویششتہ: جب وہ تھالیس کی بھانتی ویل دھن سمپنا ہوں۔

پاپ ناشی کے چرتر چترن میں بھی جو بات کھٹکتی ہے وہ انے سرگگ وشیوں کا سماویش ہے۔ جب وہ تھالیس کا اودھار کرنے کے لیے اسکندریہ پہنچتا ہے اس سمے اسے ایک سوپن

دکھائی دیتا ہے، جو اس کے سورگ نرگ کے سدھانتوں کو بھرانتی میں ڈال دیتا ہے۔ اسی بھانتی جب وہ تھالیس کی آشرم میں پہنچا کر پھر اپنے آشرم میں لوٹ آتا ہے تو اس کے کٹی میں گیدڑوں کو بھر مار ہونے لگتی ہے۔ ایک اور ادھرن لیجئے جب وہ ستمبھ پر بیٹھا ہوا تپسیا کرتا ہے تو ایک دن اس کے کانوں میں آواز آتی ہے، پاپ ناشی اٹھ اور ایشور کی کیرتی کو اجّول کر، بیماروں کو آروگیہ پردان کر' اس کے بعد وہی آواز اسے پھر ستمبھ سے نیچے اترنے کو کہتی ہے، کنتو سیڑھی دوارا نہیں، بلکہ پھاند کر۔ پاپ ناشی پھاندنے کی چیشٹھا کرتا ہے تو اس کے کانوں میں ہنسی کی آواز آتی ہے تب پاپناشی بھے بھیت ہو کر چونک پڑتا ہے۔ اسے ودِت ہو جاتا ہے کہ شیطان مجھے پریکشھا میں ڈال رہا ہے۔ ان شنکاؤں کا سمادھان کیول اسی وچار سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ سب پاپ ناشی کے آہنکار ہردے کے وچار تھے جو یہ روپ دھارن کر کے اس کی آنترک اچھاؤں اور بھاؤں کو پرکٹ کرتے تھے۔ جو منُشیہ یہ کہے کی سدپروشوں کو آتمائیں دشٹوں کی آتماؤں سے کہیں زیادہ کلوشت ہوتی ہیں، کیوں کہ سمست سنسار کے پاپ ان میں پروشٹ ہوتے ہیں۔

جو پرانی ایشور سے یہ پراتھنا کرے کہ بھگوان، مجھ پر پرانی ماتر کی کوواسناؤں کا بھار رکھ دیجیے، میں ان سبھوں کا پرائشچت کروں گا۔

اس کے سگرَ و اَنتہ کرن کی دُرچھائیں دوہ سوپنوں کا روپ دھارن کر لیں تو کوئی آشچریہ کی بات نہیں۔

بھاشا کے سمبندھ میں کچھ کہنا ویرتھ ہے۔ ایک تو یہ انوبھو کا انوواد ہے، دوسرے فرنچ جیسی سم اُنت بھاشا کی پستک کا، اور پھر انوواد بھی وہ پرانی ہے جو اس کام میں ابھیست نہیں۔ تس پر بھی دو تین ستھلوں پر پاٹھکوں کو لیکھک کی پرکھر لیکھنی کی کچھ جھلک دکھائی دے گی نسی یاس نے تھالیس سے ودا لیتے سمے کتنی اوجسونی اور مرم اسپرشی بھاشا میں اپنے بھاؤوں کو پرکٹ کیا ہے ! اور پاپ ناشی کے اس سمے کے منودگار جب اسے تھالیس کے مرنے کی خبر ملتی ہے اتنے چٹیلے ہیں کہ بنا ہردے کو تھامے انھیں پڑھنا کٹھن ہے !

ان چند شبدوں کے ساتھ ہم اس پستک کو پاٹھکوں کو بھینٹ کرتے ہیں۔ ہم کو پورن آشا ہے کہ سُوگیہ اس رس دھان کا آنند اٹھائیں گے۔ ہم نے اس کا انّواد کیول اس لیے کیا ہے کہ ہمیں یہ پستک سروانگ سندر پرتیت ہوئی اور ہمیں یہ کہنے میں سنکوچ نہیں ہے کہ اس

سے سندر ساہتیہ ہم نے انگریزی میں نہیں دیکھا۔ ہم ان لوگوں میں ہیں، جو یہ دھارنا رکھتے ہیں کہ انوادوں سے بھاشا کا گورو چاہے نہ بڑھے، ساہتیک گیان اوشیہ بڑھتا ہے۔ ایک وِدّوان کا کتھن ہے کہ تھالیس نے اتیت کال پر پنروجے پراپت کر لیا ہے، اور اس کتھن میں لیش ماتر بھی اَت یکتی نہیں ہے۔

مول پستک میں یونان، مصر آدی دیشوں کے اتنے ناموں اور گھٹناؤں کا اُلیکھ تھا کہ انھیں سمجھنے کے لیے الگ ایک ٹیکا لکھنی پڑتی۔ اس لیے ہم نے یتھا استھان کچھ کاٹ چھانٹ کردی ہے، پر اس کا وچار رکھا ہے کہ پستک کے سارسیہ میں وِگھن نہ پڑنے پائے 'پاپ ناشی ''مول میں پاپنیوشیس'' تھا۔ سرلتا کے وچار سے ہم نے تھوڑا سا روپانتر کر دیا ہے۔

ایک شبد اور۔ کچھ لوگوں کی سمتی ہے کہ ہمیں انوداوں کا سوجاتیہ روپ دے کر پرکاشت کرنا چاہیے۔ نام سب ہندو ہونے چاہیے۔ کیول آدھار مول پستک کا رہنا چاہیے میں اس سمّتی کا گھور وِرودھی ہوں۔ ساہتیہ میں مول وشے کے اترکت اور بھی کتنی ہی باتیں ساوشٹ رہتی ہے۔ اس میں یتھااستھان اتہاسک، ساجک بھوگولیک آدی انیک وشیوں کا اولیکھ کیا جاتا ہے۔ مول آدھار لے کر شیش باتوں کو جوڑ دینا ویسا ہی ہے جیسے کوئی آدمی تھالی کی روٹیاں کھالے اور دال، بھاجی، چٹنی، آچار سب چھوڑ دے۔ انیہ بھاشاؤں کی پستکوں کا مہتو کیول ساہتیک نہیں ہوتا۔ ان سے ہمیں ان کے آچار وچار، ریتی رواج آدی باتوں کا گیان بھی پراپت ہوتا ہے۔ اس لیے میں نے اس پستک کو ''اپنانے'' کی چیشٹھا نہیں کی۔ مصر کی مرؤبھومی میں جو ورکھش پھلتا پھولتا ہے، وہ مانسروور کے تٹ پر نہیں پنپ سکتا۔

پریم چند

۱

ان دنوں نیل ندی کے تٹ پر بہت سے تپسوی رہا کرتے تھے۔ دونوں ہی کناروں پر کتنی ہی جھونپڑیاں تھوڑی تھوڑی دور پر بنی ہوئی تھیں۔ تپسوی لوگ انھیں میں ایکانت واس کرتے تھے اور ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کی سہایتا کرتے تھے۔ انھیں جھونپڑیو ں کے بیچ میں جہاں تہاں مٹھ بھی تھے۔ جہاں تپسوی لوگ اکیلے چھوٹی چھوٹی گپھاؤں میں سِدّھی پراپت کرنے کا یتن کرتے تھے۔

یہ سبھی تپسوی بڑے بڑے کٹھن ورت دھارن کرتے تھے، کیول سوریہ است کے بعد ایک بار سُوکشھم آہار کرتے۔ روٹی اور نمک کے سوائے اور کسی وستو کا سیون نہ کرتے تھے۔ کتنے ہی تو سمادھیوں یا کندراؤں میں پڑے رہتے تھے۔ سبھی برہماچاری تھے، سبھی مِتاہاری تھے۔ وہ اُون کا ایک کرتا اور کنٹوپ پہنتے تھے؛ رات کو بہت دیر تک جاگتے اور بھجن کرنے کے پیچھے بھومی پر سو جاتے تھے۔ اپنے پورو پُرش کے پاپوں کا پرائشچِت کرنے کے لیے وہ اپنی دیہہ کو بھوگ ولاس ہی سے دور نہیں رکھتے تھے، ورن اس کی اتنی رکشا بھی نہ کرتے تھے جو ورتمان کال میں انیوار یہ سمجھی جاتی ہیں۔ ان کا وشواس تھا کہ دیہہ کو جتنا کشٹ دیا جائے، وہ جتنی روگگر اوستھا میں ہو، اتنی ہی آتما پوتر ہوتی ہے۔ ان کے لیے کوڑھ اور پھوڑوں سے اتّم سنگار کی کوئی وستو نہ تھی۔

اس تپوبھومی میں کچھ لوگ تو دھیان اور تپ میں جیون کو سپھل کرتے تھے پر کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو تاڑ کی جٹاؤں کو بٹ کر کسانوں کے لیے رسیوں بناتے، یا پھل کے دنوں میں کرشکوں کی سہایتا کرتے تھے۔ شہر کے رہنے والے سمجھتے تھے کہ یہ چوروں اور ڈاکوؤں کا گروہ ہے، یہ سب عرب کے لٹیروں سے مل کر قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ کنتو یہ بھرم تھا۔ تپسوی دھن کو تُچھ سمجھتے تھے۔ آتمو دّھار ہی ان کے جیون کا ایک ماتر ادیشہ تھا۔ ان کے تیج کی جیوتی آکاش کو بھی آلوکت کر دیتی تھی۔

سورگ کے دوت یووکوں یا یاتریوں کا ویش رکھ کر ان مٹھوں میں آتے تھے۔ اسی

پرکار راکشس اور دیتیہ حبشیوں یا پشوؤں کا روپ دھر کر اس دھرم آشرم میں تپسویوں کو بہکانے کے لیے وچار کرتے تھے۔ جب یہ بھگت گن اپنے اپنے گھڑے لے کر پراتہ کال ساگر کی اور پانی بھرنے جاتے تھے تو انھیں راکشسوں اور دیتیوں کے پدچہہ دکھائی دیتے تھے۔ یہ دھرم آشرم واستو میں ایک سمر چھیتر تھا جہاں نتیہ اور ویشیشتہ رات کو سورگ اور نرک، دھرم اور ادھرم میں بھیشن سنگرام ہوتا رہتا تھا۔ تپسوی لوگ سورگ دوتوں تتھا ایشور کی سہایتا سے ورت دھیان اور تپ سے ان پشاچ سیناؤں کے آکھاتوں کا نوارن کرتے تھے کبھی اندریہ جنیت واسنائیں ان کے مرم استھل پر ایسا انکش لگاتی تھیں کہ وے پیڑا سے وکل ہو کر چیخنے لگتے تھے اور ان کی آرت دھونی ون پشوؤں کی گرج کے ساتھ مل کر تاروں سے بھوشت آکاش تک گونجنے لگتی تھی۔ تب وہی راکشس اور دیتیہ منوہر ویش دھارن کر لیتے تھے، کیوں کہ یدیپی ان کی صورت بہت بھینکر ہوتی ہے پر وہ کبھی کبھی سندر روپ دھر لیا کرتے ہیں۔ جس میں ان کی پہچان نہ ہو سکے۔ تپسویوں کو اپنی کٹیوں میں واسناؤں کے ایسے درشیہ دیکھ کر وسمے ہوتا تھا جن پر اس سمے دھرندھر ولاسیوں کا چت مگدھ ہو جاتا۔ لیکن صلیب کی شرن میں بیٹھے ہوئے تپسویوں پر ان کے پرلوبھنوں کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا، اور یہ دشٹ آتمائیں سوریہ اُدے ہوتے ہی اپنا یتھارت روپ دھارن کر کے بھاگ جاتی تھیں، پراتہ کال ان دشٹوں کو روتے ہوئے بھاگتے دیکھنا کوئی اسادھارن بات نہ تھی کوئی ان سے پوچھتا تو کہتے ''ہم اس لیے رو رہے ہیں کہ تپسیویوں نے ہم کو مار کر بھاگ دیا ہے۔''

دھرم آشرم کے سدھ پروشوں کا سمست دیش کے دُرجنوں اور ناستکوں پر آتنک سا چھایا ہوا تھا کبھی کبھی ان کی دھرم پرایتنا بڑا وکرال روپ دھارن کر لیتی تھی۔ انھیں دھرم سمرتیوں نے ایشور ومکھ پرانیوں کو دنڈ دینے کا ادھیکار پردان کر دیا تھا اور جو کوئی ان کے کوپ کا بھاگی ہوتا تھا۔ اسے سنسار کی کوئی شکتی بچا نہ سکتی تھی۔ نگروں میں، یہاں تک کہ اسکندریہ میں بھی، ان بھیشن یںترڑاؤ کی ادھ بھُت دنت کتھائیں پھیلی ہوئی تھیں، ایک مہاتما نے کئی دشٹوں کو اپنے سوٹے سے مارا، زمین پھٹ گئی اور وہ اس میں سما گئے۔ اتہ دُشٹ جن وشیش کر مداری، دیواہت پادری اور ویشیائیں، ان تپسویوں سے تھر تھر کانپتے تھے۔

ان سدھ پروشوں کے یوگ بل کے سامنے وَن جنتو بھی شیش جھکاتے تھے۔ جب کوئی یوگی مرناسن ہوتا تو ایک سنگھ آ کر پنجوں سے اس کی قبر کھودتا تھا۔ اس سے یوگی کو معلوم

ہو جاتا تھا کہ بھگوان اسے بلا رہے ہیں۔ وہ ترنت جاکر اپنے سہیوگیوں کے مکھ چومتا تھا۔ تب قبر میں آکر سمادِھست ہو جاتا تھا۔

اب تک اس تپآشرم کا پردھان اینٹونی تھا۔ پر اس کی اوستھا اب سو ورش کی ہو چکی تھی۔ اسی لیے وہ اس استھان کو تیاگ کر اپنے دو ششیوں کے ساتھ جن کے نام مکر اور اماتیہ تھے، ایک پہاڑی میں وشرام کرنے چلا گیا تھا۔ اب اس آشرم میں پاپ ناشی نام کے ایک سادھو سے بڑا اور کوئی مہاتما نہ تھا۔ اس کے ست کرموں کی کیرتی دور دور پھیلی ہوئی تھی۔ اور کئی تپسوی تھے جن کے انویائیوں کی سنکھیا ادھیک تھی۔ اور جو اپنے آشرموں کے شاسن میں ادھک کسل تھے۔ لیکن پاپ ناشی ورت اور تپ میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ وہ تین تین دن ان شن ورت رکھتا تھا۔ رات کو اور پراتہ کال اپنے شریر کو وانوں سے چھیدتا تھا اور وہ گھنٹوں بھومی پر مستک نوائے پڑا رہتا تھا۔

اس کے چوبیس ششیوں نے اپنی اپنی کٹیاں اس کی کٹی کے آس پاس بنا لی تھیں اور یوگ ۔کریاؤں میں اسی کے انوگامی تھے۔ ان دھرم پُتروں میں ایسے ایسے منُشیہ تھے جنھوں نے ورشوں ڈکیتیاں ڈالی تھیں، جن کے ہاتھ رکت سے رنگے ہوئے تھے۔ پر مہاتما پاپ ناشی کے اپدیشوں کے وشی بھوت ہو کر اب وہ دھارمک جیون وییت کرتے تھے اور اپنے پوتر آچرنوں سے اپنے سہورگیوں کو چکِت کر دیتے تھے۔ ایک شِشیہ جو پہلے حبش دیش کی رانی کا باورچی تھا، نتیہ روتا رہتا تھا۔ ایک اور شِشیہ فلدا نام کا تھا جس نے پوری بائبل کنٹھست کر لی تھی اور وانی میں بھی نپُن تھا۔ لیکن جو شِشیہ آتم شدھی میں ان سب سے بڑھ کر تھا وہ پال نام کا ایک کسان یوک تھا۔ اسے لوگ مورکھ پال کہا کرتے تھے، کیوں کہ وہ اتینت سرل ہردے تھا۔ لوگ اس کی بھولی بھالی باتوں پر ہنسا کرتے تھے، لیکن ایشور کی اس پر وشیش کرپا درشٹی تھی۔ وہ آتما درشی اور بھوشیہ وکتا تھا۔ اسے الہام ہوا کرتا تھا۔

پاپ ناشی کا جیون اپنے ششیوں کی شِکشھا دِکشھا اور آتم شدھی کی کریاؤں میں کٹتا تھا۔ وہ رات بھر بیٹھا ہوا بائبل کی کتھاؤں پر منن کیا کرتا تھا کہ ان میں درشٹانتوں کو ڈھونڈ نکالے۔ اس لیے اوستھا کے نیون ہونے پر بھی وہ نتیہ پروپکارَت رہتا تھا۔ پشاچ گن جو انیہ تپسویوں پر آکرمن کرتے تھے، اس کے نکٹ جانے کا ساہس نہ کر سکتے تھے۔ رات کو سات سرگال (श्रृगाल) اس کی کٹی کے دوار پر چپ چاپ بیٹھے رہتے تھے۔ لوگوں کا وچار تھا کہ یہ

ساتوں دیتیہ تھے جواس کے یوگ بل کے کارن چوکھٹ کے اندر پاؤں نہ رکھ سکتے تھے۔

پاپ ناشی کا جنم استھان اسکندریہ تھا۔ اس کے ماتا پتا نے اسے بھوتک وڈیا کی اونچی شکشھا دلائی تھی۔ اس نے کویوں کے شرنگار کا آسوادن کیا تھا اور یوون کال میں ایشور کے انادتیو، بلکہ استیتو پر بھی دوسروں سے واد وِیواد کیا کرتا تھا۔ اس کے پشچات کچھ دن تک اس نے دھنی پروشوں کے پرتھا انوسار ایندریہ سکھ بھوگ میں ویتیت کئے، جسے یاد کر کے اب لجّا اور گلانی سے اس کو اتییت پیڑا ہوتی تھی۔ وہ اپنے سہچروں سے کہا کرتا 'ان دنوں مجھ پر واسنا کا بھوت سوار تھا، اس کا آشیے یہ کداپی نہ تھا کہ اس نے وِبھی چار کیا تھا۔ بلکہ کیول اتنا کہ اس سے سوادشٹ بھوجن کیا تھا اور ناٹیہ شالاؤں میں تماشا دیکھنے جایا کرتا تھا۔ واستو میں بیس ورش کی اوستھا تک اس نے اس کال کے سادھارن منشیوں کی بھانتی جیون ویتیت کیا تھا۔ وہی بھوگ لپسا اب اس کے ہردے میں کانٹے کے سامان چبھا کرتی تھی۔ دیو یوگ سے انھی دنوں اسے مکر رشی کے سد اُپدیشوں کو سننے کا سوبھاگیہ پراپت ہوا۔ اس کی کایا پلٹ ہوگئی۔ ستیہ اس کے روم روم میں ویاپت ہوگیا، بھالے کے سمان اس کے ہردے میں چبھ گیا۔ بپتسمہ لینے کے بعد وہ سال بھر تک اور بھدر پروشوں میں رہا، پرانے سنسکاروں سے مکت نہ ہو سکا۔ لیکن ایک دن وہ گرجا گھر میں گیا اور وہاں اپدیشک کو یہ پد گاتے ہوئے سنا۔ یدی تو ایشور بھکتی کا اِچھک ہے تو جا، جو کچھ تیرے پاس ہو، اسے بیچ ڈال اور غریبوں کو دے دے۔ وہ ترنت گھر گیا، اپنی ساری سمپتی بیچ کر غریبوں کو دان کر دی اور دھرم آشرم میں پروشٹ ہو گیا اور دس سال تک سنسار سے ورکت ہو کر وہ اپنے پاپوں کا پرائشچت کرتا رہا۔

ایک دن وہ اپنے نیموں کے انوسار ان دنوں کا اسمرن کر رہا تھا، جب وہ ایشور وِمکھ تھا اور اپنے دُشکرموں پر ایک ایک کر کے وچار کر رہا تھا۔ سہسا اسے یاد آیا کہ میں نے اسکندریہ کی ایک ناٹیہ شالا میں تھالیس نام کی ایک اتی روپ وتی نٹی دیکھی تھی۔ وہ رمنی رنگ شالاؤں میں نرتیہ کرتے سمے انگ پرتینگوں کی ایسی منوہر چھوی دکھاتی تھی کہ درشکوں کے ہردے میں واسناؤں کی ترنگیں اٹھنے لگتی تھیں۔ وہ ایسا تھرکتی تھی، ایسے بھاؤ بتاتی تھی، لالساؤں کا ایسا نگن چتر کھینچتی تھی کہ بجیلے یووک اور دھنی وردھ کامانتر ہو کر اس کے گرہ دوار پر پھولوں کی مالائیں بھینٹ کرنے کے لیے آتے۔ تھالیس ان کا سہرش سواگت کرتی اور انھیں اپنی اَنکستھلی میں آشریے دیتی۔ اس پرکار وہ کیول اپنی ہی آتما کا سروناش نہ کرتی تھی، ورن

دوسروں کی آتماؤں کا بھی خون کرتی تھیں۔

پاپ ناشی سویم ان کے مایا پاش میں پھنستے پھنستے رہ گیا تھا۔ وہ کام ترشنا سے انمت ہو کر ایک بار اس کے دوار تک چلا گیا تھا لیکن وارا نگنا کے چوکھٹ پر وہ ٹھٹھک گیا، کچھ تو اٹھتی ہوئی جوانی کی سوابھاوِک کاتُرتا کے کارن اور کچھ اس کارن کے اس کی جیب میں روپے نہ تھے، کیوں کہ اس کی ماتا اس کا سدیو دھیان رکھتی تھی کہ وہ دھن کا اپ ویے نہ کر سکے۔ ایشور نے انھی دو سادھنوں دوارا اسے پاپ کے اگنی کنڈ میں گرنے سے بچالیا۔ کنتو پاپ ناشی نے اس اسیم دیا کے لیے ایشور کو دھنیہ واد نہیں دیا؛ کیوں کہ اس سمے اس کے گیان چچھو (चक्षु) بند تھے۔ وہ نہ جانتا تھا کہ میں متھیا آنند بھوگ کی دھن میں پڑا ہوں۔ اب اپنی ایکانت کٹی میں اس نے پوتر صلیب کے سامنے مستک جھکا دیا اور یوگ کے نیموں کے انوسار بہت دیر تک تھالیس کا اسمرن کرتا رہا کیوں کہ اس نے مورکھتا اور اندھکار کے دنوں میں اس کے چت کو اندریے سکھ بھوگ کی لچھاؤں سے آندولت کیا تھا۔ کئی گھنٹے دھیان میں ڈوبے رہنے کے بعد تھالیس کی اسپشٹ اور سجیومورتی اس کے ہردے نیتروں کے آگے آکھڑی ہوئی۔ اب بھی اس کی روپ شوبھا اتنی ہی انوپم تھی جتنی اس سمے جب اس نے اس کی کوواسناؤں کو اُتیجت کیا تھا۔ وہ بڑی کوملتا سے گلاب کے سیج پر سر جھکائے لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے کمل نیتروں میں ایک وچتر آدرتا، ایک ولکشھن جیوتی تھی۔ اس کے نتھنے پھڑک رہے تھے، اَدھر کلی کی بھانتی آدھے کھلے ہوئے تھے اور اس کی بانہیں دو جل دھاراؤں کے سدرش نرمل اور اجول تھیں۔ یہ مورتی دیکھ کر پاپ ناشی نے اپنی چھاتی پیٹ کر کہا۔ ''بھگوان تو ساکچھی ہے کہ میں پاپوں کو کتنا گھور اور گھاتک سمجھ رہا ہوں''۔

دھیرے دھیرے اس مورتی کا مکھ وکرت ہونے لگا، اس کے ہونٹ کے دونوں کونے نیچے کو جھک کر اس کی انتر ویدنا کو پرکٹ کرنے لگے اس کی بڑی بڑی آنکھیں سجل ہوگئیں۔ اس کا وکچھ اچھ واسوں سے اندولت ہونے لگا۔ مانو طوفان کے پورو ہوا سنسنا رہی ہو! یہ کتوہل دیکھ کر پاپ ناشی کو مرم ویدنا ہونے لگی۔ بھومی پر سر نوا کر اس نے یوں پراتھنا کی کرونامے! تو نے ہمارے انتہ کرن کو دیا سے پری پورت کردیا ہے۔ اسی بھانتی جیسے پربھات کے سمے کھیت ہم کرنوں سے پری پوریت ہوتے ہیں۔ میں تجھے نمسکار کرتا ہوں تو دھنیہ ہے۔ مجھے شکتی دے کہ تیرے جیووں کو تیری دیا کی جیوتی سمجھ کر پریم کروں، کیوں کہ سنسار میں سب کچھ انتیہ

ہے۔ ایک تو ہی نتیہ ہے، امر ہے۔ یدی اس ابھاگنی استری کے پرتی مجھے چنتا ہے تو اس کا کارن ہے کہ وہ تیری ہی رچنا ہے۔ سورگ کے دوت بھی اس پر دیا بھاؤ رکھتے ہیں بھگوان، کیا یہ تیری ہی جیوتی کا پرکاش نہیں ہے؟ اسے اتنی شکتی دے کہ وہ اس کماری کو تیاگ دے تو دیا ساگر ہے۔ اس کے پاپ مہا گھور گھر نت ہیں اور ان کے کلپنا ماتر ہی سے مجھے رومانچ ہوجاتا ہے۔ لیکن وہ جتنا پاپشٹھا ہے اتنا ہی میرا چت اس کے لیے ودیتھت ہورہا ہے میں یہ وچار کرکے ویگر ہو جاتا ہوں کہ نرک کے دوت انت کال تک اسے جلاتے رہیں گے۔

وہ یہی پراتھنا کررہا تھا کہ اس نے اپنے پیروں کے پاس گیدڑ کو پڑے دیکھا۔ اسے بڑا آشچریہ ہوا، کیوں کہ اس کی کٹی کا دوار بند تھا۔ ایسا جان پڑتا تھا کہ وہ پشو اس کے منوگت وچاروں کو بھانپ رہا ہے وہ کتے کی بھانتی پونچھ ہلا رہا تھا پاپ ناشی نے ترنت صلیب کا آکار بنایا اور پشو لُپت ہوگیا اسے تب گیات ہوا کہ آج پہلی بار راکشس نے میری کٹی میں پرویش کیا۔ اس نے چت شانتی کے چھوٹی سی پراتھنا کی اور پھر تھائیس کا دھیان کرنے لگا۔

اس نے من میں نشچے کیا؟ ہر اِچھا سے میں اوشیہ اس کا ادھار کروں گا۔ تب اس نے وشرام کیا۔

دوسرے دن اوشا کے ساتھ ندرا بھی کھلی۔ اس نے ترنت ایش وندنا کی اور پالم سنت سے ملنے گیا جن کا آشرم وہاں سے کچھ دور تھا۔ اس نے سنت مہاتما کو اپنے سوبھاؤ کے انوسار پرپھلت چت سے بھومی کھودتے پایا۔ پالم بہت وردھ تھے۔ انھوں نے چھوٹی سی پھلواری لگا رکھی تھی۔ ون جنتو آکر اس کے ہاتھوں کو چاٹتے تھے، اور پشاچ آدی کبھی انھیں کشٹ نہ دیتے۔

انھوں نے پاپ ناشی کو دیکھ کر نمستے کیا۔

پاپ ناشی نے اتر دیتے ہوئے کہا بھگوان تمھیں شانتی دے۔

پالم۔ تمھیں بھی بھگوان شانتی دے۔ یہ کہہ کر انھوں نے ماتھے کا پسینہ اپنے کرتے کی آستین سے پونچھا۔

پاپ ناشی۔ بندھُوور، جہاں بھگوان کی چرچا ہوتی ہے وہاں بھگوان اوشیہ ورتمان رہتے ہیں۔ ہمارا دھرم ہے کہ اپنے سنبھاشنوں میں بھی ایشور کی استوتی ہی کیا کریں۔ میں اس سمے ایشور کی کیرتی پرسارت کرنے کے لیے ایک پرستاؤ لے کر آپ کی سیوا میں اپستھت ہوں۔

پالم۔ بندھو پاپ ناشی بھگوان تمھارے پرستاؤ کو میرے کاہو کے بیلوں کی بھانتی سپھل کرے۔ وہ نتیہ پربھات کو میری واٹیکا پر اوس، بندؤں کے ساتھ اپنی دیا کی ورشا کرتا ہے اور اس کے وردان کئے ہوئے کھوروں اور خربوزوں کا آسوادن کرکے میں اسی کے اسیم واتسلیہ کی جے جے کار مانتا ہوں۔ اس سے یہی یاچنا کرنی چاہیے کہ ہمیں اپنی شانتی کی چھایا میں رکھے کیوں کہ من کو ادِگھن کرنے والے بھیشن دُراویگوں سے ادھک بھینکر اور کوئی وستو نہیں ہے۔ جب یہ منو ویگ جاگرت ہوجاتے ہیں تو ہماری دشا متوالوں کی سی ہوجاتی ہے ہمارے پیر لڑکھڑانے لگتے ہیں اور ایسا جان پڑتا ہے کہ اب اوندھے منہ گرے کبھی کبھی اسے منوویگوں کے وشی بھوت ہوکر ہم گھاتک سکھ بھوگ میں مگن ہوجاتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آتم ویدنا اور اندریوں کے اشانتی ہمیں نیراشیہ ند میں ڈوبا دیتی ہے، جو سکھ بھوگ سے کہیں سروناشک ہے۔ بندھو ور ایک مہان پاپی پرانی ہوں لیکن مجھے اپنے دِیرگھ جیون کال میں یہ انوبھو ہوا ہے کہ یوگی کے لیے اس مَلِنتا سے بڑا اور کوئی شترو نہیں ہے۔ اس سے میرا ابھی پرائے اور اس اسادھے اداسینتا اور چھوبھ سے ہے جو کہرے کی بھانتی آتما پر پردہ ڈالے رہتی ہے۔ اور ایشور کی جیوتی کو آتما تک نہیں پہنچنے دیتی۔ مکتی مارگ میں اس سے بڑی اور کوئی بادھا نہیں ہے، اور اسُر راجیہ کی سب سے بڑی جیت یہی ہے کہ وہ ایک سادھو پُرش کے ہردے میں شدھ اور مَلِن وچار انکرُت کردے۔ یدی وہ ہمارے اوپر منوہر پرلوبھنوں سے ہی آکرمن کرتا تو بہت بھے کی بات نہ تھی۔ پرشوک! وہ ہمیں چھبد کرکے بازی مار لے جاتا ہے۔ پتا اینٹونی کو بھی کسی نے اداس یا دکھی نہیں دیکھا ان کا مکھڑا نتیہ پھول کے سمان کھلا رہا تھا۔ ان کے مدھر مسکان ہی سے بھگتوں کے چت کو اشانتی ملتی تھی۔ اپنے ششیوں میں کتنے پرسنیہ مسکان چت رہتے تھے ان کی مکھ کانتی کبھی منو مالنیہ سے دھندلی نہیں ہوئی۔ لیکن ہاں تم کس پرستاؤ کی چرچا کررہے تھے۔

پاپ ناشی۔ بندھو پالم، میرے پرستاؤ کا ادیشیہ کیول ایشور کے مہاتمیہ کو اجول کرنا ہے۔ مجھے اپنے سد پرامرش سے انگرہت کیجیے کیوں کہ آپ سروگیہ ہیں اور پاپ کی وایو نے کبھی آپ کو اسپرش نہیں کیا۔

پالم۔ بندھو پاپ ناشی، میں اس یوگیہ بھی نہیں ہوں کہ تمھارے چرنوں کی رج بھی ماتھے پر لگاؤں اور میرے پاپوں کی بھی گڑنا مرو استھل کے بالوکنوں سے بھی ادھک ہے لیکن

میں وِردھ ہوں اور مجھے جو کچھ انوبھو ہے اس سے تمھاری سا ہرش سیوا کروں گا۔

پاپ ناشی۔ تو پھر آپ سے اسپشٹ کہہ دینے میں کوئی سنکوچ نہیں ہے کہ میں اسکندریہ میں رہنے والی تھائیس نام کی ایک پوتر استری کی ادھوگتی سے بہت دکھی ہوں وہ سمست نگر کے لیے کلنک ہے اور اپنے ساتھ کتنی ہی آتماؤں کا سروناش کر رہی ہے۔

پالم۔ بندھو پاپ ناشی یہ ایسی ویوستھا ہے جس پر ہم جتنے آنسو بہائیں کم ہیں۔ بھدر شرینی میں کتنی ہی رمنیوں کا جیون ایسا ہی پاپ مے ہے۔ لیکن یہ دُرویوستھا کے لیے تم نے کوئی نوارن وِدھی سوچی ہے؟

پاپ ناشی۔ بندھو پالم، میں اسکندریہ جاؤں گا اور اس ویشیا کی تلاش کروں گا اور ایشور کی سہایتا سے اس کا اڈھار کروں گا۔ یہی میرا سنکلپ ہے آپ اسے اچت سمجھتے ہیں؟

پالم۔ پریہ بندھو میں ایک ادھم پرانی ہوں۔ کنتو ہمارے پوجیہ گرو اینٹونی کا کتھن تھا کہ منشیہ کو اپنا استھان چھوڑ کر کہیں اور جانے کے لیے اتاولی نہ کرنی چاہیے۔

پاپ ناشی۔ پوجیہ بندھو کیا آپ کو میرا پرستاؤ پسند نہیں ہے۔؟

پالم۔ پریہ پاپ ناشی ایشور نہ کرے کہ میں اپنے بندھو کے وشدُھ بھاؤں پر شنکا کروں۔ لیکن ہمارے شردھیہ گرو اینٹونی کا یہ بھی کتھن تھا کہ جیسے مچھلیاں سوکھی بھومی پر مرجاتی ہیں یہی دشا ان سادھوؤں کی ہوتی ہے۔ جو اپنی کٹی چھوڑ کر سنسار کے پرانیوں سے ملتے جلتے ہیں۔ وہاں بھلائی کی کوئی آشا نہیں۔

یہ کہہ کر سنت پالم نے پھر کدال ہاتھ میں لی اور دھرتی گوڑنے لگے، وہ پھل سے لدے ہوئے انجیر کے ورکھش کی جڑوں پر مٹی چڑھا رہے تھے۔ وہ کدال چلا ہی رہے تھے کہ جھاڑیوں میں سنسناہٹ ہوئی، اور ایک ہرن باغ کے باڑے کے اوپر سے کود کر اندر آگیا۔ وہ سہما ہوا تھا۔ اس کی کومل ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ وہ سنت پالم کے پاس آیا اور اپنا مستک ان کی چھاتی پر رکھ دیا۔

پالم نے کہا۔ ایشور کو دھنیہ ہے جس نے اس سندر ون جنتو کی سرشٹی کی۔

اس کے پشچات پالم سنت اپنے جھونپڑے میں چلے گئے۔ ہرن بھی ان کے پیچھے پیچھے چلا۔ سنت نے تب جوار کی روٹی نکالی اور ہرن کو اپنے ہاتھوں سے کھلائی۔

پاپ ناشی کچھ دیر وچار میں مگن کھڑا رہا۔ اس کی آنکھیں اپنے پیروں کے پاس پڑے

ہوئے پتھروں پر جمی ہوئی تھی۔ تب وہ پالم سنت کی باتوں پر وچار کرتا ہوا دھیرے دھیرے اپنی کٹی کی اور چلا۔ اس کے من میں اس سے بھیشن سنگرام ہورہا تھا۔

اس نے سوچا۔ سنت پالم کی صلاح اچھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ دوردرشٹی پُرش ہے انھیں میرے پرستاوَ کے اوچتیہ پر سندیہہ ہے تتھا تھالیس کو گھاتک پشاچوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دینا گھور نردیتا ہوگی۔ ایشور مجھے پرکاش اور بدھی دے۔

چلتے چلتے اس نے ایک تیتر کو جال میں پھنسا دیکھا۔ جو کسی شکاری نے بچھا رکھا تھا۔ یہ تیتری معلوم ہوتی تھی۔ کیوں کہ اس نے ایک چھن میں نر کو جال کے پاس اڑ کر اور جال کے پھندوں کو چونچ سے کاٹتے دیکھا۔ یہاں تک کے جال میں تیتری کے نکلنے بھر کا چھدر ہوگیا۔ یوگی نے گھٹنا کو وچار پورن نیتروں سے دیکھا اور اپنی گیان شکتی سے سہج میں اس کا آدھیاتمک آشیے سمجھ لیا تیتری کے روپ میں تھالیس تھی۔ جو پاپ جال میں پھنسی ہوئی تھی اور جیسے تیتر نے رسی کا جال کاٹ کر اسے مکت کردیا تھا وہ بھی اپنے یوگ بل اور سد اپدیش سے ان اَدرشیہ بندھنوں کو کاٹ سکتا تھا جن میں تھالیس پھنسی ہوئی تھی۔ اسے نشچے ہوا کہ ایشور نے مجھے اس ریتی سے پرامرش دیا ہے۔ اس نے ایشور کو دھنیہ واد دیا۔ اس کا پورو سنکلپ درڑھ ہوگیا لیکن پھر جو دیکھا، نر کی ٹانگ اسی جال میں پھنسی ہوئی تھی جسے کاٹ کر اس نے مادہ کو نرورت کیا تھا۔ تو وہ پھر بھرم میں پڑ گیا۔

وہ ساری رات کروٹیں بدلتا رہا۔ اوشا کال کے سمے اس نے ایک سوپن دیکھا، تھالیس کی مورتی اس کے پھر سمکھ ہوئی۔ اس کے مکھ چندر پر کلپت ولاس کی آبھا نہ تھی نہ وہ اپنے سوبھاوَ کے انوسار رتن جٹت وستر پہنے ہوئی تھی۔ اس کا شریر ایک لمبی چوڑی چادر سے ڈھکا ہوا تھا، جس سے اس کا منہ بھی چھپ گیا تھا کیول دو آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں، جن میں سے گاڑھے آنسو بہہ رہے تھے۔

یہ سوپن درشیہ دیکھ کر پاپ ناشی شوک وہبل ہوکر رونے لگا اور یہ وشواس کرکے کہ یہ دیوی آدیش ہے۔ اس کا وکلپ اشانت ہوگیا۔ وہ ترنت اٹھ بیٹھا جریب ہاتھ میں لی جو عیسائی دھرم کا ایک چنھ تھا۔ کٹی کے باہر نکلا اور ساودھانی سے دوار بند کیا، جس میں ون جنتو اور پکشھی اندر جاکر ایشور گرنتھ کو گندا نہ کردیں، جو اس کے سرہانے رکھا ہوا تھا۔ تب اس نے اپنے پردھان شِشیہ فلدا کو بلایا اور اسے شیش تیئِس ششیوں کے نرِیچھن میں چھوڑ کر کیول

ایک ڈھیلا ڈھالا چوغا پہنے ہوئے نیل ندی کی اور پرستھان کیا۔ اس کا وچار تھا کہ لابیا ہوتا ہوا مقدونیا نریش سکندر کے بسائے ہوئے نگر میں پہنچ جاؤں۔ وہ بھوک پیاس اور تھکن کی کچھ پرواہ نہ کرتے ہوئے پراتہ کال سے سوریہ است تک چلتا رہا، جب وہ ندی کے سمیپ پہنچا تو سوریہ چھتیج کی گود میں آشرے لے چکا تھا اور ندی کا رکت جل کنچن اور اگنی کے پہاڑوں کے بیچ میں لہریں مار رہا تھا۔

وہ ندی کے تٹ ورتی مارگ سے ہوتا ہوا چلا۔ جب بھوک لگتی کسی جھونپڑی کے دوار پر کھڑا ہو کر ایشور کے نام پر کچھ مانگ لیتا۔ ترسکاروں اپیکشاؤں اور کٹو وچنوں کو پرسنتا سے شرودھاریے کرتا تھا۔ سادھو کو کسی سے آمرش نہیں ہوتا۔ اسے نہ ڈاکوؤں کا بھے نہ ون کے جنتوؤں کا، لیکن جب کسی گاؤں یا نگر کے سمیپ پہنچتا تو کترا کر نکل جاتا وہ ڈرتا تھا کہ کہیں بال ورند اسے آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے نہ مل جائیں۔ اتھوا کسی کنوئیں پر پانی بھرنے والی رمنیوں سے سامنا نہ ہو جائے جو گھڑوں کو اتار کر اس سے ہاس پریہاس کر بیٹھیں۔ یوگی کے لیے سبھی شنکا کی باتیں ہیں۔ نہ جانے کب بھوت پشاچ اس کے کاریہ میں وِگھن ڈال دیں۔ اسے دھرم گرنتھوں میں یہ پڑھ کر بھی شنکا ہوتی کہ بھگوان نگروں کی یاترا کرتے تھے اور اپنے ششیوں کے ساتھ بھوجن کرتے تھے یوگیوں کے آشرم وائکا کے پشپ جتنے سندر ہیں اتنے کومل بھی ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ سنسارک ویوہار کا ایک جھونکا بھی انھیں جھلسا سکتا ہے۔ ان کی منورم شوبھا کو نشٹ کر سکتا ہے انھی کارنوں سے پاپ ناشی نگروں اور بستیوں سے الگ الگ رہتا تھا کہ اپنے سو جاتیہ بھائیوں کو دیکھ کر اس کا چت ان کی اور آکرشت نہ ہو جائے۔

وہ نرجن مارگوں پر چلتا تھا۔ سندھیا سے جب پچھیوں کا مدھر کلرو سنائی دیتا اور سمیر کے مند جھونکے آنے لگتے تو اپنے کنٹوپ کو آنکھوں پر کھینچ لیتا کہ اس پر پراکرتی سوندریہ کا جادو نہ چل جائے۔ اس کے پرتی کول بھارتیہ رشی مہاتما پراکرت سوندریہ کے رسیک ہوتے تھے۔ ایک سپتاہ کی یاترا کے بعد وہ سِلسل نام کے استھان پر پہنچا۔ وہاں نیل ندی ایک سنکری گھاٹی میں ہو کر بہتی ہے اور اس کے تٹ پر پروت شرینی کی دوہری میںڑ سے بنی ہوئی ہے۔ اسی استھان پر مصر نواسی اپنے پشاچ پوجا کے دنوں میں مورتیاں انکت کرتے تھے۔ پاپ ناشی کو ایک ورہدا کار سفرکس[1] ٹھوس پتھر کا بنا ہوا دکھائی دیا اس بھے سے کہ پرتیما میں اب بھی

---

[1] ایک خیالی جانور جس کا جسم شیر اور منہ عورت کا ہوتا ہے۔

پشاچک وبھوتیاں سنچت نہ ہوں، پاپ ناشی نے صلیب کا چنھ بنایا اور پربھو مسیح کا سمرن کیا تچھن اس نے پرتیما کے کان میں سے ایک چمگادڑ کو اڑتے بھاگتے دیکھا۔ پاپ ناشی کو وشواس ہوگیا کہ میں نے اس پشاچ کو بھگا دیا جو شتابدیوں سے اس پرتیما میں اڈّا جمائے ہوئے تھا۔ اس کا دھرم اتساہ بڑھا۔ اس نے ایک پتھر اٹھا کر پرتیما کے مکھ پر مارا۔ چوٹ لگتے ہی پرتیما کا مکھ اتنا اداس ہوگیا کہ پاپ ناشی کو اس پر دیا آگئی۔ اس نے اسے سمبودھت کر کے کہا۔ ہے پریت، تو بھی ان پریتوں کے بھانتی پربھو پر ایمان لا جنھیں پراتہ اسمرنیہ نے اینٹونی نے ون میں دیکھا تھا، اور میں ایشور اس کے پتر اور الکھ جیوتی کے نام پر تیرا اڈّھار کروں گا۔

یہ واکیہ سماپت ہوتے ہی سفرکس کے نیتروں میں اگنی جیوتی پرسپھوٹت ہوئی۔ اس کی پلکیں کانپنے لگیں، اور اس کے پاشان مکھ سے مسیح کی دھونی نکلی، مانو پاپ ناشی کے شبد پرتی دھونیت ہوگئے ہوں۔ اتیو پاپ ناشی نے داہنا ہاتھ اٹھا کر اس مورتی کو آشرواد دیا۔

اس پرکار پاشان ہردے میں بھگتی کا بیج آروپت کر کے پاپ ناشی نے اپنی راہ لی۔ تھوڑی دیر کے بعد گھاٹی چوڑی ہوگئی۔ وہاں کسی بڑے نگر کے اوششٹھ چنھ دکھائی دیئے۔ بچے ہوئے مندر جن کھمبوں پر اولمبت تھے، واستو میں ان بڑی بڑی پاشان مورتیوں نے ایشوریہ پریرنا سے پاپ ناشی پر ایک لمبی نگاہ ڈالی وہ بھے سے کانپ اٹھا۔ اس پرکار وہ سترہ دن تک چلتا رہا۔ چھودھا سے ویاکل ہوتا تو ونسپتیاں اکھاڑ کر کھا لیتا۔ اور رات کو کسی بھون کے کھنڈر میں جنگلی بلّیوں اور چوہوں کے بیچ میں سو رہتا، رات کو ایسی استریاں بھی دکھائی دیتیں تھیں۔ جن کی پیروں کی جگہ کانٹے دار پونچھ تھی پاپ ناشی کو معلوم تھا یہ نارکیہ استریاں ہیں، اور وہ صلیب کے چنھ بنا کر انھیں بھگا دیتا ہے۔

اٹھارویں دن پاپ ناشی کو بستی سے بہت دور ایک درِدّر جھونپڑی دکھائی دی۔ وہ کھجور کی پتیوں کی تھی اور اس کا آدھا بھاگ بالو کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اسے آشا ہوئی کہ اس میں اوشیہ کوئی سنت رہتا ہوگا۔ اس نے نکٹ آکر ایک بل کے راستے اندر جھانکا (اس میں دوار نہ تھا) تو ایک گھڑا، پیاز کا ایک گٹھا اور سوکھی پتّیوں کا بچھاون دکھائی دیا تو اس نے وچار کیا کہ یہ اوشیہ کسی تپسوی کی کٹیا ہے اور ان کے سیگھر ہی درشن ہوں گے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے پرتی شبھ کامنا سوچک پوتر شبدوں کا اچّارن کریں گے۔ کداچت ایشور اپنے کسی کوّے دورا ہمارے پاس روٹی کا ایک ٹکڑا بھیج دے گا اور ہم دونوں مل کر بھوجن کریں گے۔

من میں یہ باتیں سوچتا ہوا اس نے سنت کو کھوجنے کے لیے کٹیا کی پریکرما کی۔ ایک سو پگ بھی نہ چلا ہوگا کہ اسے ندی کے تٹ پر ایک منُخیہ پلتھی مارے بیٹھا دکھائی دیا۔ وہ ننگن تھا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال سن ہوگئے تھے اور شریر اینٹ سے بھی زیادہ لال تھا۔ پاپ ناشی نے سادھوؤں کے پرچلت شبدوں میں اس کا ابھیوادن کیا۔ بندھو، بھگوان تمھیں شانتی دے، تم ایک دن سورگ کے آنند لابھ کرو۔

پر اس وردھ پُرش نے اس کا کچھ اتر نہ دیا۔ اچل بیٹھا رہا، اس نے مانو کچھ سنا ہی نہیں۔ پاپ ناشی نے سمجھا کہ وہ دھیان میں مگن ہے۔ وہ ہاتھ باندھ کر اکڑوں بیٹھ گیا اور سوریہ است تک ایش پراتھنا کرتا رہا اور جب اب بھی وہ پُرش مورتی ورت بیٹھا رہا تو اس نے کہا پوجیہ پتا اگر آپ کی سادھی ٹوٹ گئی ہے تو مجھے پربھو مسیح کے نام پر آشیرواد دیجیے۔

وردھ پُرش نے اس کی اور بنا تاکے ہی اتر دیا۔

پتھک میں تمھاری بات نہیں سمجھا اور نہ ہی پربھو مسیح کو ہی جانتا ہوں۔

پاپ ناشی نے وسمت ہوکر کہا۔ ارے جس کے پرتی رشیوں نے بھوشیہ وانی کی، جس کے نام پر لاکھوں آتمائیں بلیدان ہوگئیں، جس کی سیزر نے بھی پوجا کی اور جس کا جے گھوش سِلسلی کی، پرتما نے ابھی ابھی کیا ہے۔ اس پربھو مسیح کے نام سے تم بھی پریچت نہیں ہو؟ کیا یہ سمبھو ہے۔

وردھ۔ ہاں مِتر ور یہ سمبھو ہے اور یدی سنسار میں کوئی وستو نشچت ہوتی تو نشچت بھی ہوتا۔

پاپ ناشی اس پُرش کی اگیان دستھا پر بہت وسمت اور دکھی ہوا، بولا۔ یدی تم پربھو مسیح کو نہیں جانتے تو تمھارا دھرم کرم سب ویرتھ ہے۔ تم کبھی انت پدنہیں پراپت کرسکتے۔

وردھ۔ کرم کرنا یا کرم سے ہٹنا دونوں ہی ویرتھ ہیں۔ ہمارے جیون اور مرن میں کوئی بھید نہیں۔

پاپ ناشی۔ کیا، کیا؟ کیا تم انت جیون کے آکانکشھی نہیں ہو؟ لیکن تم تو تپسیوں کی بھانتی ونیہ کٹی میں رہتے ہو۔؟

'ہاں ایسا جان پڑتا ہے۔'

'کیا میں تمھیں نگن اور ورت نہیں دیکھتا؟'

'ہاں ایسا جان پڑتا ہے۔'
'کیا تم کند مول نہیں کھاتے اور اچھاؤں کا دمن نہیں کرتے۔'
'ہاں ایسا جان پڑتا ہے۔'
'کیا تم نے سنسار کے مایا موہ کو نہیں تیاگ دیا ہے؟'
ہاں ایسا جان پڑتا ہے۔ میں نے ان متھیہ وستوؤں کو تیاگ دیا ہے جن پر سنسار کے پرانی جان دیتے ہیں۔

تب تم میرے بھانتی ایکانت سیوی تیاگی اور شدھ آچرن ہو، کنتو میرے بھانتی ایشور کی بھگتی اور اننت سکھ کی ابھیلاشا سے یہ ورت نہیں دھارن کیا ہے۔ اگر تمھیں پربھو مسیح پر وشواس نہیں ہے تو تم کیوں ساتوک بنے ہوئے ہو؟ اگر تمھیں سورگ کے اننت سکھ کی ابھیلاشا نہیں تو سنسار کے پدارتھوں کو کیوں نہیں بھوگتے۔؟

وردھ پُرش نے گمبھیر بھاؤ سے جواب دیا۔ متر، میں نے سنسار کے اتّم وستوؤں کا تیاگ نہیں کیا اور مجھے اس کا گرو ہے کہ میں نے جو جیون پتھ گرہن کیا ہے وہ سامنیتھ سنتوش جنک ہے یدہپی یتھارتھ تو یہ ہے کہ سنسار میں اتّم یا نکرشٹ بھلے اور بُرے جیون کا بھید ہی متھیا ہے۔ کوئی وستو سوَتہ بھلی یا بری ستیہ یا استیہ ہانی کارک یا لابھ کر سکھ مے دکھ مے نہیں ہوتی۔ ہمارا وچار ہی وستوؤں کو ان گنوں میں آبھوشت کرتا ہے۔ اسی بھانتی جیسے نمک بھوجن کو سواد پردان کرتا ہے۔

پاپ ناشی نے اپواد کیا تو تمھارے مت انوسار سنسار میں کوئی وستو استھائی نہیں ہے۔ تم اس تھکے ہوئے کتے کے بھانتی ہو جو کیچڑ میں پڑا سو رہا ہے۔ اگیان کے اندھکار میں اپنا جیون نشٹ کر رہا ہو۔ تم پرتیما وادیوں سے بھی گئے گزرے ہو۔

'متر' رشیوں اور کتوں کا اپمان کرنا سمان ہی ویرتھ ہے۔ کتے کیا ہیں، ہم یہ نہیں جانتے۔ ہم کو کسی وستو کا لیش ماتر بھی گیان نہیں۔

تو کیا تم بھرنتی وادیوں میں ہو؟ کیا تم اس نر بدھی کرم ہین سمپردایہ میں ہو جو سوریہ کے پرکاش میں اور راتری کے اندھکار میں کوئی بھید نہیں کر سکتے؟

ہاں متر میں واستو میں بھرم وادی ہوں۔ مجھے اس سمپردایہ میں شانتی ملتی ہے چاہے تمھیں ہاسیہ اسپد جان پڑتا ہو۔ کیوں کہ ایک ہی وستو میں بھنّ بھنّ اوستھاؤں میں بھنّ بھنّ

روپ دھارن کرلیتی ہے۔ ان وشال میناروں کو ہی دیکھو۔ پربھات کے پینت پرکاش میں یہ کیشر کے کنگوروں سے دکھ پڑتے ہیں۔ سندھیا سے سوریہ کی جیوتی دوسری اور پڑتی ہے، اور کالے کالے تربھوجوں کے سدرش دکھائی دیتے ہیں۔ یتھارتھ میں کس رنگ کے ہیں، اس کا نشچے کون کرے گا۔؟ بادلوں کو ہی دیکھو۔ وہ کبھی اپنی دمک سے کندن کو لجاتے ہیں، کبھی اپنی کالیما سے اندھکار کومات کرتے ہیں وشو کے سوائے اور کون ایسا پورن ہے جو ان کے وی ویدھی آورنوں کی چھایا اتار سکے۔؟ کون کہہ سکتا کہ واستو میں اس میگھ سموہ کا کیا رنگ ہے؟ سوریہ مجھے جیوتر دیکھتا ہے، کنتو میں اس کے تتو کونہیں جانتا۔ میں آگ کو جلتے ہوئے دیکھتا ہوں، پرنہیں جانتا کیسے جلتی ہے اور کیوں جلتی ہے؟ متر ورتم ویرتھ میری اوپیکشھا کرتے ہو۔لیکن مجھے اس کی بھی چنتانہیں کہ کوئی مجھے کیا سمجھتا ہے میرا مان کرتا ہے یا نندا۔

پاپ ناشی نے پھر شنکا کی۔ اچھا ایک بات اور بتادو۔تم اس نرجن ون میں پیاز اور چھوہارے کھا کر جیون وییت کرتے ہو۔تم اتنا کشٹ کیوں بھوگتے ہو۔تمھارے ہی سمان میں بھی اندریوں کا دمن کرتا ہوں اور ایکانت میں رہتا ہوں۔لیکن میں یہ سب ایشور کو پرسنیہ کرنے کے لیے کرتا ہوں۔ سورگیہ آنند بھوگنے کے لیے کرتا ہوں۔ یہ ایک مارجنیہ اُدّیش ہے، پرلوک سکھ کے لیے ہی اس لوک میں کشٹ اٹھانا بدھی سنگت ہے۔ اس کے پرتی کول ویرتھ بنا کسی ادیش کے سینیم اور ورت کا پالن کرنا۔ تپسیا سے شریر اور رکت کو گھلانا۔ اگر مجھے وشواس نہ ہوتا، ہے انادی جیوتی۔ اس دُروچن کے لیے چھما کر۔ اگر مجھے اس ستیہ پر وشواس ہے، جس کا ایشور نے رشیوں دُوارا اپدیش کیا ہے۔ جس کا اس کے پرم پریہ پتر نے سویم آچرن کیا ہے۔ جس کی دھرم سبھاؤں نے اور آتم سمپرن کرنے والے مہان پروشوں نے ساکچھی دی اگر مجھے پورن وشواس نہ ہوتا کہ آتما کے شاریرک سینم اور نگرہ پرم آوشیک ہے، یدی میں بھی تمھاری ہی طرح اگیہ وشیوں سے انبھگیہ ہوتا ہے تو میں تمھارے سنسارک منشیوں میں آکر مل جاتا، دھنوپارجن کرتا، سنسار کے سکھی پروشوں کی بھانتی سکھ بھوگ کرتا اور ولاس دیوی کے پجاریوں سے کہتا۔ آؤ میرے متروں، مد کے پیالے بھر بھر پلاؤ، پھولوں کے سیج بچھاؤ عطر اور پھولیل کی ندیاں بہا دولیکن تم کتنے بڑے مورکھ ہو کہ ویرتھ ہی ان سکھوں کو تیاگ رہے ہو۔تم بنا کسی لابھ اور آشا کے یہ سب کشٹ اٹھاتے ہو۔مگر پانے کی آشا نہیں رکھتے اورنقل کرتے ہو ہم تپسویوں کی جیسے ابھودھ بندر دیوار پر رنگ پوت کر اپنے من میں سمجھتا ہے کہ میں چتر کار

ہوگیا۔ اس کا تمھارے پاس کیا جواب ہے۔

وردھ نے سہشرِ تا سے اتر دیا۔ متر کیچڑ میں سونے والے کتے اور آبھودھ بندر کا جواب ہی کیا؟

پاپ ناشی کا ادیشیہ کیول اس وردھ پُرش کا ایشور کا بھگت بنانا تھا۔ اس کی شانتی ورتی پر وہ لجّت ہوگیا اس کا کرودھ اڑ گیا۔ بڑی نمرتا سے چھما پراتھنا کی۔ متر ور، اگر میرا دھرم اتساہ اُوچتیہ کی سیما سے باہر ہوگیا ہے تو مجھے چھما کرو۔ ایشور ساکچھی ہے کہ مجھے تم سے نہیں کیول تمھاری بھرانتی سے گھرنا ہے۔ تم کو اس اندھکار میں دیکھ کر مجھے ہاردک ویدنا ہوتی ہے۔ اور تمھارے اڈھار کی چنتا میرے روم روم میں ویاپت ہورہی ہے۔ تم میرے پرشنوں کا اتر دو، میں تمھاری اکتیوں کا کھنڈن کرنے کے لیے اتسک ہوں۔

وِردھ پُرش نے شانتی پُوروک کہا۔ میرے لیے بولنا یا چپ رہنا ایک ہی بات ہے۔ تم پوچھتے ہو اس لیے سنو۔ جن کارنوں سے میں نے وہ ساتوک جیون گرہن کیا۔ لیکن تم سے میں اس کا پرتی واد نہیں سننا چاہتا۔ مجھے تمھاری ویدنا شانتی کی کوئی اور نہ اس کی پرواہ کہ تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔ مجھے نہ پریم ہے نہ گھر نا۔ بدھی مان پُرش کو کسی کے پرتی مَمتو یا دویش نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن تم نے جگیاسا کی ہے، اتر دینا میرا کرتویہ ہے۔ سنو، میرا نام ٹیماکلیز ہے۔ میرے ماتا پتا دھنی سوداگر تھے۔ ہمارے یہاں نوکاؤں کا ویاپار ہوتا تھا۔ میرا پتا سکندر کے سمان چتر اور کاریہ کُسل تھا، پر وہ اتنا لوبھی نہ تھا۔ میرے دو بھائی تھے۔ وہ بھی جہازوں کا ہی ویاپار کرتے تھے۔ مجھے وِدّیا کا ویسن تھا۔ میرے بڑے بھائی کو پتا جی نے ایک دھنوان یووتی سے وِواہ کرنے پر بادھیہ کیا، لیکن میرے بھائی سیگھر ہی اس سے اسنتوشٹ ہوگئے۔ ان کا چت آستھر ہوگیا۔ اسی بیچ میں مرے چھوٹے بھائی کا اس استری سے گلوشِت سمبندھ ہوگیا۔ لیکن وہ استری دونوں بھائیوں میں سے کسی کو بھی نہ چاہتی تھی اسے ایک گوّیے سے پریم تھا۔ ایک دن بھید کھل گیا۔ دونوں بھائیوں نے گوّیے کا ودھ کرڈالا۔ میری بھاوج شوک سے اویوستھت چت ہوگئی۔ یہ تینوں ابھاگے پرانی بدھی کو واسناؤں کی بلی ویدی پر چڑھا کر شہر کی گلیوں میں پھرنے لگے۔ ننگے، سر کے بال بڑھائے، منہ سے پھکر بہاتے۔ کتّوں کی بھانتی چلاتے رہتے۔ لڑکے ان کے اوپر پتھر پھینکتے تھے اور ان پر کتے دوڑاتے تھے، انت میں تینوں مرگئے اور میرے پتا نے اپنے ہی ہاتھوں سے تینوں کو قبر میں سلایا۔ پتا جی کو بھی اتنا شوک ہوا کہ ان

کا دانہ پانی چھوٹ گیا اور وہ اپری مِت دھن رہتے ہوئے بھی بھوک سے تڑپ کر پر لوک سدھارے۔ میں وی پُل سمپتی کا وارث ہوگیا۔ لیکن گھر والوں کی دشا دیکھ کر میرا چت سنسار سے ورکت ہوگیا تھا۔ میں نے اس سمپتی کو دیشاٹن میں ویے کرنے کا نشچے کیا۔ اٹلی، یونان، افریقہ آدی دیشوں کی یاترا کی، پر ایک پرانی بھی ایسا نہ ملا جو سکھی یا گیانی ہو۔ میں نے اسکندریہ اور ایتھنس میں درشن کا ادھین کیا اور اس کے اپوادوں کو سنتے ہوئے میرے کان بہرے ہوگئے۔ ندان دیش ودیش گھومتا ہوا میں بھارت ورش میں جا پہنچا اور مجھے وہاں گنگا تٹ پر نگن پُرش کے درشن ہوئے جو وہیں تیس ورشوں سے مورتی کی بھانتی نشچل پدآسن لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ترن وتیہ شریر پر لتائیں چڑھ گئیں تھیں اور اس کی جٹاؤں میں چڑیوں نے گھونسلے بنا لیے تھے۔ پھر بھی وہ جیوت تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے اپنے دونوں بھائیوں کی بھاوج کی گوبے کی، پتا کی یاد آئی۔ تب مجھے گیات ہوا کہ یہی ایک گیانی پُرش ہے۔ میرے من میں وچار اٹھا کہ منشیہ کے دکھوں کے تین کارن ہوتے ہیں یا (۱) تو وہ وستو نہیں ملتی جس کی انھیں ابھیلاشا ہوتی ہے اتھوا (۲) اسے پاکر انھیں نکل جانے کا بھے ہوتا ہے اتھوا (۳) جس چیز کو وہ برا سمجھتے ہیں اس کا انھیں سہن کرنا پڑتا ہے۔ ان وچاروں کو چت سے نکال دو اور سارے دکھ آپ ہی آپ شانت ہوجائیں گے انھی کارنوں سے میں نے نشچے کیا کہ اب سے کسی وستو کی ابھیلاشا نہ کروں گا۔ سنسار کے سریشٹھ پدآرتھوں کا پرتیاگ کردوں گا اور اسی بھارتیہ یوگی کی بھانتی مون اور نشچل رہوں گا۔

پاپ ناشی نے اس کتھن کو دھیان سے سنا اور تب بولا۔ ٹیمو، میں سویکار کرتا ہوں کہ تمھارا کتھن بالکل ارتھ شونیہ نہیں ہے۔ سنسار کی دھن سمپتی کو تُچھ سمجھنا بدھی مان کا کام ہے لیکن اپنے انت سکھ کی اپیکشا کرنا پرلے سرے کی نادانی ہے۔ اس سے ایشور کے کرودھ کی آشنکا ہے۔ مجھے تمھارے اگیان پر بڑا دُکھ ہے اور میں ستیہ کا اپدیش کروں گا جس میں تم کو اس کے استتو کا وشواس ہوجائے اور تم آگیاکاری بالک کے سمان اس کی آگیا کا پالن کرو۔

ٹیماکلیز نے بات کاٹ کر کہا۔ نہیں نہیں، میرے سر اپنے دھرم سدھانتوں کا بوجھ مت لادو۔ اس بھول میں نہ پڑو کہ تم اپنے وچاروں سے انوکول بنا سکوگے۔ یہ ترک وترک سب متھیا ہے۔ کوئی مت نہ رکھنا ہی میرا مت ہے۔ کسی سمپر دائے میں نہ ہونا ہی میرا سمپر دائے ہے۔ مجھے کوئی دُکھ نہیں، اس لیے مجھے کسی وستو کی ممتا نہیں۔ اپنی راہ جاؤ اور مجھے اس اداسین

ن سے نکالنے کی چیشٹا نہ کرو۔ میں نے بہت کشٹ جھیلے ہیں اور یہ دشا مجھے ٹھنڈے جل سے اسنان کرنے کی بھانتی سکھ کر پرتیت ہورہی ہے۔

پاپ ناشی کو مانو چرتر کا پورا گیان تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس منشیہ پر ایشور کی کرپا درشٹی نہیں ہوئی ہے اور اس کی آتما کے اُدھار کا سمے ابھی دور ہے اس نے ٹیماکلیز کا کھنڈن نہ کیا کیوں کہ اس کی اُدھارک شکتی گھاتک نہ بن جائے، کیوں کہ ودھرمیوں سے شاستراتھ کرنے میں کبھی کبھی ایسا ہوجاتا ہے کہ ان کے اُدھار کے سادھن ان کے اپکار کے سادھن بن جاتے ہیں ات ایوجنھیں سد گیان پراپت ہوتا ہے انھیں بڑی چترائی سے اس کا پرچار کرنا چاہیے۔ اس نے ٹیماکلیز کو نمسکار کیا اور ایک لمبی سانس کھینچ کر رات ہی کو پھر یاترا پر چل پڑا۔

سوریہ اُدے ہوا تو اس نے جل پکشھیوں کو ندی کے کنارے ایک پیڑ پر کھڑے دیکھا۔ ان کی پیلی اور گلابی گردنوں کا پرتی بمب جل میں دکھائی دیتا تھا۔ کومل ورکھش اپنی ہری ہری پتیوں کو جل پر پھیلائے ہوئے تھے۔ سوچھ آکاش میں سارسوں کا سموہ ترنج کے آکار میں اڑ رہا تھا اور جھاڑیوں میں چھپے بگلوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ جہاں تک نگاہ جاتی تھی وہاں تک ندی کا ہر جل ہل کورے مار رہا تھا۔ اجلے پال والی نوکائیں چڑیوں کی بھانتی تیر رہیں تھیں، اور کناروں پر شویت بھون جگمگا رہے تھے۔ تٹوں پر ہلکا کہرا چھایا ہوا تھا اور دیپوں کے آڑ سے جو کھجور پھول اور پھل کے ورکشھوں میں ڈھکے ہوئے تھے۔ یہ بطخ لال سر، ہارل آدی یہ چڑیاں کلروکرتی ہوئی نکل رہی تھیں۔ بائیں اور مروستھل تک ہرے ہرے کھیتوں اور ورکھش پنجوں کی شوبھا آنکھوں کو مگدھ کردیتی تھی۔ پکے ہوئے گیہوں کے کھیتوں پر سوریہ کی کرنیں چمک رہیں تھیں اور بھومی سے بھینی بھینی سگندھ کے جھوکے آتے تھے۔ یہ پراکرتی شوبھا دیکھ کر پاپ ناشی نے گھٹنوں پر گرکر ایشور کی وندنا کی۔ بھگوان، میری یاترا سماپت ہوئی۔ تجھے دھنیہ واد دیتا ہوں دیا ندھی، جس پرکار تونے ان انجیر کے پودوں پر اوس کی بوندوں کی ورشا کی۔ اسی پرکار تھالیس پر جسے تو نے اپنے پریم میں رچا ہے۔ اپنی دیا کی درشٹی کر۔ میری ہاردک اچھا ہے کہ وہ تیری پریم میں رکشھا کے ادھین ایک نو وکست پشپ کی بھانتی سورگ ثلیہ یروشلم میں اپنے یش اور کیرتی کا پرسار کرے۔

اور تدپرانت اسے جب کوئی ورکھش پھولوں سے سشوبھت اتھوا کوئی چمکیلے پروں

۔۔۔ چوٹی دکھائی دیتا تو اسے تھالیس کی یاد آئی۔ کئی دن تک ندی کے بائیں کنارے پر، ایک ارور اور آباد پرانت میں چلنے کے بعد، وہ اسکندریہ نگر میں پہنچا، جسے یونانیوں نے ''رمز یک اور سورن مئی'' کی اُپادھی دے رکھی تھی۔ سوریہ اُدے کی ایک گھڑی بیت چکی تھی، جب اسے ایک پہاڑی کے شکھر پر وہ وستِرت نگر نظر آیا، جس کی چھتیں کنچن مئی پرکاش میں چمک رہیں تھیں۔ وہ ٹھہر گیا اور من میں وچار کرنے لگا۔ یہی وہ منورم بھومی ہے جہاں میں نے مرتیوں لوک میں پدآرپن کیا۔ یہیں میرے پاپ مے جیون کی اتپتی ہوئی۔ یہیں میں نے وشاکت وایو کا آلنگن کیا، اسی وناش کاری رکت ساگر میں میں نے جل وہار کئے! وہ میرا پالنا ہے جس کے گھاتک گود میں میں نے کام کی مدھرلوریاں سنیں! سادھارن بول چال میں کتنا پرتیبھا شالی استھان ہے، کتنا گورو سے بھرا ہوا۔ اسکندریہ! میری وشال جنم بھومی! تیرے بالک تیرا پتر وت سمان کرتے ہیں، یہ سوبھاوک ہے۔ لیکن یوگی پرکرتی کو اوہیلدیہ سمجھتا ہے، سادھو بہروپ کو تُچھ سمجھتا ہے پر بھومسیح کا دامن جنم بھومی کو ویدیش سمجھتا ہے، اور تپسوی اس پرتھوی کا پرانی ہی نہیں میں نے اپنے ہردے کو تیری اور سے پھیر لیا ہے۔ میں تجھ سے گھرنا کرتا ہوں۔ میں تیری سمپتی کو، تیری ودھیا کو، تیرے شاستروں کو، تیرے سکھ واِلاس کو، اور تیری شوبھا کو گھرنت سمجھتا ہوں، تو پشاچوں کا کریڑا استھل ہے، تجھے دھکار ہے۔ ارتھ سیویوں کی اپوتر شیا، ناستکتا کا وتنڈا اچھیتر، تجھے دھکار ہے اور جبرئیل، تو اپنے پیروں سے اس اشدھ وایو کو شدھ کر دے جس میں میں سانس لینے والا ہوں، جس نیں یہاں کے وشیلے کیٹاڑو میری آتما کو بھرشٹ نہ کر دیں۔

اس طرح اپنے وچاراُدگاروں کو شانت کر کے پاپ ناشی شہر میں پروشٹ ہوا۔ یہ دوار پتھر کا ایک وشال منڈپ تھا۔ اس کے محراب کی چھانبہ میں کئی درِذر بھکشک بیٹھے ہوئے پتھکوں کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر خیرات مانگ رہے تھے۔

ایک وردھا استری نے جو وہاں گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی، پاپ ناشی کی چادر پکڑ لی اور اسے چوم کر بولی، ایشور کے پتر، مجھے آشیرواد دو کی پرآتما مجھ سے سنتشٹ ہو۔ میں نے پرلوکیک سکھ کے نیمت اس جیون میں انیک کشٹ جھیلے۔ تم دیو پُرش ہو۔ ایشور نے تمھیں دُکھی پرانیوں کے کلیان کے لیے بھیجا ہے، ات ایوتمھاری چرن رج کنچن سے بھی بہو مولیہ ہے۔

پاپ ناشی نے وردھ کو ہاتھوں سے اسپرش کر کے آشیر واد دیا۔ لیکن وہ مشکل سے

بیس قدم چلا ہوگا کہ لڑکوں کے ایک گول نے اس کو منہ چڑھانا اور اس پر پتھر پھینکنا شروع کیا اور تالیاں بجا کر کہنے لگے۔ ذرا آپ کی وشال مورتی دیکھیے! آپ لنگور سے بھی کالے ہیں، اور آپ کی داڑھی بکرے کی داڑھی سے لمبی ہے۔ بالکل بھوتنا معلوم ہوتا ہے۔ اسے کسی باغ میں مار کر لٹکا دو، کہ چڑیاں ہوا سمجھ کر اڑیں۔ لیکن نہیں، باغ میں گیا تو سینت میں سب پھول نشٹ ہو جائیں گے۔ اس کی صورت ہی منحوس ہے۔ اس کا مانس کوؤں کو کھلا دو۔ یہ کہہ کر انھوں نے پتھروں کی ایک باڑھ چھوڑ دی۔

لیکن پاپ ناشی نے کیول اتنا کہا۔ ایشور تو ان ابودھ بالکوں کو سدبدھی دے، وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

وہ آگے چلا تو سوچنے لگا۔ اس وِردھا استری نے میرا کتنا سمان کیا اور ان لڑکوں نے کتنا اپمان کیا۔ اس بھانتی ایک ہی وستو کو بھرم میں پڑے ہوئے پرانی بھن بھن بھاوؤں سے دیکھتے ہیں۔ یہ سویکار کرنا پڑے گا کہ ٹیماکلیز متھیا وادی ہوتے ہوئے بھی بالکل نربدھی نہ تھا۔ وہ اندھا تو اتنا جانتا تھا کہ میں پرکاش سے ونچت ہوں۔ اس کا وچن ان درا گرہیوں سے کہیں اتم تھا، جو گھنے اندھکار میں بیٹھے پکارتے ہیں۔ وہ سوریہ ہے !وہ نہیں جانتے کہ سنسار میں سب کچھ مایا، مرگ ترشنا، اڑتا ہوا بالو ہے، کیول ایشور ہی استھائی ہے۔

وہ نگر میں بڑے ویگ سے پاؤں اٹھاتا ہوا چلا۔ دس ورش کے بعد دیکھنے پر بھی اسے وہاں ایک ایک پتھر پریچت معلوم ہوتا تھا، اور پرتیک پتھر اس کے من میں کسی دشٹ کرم کی یاد دلاتا تھا۔ اس لیے اس نے سڑکوں سے جڑے ہوئے پتھروں پر اپنے پیروں کو پٹکنا شروع کیا اور جب پیروں سے رکت بہنے لگا تو اسے آنند سا ہوا۔ سڑک کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے محل بنے ہوئے تھے جو شکندھ کی لپٹوں سے الست جان پڑتے تھے۔ دیوار کے ورکھش تھے سر اٹھائے ہوئے ان بھونوں کو مانو بالکوں کی بھانتی گود میں کھلا رہے تھے۔ ادھ کھلے دواروں میں سے پیتل کی مورتیاں سنگ مرمر کے گملوں میں رکھی ہوئی دکھائی دے رہتی تھیں، اور سوچھ جل کے حوض کنجوں کی چھایا میں لہریں مار رہے تھے۔ پورن شانتی چھائی ہوئی تھی۔ شور غل کا نام نہ تھا۔ ہاں کبھی کبھی دوار سے آنے والی وینا کی دھونی کان میں آجاتی تھی۔ پاپ ناشی ایک بھون کے دوار پر رکا، جس کی سائبان کے استمبھ یووتیوں کی بھانتی سندر تھے۔ دیواروں پر یونان کے سروسریشٹھ رشیوں کی پرتیمائیں شوبھا دے رہی تھیں۔ پاپ

ناشی نے افلاطون، سقراط، ارسطو، اپی کیورس اور زینو کی پرتمائیں پہچانی اور من میں کہا۔ ان متھیا بھرم میں پڑنے والے لنشیوں کی کیرتیوں کو موتی مان کرنا مورکھتا ہے۔ اب ان کے متھیا وچاروں کی قلعی کھل گئی۔ ان کی آتما اب نرک میں پڑی سڑ رہی ہے، اور یہاں تک کہ افلاطوں بھی جس نے سنسار کو اپنی پرگلبھتا سے کنجرت کردیا تھا۔ اب پشاپوں کے ساتھ تو تو میں میں کر رہا ہے۔ دوار پر ایک ہتھوڑی رکھی ہوئی تھی۔ پاپ ناشی نے دوار کھٹ کھٹایا۔ ایک غلام نے ترنت دوار کھول دیا اور ایک سادھو کو دوار پر کھڑے دیکھ کرشن سور میں بولا۔ دور ہو یہاں سے، دوسرا دوار دیکھ، نہیں تو میں ڈنڈے سے خبر لوں گا۔

پاپ ناشی نے سرل بھاؤ سے کہا۔ میں کچھ بھکشا مانگنے نہیں آیا ہوں۔ میری کیول یہی اچھا ہے کہ مجھے اپنے سوامی نسیاس کے پاس لے چلو۔

غلام نے اور بھی بگڑ کر جواب دیا۔ میرا سوامی تم جیسے کتوں سے ملاقات نہیں کرتا!

پاپ ناشی۔ پتر جو میں کہتا ہوں وہ کرو۔ اپنے سوامی سے اتنا ہی کہہ دو کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔

دربان نے کرودھ کے آویگ میں آکر کہا۔ چلا جا یہاں سے، بھکمنگا کہیں کا! اور اپنی چھڑی اٹھا کر اس نے پاپ ناشی کے منہ پر زور سے لگائی۔ لیکن یوگی نے چھاتی پر ہاتھ باندھے، بنا ذرا بھی اتیجت ہوئے شانت بھاو سے یہ چوٹ سہہ لی اور تب ونے پوروک پھر وہی بات کہی۔ پتر، میری یاچنا سویکار کرو۔

دربان نے چکت ہو کر من میں کہا۔ یہ تو وچتر آدمی ہے جو مار سے بھی نہیں ڈرتا اور ترنت اپنے سوامی سے پاپ ناشی کا سندیشا کہہ سنایا۔ نسیاس ابھی اسنان گار سے نکلا تھا۔ دو یوتیاں اس کے دیہہ پر تیل کی مالش کر رہی تھیں وہ روپ وان پرش تھا، بہت ہی پرسن چت۔ اس کے مکھ پر کومل ویِنگ کی آبھا تھی۔ یوگی کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ہاتھ پھیلائے ہوئے اس کی اور بڑھا۔ آؤ میرے متر، میرے بندھو، میرے سہ پاٹھی، آؤ۔ میں تمھیں پہچان گیا، یدیپی تمھاری صورت اس سے آدمیوں کی سی نہیں، پشوؤں کی سی ہے۔ آؤ میرے گلے لگ جاؤ۔ تمھیں وہ دن یاد ہے جب ہم ویاکرن، النکار اور درشن ساتھ پڑھتے تھے؟ تم اس سے بھی تیور اور اپنڈ پرکرتی کے منشیہ تھے، پر پورن ستیاوادی۔ تمھاری ترپتی ایک چٹکی بھر نمک میں ہو جاتی تھی تمھاری دان شیلتا کا وارا پار نہ تھا۔ تم اپنے جیون کی بھانتی اپنے

دھن کی بھی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔ تم میں اس سے بھی تھوڑی سی جھک تھی جو بدھی کی کشلتا کا لکشن ہے۔ تمھارے چرتر کی وچترتا مجھے بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ آج تم نے دس ورشوں کے بعد درشن دیئے ہیں۔ ہردے سے میں تمھارا سواگت کرتا ہوں۔ تم نے ونیہ جیون کو تیاگ دیا اور عیسائیوں کی دُرمتی کو تلانجلی دے کر پھر اپنے سناتن دھرم پر آروڑھ ہو گئے، اس کے لیے تمھیں بدھائی دیتا ہوں۔ سفید پتھر پر اس دن کا سمارک بناؤں گا۔

یہ کہہ کر اس نے ان دونوں یووتی سندریوں کو آدیش دیا میرے پیارے مہمان کے ہاتھوں پیروں اور داڑھی میں سگندھ لگاؤ۔

یووتیاں ہنسی اور ترنت ایک تھال، سگندھ کی شیشی اور آئینہ لائیں۔ لیکن پاپ ناشی نے کٹھور سور سے انھیں منع کیا اور آنکھیں نیچے کرلیں کہ ان پر نگاہ نہ پڑ جائے، کیوں کہ دونوں نگن تھیں۔ نسیاس نے تب اس کے لیے گاؤ تکیے اور بستر منگائے اور نانا پرکار کے بھوجن اور اتم شراب اس کے سامنے رکھی۔ پر اس نے گھرنا کے ساتھ سب وستوؤں کو سامنے سے ہٹا دیا۔ تب بولا۔ نسیاس، میں نے اس ست پتھ کا پریتیاگ نہیں کیا، جسے تم نے غلطی سے ''عیسائیوں کی دُرمتی'' کہا ہے۔ وہی تو ستیہ کی آتما اور گیان کا پران ہے۔ آدی میں کیول شبد تھا اور شبد کے ساتھ ایشور تھا، اور شبد ہی ایشور تھا۔ اسی نے سمست برہمانڈ کی رچنا کی۔ وہی جیون کا سُروت ہے اور جیون مانو جاتی کا پرکاش ہے۔

نِسیاس نے اتر دیا۔ پر یہ پاپ ناشی، کیا تمھیں آشا ہے کہ میں ارتھ ہین شبدوں کے جھنکار سے چکِت ہو جاؤں گا؟ کیا تم بھول گئے کہ میں سویم چھوٹا موٹا دارشنک ہوں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میری شانتی ان چیتھڑوں سے ہوجائے گی جو کچھ نربدھی منشیوں نے املی لیس کے وستروں سے پھاڑ لیا ہے، جب املی لیس، فلاطوں اور انیہ تتوا گیانیوں سے میری شانتی نہ ہوئی؟ رشیوں کے نکالے ہوئے سدھانت کیول کلپت کتھائیں ہیں جو مانو سرل ہردیتا کے منورنجن کے نیمت کہی گئی ہیں۔ ان کو پڑھ کر ہمارا منورنجن اسی بھانتی ہوتا ہے جیسے انیہ کتھاؤں کو پڑھ کر۔

اس کے بعد اپنے مہمان کا ہاتھ پکڑ کر وہ اسے ایک کمرے میں لے گیا جہاں ہزاروں لپیٹے ہوئے بھوج پتر ٹوکروں میں رکھے ہوئے تھے۔ اِنھیں دکھا کر بولا یہی میری پستکالیہ ہے۔ اس میں ان سدھانتوں میں سے کتنوں ہی کا سنگرہ ہے جو گیانیوں نے سرشٹی

ے رہنے یں ن ویا کھیا کرنے کے لیے آوشکرت کیے ہیں۔ یہ اپیم میں بھی اٹل دھن کے ہوتے ہوئے سب سدھانتوں کا سنگرہ نہیں ہے! لیکن شوک! یہ سب کیول روگ پیڑت منشیوں کے سوپن ہیں!

اس نے تب اپنے مہمان کو ہاتھی دانت کی کرسی پر زبردستی بیٹھایا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ پاپ ناشی نے ان پستکوں کو دیکھ کر تیوریاں چڑھائیں اور بولا۔ ان سب کو اگنی کی بھینٹ کر دینا چاہیے۔

نسیاس بولا۔ نہیں پر یہ متر، یہ گھور انرتھ ہوگا؛ کیونکہ رُگن پروشوں کے سوپن کبھی کبھی بڑے منورنجک ہوتے ہیں! پھر یدی ہم ان کلپناؤں اور سوپنوں کو مٹا دیں تو سنسار شُشک اور نیرس ہو جائے گا اور ہم سب وچار شے تھلیہ کے گڑھے میں جا پڑیں گے۔

پاپ ناشی نے اسی دھونی میں کہا۔ یہ ستیہ ہے کہ مورتی وادیوں کے سدھانت متھیا اور بھرانتی کارک ہیں۔ کنتو ایشور نے، جو ستیہ کا روپ ہے، مانو شریر دھارن کیا اور آلوکِک وبھوتییوں دوارا اپنے کو پرکٹ کیا اور ہمارے ساتھ رہ کر ہمارا کلیان کرتا رہا۔

نسیاس نے اتر دیا۔ پریہ پاپ ناشی، تم نے یہ بات اچھی کہی کہ ایشور نے مانو شریر دھارن کیا۔ تب تو وہ منشیہ ہی ہو گیا۔ لیکن تم ایشور اور اس کے روپانتروں کا سمرتھن کرنے تو نہیں آئے؟ بتلاؤ تمھیں میری سہایتا تو نہ چاہیے؟ میں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟

پاپ ناشی بولا۔ بہت کچھ! مجھے ایسا ہی سگندھت ایک وستر دے دو جیسا تم پہنے ہوئے ہو۔ اس کے ساتھ سنہرے کھڑاؤں اور ایک پیالہ تیل بھی دے دو کہ میں اپنی داڑھی اور بالوں میں چپڑ لوں۔ مجھے ایک ہزار سورن مدراؤں کی ایک تھیلی بھی چاہیے نسیاس! میں ایشور کے نام پر اور پرانی مترتا کے ناتے تم سے مانگنے آیا ہوں۔

نسیاس نے اپنا سراوتّم وستر منگوا دیا۔ اس پر کمخواب کے بوٹوں میں پھولوں اور پشوؤں کے چتر بنے ہوئے تھے۔ دونوں یوتیوں نے اسے کھول کر اس کا بھڑکیلا رنگ دکھایا اور پرتکشھا کرنے لگیں کہ پاپ ناشی اپنا اونی لبادہ اتارے تو پہنائے۔ لیکن پاپ ناشی نے زور دے کر کہا کہ یہ کداپی نہیں ہو سکتا۔ میری کھال چاہے اتر جائے پر یہ اونی لبادہ نہیں اتر سکتا۔ ووش ہو کر انھوں نے اس بہومولیہ وستر کو لبادے کے اوپر ہی پہنا دیا۔ دونوں یوتیاں سندری تھیں، اور وہ پروشوں سے شرماتی نہ تھیں۔ وہ پاپ ناشی کو اس دو رنگے بھیش میں دیکھ کر خوب

ہنستی۔ ایک نے اسے اپنا پیارا سامنت کہا، دوسری نے اس کی داڑھی کھینچ لی۔ لیکن پاپ ناشی نے ان پر درشٹی پات تک نہیں کیا۔ سنہری کھڑاؤں پیروں میں پہن کر اور تھیلی کمر میں باندھ کر اس نے نسیاس سے کہا جو ونود بھاؤ سے اس کی اور دیکھ رہا تھا نسیاس۔ ان وستوؤں کے وشے میں کچھ سندیہہ مت کرنا کیونکہ میں ان کا سدپیوگ کروں گا۔

نسیاس بولا، پر یہ متر مجھے کوئی سندیہہ نہیں ہے کیوں کہ میرا وشواس ہے کہ منشیہ میں نہ بھلے کام کرنے کی چھمتا ہے نہ برے۔ بھلائی کا آدھار کیول پرتھا پر ہے۔ میں ان سب کنست بیوہاروں کا پالن کرتا ہوں جو اس نگر میں پرچلت ہیں۔ اس لیے میری گنتی سجن پروشوں میں ہے۔ اچھا متر، اب جاؤ اور چین کرو۔

لیکن پاپ ناشی نے اس سے اپنا اُدیشہ پرکٹ کرنا آویشک سمجھا۔ بولا— تم تھالیس کو جانتے ہو جو یہاں کی رنگ شالاؤں کا سنگار ہے؟ نسیاس نے کہا— وہ پرم سندری ہے اور کسی سمے میں اس کے پریمیوں میں تھا۔ اس کی خاطر میں نے ایک کارخانہ اور دو اناج کے کھیت بیچ ڈالے اور اس کے وِرہ ورنن میں نکرِشٹ کویتاؤں سے بھرے ہوئے تین گرنتھ لکھ ڈالے۔ یہ نرویواد ہے کہ روپ لالِتیہ سنسار کی سب سے پربل شکتی ہے، اور یدی ہمارے شریر کی رچنا ایسی ہوتی کہ ہم یاوج جیون اس پر ادھی کرت رہ سکتے تو ہم دارشنکوں کے جیو اور بھرم، مایا اور موہ، پُرش اور پرکرتی کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے۔ لیکن متر، مجھے یہ دیکھ کر آشچریہ ہوتا ہے کہ تم اپنی کٹی چھوڑ کر کیول تھالیس کی چرچا کرنے کے لیے آئے ہو۔

یہ کہہ کر نسیاس نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔ پاپ ناشی نے اسے بھیت نیتروں سے دیکھا۔ اس کی یہ کلپنا ہی اسمبھو معلوم ہوتی تھی کہ کوئی منشیہ اتنی ساودھانی سے اپنے پاپوں کو پرکٹ کر سکتا ہے۔ اسے ذرا بھی آشچریہ نہ ہوتا، اگر زمین پھٹ جاتی اور اس میں سے اگنی جوالا نکل کر اسے نگل جاتی۔ لیکن زمین استھر بنی رہی، اور نسیاس ہاتھ پر مستک رکھے چپ چاپ بیٹھا ہوا اپنے پورو جیون کی سمرتیوں پر ملان مکھ سے مسکراتا رہا۔ یوگی تب اٹھا اور گمبھیر سور میں بولا۔

نہیں نسیاس، میں اپنا ایکانتواس چھوڑ کر اس پشاچ نگری میں تھالیس کی چرچا کرنے نہیں آیا ہوں۔ بلکہ، ایشور کی سہایتا سے میں اس رمنی کو اپوتر ولاس کے بندھنوں سے مُکت کردوں گا، اور اسے پربھو مسیح کی سیوائیں بھینٹ کروں گا۔ اگر نراکار جیوتی نے میرا ساتھ نہ

چھوڑا تو تھالیس اوشیہ اس نگر کو تیاگ کر کسی ونیتا دھرم آشرم میں پرویش کرے گی۔

نسیاس نے اتر دیا۔ مدھر کلاؤں اور الالتیہ کی دیوی وینس کو روشٹ کرتے ہو تو ساودھان رہنا !اس کی شکتی آپار ہے اور یدی تم اس کی پردھان اپاسِکا کو لے جاؤ گے تو وہ تمھارے اوپر اوشیہ بجز گھات کرے گی۔

پاپ ناشی بولا۔ پربھو مسیح میری رکھشا کریں گے۔ میری ان سے یہ بھی پراتھنا ہے کہ وہ تمھارے ہردے میں بھی دھرم کی جیوتی پرکاشت کریں اور تم اس اندھکار مے کوٗاپ میں سے نکل آؤ جس میں پڑے ہوئے ایڑیاں رگڑ رہے ہو۔

یہ کہہ کر وہ گرو سے مستک اٹھائے باہر نکلا۔ لیکن نسیاس بھی اس کے پیچھے چلا۔ دوار پر آتے آتے اسے پا لیا اور تب اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر اس کے کان میں بولا۔ دیکھو وینس کو کرودھ مت کرنا۔ اس کا پرتیاگھات اتینت بھیشن ہوتا ہے۔

کنتو پاپ ناشی نے اس چیتاونی کو تچھ سمجھا، سر پھیر کر بھی نہ دیکھا۔ وہ نسیاس کو پتت سمجھتا تھا، لیکن جس بات سے اسے جلن ہوتی تھی وہ یہ تھی کہ میرا پرانا متر تھالیس کا پریم ماتر رہ چکا ہے۔ اسے ایسا انوبھو ہوتا تھا کہ اس سے گھور اپرادھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اب سے وہ نسیاس کو سنسار کا سب سے ادھم، سب سے گھرنت پرانی سمجھنے لگا۔ اس نے بھرشٹا چار سے سدیو نفرت کی تھی، لیکن آج کے پہلے یہ پاپ اسے اتنا نارکیہ کبھی نہ پرتیت ہوا تھا اس کی سمجھ میں پربھو مسیح کے کرودھ اور سورگ دوتوں کے ترسکار کا اس سے نیندھ اور کوئی وشے ہی نہ تھا۔

اس کے من میں تھالیس کو ان ولاسیوں سے بچانے کے لیے اب اور بھی تیور آکانشھا جاگرت ہوئی۔ اب بنا ایک چھن ولمب کیے مجھے تھالیس سے بھینٹ کرنا چاہیے۔ لیکن ابھی مدھیاہن کال تھا اور جب تک دوپہر کی گرمی شانت نہ ہوجائے، تھالیس کے گھر جانا اُچت نہ تھا۔ پاپ ناشی شہر کی سڑکوں پر گھومتا رہا۔ آج اس نے کچھ بھوجن نہ کیا تھا، جس میں اس پر ایشور کی دیا درشٹی رہے۔ کبھی وہ دینتا سے آنکھیں زمین کی اور جھکا لیتا تھا، اور کبھی انورکت ہو کر آکاش کی اورتا کنے لگتا تھا۔ کچھ دیر ادھر ادھر نِش پریوجن گھومنے کے بعد وہ بندرگاہ پر جا پہنچا۔ سامنے وسترت بندر گاہ تھا، جس میں اسنکھیہ جل یان اور نوکائیں لنگر ڈالے پڑی ہوئی تھیں، اور ان کے آگے نیلا سمندر، شویت چادر اوڑھے ہنس رہا تھا۔ ایک نوکا نے، جس کی پتوار پر ایک اپسرا کا چِتر بنا ہوا تھا۔ ابھی لنگر کھولا تھا ڈانڈیں پانی میں چلنے لگے، مانجھیوں نے

گانا آرمبھ کیا اور دیکھتے دیکھتے وہ شویت وستر دھارنی جل کنیا یوگی کی درشٹی میں کیول ایک سوپن چت کی بھانتی رہ گئی۔ بندر گاہ سے نکل کر، وہ اپنے پیچھے جگمگاتا ہوا جل مارگ چھوڑتی کھلے سمندر میں پہنچ گئی۔

پاپ ناشی نے سوچا میں بھی کسی سے سنسار ساگر پر گاتے ہوئے یاترا کرنے کو اتسک تھا۔ لیکن مجھے شیگھر ہی اپنی بھول معلوم ہوگئی مجھ پر اپسرا کا جادو نہ چلا۔

انھی وچاروں میں مگن وہ رسیوں کی گنڈلی پر بیٹھ گیا۔ ندرا سے اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ نیند میں اسے ایک سوپن دکھائی دیا۔ اسے معلوم ہوا کہ کہیں سے تربیوں کی آواز کان میں آرہی ہے، آکاش رکت ورن ہوگیا ہے۔ اسے گیات ہوا کہ دھرما آشرم کے وچار کا دن آپہنچا۔ وہ بڑی تنمیتا سے ایش وندنا کرنے لگا۔ اسی بیچ میں اس نے ایک اتینت بھینکر جنتو کو اپنی اور آتے دیکھا، جس کے ماتھے پر پرکاش کا ایک صلیب لگا ہوا تھا۔ پاپ ناشی نے اسے پہچان لیا۔ سلسلی کی پشاچ مورتی تھی۔

اس جنتو نے اسے دانتوں کے نیچے دبا لیا اور اسے لے کر چلا، جیسے بلّی اپنے بچے کو لے کر چلتی ہے۔ اس بھانتی وہ جنتو پاپ ناشی کو کتنے ہی دیپوں سے ہوتا، ندیوں کو پار کرتا، پہاڑوں کو پھاندتا انت میں ایک نرجن استھان میں پہنچا، جہاں دہکتے ہوئے پہاڑ اور جھلستے راکھ کے ڈھیروں سے سوائے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ بھومی کتنے ہی استھلوں پر پھٹ گئی تھی اور اس میں سے آگ کی لپٹ نکل رہی تھی۔ جنتو نے پاپ ناشی کو دھیرے سے اتار دیا اور کہا۔ دیکھو!

پاپ ناشی نے ایک کھوہ کے کنارے جھک کر نیچے دیکھا۔ ایک آگ کی ندی پرتھوی کے انتاستھل میں دو کالے کالے پروتوں کے بیچ سے بہہ رہی تھی۔ وہاں دھندلے پرکاش میں نرگ کے دوت پاپ آتماؤں کو کشٹ دے رہے تھے۔ ان آتماؤں پر ان کے مِرت شریر کا ہلکا آورن تھا، یہاں تک کہ وہ کچھ وستر بھی پہنے ہوئے تھی۔ ایسے دارون کشٹوں میں بھی یہ آتمائیں بہت دکھی نہ جان پڑتی تھیں۔ ان میں سے ایک جو لمبی، گور ورن، آنکھیں بند کیے ہوئے تھی، ہاتھ میں ایک تلوار لیے جا رہی تھی اس کے مدھر سوروں سے سمست مرو بھومی گونج رہی تھی۔ وہ دیوتاؤں اور شور ویروں کی ویرودا ولی گا رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے ہرے رنگ کے دیتیہ ان کے ہونٹ اور کنٹھ کو لال لوہے کی سلاخوں سے چھید رہے تھے یہ امر کوی ہومر

کی پرچھایا تھی۔ وہ اتنا کشٹ جھیل کر بھی گانے سے باز نہ آتی تھی۔ اس کے سمیپ ہی ایک گورس، جس کے سر کے بال گر گئے تھے، دھول میں پرکال کے شکلیں بنا رہا تھا۔ ایک دیتیہ اس کے کانوں میں کھولتا ہوا تیل ڈال رہا تھا، پر اس کی ایکاگرتا کو بھنگ نہ کرسکتا تھا۔ اس کے اتیرکت پاپ ناشی کو اور کتنی ہی آتمائیں دکھائی دیں جو جلتی ہوئی ندی کے کنارے بیٹھی ہوئی اسی بھانتی پٹھن پاٹھن، واد پرتیواد، اپاسنا۔ دھیان میں مگن تھیں۔ جیسے یونان کے گروکلوں میں گرو شِشیہ کسی ورکھش کی چھایا میں بیٹھ کر کیا کرتے تھے ورِدھ ٹیماکلیز ہی سب سے الگ تھااور بھرانتی وادیوں کی بھانتی سر ہلا رہا تھا۔ ایک دیتیہ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک مشعل ہلا رہا تھا، کنتو ٹیماکلیز آنکھیں ہی نہ کھولتا تھا۔

اس درشیہ سے چکِت ہوکر پاپ ناشی نے اس بھینکر جنتو کی اور دیکھا جواسے یہاں لایا تھا۔ کدا چت اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ یہ کیا رہسیہ ہے؟ پر وہ جنتو ادرشیہ ہوگیا تھا اور اس کی جگہ ایک استری منہ پر نقاب ڈالے کھڑی تھی۔ وہ بولی۔ یوگی، خوب آنکھیں کھول کر دیکھ !ان بھرشٹ آتماؤں کا دراگرہ اتنا جٹل ہے کہ نرک میں بھی ان کی بھرانتی شانت نہیں ہوئی۔ یہاں بھی وہ اسی مایا کے کھلونے بنے ہوئے ہیں۔ مرتیو نے ان کے بھرم جال کو نہیں توڑا کیوں کہ پرتیکھش ہی، کیول مرجانے سے ہی ایشور کے درشن نہیں ہوتے۔ جو لوگ جیون بھر اگیان اندھکار میں پڑے ہوئے تھے، وہ مرنے پر بھی مورکھ ہی بنے رہیں گے یہ دیتیہ گن ایشوریہ نیائے کے ینتر ہی تو ہیں یہی کارن ہی کہ آتمائیں انھیں نہ دیکھتی ہیں نہ اس سے بھے بھیت ہوتی ہیں۔ وہ ستیہ کے گیان سے شونیہ تھے، ات ایو انھیں اپنے اکرموں کا بھی گیان نہ تھا، انھوں نے جو کچھ کیا اگیان کی اوستھا میں کیا۔ ان پر وہ دوشاروپن نہیں کرسکتا پھر وہ انھیں دنڈ بھوگنے پر کیسے مجبور کرسکتا ہے۔؟

پاپ ناشی نے اتیجت ہوکر کہا۔ ایشور سروشکتی مان ہے، وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔

نقاب پوش استری نے اتر دیا۔ نہیں، وہ استیہ کو ستیہ نہیں کرسکتا۔ اس کو دنڈ بھوگ کے یوگیہ بنانے کے لیے پہلے ان کو اگیان سے مکت کرنا ہوگا، اور جب وہ اگیان سے مکت ہو جائیں گے تو وہ دھرماتماؤں کی شرینی میں آجائیں گے !

پاپ ناشی اُدّگن اور مرماہت ہوکر پھر کھوہ کے کناروں پر جھکا۔ اس نے نسیاس کی چھایا کو ایک پشپ مالا سر پر ڈالے، اور ایک جھلسے ہوئے مہندی کے ورکھش کے نیچے بیٹھے

دیکھا۔ اس کی بغل میں ایک اتی روپ وتی ویشیا بیٹھی ہوئی تھی اور ایسا ودیت ہوتا تھا کہ وہ پریم کی ویاکھیا کررہے ہیں، ویشیا کی مکھ شری منوہر اور اپرتم تھی۔ ان پر جو اگنی کی ورشا ہو رہی تھی وہ اُوس کی بوندوں کے سامان سکھد اور شیتل تھی، اور وہ جھلستی ہوئی بھومی ان کے پیروں سے کومل ترن کے سامان دب جاتی تھی۔ یہ دیکھ کر پاپ ناشی کی کرودھ اگنی زور سے بھڑک اٹھی۔ اس نے چلا کر کہا ایشور، اس دراچاری پر وجرگھات کر! یہ نِسیاس ہیں اسے ایسا چھل کہ وہ روئے کراہے اور کرودھ سے دانت پیسے۔ اس نے تھالیس کو بھرشٹ کیا ہے۔

سہسا پاپ ناشی کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ ایک بلشٹھ مانجھی کی گود میں تھا۔ مانجھی بولا۔ بس متر، شانت ہو جاؤ۔ جل دیوتا ساکھشی ہے کہ تم نیند میں بری طرح چونک پڑتے ہو۔ اگر میں نے تمھیں سمنبھال نہ لیا ہوتا تو تم اب تک پانی میں ڈوبکیاں کھاتے ہوتے۔ آج میں نے ہی تمھاری جان بچائی۔

پاپ ناشی بولا۔ ایشور کی دیا ہے۔

وہ ترنت اٹھ کھڑا ہوا اور اس سوپن پر وچار کرتا ہوا آگے بڑھا۔ اوشیہ ہی یہ دُسّوپن ہے۔ نرک کو متھیا سمجھنا ایشور یہ نیائے کا اپمان کرنا ہے۔ اس سوپن کا پریشک کوئی پشاچ ہے۔

عیسائی تپسویوں کے من میں نتیہ یہ شنکا اٹھتی رہتی کہ اس سوپن کا ہیتو ایشور ہے یا پشاچ۔ پشاچ آدی انھیں نتیہ گھیرے رہتے تھے۔ منشیوں سے جو منہ موڑتا ہے، اس کا گلا پشاچوں سے نہیں چھوٹ سکتا۔ مرو بھومی پشاچوں کا کیریڑا چھیتر ہے۔ وہاں نتیہ ان کا شور سنائی دیتا ہے۔ تپسویوں کو پرایہ انوبھو سے، یا سوپن کی ویوستھا سے گیان ہو جاتا ہے کہ یہ مرد ایشوریہ پریرنا ہے یا پشاچک پرلوبھن۔ پر کبھی کبھی بہت جتن کرنے پر بھی انھیں بھرم ہو جاتا تھا۔ تپسیوں اور پشاچوں میں نرنتر مہا گھور سنگرام ہوتا رہتا تھا۔ پشاچوں کو سدیو یہ دھن رہتی تھی کہ یوگیوں کو کسی طرح دھوکے میں ڈالیں اور ان سے اپنی آگیا منوا لیں۔ سنت جان ایک پرسدّھ پُرش تھے۔ پشاچوں کے راجا نے ساٹھ ورش تک لگاتار انھیں دھوکہ دینے کی چیشٹا کی، پر سنت جان اس کی چالوں کو تاڑ لیا کرتے تھے۔ ایک دن پشاچ راجا نے ایک ویراگی کا روپ دھارن کیا اور جان کی کٹی میں آکر بولا جان، کل شام تک تمھیں ان شن ورت رکھنا ہوگا جان نے سمجھا، وہ ایشور کا دوت ہے اور دو دن تک نرجل رہا۔ پشاچ نے ان پر کیول یہی ایک وجے پراپت کی، یدیپی اس سے پشاچ راج کا کوئی کُتسِت ادشیہ نہ پورا ہوا، پر سنت جان

کو اپنی پراجے کا بہت شوک ہوا۔ کنتو پاپ ناشی نے جو سوپن دیکھا تھا، اس کا وشے ہی کہہ دیتا تھا کہ اس کا کرتا پشاچ ہے۔

وہ ایشور سے دین شبدوں میں کہہ رہا تھا۔ مجھ سے ایسا کون سا اپرادھ ہوا جس کے دنڈ سوروپ تو نے پشاچ کے پھندے میں ڈال دیا۔ سہسا اسے معلوم ہوا کہ میں منشیوں کے ایک بڑے سموہ میں ادھر ادھر دھکّے کھا رہا ہوں۔ کبھی ادھر جا پڑتا ہوں، کبھی ادھر۔ اسے نگروں کی بھیڑ بھاڑ میں چلنے کا ابھیاس نہ تھا۔ وہ ایک جڑ وستو کی بھانتی ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتا پھرتا تھا، اور اپنے کم خواب کے کرتے کے دامن سے الجھ کر وہ کئی بار گرتے گرتے بچا۔ انت میں اس نے ایک منشیہ سے پوچھا۔ تم لوگ سب کے سب ایک ہی دشا میں اتنی ہڑبڑی کے ساتھ کہاں دوڑے جا رہے ہو؟ کیا کسی سنت کا اپدیش ہو رہا ہے؟

اس منشیہ نے اتر دیا۔ یاتری، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ شیگھر ہی تماشا شروع ہوگا اور تھالیس رنگ منچ پر اپستھت ہوگی۔ ہم سب اسی تھیٹر میں جا رہے ہیں۔ تمھاری اچھا ہو تو تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ اس اپسرا کے درشن ماتر ہی سے ہم کرتارتھ ہو جائیں گے!

پاپ ناشی نے سوچا کہ تھالیس کو رنگ شالا میں دیکھنا میرے اُدّیشیہ کے انوکول ہوگا۔ وہ اس منشیہ کے ساتھ ہولیا۔ ان کے سامنے تھوڑی دور پر رنگ شالا استھت تھی۔ اس کے مکھیہ دوار پر چمکتے ہوئے پردے پڑے تھے اور اس کی وستِرت ورتا کار دیواریں انیک پرتیماؤں سے سجی ہوئی تھیں۔ انیے منشیوں کے ساتھ یہ دونوں پُرش بھی ایک تنگ گلی میں داخل ہوئے۔ گلی کے دوسرے سرے پر اردھ چندر کے آکار کا رنگ منچ بنا ہوا تھا جو اس سمے پرکاش سے جگمگا رہا تھا وہ درشکوں کے ساتھ ایک جگہ جا بیٹھے۔ وہاں نیچے کی اور کسی تالاب کے گھاٹ کے بھانتی سیڑھیوں کی قطار رنگ شالا تک چلی گئی تھی۔ رنگ شالا میں ابھی کوئی نہ تھا، پر وہ خوب سجی ہوئی تھی۔ بیچ میں کوئی پردا نہ تھا۔ رنگ شالا کے مدھیہ میں قبر کی بھانتی ایک چبوترا سا بنا ہوا تھا۔ چبوترے کے چاروں طرف راوٹیاں تھیں۔ راوٹیوں کے سامنے بھالے رکھے ہوئے تھے اور لمبی لمبی کھونٹیوں پر سنہری ڈالیں لٹک رہی تھیں۔ سٹیج پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جب درشکوں کا اردھ ورت ٹھساٹھس بھر گیا تو مدھومکھیوں کی بھن بھناہٹ سی دبی ہوئی آواز آنے لگی۔ درشکوں کی آنکھیں انوراگ سے بھری ہوئی ورہد نسبتدھ رنگ منچ کی اور لگی ہوئی تھی۔ استریاں ہنستی تھیں اور نیبوں کھاتی تھیں اور نتیہ پرتی ناٹک دیکھنے والے پُرش اپنی جگہوں سے

دوسروں کو ہنس ہنس پکارتے تھے۔
پاپ ناشی من میں ایشور کی پراتھنا کر رہا تھا اور منہ سے ایک بھی متھیا شبد نہیں نکالتا تھا۔ لیکن اس کا ساتھی ناٹیہ کلا کی اونتی کی چرچا کرنے لگا۔ بھائی، ہماری اس کلا کا گھور پتن ہو گیا ہے اور پراچین سمے میں ابھی نیتا چہرے پہن کر کویوں کی رچنائیں اُنچ سور سے گایا کرتے تھے۔ اب تو وہ گونگوں کے بھانتی ابھینے کرتے ہیں۔ وہ پرانے سامان بھی غائب ہو گئے نہ تو وہ چہرے رہے جن میں آواز کو پھیلانے کے لیے دھاتوں کی جیو بنی رہتی تھی نہ وہ اونچے کھڑاؤ ہی رہ گئے جنھیں پہن کر ابھی نیتا گن دیوتاؤں کی طرح لمبے ہوجاتے تھے۔ نہ وہ اوجسونی کویتائیں رہیں اور نہ مرم اسپرشی ابھینہ چاتُریہ۔ اب تو پروشوں کی جگہ استریوں کا دور دورا ہے جو بنا سنکوچ کے کھلے منہ منچ پر آتی ہیں۔ اس سمے کے یونان نواسی استریوں کا اسٹیج پر دیکھ کر نہ جانے دل میں کیا کہتے۔ استریوں کے لیے جنتا کے سمکھ منچ پر آنا گھور لجا کی بات ہے۔ ہم نے اس پرتھا کو سویکار کر کے اپنے ادھیاتمک پتن کا پریچے دیا ہے۔ یہ نروِواد ہے کہ استری پُرش کا شترو ہے اور مانو جاتی کا کلنک ہے۔
پاپ ناشی نے اس کا سمرتھن کیا۔ بہت ستیہ کہتے ہو۔ استری ہماری پران گھاتیکا ہے اس سے ہمیں کچھ آنند پراپت ہوتا ہے اور اس لیے اس سے سدیو ڈرنا چاہیے۔
اس کے ساتھی نے جس کا نام ڈوِرین تھا کہا۔ سورگ کے دیوتاؤں کی شپتھ کھاتا ہوں، استری سے پُرش کو آنند نہیں پراپت ہوتا بلکہ چنتا دُکھ اور اشانتی۔ پریم ہی ہمارے داروُتم کشٹوں کا کارن ہے۔ سنومتر، جب میری ترونا اوستھا تھی تو میں ایک دیپ کی سیر کرنے گیا تھا، اور وہاں مجھے ایک بہت بڑا مہندی کا ورکھش دکھائی دیا جس کے وشے میں یہ دنت کتھا پرچلِت ہے کہ فیڈرا جن دنوں ہمولائٹ پر عاشق تھی تو وہ برہ دشا میں اسی ورکھش کے نیچے بیٹھی رہتی تھی، اور دل بہلانے کے لیے اپنے بالوں کی سوئیاں نکال کر ان پتیوں میں چُبھایا کرتی تھی۔ سب پتیاں چھد گئیں۔ فیڈرا کی پریم کتھا تو تم جانتے ہی ہوگے اپنے پریمی کا سروناش کرنے کے پشچات وہ سویم گلے میں پھانسی ڈال ایک ہاتھی دانت کی کھونٹی سے لٹک کر مرگئی۔ دیوتاؤں کی ایسی اِچھا ہوئی کہ فیڈرا کی اساھیہ برہ ویدنا کے چنھ سوروپ اس ورکھش کی پتیوں میں نتیہ چھید ہوتے رہے۔ میں نے ایک پتی توڑ لی اور لاکر اسے اپنے پلنگ کے سرہانے لٹکا دیا کہ وہ مجھے پریم کی کٹلِتا کی یاد دلاتی رہے اور میرے گرو امر ایپکیورس

کے سدھانتوں پر اٹل رکھے۔ جس کا اڈشیہ تھا کہ واسنا سے ڈرنا چاہیے۔ لیکن بھارت میں پریم جگر کا ایک روگ ہے اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ روگ مجھے نہیں لگ سکتا۔

پاپ ناشی نے پرشن کیا؟ ڈوریَن، تمھارے آنند کے وشے کیا ہیں؟

ڈورین نے کھید سے کہا۔ میرے آنند کا کیول ایک وشے ہے اور وہ بھی بہت آکرشک نہیں۔ وہ دھیان ہے۔ جس کی پاچن شکتی دوشت ہوگئی ہو۔ اس کے لیے آنند کا کیا اور کوئی وشے ہوسکتا ہے؟

پاپ ناشی کو اثر ملا کہ وہ اس آنند وادی کو آدھیاتمک سکھ کی دکشھا دے جوایشور آرادھنا سے پراپت ہوتا ہے۔ بولا۔ متر ڈورین ستیہ پر کان دھرو اور پرکاش گرہن کرو۔

لیکن سہسا اس نے دیکھا کہ سب کی آنکھیں میری طرف اٹھیں اور مجھے چپ رہنے کا سنکیت کررہے ہیں۔ ناٹیہ شالا میں پورن شانتی استھاپت ہوگئی اور ایک چھن میں ویر گان کی دھونی سنائی دی۔

کھیل شروع ہوا ہومر کی اِلیڈ کا ایک دکھانت درشیہ تھا۔ ٹروجن یدھ سماپت ہوچکا تھا۔ یونان کے وجے سورما اپنی چھول داریوں سے نکل کر کوچ کی تیاری کررہے تھے کہ ادبھت گھٹنا ہوئی۔ رنگ بھومی کے مدھیہ اِستھت سمادھی پر بادلوں کا ایک ٹکڑا چھا گیا۔ ایک چھن کے بادل چھٹ گیا اور ایلی لیس کا پریت سونے کے شاستروں سے سجا ہوا۔ پرکٹ ہوا وہ یودھاؤں کی اور ہاتھ پھیلائے مانو کہہ رہا ہے کہ ہیلاس کے سپوتوں کیا تم یہاں سے پرستھان کرنے کو تیار ہو۔ تم اس دیش کو جاتے ہو جہاں جانا مجھے پھر نصیب نہ ہوگا اور میری سمادھی کو بنا کچھ بھینٹ کیے ہی چھوڑ جاتے ہو۔

یونان کے ویر سامنت، جن میں وردھ نیسٹر، اگامیمنن، اولائیسیس آدی تھے۔ سمادھی کے سمیپ آکر اس گھٹنا کو دیکھنے لگے۔ پررس نے جو ایشی لیس کا یووک پتر تھا، بھومی پر مستک جھکا دیا۔ اولیس نے ایسا سنکیت کیا۔ جس سے وِدِت ہوتا تھا وہ ومرت آتما کی اچھا سے سہمت ہے۔ اس نے اگامیمنن سے انورودھ کیا ہم سبوں کو الیشی لیس کا لیش ماننا چاہیے کیوں کہ ایلاس ہی کی مان رکشھا میں اس نے ویر گتی پائی ہے۔ اس کا آدیش ہے کہ پرایم کی پتری کماری پالِک سینا میری سمادھی پر سمرپت کی جائے۔ یونان ویروں اپنے نائیک کا آدیش سویکار کرو۔

کنتو سمراٹ اگامیمنن نے آپتی کی۔ ٹروجن کی کماریوں کی رکشھا کرو۔ پرایم کا یہ یشسوی پریوار بہت دُکھ بھوگ چکا ہے۔

اس کی آپتی کا کارن یہ تھا کہ وہ اولی سیس کے انورودھ سے سہمت ہے۔ نشچے ہوگیا کہ پالک سینا ایشی لیس کو بلی دی جائے مرت آتما اس بھانتی شانت ہوکر یم لوک کو چلی گئی۔ چرتروں کے وارتا لاپ کے بعد کبھی اتیجک اور کبھی کرون سوروں میں گانا ہوتا تھا۔ ابھینے کا ایک بھاگ سماپت ہوتے ہی درشکوں نے تالیاں بجائیں۔

پاپ ناشی نے جو پرتیک وشے میں دھرم سدھانتوں کا ویوھار کیا کرتا تھا بولا۔ ابھینے سے سدھ ہوتا ہے کہ ستا ہین دیوتاؤں کے اپاسک کتنے نردیی ہوتے ہیں۔

ڈورین نے اتر دیا۔ یہ دوش پرایہ سبھی مت وادوں میں پایا جاتا ہے۔ سوبھاگیہ سے مہاتما ایپکیورس نے جنھیں ایشوریہ گیان پراپت تھا، مجھے آدرشیہ کی متھیا شنکاؤں سے مکت کردیا۔

اتنے میں ابھینے پھر شروع ہوا۔ ہیکیوبا، جو پالک سینا کی ماتا تھیں، اس چھول داری سے باہر نکلیں جس میں وہ قید تھیں۔ اس کے شویت کیش بکھرے ہوئے تھے۔ کپڑے پھٹ کر تار تار ہوگئے تھے۔ اس کی شوک مورتی دیکھتے ہی درشکوں آہ بھری۔ ہیکیوبا کو اپنی کنیا کے وشاد مے انت کا ایک سوپن دوارا گیان ہوگیا تھا۔ اپنی اور اپنی پتری کے دربھاگیہ پر وہ سر پیٹنے لگی۔ اولائی سیس نے اس کے سمیپ جاکر کہا پالک سینا پر سے اپنا ماتر اسنیہہ اب اٹھالو۔ وردھا استری نے اپنے بال نوچ لیے، منھ کو ناخوں سے کھسوٹا اور نردیی یودھا اولائی سیس کے ہاتھوں کو چوما، جواب بھی دیا شونیہ شانتی سے کہتا ہوا جان پڑتا تھا۔

ہیکیوبا، دھریے سے کام لو۔ جس وپتی کا نیوارن نہیں ہوسکتا اس کے سامنے سر جھکاؤ، ہمارے دیش میں بھی کتنی ہی ماتائیں اپنے پتروں کے لیے رورہی ہیں۔ جو آج یہاں ورکشھوں کے نیچے موہ نندرا میں مگن ہیں اور ہیکیوبا نے پہلے ایشیا کے سب سے سمردھی شالی راجیہ کی سوامنی تھیں اور اس سمے غلامی کی بیڑیوں میں جکڑی ہوئی تھیں۔ نیراشیہ سے دھرتی پر سر پٹک دیا۔

تب چھول داریوں میں سے ایک کے سامنے کا پردہ اٹھا اور کماری پالک سینا پرکٹ ہوئی۔ درشکوں میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ انھوں نے تھائیس کو پہچان لیا۔ پاپ ناشی نے اس

ویشیا کو پھر دیکھا، جس کی کھوج میں وہ آیا تھا، جو اپنے گورے ہاتھ سے بھاری پردے کو اٹھائے ہوئی تھی۔ وہ ایک وشال پرتیما کی بھانتی استھر کھڑی تھی۔ اس کے اپورو لوچنوں سے گرو اور آتم اُتسرگ جھلک رہا تھا اور اس کے پردیپت سوندریہ سے سمست درشک ورند ایک نیروپائے لالسا کے آویگ سے تھرا اٹھے۔

پاپ ناشی کا چت وِگر ہو اٹھا۔ چھاتی کو دونوں ہاتھوں سے دبا کر ایک لمبی سانس لی اور بولا۔ ایشور تو نے ایک پرانی کو کیونکر اتنی شکتی پردان کی ہے؟

کنتو ڈورین ذرا بھی آشانت نہ ہوا بولا۔ واستو میں جن پرماڑوؤں کے ایکترت ہو جانے سے اس استری کی رچنا ہوئی ہے ان کا سنیوگ بہت ہی نیتا بھرام ہے۔ لیکن یہ کیول پرکرتی کی ایک کریڑا ہے، اور پرماڑو جڑ وستو ہے کسی دن وہ سوبھاوک ریتی سے وِچھن ہوجائیں گے۔ جن پرماڑوؤں سے لیلا اور کلیوپیٹرا کی رچنا ہوئی تھی وہ اب کہاں ہیں؟ میں مانتا ہوں کہ استریاں کبھی کبھی بہت روپ وتی ہوتی ہیں، لیکن وہ بھی تو وپتی اور گھرنوتپادک اوستھاؤں کے وشی بھوت ہو جاتی ہیں، بدھی مانوں کو یہ بات معلوم ہے، یدھپی مورکھ لوگ اس پر دھیان نہیں دیتے۔

یوگی نے بھی تھالیس کو دیکھا۔ دارشنک نے بھی دونوں کے من میں بھِن بھِن وچار اتپن ہوئے۔ ایک نے ایشور سے فریاد کی، دوسرے نے اداسینتا سے تتو کا نیروپن کیا۔

اتنے میں رانی ہیکیوبا نے اپنی کنیا کو اشاروں سے سمجھایا مانو کہہ رہی ہوں اس ہردے ہین اولائی سیس پر اپنا جادو ڈال۔ اپنے روپ لاونیہ اپنے یوون اور اپنے اَشر وپرواہ کا آشرے لے۔

تھالیس یا کماری پالک سینا نے چھول داری کا پردا گرا دیا۔ تب اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ لوگوں کے دل ہاتھ سے نکل گئے اور جب وہ گرو سے تالوں پر قدم اٹھاتی ہوئی اولائی سیس کی اور چلی تو درشکوں کو ایسا معلوم ہوا مانو وہ سوندریہ کا کیندر ہے۔ کوئی آپے میں نہ رہا۔ سب کی آنکھیں اس کی اور لگی ہوئی تھیں۔ انیہ سبھی کا رنگ اس کے سامنے پھیکا پڑ گیا۔ کوئی انھیں دیکھتا بھی نہ تھا۔

اُلائی سیس نے منہ پھیر لیا اور اپنا منہ چادر میں چھپا لیا کہ اس دیا بھکارنی کے نیتر کٹاکھش اور پریم لنگن کا جادو اس پر نہ چلے۔ پالک سینا نے اس سے اشاروں سے کہا۔ مجھ

سے کیوں ڈرتے ہو۔ میں تمھیں پریم پاش میں پھنسانے نہیں آئی ہوں۔ جو انیوار یہ ہے وہ ہوگا۔ اس کے سامنے سر جھکاتی ہوں۔ پرایم کی لڑکی اور ویر ہیکٹر کی بہن، اتنی گئی گزری نہیں ہے کہ اس کا شیا، جس کے لیے بڑے بڑے سمراٹ لالائت رہتے تھے، کسی ودیشی پُرش کا سواگت کرے۔ میں کسی کی شرن آگت نہیں ہونا چاہتیں۔

ہیکیوبا جو ابھی تک بھومی پر اچیت سی پڑی تھی۔ سہسا اٹھی اور اپنی پریہ پتری کو چھاتی سے لگا لیا۔ یہ اس کا انتم نیراشیہ پورن آلنگن تھا۔ پتی ونچت ماتر ہردے کے لیے سنسار میں کوئی اولمب نہ تھا۔ پالک سینا نے دھیرے سے ماتا کے ہاتھوں سے اپنے کو چھڑا لیا مانو کہہ رہی تھی۔

ماتا، دھیریہ سے کام لو اپنی سوامی کی آتما کو دُکھی مت کرو۔ ایسا کیوں کرتی ہو کہ یہ لوگ مجھے نردیتا سے زمین پر گرا کر مجھے الگ کرلیں۔؟

تھالیس کا مکھ چندر شوک اوستھا میں اور بھی مدھر ہوگیا تھا، جیسے میگھ کے ہلکے آورن سے چندر ما۔ درشک ورند کو اس نے جیون کے آویشوں اور بھاوؤں کا کتنا اپورو چتر دکھایا۔ اس سے سبھی مگدھ تھے آتم سمان دھریے ساہس آدی بھاوؤں کا ایسا آلوکیک، ایسا مگدھ کرگ درشن کرانا تھالیس کا ہی کام تھا۔ یہاں تک کہ پاپ ناشی کو بھی اس پر دیا آگئی۔ اس نے سوچا یہ چمک دمک تھوڑے ہی دنوں کے اور مہمان ہیں، پھر تو یہ کسی دھرم آشرم میں تپسیا کرکے اپنے پاپوں کا پراشچت کرے گی۔

ابھینے کا انت نکٹ آگیا۔ ہیکیوبا مورچھت ہو کر گر پڑی، اور پالک سینا اُلائی سیس کی ساتھ سمادھی پر آئی۔ یودھا گن اسے چاروں اور سے گھیرے ہوئے تھے جب وہ بلی ویدی پر چڑھی تو ایشی لیز کے پتر نے ایک سونے کے پیالے میں شراب لے کر سمادھی پر گرادی۔ ماتمی گیت گائے جارہے تھے۔ جب بلی دینے والے پجاریوں نے اس کا ہاتھ پھیلایا تو اس نے سنکیت دوارا بتلایا کے میں سوچھند رہ کر مرنا چاہتی ہوں جیسا کہ راج کنیاؤں کا دھرم ہے۔ تب اپنے وستروں کو اتار کر وہ وجر کو ہردے استھل میں رکھنے کے تیار ہوگئی پر رس نے سر پھیر کر اپنی تلوار اس کے وکھش استھل میں بھونگ دی۔ رودھر کی دھارا بہہ نکلی۔ کوئی لاگ رکھی گئی تھی۔ تھالیس کا سر پیچھے کو لٹک گیا اس کی آنکھیں تلملانے لگیں اور ایک چھن میں وہ گر پڑی۔

یودھا گن تو بلی کو کفن پہنا رہے تھے۔ پشپ ورشا کی جا رہی تھی۔ درشکوں کی آتر دھونی سے ہوا گونج رہی تھی۔ پاپ ناشی اٹھ کھڑا ہوا تو اوچ سور سے اس نے یہ بھوشیے وانی کی۔ متھیہ وادیوں اور پریتوں کی پوجنے والوں یہ کیا بھرم ہوگیا ہے۔ تم نے جو ابھی درشیہ دیکھا ہے وہ کیول ایک روپک ہے۔ اس کتھا کا آدھیاتمک ارتھ کچھ اور ہے اور یہ استری کچھ ہی دنوں میں اپنی اچھا اور انوراگ سے ایشور کے چرنوں میں سمرپت ہو جائے گی۔

اس کے ایک گھنٹے کے بعد پاپ ناشی نے تھائیس کے دوار پر زنجیر کھٹ کھٹائی۔

تھائیس اس سمے رئیسوں کے محلے میں سکندر کے سمادھی کے نکٹ رہتی تھی۔ اس کے وشال بھون کے چاروں اور سائے دار ورکھش تھے، جن میں سے ایک جل دھارا پری تم چٹانوں کے بیچ سے ہو کر بہتی تھی۔ ایک بڑھیا حبشن داسی نے جو مُندریوں سے لدی ہوئی تھی آکر دوار کھول دیا اور پوچھا۔ کیا آگیا ہے؟

پاپ ناشی نے کہا۔ میں تھائیس سے بھینٹ کرنا چاہتا ہوں۔ ایشور ساکشی ہے کہ میں یہاں اسی کام کے لیے آیا ہوں۔

وہ امیروں کے سے وستر پہنے ہوئے تھا۔ اس کی باتوں سے رعب ٹپکتا تھا۔ ات ایو داسی اسے اندر لے گئی اور بولی۔ تھائیس پریوں کے کنج میں وراج مان ہے۔

۲

تھائیس نے سوادھین، لیکن نردھن اور مورتی پوجک ماتا پتا کے گھر جنم لیا تھا۔ جب وہ بہت چھوٹی سی لڑکی تھی اس کا باپ ایک سرائے کا بھٹیارا تھا۔ اس سرائے میں پرائے ملاح بہت آتے تھے۔ بالیہ کال کی اشرنکھل کنتو سجیوا سمرتیاں اس کے من میں اب بھی سنچت تھیں۔ اسے اپنے باپ کی یاد آتی تھی۔ جو پیر پر پیر رکھے انگیٹھی کے سامنے بیٹھا رہتا تھا۔ لمبا، بھاری بھرکم، شانتی پرکرتی کا منُشیہ تھا، اس فرعونوں کی بھانتی جن کی کیرتی سڑک کے نکڑوں پر بھانٹوں کے مکھ سے نتیہ امر ہوتی رہتی تھی۔ اسے اپنی دربل ماتا کی بھی یاد آتی تھی۔ جو بھوکی بلّی کی بھانتی گھر میں چاروں اور چکر لگاتی رہتی تھی۔ سارا گھر اس کے تیکھے کنٹھ سور میں گونجتا اور اس کے اُدّیپت نیتروں کی جیوتی چمکتا رہتا تھا۔ پڑوس والے کہتے تھے، یہ ڈائین ہے رات کو الّو بن جاتی ہے اور رات کو اپنے پریمیوں کے پاس اڑ جاتی ہے۔ یہ افیچیوں کی گپ تھی۔

تھالیس اپنی ماں سے بھلی بھانتی پریچت تھی اور جانتی تھی کہ وہ جادو ٹونا نہیں کرتی۔ ہاں اسے لوبھ کا روگ تھا۔ اور دن کی کمائی کو رات بھر گنتی رہتی تھی۔ آلسی پتا اور لوبھنی ماتا تھالیس کے لالن پالن کی اور وشیش دھیان نہ دیتے تھے۔ وہ کسی جنگلی پودھے کے سمان اپنی باڑھ سے بڑھتی جاتی تھی۔ وہ متوالے ملاحوں کے کمر بند سے ایک ایک کر کے پیسے نکالنے میں نپن ہوگئی۔ وہ اپنے اشلیل واکیوں اور بازاری گیتوں سے ان کا منورنجن کرتی تھی، یدیپی وہ سویم ان کا آشیے نہ جانتی تھی۔ گھر شراب کی مہک سے بھرا رہتا تھا۔ جہاں تہاں شراب کے چمڑے کے پیپے رکھے رہتے تھے اور وہ ملاحوں کی گود میں بیٹھتی پھرتی تھی۔ تب منہ سے شراب کا لسکا لگائے وہ پیسے لے کر گھر سے نکلتی اور ایک بڑھیا سے گل گلے لے کر کھاتی۔ نتیہ پرتی ایک ہی ابھینے ہوتا رہتا تھا۔ ملاح اپنی جان جوکھم یاتراؤں کی کتھا کہتے اور چوسر کھیلتے، دیوتاؤں کو گالی دیتے اور ان مت ہو کر شراب شراب سب سے اتّم شراب۔ کی رٹ لگاتے۔ نتیہ پرتی رات کو ملاحوں کے ہلڑ سے بالیکا کی نیند اچٹ جاتی تھی۔ ایک دوسرے کو وہ گھونگے پھینک کر مارتے، جس سے مانس کٹ جاتا تھا، اور بھینکر کولاہل مچتا تھا۔ کبھی تلواریں بھی نکل پڑتیں تھیں اور رکت پات ہوجاتا تھا۔

تھالیس کو یہ یاد کر کے بہت دکھ ہوتا تھا کہ بالیہ وستھا میں یدی کسی کو مجھ سے اسنیہہ تھا تو وہ سرل، سہردے احمد تھا۔ احمد اس گھر کا حبشی غلام تھا۔ توے سے بھی کالا، لیکن بڑا سجن، بہت نیک جیسے رات کی میٹھی نیند۔ وہ بہودا تھالیس کو گھٹنوں پر بٹھا لیتا اور پرانے زمانے کے تہہ خانوں کی ادھ بدھ کہانیاں سناتا۔ جو دھن لولپ راجا مہاراجا بنواتے تھے اور بنوا کر شلپی کاروں اور کاری گروں کا ودھ کر ڈالتے تھے کہ کسی کو بتا نہ دے۔ کبھی کبھی ایسے چتر چوروں کی کہانیاں سناتا جنھوں نے راجا کی کنیاؤں سے ویواہ کیا اور مینار بنوائے۔ بالیکا تھالیس کے لیے احمد باپ بھی تھا، ماں بھی تھا، دائی اور کتا بھی تھا۔ وہ احمد کے پیچھے پیچھے پھرا کرتی۔ جہاں وہ جاتا پرچھائی کی طرح ساتھ لگی رہتی۔ احمد بھی اس پر جان دیتا تھا۔ بہت رات کو اپنے پوال کے گدے پر سونے کے بدلے وہ اسے بیٹھا ہوا اس کے لیے کاغذ کے غبارے اور نوکائیں بنایا کرتا۔

احمد کے ساتھ اس کے سوامیوں نے گھور نردیتا کا برتاؤ کیا تھا۔ ایک کان کٹا ہوا تھا۔ اور دیہہ پر کوڑوں کے داغ ہی داغ تھے۔ کنتو اس کے مکھ پر نرتیہ سکھ مے شانتی کھیلا کرتی

تھی۔ اور کوئی اس سے نہ پوچھتا تھا کہ اس آتما کی شانتی اور ہردے کے سنتوش کا سروت کہاں تھا۔ وہ بالک کی طرح بھولا تھا۔ کام کرتے کرتے تھک جاتا تو اپنے بھدے سور میں دھارمک بھجن گانے لگتا۔ جنھیں سن کر بالیکا کانپ اٹھتی اور وہی باتیں سوپن میں بھی دیکھتی۔

ہم سے بتا میری بیٹی، تو کہاں گئی تھی اور کیا دیکھا تھا۔ ؟

میں نے کفن اور سفید کپڑے دیکھے۔ سورگ دوت قبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور میں نے پربھو مسیح کی جیوتی دیکھی تھی۔

تھالیس اس سے پوچھتی۔ دادا تم قبر میں بیٹھے ہوئے دوتوں کا بھجن کیوں گاتے ہو۔؟

احمد جواب دیتا۔ میری آنکھوں کی ننھی پتلی میں سورگ دوتوں کے بھجن اس لیے گاتا ہوں کہ ہمارے پربھو مسیح سورگ لوک کو اڑ گئے ہیں۔

احمد عیسائی تھا۔ اس کی یتھوچت ریتی سے دکھشا ہو چکی تھی اور عیسائیوں کے سماج میں اس کا نام بھی ہیوڈور پرسدھ تھا۔ وہ راتوں کو چھپ کر اپنے سونے کے سمے میں ان کی سنکیتوں میں شامل ہوا کرتا تھا۔

اس سمے عیسائی دھرم پر وپتی کی گھٹنائیں چھائی ہوئیں تھیں۔ روس کے بادشاہ کی آگیا سے عیسائیوں کے گرجے کھود کر پھینک دیئے گئے تھے۔ پوتر پستکیں جلا ڈالی گئیں تھیں اور پوجا کی سامگریاں لوٹ لی گئی تھیں۔ عیسائیوں کے سمان پد چھین لیے گئے تھے، اور چاروں اور انھیں موت ہی موت دکھائی دیتی تھی۔ اسکندریہ میں رہنے والے سمست عیسائی سماج کے لوگ سنکٹ میں تھے۔ جس کے وشئے میں عیساولمبی ہونے کا ذرا بھی سندیہہ ہوتا تو اسے تُرنت قید میں ڈال دیتا۔ سارے دیش میں ان خبروں سے ہاہا کار مچا ہوا تھا، کہ سیام، عرب، ایران آدی استھانوں میں عیسائی بشپوں کو اور ورت دھارنی کماریوں کو کوڑے مارے گئے ہیں، سولی دی گئی ہے اور جنگل کے جانوروں کے سامنے ڈال دیا گیا ہے۔ اس دارون وپتی کے سمے جب ایسا نشچے ہورہا تھا کہ عیسائیوں کا نام ونشان بھی نہ رہے گا۔ اینٹونی نے اپنے ایکانت واس سے نکل کر مانو مرجھائے ہوئے دھان میں پانی ڈال دیا۔ اینتھونی مصر نواسی عیسائیوں کا نیتا ودھوان سدھ پُرش تھا جس کے آلوکیک کیرتیوں کی خبریں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ آتم گیانی اور تپسوی تھا۔ اس نے سمست دیش میں بھر مڑ کر کے عیسائی سمپردائے ماتر کو شردھا اور دھرم اتساہ سے پلاوِت کردیا۔ ودھرمیوں سے گپت رہ کر وہ ایک سمے میں عیسائیوں کی

سمست سبھاؤں میں پہنچ جاتا تھا اور سبھی میں اس شکتی اور وچار شیلتا کا سنچار کر دیتا تھا۔ جو اس کے روم روم میں ویاپت تھی۔ غلاموں کے ساتھ اسادھارن کٹھورتا کا ویوہار کیا گیا تھا۔ اس سے بھے بیت ہو کر کتنے ہی دھرم ویمکھ ہو گئے اور ادھی کانش جنگل کو بھاگ گئے۔ وہاں یا تو یہ سادھو ہو جائیں گے یا ڈاکے مار کر نرواہ کریں گے۔ لیکن احمد پوروت ان سبھاؤں میں سمّلت ہوتا، قیدیوں سے بھینٹ کرتا، اہات پروشوں کا کریہ کرم کرتا اور نربھے ہوکر عیسائی دھرم کی گھوشنا کرتا تھا۔ پرتیبھا شالی اینتھونی احمد کی یہ دررڑتا اور نشچلتا دیکھ کر اتنا پرسنیہ ہوا کہ چلتے سمے اسے چھاتی سے لگا لیا اور اسے پریم سے آشیرواد دیا۔

جب تھالیس سات ورش کی ہوئی تو احمد نے اس سے ایشور چرچا کرنا شروع کی۔ ان کی کتھا ستیہ اور استیہ کا وچتر مشرن، لیکن بالیہ ہردے کے انوکول تھی۔

ایشور فرعون کی بھانتی سورگ میں، اپنے حرم کے خیموں اور اپنے باغ کے ورکھشوں کی چھایا میں رہتا تھا۔ وہ بہت پراچین کال سے وہاں رہتا تھا۔ اور دنیا سے بھی پرانا ہے۔ اس کے کیول ایک ہی بیٹا ہے، جس کا نام پربھو عیسو ہے۔ وہ سورگ کے دوتوں سے اور رمنی یوتیوں سے بھی سندر ہے۔ ایشور اسے ہردے سے پیار کرتا ہے۔ اس نے ایک دن پربھو مسیح سے کہا۔ میرے بھون اور حرم، میرے چھوہارے کے ورکھشوں اور میٹھے پانی کی ندیوں کو چھوڑ کر پرتھوی پر جاؤ اور دین دکھی پرانیوں کا کلیان کرو۔ وہاں تجھے چھوٹے بالک کی بھانتی رہنا ہوگا۔ وہاں دُکھ ہی تیرا بھوجن ہوگا اور تجھے اتنا رونا ہوگا کہ تیرے آنسوؤں سے ندیاں بہہ نکلیں، جن میں دین دکھی نہا کر اپنی تھکن کو بھول جائیں۔ جاؤ پیارے پتر۔

پربھو مسیح نے اپنے پوجیہ پتا کی آگیا مان لی اور آکر بیت اللحم نگر میں اوتار لیا۔ وہ کھیتوں اور جنگلوں میں پھرتے تھے اور اپنے ساتھیوں سے کہتے رہتے تھے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو بھوکے رہتے ہیں، کیوں کہ میں انھیں اپنے پتا کی میز پر کھانا کھلاؤں گا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو پیاسے رہتے ہیں۔ کیوں کہ وہ سورگ کی نرمل ندیوں کا جل پئیں گے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو روتے ہیں۔ کیوں کہ میں اپنے دامن سے ان کے آنسو پونچھوں گا۔

یہی کارن ہے کہ دین ہین پرانی انھیں پیار کرتے ہیں اور ان پر وشواس کرتے ہیں لیکن دھنی لوگ ان سے ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ غریب لوگوں کو ان سے زیادہ دھنی نہ بنا دیں۔ اس سمے کلیوپیٹرا اور سیزر پرتھوی پر سب سے بلوان تھے۔ وہ دونوں ہی مسیح سے جلتے تھے۔ اس

لیے پجاریوں اور نیائے دھیشوں کو حکم دیا کہ پربھو مسیح کو مار ڈالو۔ ان کی آگیاں سے لوگوں نے ایک صلیب کھڑی کی اور پربھو کو سولی پر چڑھا دیا۔ کنتو پربھو مسیح نے قبر کے دوار کو توڑ ڈالا۔ اور پھر اپنے پتا ایشور کے پاس چلے گئے۔

اسی سمے سے پربھو مسیح کے بھگت سورگ کو جاتے ہیں۔ ایشور پریم سے ان کا سواگت کرتا ہے اور ان سے کہتا ہے آؤ میں تمھارا سواگت کرتا ہوں۔ کیوں کہ تم میرے بیٹے کو پیار کرتے ہو۔ ہاتھ دھو کر میز پر بیٹھ جاؤ تب سورگ کی اپسرائیں گاتی ہیں۔ اور جب تک مہمان بھوجن کرتے ہیں۔ ناچ ہوتا رہتا ہے۔ انھیں ایشور اپنی اور آنکھوں کی جیوتی سے ادھیک پیار کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ اس کے مہمان ہوتے ہیں اور ان کے وشرام کے لیے اپنے بھون کے غالیچے اور ان کے سودان کے لیے اپنے باغ کا انار پردان کرتا ہے

احمد اس پرکار تھالیس سے ایشور چرچا کرتا تھا۔ وہ وِسمِت ہو کر کہتی تھی۔ مجھے ایشور کے باغ سے انار ملے تو خوب کھاؤں۔

احمد کہتا تھا۔ سورگ کے پھل وہی پرانی کھاسکتے ہیں جو بپتسمہ لے لیتے ہیں۔

تب تھالیس بپتسمہ لے لینے کی آشنکا پرکٹ کی۔ پربھو مسیح میں اس کی بھگتی دیکھ کر احمد نے اسے اور بھی دھرم کتھائیں سنانی شروع کیں۔

اس پرکار ایک ورش بیت گیا۔ ایسٹر کا شبھ سپتاہ آیا اور عیسائیوں نے دھرم اتساہ منانے کی تیاری کی۔ اسی سپتاہ میں ایک رات کو تھالیس نیند سے چوکی تو دیکھا کہ احمد اسے گود میں اٹھا رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں اس سمے ادھ بدھ چمک تھی۔ وہ اور دنوں کی بھانتی پھٹے ہوئے پاجامے نہیں بلکہ ایک شویت ڈھیلا ڈھالا چوغا پہنے ہوئے تھا۔ اس نے تھالیس کو اسی چوغے میں چھپا لیا، اور اس کے کان میں بولا آمیری آنکھوں کی پتلی آ، اور بپتسمہ کے پوتر وستر دھارن کر۔

وہ لڑکی کو چھاتی سے لگائے چلا۔ تھالیس کچھ ڈری، کنتو اتسک بھی تھی، اس نے سر چوغے سے باہر نکال لیا اور اپنے دونوں ہاتھ احمد کی گردن میں ڈال دیئے۔ احمد اسے لیے دیگ سے دوڑا چلا جاتا تھا۔ وہ ایک تنگ گلی سے ہوکر گزرا تب یہودیوں کے محلّے کو پار کیا۔ پھر ایک قبرستان کے گرد گھومتے ہوئے ایک کھلے ہوئے میدان میں پہنچا، جہاں عیسائی دھرم ہتوں کی لاشیں صلیبوں پر لٹکی ہوئی تھیں۔ تھالیس نے اپنا سر چوغے میں چھپا لیا اور پھر

راستے بھر اسے منہ باہر نکالنے کا ساہس نہیں ہوا۔ اسے شیگھر ہی یہ گیات ہوا کہ ہم لوگ کسی تہہ خانے میں چلے جا رہے ہیں۔ جب اس نے پھر آنکھیں کھولیں تو اپنے کو ایک تنگ کھوہ میں پایا۔ رال کی مشعلیں جل رہی تھیں۔ کھوہ کی دیواروں پر عیسائی سدھ مہاتماؤں کے چتر بنے ہوئے تھے جو مشعلوں کے استھر پرکاش میں چلتے پھرتے سجیو معلوم ہوتے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کھجور کی ڈالیں تھیں، اور ان کے ارد گرد میمنے، کبوتر، فاختے اور انگور کی بیلیں چترت تھیں۔ انھی چتروں میں تھالیس نے عیسو کو پہچانا، جن کے پیروں کے پاس پھولوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

کھوہ کے مدھیہ میں ایک پتھر کے جل کنڈ کے پاس ایک وردھ پُرش لال رنگ کا ڈھیلا کرتا پہنے کھڑا تھا۔ یدیپی اس کے وستر بہومولیہ تھے پر وہ اتینت دین اور سرل جان پڑتا تھا۔ اس کا نام بشپ جیون تھا۔ جسے بادشاہ نے دیش سے نکال دیا تھا۔ اب وہ بھیڑ کا اون کاٹ کر اپنا نرواہ کرتا تھا۔ اس کے سمیپ دو لڑکے کھڑے تھے۔ نکٹ ہی ایک بڑھیا حبشن ایک چھوٹا سا کپڑا لیے کھڑی تھی۔ تھالیس کو زمین پر بٹھا دیا اور بھشک کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر بولا۔ پوجیہ پتا یہی وہ چھوٹی لڑکی ہے جسے میں پرانوں سے بھی ادھک چاہتا ہوں۔ میں اسے آپ کی سیوا میں لایا ہوں کہ آپ اسے اپنے وچن انوسار یدی اچھا ہو تو اسے بپتسمہ پردان کیجیے۔

یہ سن کر بشپ نے ہاتھ پھیلایا۔ ان کی انگلیوں کے ناخن اکھاڑ لیے گئے تھے کیوں کہ آپتی کے دنوں میں وہ راج آگیاں کا پرواہ نہ کرکے اپنے دھرم میں آروڑھ رہے تھے، تھالیس ڈر گئی اور احمد کی گود میں چھپ گئی، کنتو بشپ کے ان اسنیہہ مے شبدوں نے اسے آشوست کردیا۔ پر یہ پتری ڈرو مت۔ احمد تیرا دھرم پتا ہے جسے ہم لوگ تھیوڈورا کہتے ہیں۔ اور وردھا استری تیری ماتا ہے جس نے اپنے ہاتھوں سے تیرے لیے ایک سفید وستر تیار کیا ہے اس کا نام نیتی دا ہے۔ یہ اس جنم میں غلام ہے۔ پر سورگ میں یہ پربھو مسیح کی پریسی بنے گی۔

تب اس نے تھالیس سے پوچھا۔ تھالیس، کیا تو ایشور پر، جو ہم سب کا پرم پتا ہے۔ اس کے اکلوتے پتر پربھو مسیح پر جس نے ہماری مکتی کے پران آرپن کیے اور مسیح کے شیشوں پر وشواس کرتی ہے؟

حبشی اور حبشن ایک سور میں کہا۔ ہاں۔

تب بشپ کے آدیش سے نیتی دا نے تھالیس کے کپڑے اتارے۔ وہ نگن ہوگئی۔ اس کے گلے میں کیول ایک ینتر تھا۔ بشپ نے اسے تین بار جل کنڈ میں غوطہ دیا اور تب نیتی دا نے دیہہ کا پانی پونچھ کر اپنا سفید وستر پہنا دیا۔ اس پرکار وہ بالیکا عیسیٰ شرن میں آئی جو کتنی پریکشھاؤں اور پرلوبھنوں کے بعد جیون پراپت کرنے والی تھی۔

جب یہ سنسکار سماپت ہوگیا اور سب لوگ کھوہ کے باہر نکلے تو احمد نے بشپ سے کہا۔ پوجیے پتا، ہمیں آج آنند منانا چاہیے کیونکہ ہم نے ایک آتما کو پربھو مسیح کے چرنوں میں سمرپت کیا۔ آگیا ہو تو ہم آپ کے شبھ استھان پر چلیں اور شیش راتری اتسو منانے میں کاٹیں۔

بشپ نے پرسنتا سے اس پرستاؤ کو سویکار کیا۔ لوگ بشپ کے گھر آئے۔ ان میں کیول ایک کمرہ تھا۔ دو چرخے رکھے ہوئے تھے اور ایک پھٹی ہوئی دری بچھی تھی۔ جب یہ لوگ اندر پہنچے تو بشپ نے نیتی دا سے کہا۔ چولہا اور تیل کی بوتل لاؤ۔ بھوجن بنائیں۔

یہ کہہ کر اس نے کچھ مچھلیاں نکالیں، انھیں تیل میں بھونا، تب سب کے سب فرش پر بیٹھ کر بھوجن کرنے لگے۔ بشپ نے اپنی ینتراؤں کا ورتانت کہا اور عیسائیوں کی وجے پر وشواس پرکٹ کیا۔ اس کی بھاشا بہت ہی پیچ دار، النکرت، الجھی ہوئی تھی۔ تتوکم، شبداڈمبر بہت تھا۔ تھالیس منتر مگدھ سی بیٹھی سنتی رہی۔

بھوجن سماپت ہو جانے پر بشپ نے مہمانوں کو تھوڑی سی شراب پلائی۔ نشہ چڑھا تو وہ بہک بہک کر باتیں کرنے لگے۔ ایک چھن کے بعد احمد اور نیتی دا نے ناچنا شروع کیا۔ یہ پریت نرتیہ تھا۔ دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر کبھی ایک دوسرے کی طرف لپکتے، کبھی دور ہٹ جاتے جب سویرا ہونے میں تھوڑی دیر رہ گئی تو احمد نے تھالیس کو پھر گود میں اٹھایا اور گھر چلا آیا۔

انیہ بالکوں کی بھانتی تھالیس بھی آمود پریہ تھی۔ دن بھر وہ گلیوں میں بالکوں کے ساتھ ناچتی گاتی رہتی تھی۔ رات گھر آتی تب وہ بھی وہ گیت گایا کرتی، جن کا سر پیر کچھ نہ ہوتا۔

اب اسے احمد جیسے شانت سیدھے سادھے آدمی کی اپیکشھا لڑکے لڑکیوں کی سنگتی ادھک روچی کر معلوم ہوتی۔! احمد بھی اس کے ساتھ کم دکھائی دیتا تھا۔ عیسائیوں پر اب

بادشاہ کی کر وردرشٹی نہ تھی۔ اس لیے وہ ابادھ روپ سے دھرم -سبھائیں کرنے لگے تھے۔ دھرم نشٹھ احمد ان -سبھاؤں میں سمّیلت ہونے سے کبھی نہ چوکتا۔ اس کا دھرم اتساہ دنوں دن بڑھنے لگا۔ کبھی کبھی وہ بازار میں عیسائیوں کو جمع کر کے انھیں آنے والے سکھوں کی شبھ سوچنا دیتا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی شہر کے بھکاری مزدور، غلام، جن کا کوئی آشریے نہ تھا۔ جو راتوں میں سڑک پر سوتے تھے، ایکترت ہوجاتے اور وہ ان سے کہتا۔ غلاموں کے مکت ہونے کے دن نکٹ ہیں، نیائے جلد آنے والا ہے، دھن کے متوالے چین کی نیند نہ سوسکیں گے، اور دھنی لوگ کتّے کی بھانتی دبکے ہوئے میز کے نیچے بیٹھے رہیں گے اور ان کا جھوٹن کھائیں گے۔

یہ شبھ سندیش شہر کے کونے کونے میں گونجنے لگتا اور دھنی سوامیوں کو شنکا ہوتی کہ کہیں ان کے غلام اتیجت ہوکر بغاوت نہ کر بیٹھے۔ تھالیس کا پتا بھی اس سے جلا کرتا تھا۔ وہ کُتسِت بھاؤں کو گپت رکھتا۔

ایک دن چاندی کا ایک نمک دان جو دیوتاؤں کے یکیہ کے لیے الگ رکھا ہوا تھا، چوری ہوگیا۔ احمد ہی اپرادھی ٹھہرایا گیا۔ اوشیہ اپنے سوامی کو ہانی پہچانے اور دیوتاؤں کا اپمان کرنے کے لیے اس نے یہ ادھرم کیا ہے ! چوری کو ثابت کرنے کے لیے کوئی پرمان نہ تھا اور احمد پکار پکار کر کہتا تھا۔ مجھ پر ویرتھ ہی یہ دوشروپن کیا جاتا ہے۔تس پر بھی وہ عدالت میں کھڑا کیا گیا۔ تھالیس کے پتا نے کہا، یہ کبھی من لگا کر کام نہیں کرتا۔ نیائے دھیش نے اسے پران دنڈ کا حکم دے دیا۔ جب احمد عدالت سے چلنے لگا تو نیائے دھیش نے کہا۔ اپنے ہاتھوں سے اچھی طرح کام نہیں لیا اس لیے اب یہ صلیب میں ٹھونک دیے جائیں گے۔

احمد نے شانتی پُوروک فیصلہ سنا، دیغتا سے نیائے دھیش کو پرنام کیا اور تب کاراگار میں بند کر دیا گیا۔ اس کے جیون کے کیول تین دن اور تھے اور تینوں دن یہ قیدیوں کو اپدیش دیتا رہا۔ کہتے ہیں اس کے اپدیشوں کا ایسا اثر پڑا کہ سارے قیدی اور جیل کے کرمچاری مسیح کی شرن میں آگئے۔ یہ اس کے اوی چل دھرم انوراگ کا پھل تھا۔

چوتھے دن وہ اسی استھان پر پہنچایا گیا جہاں سے دو سال پہلے تھالیس کو گود میں لیے وہ بڑے آنند سے نکلا تھا۔ جب اس کے ہاتھ صلیب پر ٹھونک دیئے گئے، تو اس نے ''اُف'' تک نہ کیا اور ایک بھی اپشبد اس کے منہ سے نہ نکلا! انت میں بولا۔ میں پیاسا ہوں !

تین دن اور تین رات سے اسہائے پران پیڑا بھوگنی پڑی۔ مانو شریر اتنا دوسہ انگ

وِچھید سہ سکتا ہے، اسمبھو سا پرتیت ہوتا تھا۔ بار بار لوگوں کو خیال ہوتا تھا کہ وہ مر گیا، مکھیاں آنکھوں پر جمع ہو جاتیں، کنتو سہسا اس کے رکت ورن نیتر کھل جاتے تھے۔ چوتھے دن پراتہ کال اس نے بالکوں کے سے سرل اور مردوسور میں گانا شروع کیا۔ مریم بتا تو کہاں گئی تھی اور وہاں کیا دیکھا ؟تب اس نے مسکرا کر کہا۔

وہ سورگ کے دوت تجھے لینے کو آرہے ہیں، ان کا مکھ کتنا تیجسوی ہے۔ وہ اپنے ساتھ پھل اور شراب لیے آتے ہیں۔ ان کے پَروں سے کیسی نرمل، سکھد وایو چل رہی ہے۔

اور یہ کہتے کہتے اس کا پران انت ہوگیا۔

مرنے پر بھی اس کا مکھ منڈل آتم الآس سے اودیپت ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ سپاہی بھی جو صلیب کی رکھشا کر رہے تھے، وسمت ہو گئے۔ بشپ جیون نے آکرشو کا مرتک سنسکار کیا اور عیسائی سمودائے نے مہاتما تھیوڈور کی کیرتی کو پرموجول اکشروں میں انکِت کیا۔

احمد کے پران دنڈ کے سے تھالیس کا گیارہواں ورش پورا ہو چکا تھا۔ اس گھٹنا سے اس کے ہردے کو گہرا صدمہ پہنچا۔ اس کی آتما ابھی اتنی پوتر نہ تھی کہ وہ احمد کی مرتیو کو اس کے جیون کے سمان ہی مبارک سمجھتی، اس کی مرتیو کو اُدھار سمجھ کر پرسنیہ ہوتی۔ اس کے ابھود من میں یہ بھرانت بیج اُتپنّ ہوا کہ اس سنسار میں وہی پرانی دیا دھرم کا پالن کر سکتا ہے جو کٹھن سے کٹھن یاتنائیں سہنے کے لیے تیار رہے یہاں تجتنا کا دنڈ اوشیہ ملتا ہے اسے ستکرم سے بھے ہوتا تھا۔ کہیں میری بھی یہی دشا نہ ہو۔ اس کا کومل شریر پیڑا سہنے سے اسمرتھ تھا۔

وہ چھوٹی ہی عمر میں بادشاہ کے یووکوں کے ساتھ کیریڑا کرنے لگی۔ سندھیا سمے وہ بوڑھے آدمیوں کے پیچھے لگ جاتی اور ان سے کچھ نہ کچھ لے مرتی تھی۔ اس بھانتی جو کچھ ملتا اس سے مٹھائیاں اور کھلونے مول لیتی۔ پر اس کی لوبھنی ماتا چاہتی تھی کہ وہ جو کچھ پائے وہ مجھے دے۔ ماتا کی مار سے بچنے کے لیے وہ بہودا گھر سے بھاگ جاتی اور شہر پناہ کی دیوار کی دراروں میں ونیہ جنتوؤں کے ساتھ چھپی رہتی۔

ایک دن اس کی ماتا نے اسے اتنی نردیتا سے پیٹا کہ وہ گھر سے بھاگی اور شہر کے پھاٹک کے پاس چپ چاپ پڑی سسک رہی تھی کہ ایک بڑھیا اس کے سامنے جاکر کھڑی ہو گئی۔ وہ تھوڑی دیر تک مگدھ بھاو سے اس کی اور تاکتی رہی اور تب بولی۔ او میری گلاب،

میری گلاب، میری پھول سی بچی! دھنیہ ہے تیرا پتا، جس نے تجھے پیدا کیا اور دھنیہ ہے تیری ماتا جس نے تجھے پالا۔

تھالیس چپ چاپ بیٹھی زمین کی اور دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھیں لال تھی، وہ رو رہی تھی۔

بڑھیا نے پھر کہا۔ میری آنکھوں کی پتلی، منّی، کیا تیری ماتا تجھ جیسی دیوکنیا کو پال پوس کر آنند سے پھول نہیں جاتی، اور تیرا پتا تجھے دیکھ کر گورو سے انمت نہیں ہوجاتا؟

تھالیس نے اس طرح بھن بھنا کر اتر دیا، مانو من ہی میں کہہ رہی ہے۔ میرا باپ شراب سے پھولا ہوا پیپا ہے اور ماتا رکت چوسنے والی جونک ہیں۔

بڑھیا نے دائیں بائیں دیکھا کہ کوئی سن تو نہیں رہا ہے، تب نِشّنک ہوکر اتینت مِردُو کنٹھ سے بولی— ارے میری پیاسی آنکھوں کی جیوتی، او میری کھلی ہوئی گلاب کی کلی میرے ساتھ چلو، کیوں اتنا کشٹ سہتی ہو؟ ایسے ماں باپ کو جھاڑ مارو، میرے یہاں تمھیں ناچنے اور ہنسنے کی سوائے اور کچھ نہ کرنا پڑے گا۔ میں تمھیں شہد کے رس گلّے کھلاؤں گی اور میرا بیٹا تمھیں آنکھوں کی پتلی بنا کر رکھے گا، وہ بڑا سندر سجیلا جوان ہے، اس کی داڑھی پر ابھی بال بھی نہیں نکلے، گورے رنگ کا کومل سوبھاؤ کا پیارا لڑکا ہے۔

تھالیس نے کہا۔ میں شوق سے تمھارے ساتھ چلوں گی اور اٹھ کر بڑھیا کے پیچھے شہر کے باہر چلی گئی۔

بڑھیا کا نام میرا تھا۔ اس کے پاس کئی لڑکے لڑکیوں کی ایک منڈلی تھی۔ انھیں اس نے ناچنا، گانا، نقلیں کرنا سکھایا تھا۔ اس منڈلی کو لے کر وہ نگر نگر گھومتی تھی، اور امیروں کے جلسوں میں اب ان کا ناچ گانا کرا کے اچھا پُرسکار لیا کرتی تھی۔

اس کی چتر آنکھوں نے دیکھ لیا کہ یہ کوئی سادھارن لڑکی نہیں ہے۔ اس کا اٹھان کہہ دیتا تھا کہ آگے چل کر وہ اتینت روپ وتی رمنی ہوگی، اس نے اسے کوڑے مار کر سنگیت اور پنگل کی شکھشا دی۔ جب ستار کے تالوں کے ساتھ اس کے پیر نہ اٹھتے تو وہ اس کی کومل پنڈلیوں میں چمڑے کے تسمے سے مارتی۔ اس کا پتر جو ہجڑا تھا، تھالیس سے دویش رکھتا تھا، جو اسے استری ماتر سے تھا۔ پر وہ ناچنے میں نقل کرنے میں، منوگت بھاووں کو سنکیت سین، آکریتی دوارا ویکت کرنے میں، پریم کی کھاتوں کے درشانے میں، اتینت کُشل تھا۔ ہجڑوں

میں یہ گن پرایہ ایشور دت ہوتے ہیں۔ اس نے تھالیس کو یہ وِدیا سکھائی، خوشی سے نہیں، بلکہ اس لیے اس ترکیب سے وہ جی بھر کر تھالیس کو گالیاں دے سکتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ تھالیس ناچنے گانے میں نپورن ہوتی جاتی ہے اور رسک لوگ اس کے نرتیہ گان سے جتنے مگدھ ہوتے ہیں۔ اتنا میرے نرتیہ کوشل سے نہیں ہوتے تو اس کی چھاتی پر سانپ کاٹنے لگا۔ وہ اس کے گالوں کو نوچ لیتا، اس کے ہاتھ پیر میں چٹکیاں کاٹتا۔ پر اس کی جلن سے تھالیس کو لیش ماتر بھی دُکھ نہ ہوتا تھا۔ نردیے ویوہار کا اسے ابھیاس ہو گیا تھا۔ اَنتی یوکس اس سمے بہت آباد شہر تھا۔ میرا جب اس شہر میں آئی تو اس نے رئیسوں سے تھالیس کی خوب پرشنسا کی۔ تھالیس کا روپ لاونیہ دیکھ کر لوگوں نے بڑے چاو سے اسے اپنی راگ رنگ کی مجلسوں میں نیمنترت کیا، اور اس کے نرتیہ گان پر موہت ہو گئے۔ شنے شنے یہی اس کا نتیہ کا کام ہو گیا۔ نرتیہ گان سماپت ہونے پر وہ پرایہ سیٹھ ساہوکاروں کے ساتھ ندی کے کنارے، گھنے کنجوں میں وہار کرتی۔ اس سمے تک اسے پریم کے مولیہ کا گیان نہ تھا۔ جو کوئی بلاتا اس کے پاس جاتی، مانو کوئی جوہری کا لڑکا دھن راشی کو کوڑیوں کی بھانتی لٹا رہا ہو۔ اس کا ایک ایک کٹا کچھ ہردے کو کتنا اُدّگن کر دیتا ہے، اس کا ایک ایک کر اسپرش کتنا رومانچ کاری ہوتا ہے، یہ اس کے اگیات یوون کو ودِت نہ تھا۔

ایک رات کو اس کا مجرا نگر کے سب سے دھنی رسیک یووکوں کے سامنے ہوا۔ جب نرتیہ بند ہوا تو نگر کے پردھان راجیہ کرم چاری کا بیٹا، جوانی کی امنگ اور کام چیتنا سے وہیول ہو کر اس کے پاس آیا اور ایسے مدھر سور میں بولا جو پریم رس میں سنی ہوئی تھی۔

تھالیس یہ میرا پرم سوبھاگیہ ہوتا۔ یدی تیرے الکوں میں گونتھی ہوئی پشپ مالا یا تیرے کومل شریر کا آبھوشن، اتھوا تیرے چرنوں کی پاؤکا میں ہوتا۔ یہ میری پرم لالسا ہے کہ پاؤکا کے بھانتی تیرے سندر چرنوں سے کچلا جاتا، میرا پریم آلنگن تیرے سکومل شریر کا آبھوشن اور تیری الک راشی کا پشپ ہوتا۔ سندری رمنی، میں پرانوں کو ہاتھ میں لیے تیری بھینٹ کرنے کو اتسک ہو رہا ہوں۔ میرے ساتھ چل اور ہم دونوں پریم میں مگن ہو کر سنسار کو بھول جائیں۔

جب تک وہ بولتا رہا، تھالیس اس کی اور وِسمِت ہو کر تاکتی رہی۔ اسے گیات ہوا کہ اس کا روپ منوہر ہے۔ اکسمات اسے اپنے ماتھے پر ٹھنڈا پسینہ بہتا ہوا جان پڑا۔ وہ ہری گھاس کی بھانتی آدر ہو گئی۔ اس کے سر میں چکر آنے لگے، آنکھوں کے سامنے میگھ گھٹا سی اٹھتی

ہوئی جان پڑی۔ یووک نے پھر وہی پریم آکانکشھا پرکٹ کی، لیکن تھالیس نے پھر انکار کیا۔ اس کے آنٹر نیتر، اس کی پریم یاچنا سب نشپھل ہوئی، اور جب اس نے ادھیر ہو کر اسے اپنی گود میں لے لیا اور بلات کھینچ لے جانا چاہا تو اس نے نشٹھرتا سے اسے ہٹا دیا۔ تب وہ اس کے سامنے بیٹھ کر رونے لگا۔ پر اس کے ہردے میں ایک نوین، اگیات اور الکشھت چیتنیتا اُدِت ہوگئی تھی۔ وہ اب بھی دُراگرہ کرتی رہی۔

مہمانوں نے سنا تو بولے۔ یہ کیسی پگلی ہے؟لولس کولین، روپ وان، دھنی ہے، اور یہ ناچنے والی یووتی اس کا اپمان کرتی ہے!

لولس اس رات گھر لوٹا تو پریم مد سے متوالا ہو رہا تھا۔ پراتہ کال وہ پھر تھالیس کے گھر آیا، تو اس کا مُکھ وِورن اور آنکھیں لال تھیں، اس نے تھالیس کے دوار پر پھولوں کی مالا چڑھائی۔ لیکن تھالیس بھے بھِت اور اشانت تھی، اور لولس سے منہ چھپاتی رہتی تھی۔ پھر بھی لولس کی سمرتی ایک چھن کے لیے بھی اس کی آنکھوں سے نہ اترتی۔ اسے ویدنا ہوتی تھی پر وہ اس کا کارن نہ جانتی تھی۔ اسے آشچر یہ ہوتا تھا کہ میں اتنی کھِن اور انیہ منسک کیوں ہو گئی ہوں۔ یہ انیہ سب پریمیوں سے دور بھاگتی تھی۔ ان سے اسے گھرنا ہوتی تھی۔ اسے دن کا پرکاش اچھا نہ لگتا، سارے دن اکیلے بچھاون پر پڑی، تکیے میں منہ چھپائے رویا کرتی۔ لولس کئی بار کسی نہ کسی یکتی سے اس کے پاس پہنچا، پر اس کا پریما گرہ، رونا دھونا، ایک بھی اسے نہ پگھلا سکا۔ اس کے سامنے وہ تاک نہ سکتی، کیول یہی کہتی۔نہیں، نہیں۔

لیکن ایک پکھش کے بعد اس کی ضد جاتی رہی۔ اسے گیات ہوا کہ میں لولس کے پریم پاش میں پھنس گئی ہوں۔ وہ اس کے گھر گئی اور اس کے ساتھ رہنے لگی۔ اب ان کے آنند کی سیما نہ تھی۔ دن بھر ایک دوسرے سے آنکھیں ملائے بیٹھے پریمالاپ کیا کرتے تھے۔ سندھیا کو ندی کے نیرونرجن تٹ پر ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ٹہلتے۔ کبھی کبھی آرون اُدے کے سمے اٹھ کر پہاڑیوں پر سنبل کے پھول بٹورنے چلے جاتے۔ ان کی تھالی ایک تھی۔ پیالہ ایک تھا، میز ایک تھی۔ لولس اس کے منہ کے انگور نکال کر اپنے منہ میں کھا جاتا۔

تب میرا لولس کے پاس آکر رونے پیٹنے لگی کہ میری تھالیس کو چھوڑ دو۔ وہ میری بیٹی ہے، میری آنکھوں کی پتلی! میں نے اسی اودر سے اسے نکالا، اس گود میں اس کا لالن پالن کیا اور اب تو اسے میری گود سے چھین لینا چاہتا ہے۔

لولس نے اسے پرچُر دھن دے کر ودا کیا، لیکن جب وہ دھن ترشنا سے لولُپ ہو کر پھر آئی تو لولس نے اسے قید کرا دیا۔ نیائے ادھیکاریوں کو گیات ہوا کہ وہ کٹنی ہے، بھولی لڑکیوں کو بہکا لے جانا ہی اس کا ادھم ہے تو اسے پران دنڈ دے دیا اور وہ جنگلی جانوروں کے سامنے پھینک دی گئی۔

لولس اپنی اکھنڈ سمپورن کامنا سے تھالیس کو پیار کرتا تھا۔ اس کی پریم کلپنا نے ویراٹ روپ دھارن کر لیا تھا، جس سے اس کی کشور چیتنا سنشک ہو جاتی تھی۔ تھالیس انتہ کرن سے کہتی، 'میں نے تمھارے سوائے اور کسی سے پریم نہیں کیا۔'

لولس جواب دیتا۔ تم سنسار میں ادوتیہ ہو۔ دونوں پر چھ مہینے تک یہ نشہ سوار رہا۔ انت میں ٹوٹ گیا۔ تھالیس کو ایسا جان پڑتا کہ میرا ہردے شونیہ اور نرجن ہے۔ وہاں سے کوئی چیز غائب ہو گئی ہے۔ لولس اس کی درشٹی میں کچھ اور معلوم ہوتا تھا۔ وہ سوچتی۔ مجھ میں سہسا یہ انتر کیوں ہو گیا؟ یہ کیا بات ہے کہ لولس اب اور منشیوں کا سا ہو گیا ہے۔ اپنا سا نہیں رہا؟ مجھے کیا ہو گیا ہے؟

یہ دشا اسے اسہائے پرتیت ہونے لگی۔ اکھنڈ پریم کے آسوادن کے بعد اب یہ نیرس، شُشک، دیاپار اس کی ترشنا کو ترپت نہ کر سکا۔ وہ اپنے کھوئے ہوئے لولس کو کسی انیہ پرانی میں کھوجنے کی گپت اچھا کو ہردے میں چھپائے ہوئے، لولس کے پاس سے چلی گئی۔ اس نے سوچا پریم رہنے پر بھی کسی پُرش کے ساتھ رہنا اس آدمی کے ساتھ رہنے سے کہیں سکھ کر ہے جس سے اب پریم نہیں رہا۔ وہ پھر نگر کے وِشے بھوگیوں کے ساتھ ان دھرم اتسوں میں جانے لگی جہاں وستر ہین یووتیاں مندروں میں نرتیہ کیا کرتی تھیں، یا جہاں ویشیاؤں کے غول کے غول ندی میں تیرا کرتے تھے۔ وہ اس ولاس پرِیہ اور رنگیلے نگر کے راگ رنگ میں دل کھول کر بھاگ لینے لگی۔ وہ نتیہ رنگ شالاؤں میں آتی جہاں چتر گوّیے اور نرتک دیش دیشانتروں سے آکر اپنے کرتب دکھاتے تھے اور اتیجنا کے بھوکے درشک ورند واہ واہ کی دھونی سے آسمان سر پر اٹھا لیتے تھے۔

تھالیس گائیکوں، ابھی نیتاؤں، ویشیشتہ ان استریوں کے چال ڈھال کو بڑے دھیان سے دیکھا کرتی تھی جو دو: کھانت ناٹکوں میں منشیہ سے پریم کرنے والی دیویوں یا دیوتاؤں سے پریم کرنے والی استریوں کا ابھینے کرتی تھیں۔ شیگھر ہی اسے وہ لٹکے معلوم ہو گئے، جن

کے دوارا وہ پاترائیں درشکوں کا من ہر لیتی تھیں، اور اس نے سوچا، کیا میں جو ان سبوں سے روپ وتی ہوں۔ ایسا ہی ابھنیے کر کے درشکوں کو پرسن نہیں کر سکتی؟ وہ رنگ شالا ویوستھا پک کے پاس گئی اور اس سے کہا کہ مجھے بھی اس ناٹیہ منڈلی میں سمِلت کر لیجیے۔ اس کے سوندریہ نے اس کی پورو شکشھا کے ساتھ مل کر اس کی سفارش کی۔ ویوستھا پک نے اس کی پراتھنا سویکار کر لی اور وہ پہلی بار رنگ منچ پر آئی۔

پہلے درشکوں نے اس کا بہت آشا جنک سواگت نہ کیا۔ ایک تو اس کام میں ابھیست نہ تھی، دوسرے اس کی پرشنسا کے پُل باندھ کر جنتا کو پہلے ہی سے اتسک نہ بنایا گیا تھا۔ لیکن کچھ دنوں تک گوڑ چریتروں کا پارٹ کھیلنے کے بعد اس کے یوون نے وہ ہاتھ پاؤں نکالے کہ سارا نگر لوٹ پوٹ ہوگیا۔ رنگ شالا میں کہیں تل رکھنے بھر کی جگہ نہ بچتی۔ نگر کے بڑے بڑے حاکم، رئیس، امیر، لوک مت کے پربھاو رنگ شالا میں آنے پر مجبور ہوئے۔ شہر کے چوکی دار، پلّے دار، مہتر، گھاٹ کے مزدور، دن دن بھر اپواس کرتے تھے کہ اپنی جگہ سرکشھت کرا لیں۔ کوی جن اس کی پرشنسا میں کویت کہتے۔ لمبی داڑھیوں والے وگیان شاستری ویایام شالاؤں میں اس کی نندا اور اپیکشھا کرتے جب اس کا تام جھام سڑک پر سے نکلتا تو عیسائی پادری منہ پھیر لیتے تھے۔ اس کے دوار کی چوکھٹ پشپ مالاؤں سے ڈھکی رہتی تھی۔ اپنے پریمیوں سے اسے اتنا اتُل دھن ملتا کہ اسے گننا مشکل تھا۔ ترازو پر تول لیا جاتا تھا۔ کرپن بوڑھوں کی سنگرہ کی ہوئی سمست سمپتی اس کے اوپر کوڑیوں کی بھانتی لٹائی جاتی تھی پر اسے گرو نہ تھا۔ اینٹھ نہ تھی۔ دیوتاؤں کی کرپا درشٹی اور جنتا کی پرشنسا دھونی سے اس کے ہردیے کو گورو یکت آنند ہوتا تھا۔ سب کی پیاری بن کر وہ اپنے کو پیار کرنے لگی تھی۔

کئی ورش تک اینٹی اوک واسیوں کے پریم اور پرشنسا کا سکھ اٹھانے کے بعد اس کے من میں پربل اوتکنٹھا ہوئی کہ اسکندریہ چلوں اور اس نگر میں اپنا ٹھاٹ باٹ دکھاؤں، جہاں بچپن میں میں ننگی اور بھوکی دریدر اور دُربل سڑکوں پر ماری ماری پھرتی تھی اور گلیوں کی خاک چھانتی تھی۔ اسکندریہ آنکھیں بچھائے اس کی راہ دیکھتا تھا۔ اس نے بڑے ہرش سے اس کا سواگت کیا اور اس پر موتی برسائے !وہ کریڑا بھومی میں آتی تو دھوم مچ جاتی۔ پریمیوں اور ولاسیوں کے مارے اسے سانس نہ ملتی، پر وہ کسی کو منہ نہ لگاتی۔ دوسرا، لوس اسے جب نہ ملا تو اس نے اس کی چنتا ہی چھوڑ دی۔ اس سورگ سکھ کی اب اسے آشا نہ تھی۔

اس کے انیہ پریمیوں میں تتوگیانی نسیاس بھی تھا جو ورکت ہونے کا دعویٰ کرنے پر بھی اس کے پریم کا لچھک تھا۔ وہ دھن وان تھا پر انیہ دھن پتیوں کی بھانتی ابھیمانی اور مند بدھی نہ تھا۔ اس کے سوبھاو میں ونے اور سوہارد کی آبھا جھلکتی تھی، کنتو اس کا مدھر ہاسیہ اور مردکلپنائیں اسے رجھانے میں سپھل نہ ہوتیں۔ اسے نسیاس سے پریم نہ تھا، کبھی کبھی اس کے سوبھاشیتوں سے اسے چڑھ ہوتی تھی۔ اس کے شنکاواد سے اس کا چت وَیگر ہو جاتا تھا، کیوں کہ نسیاس کی شردھا کسی پر نہ تھی اور تھالیس کی شردھا سبھی پر تھی۔ وہ ایشور پر، بھوت پریتوں پر، جادو ٹونے پر، جنتر منتر پر، پورا وشواس کرتی تھیں۔ اس کی بھگتی پر بھو مسیح پر بھی تھی، سیام والوں کی پُنیتا دیوی پر بھی اسے وشواس تھا کہ رات کو جب اَمک پریت گلیوں میں نکلتا ہے تو کتیاں بھونکتی ہیں۔ مارن، اچچاٹن، وشی کرن کے ودھانوں پر اور شکتی پر اسے اٹل وشواس تھا۔ اس کا چت اگیات کے لیے اتسک رہتا تھا۔ وہ دیوتاؤں کی منوتیاں کرتی تھی اورسدیو سبھا شاؤں میں مگن رہتی تھی۔ بھوشیہ سے وہ سَشنک رہتی تھی، پھر بھی اسے جاننا چاہتی تھی۔ اس کے یہاں اوجھے، سیانے، تانترک، منتر جگانے والے، ہاتھ دیکھنے والے جمع رہتے تھے۔ وہ ان کے ہاتھوں نتیہ دھوکہ کھاتی پر سترک نہ ہوتی تھی۔ وہ موت سے ڈرتی تھی اور اس سے سترک رہتی تھی۔ سکھ بھوگ کے سمے بھی اسے بھے ہوتا تھا کہ کوئی نردے کٹھور ہاتھ اس کا گلا دبانے کے لیے بڑھا آتا ہے اور وہ چلاّ اٹھتی تھی۔

نسیاس کہتا تھا۔ پریہ، ایک ہی بات ہے، چاہے ہم رُگن اور جرجر ہو کر مہاراتری کی گود میں سما جائیں، اتھوا یہیں بیٹھے، آنند بھوگ کرتے، ہنستے کھیلتے، سنسار سے پرستھان کر جائیں۔ جیون کا اُدشیے سکھ بھوگ ہے۔ آؤ جیون کی بہار لوٹیں۔ پریم سے ہمارا جیون سپھل ہو جائے گا۔ اندریوں دوارا پراپت گیان ہی یتھارتھ گیان ہے۔ اس کے سوائے سب متھیا ہے، دھوکہ ہے۔ پریم ہی سے گیان پراپت ہوتا ہے، جس کا ہم کو گیان نہیں، وہ کیول کلپنا ہے۔ متھیا کے لیے اپنے جیون سکھ میں کیوں بادھا ڈالیں؟

تھالیس سرَوش ہو کر اتّر دیتی۔ تم جیسے منُشیوں سے بھگوان بچائے، جنھیں کوئی آشا نہیں، کوئی بھے نہیں۔ میں پرکاش چاہتی ہوں، جس سے میرا انتہ کرن چمک اٹھے۔

جیون کے رہسیہ کو سمجھنے کے لیے اس نے درشن گرنتھوں کو پڑھنا شروع کیا، پر وہ اس کی سمجھ میں نہ آئے۔ جیوں جیوں بالیہ اوستھا اس سے دور ہوتی جاتی تھی، تیوں تیوں اس کی یاد

اسے وِکل کرتی تھی۔ اسے راتوں کو بھیس بدل کر ان سڑکوں، گلیوں، چوراہوں پر گھومنا بہت پریے معلوم ہوتا جہاں اس کا بچپن اتنے دکھ سے کٹا تھا۔ اسے اپنے ماتا پتا کے مرنے کا دکھ ہوتا تھا، اس کارن اور بھی کہ وہ انھیں پیار نہ کر سکی تھی۔

جب کسی عیسائی پوجک سے اس کی بھینٹ ہو جاتی تو اسے اپنا بپتسمہ یاد آتا اور چت اشانت ہو جاتا۔ ایک رات کو وہ ایک لمبا لبادہ اوڑھے، سندر کیشوں کو ایک کالے ٹوپ سے چھپائے، شہر کے باہر وچر رہی تھی کہ سہسا وہ ایک گرجا گھر کے سامنے پہنچ گئی۔ اسے یاد آیا، میں نے اسے پہلے بھی دیکھا ہے۔ کچھ لوگ اندر گا رہے تھے اور دیوار کی درازوں سے اجّول پرکاش ریکھائیں باہر جھانک رہی تھیں۔ اس میں کوئی نوین بات نہ تھی، کیوں کہ ادھر لگ بھگ بیس ورشوں سے عیسائی دھرم میں کوئی ودھن بادھا نہ تھی۔ عیسائی لوگ نراپد روپ اپنے دھرم اتسو کرتے تھے۔ لیکن ان بھجنوں میں اتنی انورکت کرون سورگ دھونی تھی، جو مرم استھل میں چٹکیاں لیتی ہوئی جان پڑتی تھیں۔ تھالیس انتہ کارن کے وشی بھوت ہو کر اس طرح دوار کھول کر بھیتر گھس گئی مانو کسی نے اسے بلایا ہے۔ وہاں اسے بال، وردھ نر ناریوں کا ایک بڑا سموہ ایک سمادھی کے سامنے سجدہ کرتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ قبر کیول پتھر کی ایک تابوت تھی، جس پر انگور کے گچھوں اور بیلوں کا آکار بنے ہوئے تھے۔ پر اس پر لوگوں کی اسیم شردھا تھی۔ وہ کھجور کی ٹہنیوں اور گلاب کی پشپ مالاؤں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ چاروں طرف دیپک جل رہے تھے اور اس کے ملین پرکاش میں لوبان، اود آدی کا دھواں سورگ دوتوں کے وستروں کی تہوں سا دکھتا تھا، اور دیوار کے چتر سورگ کے درشیوں کے سے کئی شوت وستر دھاری پادری قبر کے پیروں پر پیٹ کے بل پڑے ہوئے تھے۔ ان کے بھجن دکھ کے آنند کو پرکٹ کرتے تھے اور اپنے شوک الاّس میں دکھ اور سکھ، ہرش اور شوک کا ایسا سماویش کر رہے تھے کہ تھالیس کو ان کے سننے سے جیون کے سکھ اور مرتیو کے بھے، ایک ساتھ ہی کسی جل سرِوت کی بھانتی اپنی سچنت اسنایوں میں بہتے ہوئے جان پڑے۔

جب گانا بند ہوا تو بھگت جن اٹھے اور ایک قطار میں قبر کے پاس جا کر اسے چوما۔ یہ سامانیہ پرانی تھے، جو مجوری کر کے نرواہ کرتے تھے۔ کیا ہی دھیرے دھیرے پگ اٹھاتے، آنکھوں میں آنسو بھرے، سر جھکائے، وہ آگے بڑھتے اور باری باری سے قبر کی پریکرما کرتے تھے۔ استریوں نے اپنے بالکوں کو گود میں اٹھا کر قبر پر ان کے اوٹھ رکھ دیے۔

تھالیس نے وسمت اور چنِتت ہو کر ایک پادری سے پوچھا۔ پوجیہ پتا یہ کیسا سماروہ ہے؟

پادری نے اتر دیا۔ کیا تمھیں نہیں معلوم کہ ہم آج سنت تھیوڈور کی جینتی منا رہے ہیں؟ان کا جیون پوتر تھا۔ انھوں نے اپنے کو دھرم کی بلی ویدی پر چڑھا دیا، اور اسی لیے ہم شویت وستر پہن کر ان کی سمادھی پر لال گلاب کے پھول چڑھانے آئے ہیں۔

یہ سنتے ہی تھالیس گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور زور سے رو پڑی۔ احمد کی اردھ وسمرت سمرتیاں جاگرت ہو گئیں۔ اس دین، دکھی آبھاگے پرانی کی کیرتی کتنی اجول ہے!.اس کے نام پر دیپک جلتے ہیں، گلاب کی لپٹیں آتی ہیں،ہون کے سگندھت دھوئیں اٹھتے ہیں، میٹھے سوروں کا ناد ہوتا ہے اور پوتر آتمائیں مستک جھکاتی ہیں۔ تھالیس نے سوچا اپنے جیون میں وہ پُنیہ آتما تھا، پر اب وہ پوجیے اور اوپاسیہ ہوگیا ہے ! وہ اَنیہ پرانیوں کی اپیکشا کیوں اتنا شردھا اسپد ہے ؟وہ کون سی اگیات وستو ہے جودھن اور بھوگ سے بھی بہومولیہ ہے ؟

وہ آہستہ سے اٹھی اور اس سنت کی سمادھی کی اور چلی جس نے اسے گود میں کھلایا تھا۔ اس کی اپورو آنکھوں میں بھرے ہوئے اشروبندو دیپک کے آلوک میں چمک رہے تھے۔ تب وہ سر جھکا کر دین بھاو سے قبر کے پاس گئی اور اس پر اپنے اُدھروں سے اپنی ہاردک شردھا انکیت کر دی۔ انھی اُدھروں سے جو اگنت ترشناؤں کا کیریڑا شیتر تھے !

جب وہ گھر آئی تو نسیاس کو بال سنوارے، وستروں میں سگندھ ملیں قبا کے بند کھولے بیٹھے دیکھا۔ وہ اس کے انتظار میں سمے کاٹنے کے لیے ایک نیتی گرنتھ پڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ بانہیں کھولے اس کی اور بڑھا اور مردوہاسیہ سے بولا۔ کہاں گئیں تھیں،چنچلا دیوی ؟تم جانتی ہو تمھارے انتظار میں بیٹھا ہوا، میں اس نیتی گرنتھ میں کیا پڑھ رہا تھا ؟نیتی کے واکیہ اور شدھا چرن کے اپدیش ؟ کدا پی نہیں، گرنتھ کے پنّوں پر اکشروں کی جگہ اگنت چھوٹی چھوٹی تھالیسیں نرتیہ کر رہی تھیں۔ ان میں سے ایک بھی میری انگلی سے بڑی نہ تھی، پر ان کی چھوی آپار تھی اور سب ایک ہی تھالیس کا پرتی بمب تھیں۔کوئی تو رتن جڑت وستر پہنے اکڑتی ہوئی چلتی تھی، کوئی شویت میگھ سموہ کے سدرش سوچھ آورن دھارن کئے ہوئے تھی ؛ کوئی ایسی بھی تھیں جن کی نگنتا ہردے میں واسنا کا سنچار کرتی تھیں۔ سب کے پیچھے دو،ایک ہی رنگ روپ کی تھیں۔ اتنی انوروپ کی ان میں بھید کرنا کٹھن تھا۔ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ملائے ہوئے

تھیں، دونوں ہی ہنستی تھیں۔ پہلی کہتی تھی۔ میں پریم ہوں۔ دوسری کہتی تھی۔ میں نرتیہ ہوں۔
یہ کہہ کر نسیاس نے تھالیس کو اپنے کرپاش میں کھینچ لیا۔ تھالیس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھی۔ نسیاس کو یہ گیان نہ ہو سکا کہ ان میں کتنا روش بھرا ہوا ہے۔ وہ اسی بھانتی شکتیاں کی ورشا کرتا رہا، اس بات سے بے خبر کہ تھالیس کا دھیان ہی ادھر نہیں ہے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ جب میری آنکھوں کے سامنے یہ شبد آئے۔'اپنی آتم شدھی کے مارگ میں کوئی بادھا مت آنے دو'تو میں نے پڑھا 'تھالیس کے ادھراسپرش اگنی سے داہک اور مدھو سے مدھر ہے'اسی بھانتی ایک پنڈت دوسرے پنڈتوں کے وچاروں کو الٹ پلٹ دیتا ہے ؛اور یہ تمھارا ہی دوش ہے۔ یہ سَر وُتھا ستیہ ہے کہ جب تک ہم وہی ہیں جو ہیں، تب تک ہم دوسروں کے وچاروں میں اپنے ہی وچاروں کی جھلک دیکھتے رہیں گے۔
وہ اب بھی ادھر مخاطب نہ ہوئی اس کی آتما ابھی تک حبشی کی قبر کے سامنے جھکی ہوئی تھی۔ سہسا اسے آہ بھرتے دیکھ کر اس نے اس کی گردن کا چمبن کر لیا اور بولا۔ پریے، سنسار میں سکھ نہیں ہے جب تک ہم سنسار کو بھول نہ جائیں۔ آؤ، ہم سنسار سے چھل کریں، چھل کر کے اس سے سکھ لیں۔ پریم میں سب کچھ بھول جائیں۔
لیکن اس نے اسے پیچھے ہٹا دیا اور ویتھت ہو کر بولی۔تم پریم کا مرم نہیں جانتے !تم نے کبھی کسی سے پریم نہیں کیا ہے۔ میں تمھیں نہیں چاہتی، ذرا بھی نہیں چاہتی۔ یہاں سے چلے جاؤ، مجھے تم سے گھرنا ہوتی ہے۔ ابھی چلے جاؤ، مجھے تمھاری صورت سے نفرت ہے۔ مجھے ان سب پرانیوں سے گھرنا ہے جو دھنی ہیں، آنند بھوگی ہیں، جاؤ، جاؤ۔دیا اور پریم انھیں میں ہے جو آبھاگے ہیں۔ جب میں چھوٹی تھی تو میرے یہاں ایک حبشی تھا جس نے سلیب پر جان دی۔ وہ بجّن تھا، وہ جیون کے رہسیوں کو جانتا تھا۔تم اس کے چرن دھونے یوگیہ بھی نہیں ہو۔ چلے جاؤ۔تمھارا استریوں کا سا سنگار مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ پھر مجھے اپنی صورت مت دکھانا۔
یہ کہتے کہتے وہ فرش پر منہ کے بل گر پڑی اور ساری رات رو کر کاٹی۔ اس نے سنکلپ کیا کہ میں سنت تھیوڈور کی بھانتی دین اور دریدر دشا میں جیون ویتیت کروں گی۔
دوسرے دن وہ پھر انھی واسناؤں میں لپت ہو گئی جن کی اسے چاٹ پڑ گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی روپ شوبھا ابھی پورے تیز پر ہے، پر استھائی نہیں۔ اسی لیے اس کے دُوارا

جتنا سکھ اور جتنی کھیاتی پراپت ہو سکتی تھی اسے پراپت کرنے کے لیے وہ ادھیر ہو اٹھی۔ تھیٹر میں وہ پہلے کی اپیکشا اور دیر تک بیٹھ کر پستکاولوکن کیا کرتی، وہ کویوں مورتی کاروں اور چتر کاروں کی کلپناؤں کو بجیو بنا دیتی تھی۔ وِدوانوں اور تتوگیانیوں کو اس کی گتی، انگ ونیاس اور اس پراکرتِک مادھوریے کی جھلک نظر آتی تھی جو سمست سنسار میں ویا پک۔ ہے اور ان کے وچار میں ایسی اپورو شوبھا سویم ایک پوتر وستو روپ میں اس کی اپاسنا کرتا تھا، کوئی کسی روپ میں۔ کوئی اسے بھوگیہ سمجھتا تھا۔ کوئی اِسْتیہ اور کوئی پوجیہ۔ کنتو اس پریم، بھگتی اور شردھا کی پاترا ہو کر بھی وہ دکھی تھی، مرتیو کی شنکا اسے اب اور بھی ادھیک ہونے لگی۔ کسی وستو سے اسے اس شنکا سے نورتی نہ ہوتی۔ اس کا وشال بھون اور اپون بھی، جن کی شوبھا اکتھنیے تھی اور جو سمست نگر میں جن شروتی بنے ہوئے تھے، اسے آشوست کرنے میں اسمپل تھے۔

اس اپون میں ایران اور ہندوستان کے ورکھش تھے، جن کے لانے اور پالنے میں اپریمت دھن ویے ہوا تھا۔ ان کی سنچائی کے لیے ایک نرل جل دھارا بہائی گئی تھی۔ سمیپ ہی ایک جھیل بنی ہوئی تھی۔ جس میں ایک کُسل کلاکار کے ہاتھوں سجائے ہوئے ستمبھ چنھ اور کرتِم پہاڑیوں تک تٹ پر کی سندر مورتیوں کا پرتیمب دکھائی دیتا تھا۔ اپون کے مدھیہ میں ''پریوں کا کنج'' تھا۔ یہ نام اس لیے پڑا تھا کہ اس بھون کے دوار پر تین پورے قد کی استریوں کی مورتیاں کھڑی تھیں۔ وہ سنشک ہو کر پیچھے تاک رہی تھی کہ کوئی دیکھتا نہ ہو۔ مورتی کار نے ان کی چتونوں دورا مورتیوں میں جان ڈال دی تھی۔ بھون میں جو پرکاش آتا تھا وہ پانی کی پتلی چادروں سے چھن کر مدھم اور رنگین ہو جاتا تھا۔ دیواروں پر بھانتی بھانتی کی جھالریں، مالائیں اور چتر لٹکے ہوئے تھے۔ بیچ میں ایک ہاتھی دانت کی پرم منوہر مورتی تھی، جو نسیاس نے بھینٹ کی تھی۔ ایک تپائی پر ایک کالے پاشان کی بکری کی مورتی تھی، جس کی آنکھیں نیلم کی بنی ہوئی تھیں۔ اس کے تھنوں کو گھیرے ہوئے چھ چینی کے بچے کھڑے تھے، لیکن بکری اپنے پھٹے ہوئے کھر اٹھا کر اوپر کی پہاڑی پر اچک جانا چاہتی تھی۔ فرش پر ایرانی قالینیں بچھی ہوئی تھیں۔ مسندوں پر کیتھے کے بنے ہوئے سنہرے بیل بوٹے تھے۔ سونے کے دھوپ دان سے سگندھت دھوئیں اٹھ رہے تھے اور بڑے بڑے چینی گملوں میں پھولوں سے لدے ہوئے پودے سجائے ہوئے تھے۔ سرے پر اودی چھایا میں ایک بڑے ہندوستانی کچھوے کے سنہرے نگ چمک رہے تھے جو پیٹ کے بل الٹ دیا گیا تھا۔ یہی

تھالیس کا شینا گار تھا۔ اسی کچھوے کے پیٹ پر لیٹی ہوئی وہ سنگدھ اور سجاوٹ اور سشما کا آنند اٹھاتی تھی۔ متروں سے بات چیت کرتی تھی اور یا تو ابھینے کلا کا منن کرتی تھی یا بیتے ہوئے دنوں کا۔

تیسرا پہر تھا۔ تھالیس پریوں کے کنج میں شین کررہی تھی۔ اس نے آئینے میں اپنے سوندریہ کی اونتی کے پرتھم چہن دیکھے تھے، اور اسے اس وچار سے پیڑا ہورہی تھی کہ جھریوں اور شویت بالوں کا آکرمن ہونے والا ہے۔ اس نے اس وچار سے اپنے کو آشواسن دینے کی وپھل چیشٹا کی کہ میں جڑی بوٹیوں کے ہون کرکے منتروں دورا اپنے من کی کوملتا کو پھر سے پراپت کرلوں گی۔ اس کے کانوں میں ان شبدوں کے نردیے دھونی آئی۔ تھالیس، تو بڑھیا ہوجائے گی۔ بھے سے اس کے ماتھے پر ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ آگیا۔ تب اس نے پُنہ اپنے کو سنبھال کر آئینے میں دیکھا اور اسے گیات ہوا کہ میں اب بھی پرم سندری اور پریمی بننے کے یوگیہ ہوں۔ اس نے پولکت من سے مسکرا کر اپنے من میں کہا۔ آج بھی اسکندریہ میں ایسی رمنی نہیں ہے۔ جو انگوں کی چپلتا اور لچک میں مجھ سے ٹکّر لے سکے۔ میری بانہوں کی شوبھا اب بھی ہردے کو کھینچ سکتی ہے۔ یتھارتھ میں یہی پریمی کا پاش ہے۔

وہ اسی وچار میں مگن تھی کہ اس نے ایک اپرچت منشیہ کو اپنے سامنے آتے دیکھا، اس کی آنکھوں میں جوالا تھی۔ داڑھی بڑی ہوئی تھی اور وستر بہومولیہ تھے۔ اس کے ہاتھ سے آئینہ چھوٹ کر گر پڑا اور وہ بھے سے چیخ اٹھی۔ پاپ ناشی استمبھت ہوگیا۔ اس کا اپورو سوندریہ دیکھ کر اس نے شدھ انت کرن سے پراتھنا کی۔ بھگوان مجھے ایسی شکتی دیجیے کہ استری کا مکھ مجھے لُبدھ نہ کرے، ورن تیرے اس داس کی پرتگیا کو اور بھی درڑھ کرے۔

تب وہ اپنے کو سنبھال کر بولا۔ تھالیس میں ایک دور دیش میں رہتا ہوں۔ تیرے سوندریہ کی پرشنسا سن کر تیرے پاس آیا ہوں۔ میں نے سنا تھا تم سے چتر ابھی نیتری اور تم سے مگدھ کر استری سنسار میں نہیں ہے۔ تمھارے پریم رہسیوں اور تمھارے دھن کے وشے میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ آشچریہ جنک ہے۔ اور اس سے ''روڈوپ'' کی کتھا یاد آتی ہے۔ جس کی کیرتی کو نیل کے مانجھی نتیہ گایا کرتے ہیں۔ اس لیے مجھے بھی تمھارے درشنوں کی ابھی لاشا ہوئی اور میں اب دیکھتا ہوں کہ پرتیکھش سنی سنائی باتوں سے کہیں بڑھ کر ہے، جتنا مشہور ہے اس سے تم ہزار گنا چتر اور موہنی ہو۔ واستو میں تمھارے سامنے بنا متوالوں کی بھانتی

ڈگمگائے آتا اسمھو ہے۔

یہ شبد کرتیم تھے، کنتو یوگی نے پوتر بھگتی سے پربھاوت ہوکر سچے جوش سے ان کا اچچارن کیا۔ تھالیں نے پرسنیہ ہوکر اس وچتر پرانی کی اور تاکا، جس سے وہ پہلے بھے بھیت ہوگئی تھی۔ اس کے ابھدر اور ادنڈ ویش نے اسے وسمت کردیا۔ اسے اب تک جتنے منشیہ ملے تھے۔ یہ ان سبھوں سے نرالا تھا۔ اس کے من میں ایسے ادھ بدھ پرانی کے جیون ورتانت جاننے کی پربل اتکنٹھا ہوئی۔ اس نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ مہاشے'' آپ پریم پردرشن میں بڑے کسل معلوم ہوتے ہیں۔ ہوشیار رہئے گا کہ میری چتونیں آپ کے ہردے کے پار نہ ہو جائیں۔ میرے پریم کے میدان میں ذرا سنبھل کر قدم رکھیے گا۔

پاپ ناشی بولا۔ تھالیں 'مجھے تم سے آگھات پریم ہے۔ تم مجھے جیون اور آتما سے بھی پریہ ہو۔ تمھارے لیے میں نے ونیہ جیون چھوڑا ہے۔ تمھارے لیے میں نے ہونٹوں سے جنھوں نے مون ورت دھارن کیا تھا اپوتر شبد نکلے ہیں۔ تمھارے لیے میں نے وہ دیکھا جو نہ دیکھنا چاہیے تھا۔ وہ سنا ہے جو میرے لیے ورجت تھا، تمھارے لیے میری آتما تڑپ رہی ہے۔ میرا ہردے ادھیر ہورہا ہے اور جل سروت کی بھانتی وچار کی دھارائیں پرواہت ہورہی ہیں۔ تمھارے لیے میں اپنے ننگے پیر سرپوں اور بچھوؤں پر رکھتے ہوئے بھی نہیں ہچکا ہوں۔ اب تمھیں معلوم ہوگیا ہوگا کہ مجھے تم سے کتنا پریم ہے۔ لیکن میرا پریم اس منشیہ کا سا نہیں جو واسنا کی اگنی سے جلتے ہوئے تمھارے پاس جیو بھکشھی وباگھوں کی، اور انُ مت سانڈں کی بھانتی دوڑے آتے ہیں۔ ان کا وہی پریم ہوتا ہے جو سنگھ کو مرگ شاوک سے۔ ان کی پاشوک کام لپسا تمھاری آتما کو بھی بھسمی بھوت کر ڈالیں گی۔ میرا پریم پوتر ہے، انت ہے، استھائی ہے، میں تم سے ایشور کے نام پر ستیہ کے نام پر پریم کرتا ہوں۔ میرا ہردے پتتو ادّھار اور ایشوریہ دیا کے بھاو سے پری پورن ہے۔ میں تمھیں پھلوں کی ڈھکی ہوئی شراب کی مستی سے اور ایک الپ راتری سکھ سوپن سے کہیں اتّم پدھارتوں کا وچن دینے آیا ہوں۔ میں تمھیں مہا پرساد اور سدھارس پان کا نیمنترن دینے آیا ہوں۔ میں تمھیں اس آنند کا سکھ سنواد سنانے آیا ہوں جو نتیہ، امر، اکھنڈ ہے۔ مرتیو لوک کے پرانی یدی اس کو دیکھ لیں تو آشچریہ سے بھر جائیں۔

تھالیں نے کٹِل ہاسیہ کرکے اتر دیا۔ متر یدی وہ ایسا اَدھ بھُت پریم ہے تو ترنت دکھا

دو ایک چھن بھی ولمب نہ کرو۔ لمبی لمبی وکترتاؤں سے میرے سوندریہ کا اپمان ہوگا۔ میں آنند کا سواد اٹھانے کے لیے رورہی ہوں۔ کنتو جو میرے دل کی بات پوچھو، تو مجھے بھے ہے کہ مجھے اس کوری پرشنسا کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ وعدے کرنا آسان ہے، انھیں پورا کرنا مشکل ہے۔ سبھی منُشیوں میں کوئی نہ کوئی گن وشیش ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم وانی میں نپورن ہو۔ تم ایک اگیات پریم کا وچن دیتے ہو۔ مجھے ویاپار کرتے اتنے دن ہوگئے اور اس کا اتنا انوبھو ہوگیا کہ اب اس میں کسی نویتا کی کسی رہسیہ کی آشا نہیں رہی۔ اس وشے کا گیان پریمیوں کو دارشنکوں سے ادھِک ہوتا ہے۔''

تھالیس، دل لگی کی بات نہیں ہے، میں تمھارے لیے اچھوتا پریم لایا ہوں۔

تم بہت دیر میں آئے متر۔ میں سبھی پرکار کے پریموں کا سواد لے چکی ہوں۔

میں جو پریم لایا ہوں وہ اجّول ہے۔ شریے ہے۔ تمھیں جس پریم کا انوبھو ہوا ہے وہ نندھ اور تیاجیہ ہے۔

تھالیس نے گرو سے گردن اٹھا کر کہا۔ متر، تم منہ پھٹ جان پڑتے ہو۔ تمھیں گرہ سوامنی کے پرتی مکھ سے ایسے شبد نکالنے میں ذرا بھی سنکوچ نہیں ہوتا۔ ؟میری اور آنکھ اٹھا کر دیکھو اور تب بتاؤ کے میرا سوروپ نندت اور پتِت پرانیوں کا سا ہے نہیں، میں اپنے کرتیوں پر لجّت نہیں ہوں۔ انیہ استریاں بھی جن کا جیون میرے ہی جیسا ہے، اپنے کو نیچ اور پتِت نہیں سمجھتی، یدھپی، نہ ان کے پاس اتنا دھن ہے اور نہ اتنا روپ۔ سکھ میرے پیروں کے نیچے آنکھیں بچھائے رہتا ہے، اسے سارا جگت جانتا ہے۔ میں سنسار کے مکٹ دھاریوں کو پیر کی دھولی سمجھتی ہوں۔ ان سبھوں نے ان پیروں پر شیش نوائے ہیں۔ آنکھیں اٹھاؤ، میرے پیروں کی اور دیکھو لاکھوں پرانی ان کا چمبن کرنے کے لیے اپنے پران بھینٹ کردیں گے۔ میرا ڈیل ڈول بہت بڑا نہیں ہے۔ میرے لیے پرتھوی پر بہت استھان کی ضرورت نہیں ہے۔ جو لوگ مجھے دیومندر کے شکھر پر سے دیکھتے ہیں۔ انھیں میں بالؤں کے کن کے سمان دیکھتی ہوں، پر اس کن نے منُشیہ میں جتنی ارشیا جتنا دویش، جتنی نراشا، جتنی ابھیلاشا، اور جتنے پاپوں کا سنچار کیا ہے ان کے بوجھ سے اٹل پربت بھی دب جائے گا، جب میری کیرتی سمست سنسار میں پرسارت ہورہی ہے تو تمھاری لجّا اور نندا کی بات کرنا پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے؟

پاپ ناشی نے اَوچلِت بھاو سے اتر دیا۔ سندری، یہ تمھاری بھول ہے۔ منُشیہ جس

بات کی سراہنا کرتے ہیں وہ ایشور کی درشٹی میں پاپ ہے۔ ہم نے اتنے بھن بھن دیشوں میں جنم لیا ہے کہ یدی ہماری بھاشا اور وچار انوروپ نہ ہو تو کوئی آشچریہ کی بات نہیں۔ لیکن میں ایشور کو ساکھشی دے کر کہتا ہوں کہ میں تمھارے پاس سے جانا نہیں چاہتا۔ کون میرے مکھ میں ایسے آگنیے شبدوں کو پریرت کرے گا جو تمھیں موم کی بھانتی پگھلا دے کہ میری انگلیاں تمھیں اپنی اِچھا کے انوسار روپ دے سکیں؟ اُو ناری رتن، وہ کون سی شکتی ہے جو تمھیں میرے ہاتھوں میں سونپ دے گی کہ میرے انت کرن میں نیہت سد پریڑنا تمھارا پنر سنسکار کر کے تمھیں ایسا نیا اور پرشکرت سوندریہ پردان کرے کہ تم آنند سے وہل ہو پکار اٹھو، میرا پھر سے نیا سنسکار ہوا؟ کون میرے ہردے میں اس سدھا سروت کو پرواہت کرے گا کہ تم اس میں نہا کر پھر اپنی مولک پویترتا لابھ کرسکو؟ کون مجھے مردن کی نرمل دھارا میں پری ورتت کر دے گا جس کی لہروں کا اسپرش تمھیں انت سوندریہ سے وی وبھوشت کر دے؟

تھالیس کا کرودھ شانت ہوگیا، اس نے سوچا یہ پُرش انت جیون کے رہسیوں سے پری چت ہے اور جو کچھ وہ کہہ سکتا ہے اس میں رشی واکیوں کی پرتبھا ہے۔ یہ کوئی اوشیہ کیمیا گر ہے اور ایسے گپت منتر جانتا ہے جو جیرن اوستھا کا نیوارن کرسکتے ہیں۔ اس نے اپنی دیہہ کو اس کی اچھاؤں کو سمرپت کرنے کا نشچے کرلیا۔ وے ایک سنشک پنچھی کی بھانتی کئی قدم پیچھے ہٹ گئی اور پلنگ پٹی پر بیٹھ کر اس کی پرتکشا کرنے لگی۔ اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اور لمبی پلکوں کی ملین چھایا کپولوں پر پڑ رہی تھی۔ ایسا جان پڑتا تھا کہ کوئی بالک ندی کے کنارے بیٹھا ہوا کسی وچار میں مگن ہے۔

کنو پاپ ناشی اس کی اور ٹکٹکی لگائے تاکتا رہا۔ اپنی جگہ سے جوں بھر بھی نہ ہلا۔ اس کے گھٹنے تھرتھرا رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اسے سنبھال نہ سکیں گے۔ اس کا تالو سوکھ گیا تھا۔ کانوں میں تیور بھنبھناہٹ کی آواز آنے لگی۔ اکسمات اس کی آنکھوں کے آگے اندھکار چھا گیا، مانو سمست بھون میگھا چھادِت ہوگیا ہے۔ اسے ایسا بھاسِت ہوا کہ پربھو مسیح نے اس استری کو چھپانے کے نمِت اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اس گپت کراؤلمب سے آشوست اور سشکت ہو کر اس نے گمبھیر بھاو سے کہا۔ جو کسی وردھ تپسوی کے یتھا یوگیہ تھا۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ تمھارا یہ آتم ہنن ایشور کی آنکھوں سے چھپا ہوا ہے۔؟

اس نے سر ہلا کر کہا۔ ایشور؟ ایشور سے کون کہتا ہے کہ سدیو پریوں کے کنج پر

آنکھیں جمائے رکھیں؟ یدی اسے ہمارے کام نہیں بھاتے تو وہ یہاں سے چلا کیوں نہیں جاتا؟ لیکن ہمارے کرم اسے برے لگتے ہی کیوں ہیں؟ اس نے ہماری سرشٹی کی ہے جیسا اس نے بنایا ہے ویسے ہی ہم ہیں۔ جیسی ورتیاں اس نے ہمیں دی ہیں اسی کے انوسار ہم آچرن کرتے ہیں۔ پھر اسے ہم سے رشٹ ہونے کا، اتھوا وسمت ہونے کا کیا ادھیکار ہے؟ اس کی طرف سے لوگ بہت سی من گڑھنت باتیں کیا کرتے ہیں اور اس کو ایسے ایسے وچاروں کا شریہ دیتے ہیں جو اس کے من میں کبھی نہ تھے۔ تم کو اس کے من کی باتیں جاننے کا دعویٰ ہے۔ تم کو اس کے چرتر کا یتھارتھ گیان ہے۔ تم کون ہو کہ اس کے وکیل بن کر مجھے ایسی ایسی آشائیں دلاتے ہو؟

پاپ ناشی نے منگنی کے بہومولیہ وستر اتار کر نیچے کا موٹا کرتا دکھاتے ہوئے کہا۔ میں دھرم آشرم کا یوگی ہوں۔ میرا نام پاپ ناشی ہے۔ میں اس تپو بھومی سے آرہا ہوں۔ ایشور کی آگیا سے میں اکانت سیون کرتا ہوں۔ میں نے سنسار سے اور سنسار کے پرانیوں سے منہ موڑ لیا تھا۔ اس پاپ مے سنسار میں نرلپت رہنا میرا ادھیشٹ مارگ ہے۔ لیکن تیری مورتی میری شانتی کٹیر میں آکر میرے سمکھ کھڑی ہوئی اور میں نے دیکھا کہ تو پاپ اور واسنا میں لپت ہے۔ مرتیو تجھے اپنا گراس بنانے کو کھڑی ہے۔ میری دیا جاگرت ہوگئی اور تیرا اڈھار کرنے کے لیے اپستھت ہوا ہوں میں تجھے پکار کر کہتا ہوں۔ تھالیس، اٹھ اب سمے نہیں ہے۔

یوگی کے یہ شبد یہ سن کر تھالیس بھے سے تھر تھر کانپنے لگی۔ اس کا مکھ شری ہین ہوگیا، وہ کیش چھٹکائے، دونوں ہاتھ جوڑے روتی اور ولاپ کرتی ہوئی اس کے پیروں پر گر پڑی اور بولی۔ مہاتما جی، مجھ پر ایشور کے لیے دیا کیجیے۔ آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟ آپ کی کیا اچھا ہے؟ میرا سروناش نہ کیجیے۔ میں جانتی ہوں کہ تپ وبھومی کے رشی گن ہم جیسی استریوں سے گھرنا کرتے ہیں، جن کا جنم ہی دوسروں کو پرسنیہ رکھنے کے لیے ہوتا ہے۔ مجھے بھے ہورہا ہے کہ آپ مجھ سے گھرنا کرتے ہیں اور میرا سروناش کرنے پر ادھیت ہیں۔ کرپیا یہاں سے سدھاریے۔ میں آپ کی شکتی اور سدھی کے سامنے سر جھکاتی ہوں لیکن آپ کا مجھ پر کوپ کرنا اُچت نہیں ہے۔ کیوں کہ میں انیہ منشیوں کی بھانتی آپ لوگوں کی بھکشھا ورتی اور سنیم کی نندا نہیں کرتی۔ آپ بھی میرے بھوگ ولاس کو پاپ نہ سمجھیے۔ میں روپ وتی ہوں، اور ابھنیے

کرنے میں چتر ہوں۔ میرا قابو نہ اپنی دشا پر ہے اور نہ اپنی پرکرتی پر۔ میں جس کام کے یوگیہ بنائی گئی ہوں وہی کرتی ہوں۔ منشیوں کو مگدھ کرنے ہی کے نمت میرے سرشٹی ہوئی ہے۔ آپ بھی تو ابھی کہہ رہے تھے کہ میں تمھیں پیار کرتا ہوں اپنی سدھیوں سے میرا انوپکار نہ کیجیے۔ ایسا منتر نہ چلائیے کہ میرا سندریے نشٹ ہوجائے، یا میں پتھر تھا نمک کی مورتی بن جاؤں۔ مجھے بھے بھیت نہ کیجیے میرے تو پہلے ہی سے پران سوکھے ہوئے ہیں۔ مجھے موت نہ دکھایئے۔ مجھے موت سے بہت ڈر لگتا ہے۔

پاپ ناشی نے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا اور بولا۔ بچّہ، ڈر مت۔ تیرے پرتی اپمان یا گھرنا کا شبد بھی میرے منہ سے نہ نکلے گا۔ میں اس مہان پُرش کی اور سے آیا ہوں جو پاپیوں کو گلے لگاتا تھا، ویشیاؤں کے گھر بھوجن کرتا تھا، ہتھیاروں سے پریم کرتا تھا، پتیتوں کو سانتونا دیتا تھا۔ میں سویم پاپ مکت نہیں کہ دوسروں پر پتھر پھینکوں۔ میں نے کتنی ہی بار اس وبھوتی کا درپیوگ کیا ہے جو ایشور نے مجھے پردان کی ہے۔ کرودھ نے مجھے یہاں آنے پر اتساہت نہیں کیا۔ میں دیا کے وشی بھوت ہوکر آیا ہوں، میں نشٹ کپٹ بھاو سے پریم کے شبدوں میں تجھے آشواسن دے سکتا ہوں، کیوں کہ میرا پوتر دھرم اسنیہہ ہی مجھے یہاں لایا ہے، میرے ہردے میں واتسلیہ کی اگنی پرجولت ہورہی ہے، اور یدی تیری آنکھیں جو وشے کے استھول اپوتر درشیوں کے وشی بھوت ہورہی ہیں۔ وستوؤں کو ان کے آدھیاتمک روپ میں دیکھتی تو تجھے ودھت ہوتا کہ میں اس جلتی ہوئی جھاڑی کا ایک پلّو ہوں جو ایشور نے اپنے پریم کا پریچے دینے کے لیے موسیٰ کو پربت پر دکھائی تھی۔ جو سمست سنسار میں دیاپت ہے اور جو وستوؤں کو بھسم کردینے کے بدلے جس وستو میں پرویش کرتی ہے اسے سدا کے لیے نرمل اور سگندھ مے بنا دیتی ہے۔

تھالیس نے آش وست ہو کر کہا۔ مہاتما جی، اب مجھے آپ پر وشواس ہوگیا ہے۔ مجھے آپ سے کسی انیشٹ یا امنگل کی آشا نہیں ہے۔ میں نے دھرم آشرم کے تپسویوں کی بہت چرچا سنی ہے۔ اینٹونی اور پول کے وشے میں بڑی ادبھت کتھائیں سننے میں آئی ہیں۔ آپ کے نام سے بھی میں اپرچت نہیں ہوں۔ میں نے لوگوں کو کہتے سنا ہے۔ یدھپی آپ کی عمر ابھی کم ہے، آپ دھرم نشٹھا میں ان تپسویوں سے بھی سریشٹھ ہیں۔ جنھوں نے اپنا سمست جیون ایشور آرادھنا میں ویتیت کیا۔ یدھپی آپ سے میرا پریچے نہ تھا، کنتو میں آپ کو دیکھتے

ہی سمجھ گئی کہ آپ کوئی سادھارن پُرش نہیں ہیں۔ بتایئے آپ مجھے وہ وستو پردان کرسکتے ہیں جو سارے سنسار کے سدھ اور سادھو اوجھے اور سیانے، کاپالِک اور ویتالک نہیں کر سکے؟ آپ کے پاس موت کی دوا ہے؟ آپ مجھے امر جیون دے سکتے ہیں؟ یہی سنسارک جیون کا سپتم سورگ ہے۔

پاپ ناشی نے اتر دیا۔ کامنی، امر جیون لابھ کرنا پرتیک پرانی کے اچھا کے ادھین ہے۔ وشے واسناؤں کو تیاگ دیں۔ جو تیری آتما کا سروناش کررہے ہیں اس شریر کو پشاچوں کے پنجے سے چھڑا لیں۔ جسے ایشور نے اپنے منہ کے پانی سے سانا اور سواس سے جلایا۔ انیتھا پریت اور پشاچ اسے بڑی کروڑتا سے جلائیں گے۔ نتیہ کے ولاس سے تیرے جیون کا سروت شرن ہوگیا ہے۔ آ، اور ایکانت کے پوتر ساگر میں اسے پھر پرواہت کردیں آ، اور مرو بھومی میں چھپے ہوئے سوتوں کا جل سیون کرکے جن کا اپھان سورگ تک پہنچتا ہے۔ او چنتاؤں میں ڈوبی ہوئی آتما آ، اپنی اچھت وستو کو پراپت کر اور آنند کی بھوکی استری آ، سچے آنند کا آسوادن کر دریدرتا کا، ویراگ کا، تیاگ کا، ایشور کے چرنوں میں آتم سمرپن کرآ، او استری جو آج پربھو مسیح کی دروھنی ہے، لیکن کل اس کے پریسی ہوگی آ اس کا درشن کر اسے دیکھتے ہی تو پکار اٹھے گی۔ مجھے پریم دھن مل گیا۔

تھالیس بھوشیہ چنتن میں کھوئی ہوئی تھی بولی۔ مہاتما، اگر میں جیون کے سکھوں کو تیاگ دوں اور کٹھن تپسیا کروں تو کیا یہ ستیہ ہے کہ میں پھر جنم لوں گی اور میرے سوندریہ کو آنچ نہ آئے گی؟

پاپ ناشی نے کہا۔ تھالیس، میں تیرے لیے انت جیون کا سندیش لایا ہوں۔ وشواس کر، میں کچھ کہتا ہوں، سروتھا ستیہ ہے۔

تھالیس۔ مجھے اس کی ستیتہ پر وشواس کیوں کرآئے؟

پاپ ناشی۔ داؤد اور انیہ نبی اس کے ساکھشی دیں گے۔ تجھے لوکک درشیہ دکھائی دیں گے، وہ اس کا سمرتھن کریں گے۔

تھالیس۔ یوگی جی، آپ کی باتوں سے مجھے بہت سنتوش ہورہا ہے۔ کیوں کہ واستو میں مجھے اس سنسار میں سکھ نہیں ملا، میں کسی رانی سے کم نہیں ہوں، کنتو پھر بھی میری درآشاؤں اور چنتاؤں کا انت نہیں ہے، میں جینے سے اکتا گئی ہوں، انیہ استریاں مجھ پر

ایرشیا کرتی ہیں، پر میں کبھی کبھی اس دکھ کی ماری پوپلی بڑھیا پر ایرشیا کرتی ہوں جو شہر کے پھٹک کی چھانہہ میں بیٹھے بتاشے بیچا کرتی ہے۔ کتنی ہی بار میرے من میں آیا ہے کہ غریب ہی سکھی، سجن اور سچے ہوتے ہیں، دین، ہین، نشٹ پر بھ رہنے میں چت کو بڑی شانتی ملتی ہے۔ آپ نے میری آتما میں ایک طوفان سا پیدا کردیا ہے اور جو نیچے دبی پڑی تھی اسے اوپر کردیا ہے۔ ہاں میں کس کا وشواس کروں۔؟ میرے جیون کا کیا انت ہوگا۔ جیون ہی کیا ہے؟

وہ یہ باتیں کررہی تھی کہ پاپ ناشی کے مکھ پر تیج چھا گیا۔ سارا مکھ منڈل آدی جیوتی سے چمک اٹھا۔ اس کے منہ سے یہ پرتیبھا شالی واکیہ نکلے۔ کامنی، سن میں نے جب اس گھر میں قدم رکھا تو میں اکیلا نہ تھا میرے ساتھ کوئی اور بھی تھا اور وہ اب بھی میری بغل میں کھڑا ہے تو ابھی اسے نہیں دیکھ سکتی کیوں کہ تیری آنکھوں میں اتنی شکتی نہیں، لیکن شیگھر ہی سورگیہ پرتیبھا سے تو اسے الوکِک دیکھے گی اور تیرے منہ سے آپ ہی آپ نکل پڑے گا۔ یہی میرا آرادھیہ دیو ہے۔ تو نے ابھی اس کی آلوکِک شکتی دیکھی ہوتی اگر اس نے میری آنکھوں کے سامنے اپنے دیالو ہاتھ نہ پھیلا دیے ہوتے تو اب تک میں تیرے ساتھ پاپا چرن کرچکا ہوتا۔ کیوں کہ سُواتہ میں اتینت دربل اور پاپی ہوں۔ لیکن اس نے ہم دونوں کی رکشھا کی۔ وہ جتنا شکتی شالی اتنا ہی دیالو ہے اور اس کا نام ہے مکتی داتا۔ داؤد اور انیہ نبیوں نے اس کے آنے کی خبر دی تھی چرواہوں اور جیوتشیوں نے ہنڈولے میں اس کے سامنے شیش جھکایا تھا۔ فارسیوں نے اسے صلیب پر چڑھایا پھر وہ اٹھ کر سورگ میں چلا گیا۔ تجھے مرتیو سے اتنا سنشک دیکھ کر وہ سویم تیرے گھر آیا ہے کہ تجھے مرتیو سے بچالے۔ پربھو مسیح کیا اس سمے تم یہاں اپستھت نہیں ہو۔ اسی روپ میں جو تم نے گیلِلی کے نواسیوں کو دکھایا تھا۔ کتنا وچتر سمے تھے کہ بیت اللحم کے بالک تارا گن ہاتھ میں لے کر کھیلتے تھے۔ جو اس سمے دھرتی کے نکٹ ہی استھت تھے پربھو مسیح کیا یہ ستیہ نہیں ہے، کہ تم یہاں اس سمے اپستھت ہو اور میں تمھارے پوتر دیہہ کو پرتیکھش دیکھ رہا ہوں کہ تیرا دیالو کومل مکھارونِد یہاں نہیں ہے؟ اور جو آنسو تیرے گالوں پر بہہ رہے ہیں پرتیکھش آنسو نہیں ہیں؟ ہاں ایشوریے نیائے کا کرتا ان موتیوں کے لیے ہاتھ روپے کھڑا ہے اور انھی موتیوں سے تھائیس کی آتما مکتی ہوگی۔ پربھو مسیح کیا تو بولنے کے لیے ہونٹ نہیں کھولے ہوئے ہے؟ بول میں سن رہا ہوں اور تھائیس سلکشھن تھائیس سن پربھو مسیح تجھ سے کیا کہہ رہے ہیں۔ اے میری بھٹکی ہوئی میش سندری، میں بہت دنوں سے

تیری کھوج میں ہوں۔ انت میں تجھے پا گیا۔ اب پھر میرے پاس سے مت بھاگنا۔ آ میں تیرا ہاتھ پکڑ لوں اور اپنے کندھوں پر بٹھا کر سورگ کے باڑے میں لے چلوں۔ آ میری تھالیس۔ میری پرنیتما آ اور میرے ساتھ رو۔

یہ کہتے کہتے پاپ ناشی بھگتی سے وہل ہوکر زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آتم الاس کی جیوتی ریکھائیں نکلنے لگیں اور تھالیس کو اس کے چہرے پر جیتے جاگتے مسیح کا سوروپ دکھائی دیا۔

وہ کرون رکرندن کرتی ہوئی، بولی آ میری بیتی ہوئی بالیہ اوستھا او میر دیالو پتا احمد اُو سنت تھیوڈور، میں کیوں نہ تیری گود میں اسی سمے مر گئی جب تو اڑوردویہ کے سمے اپنی چادر میں لپیٹے مجھے لیے آتا تھا اور میرے شریر سے بپتسمہ کی پوتر جل کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔

پاپ ناشی یہ سن کر چونک پڑا۔ مانو کوئی الوکِک گھٹنا ہوگئی ہو اور دونوں ہاتھ پھیلائے تھالیس کی اوور یہ کہتے ہوئے بڑھا۔ بھگوان، تیری مہیما آپار ہے کیا تو بپتسمہ کے جل سے پلاوت ہوچکی ہے؟ ہے پرم پتا بھگت وتسل پربھو او بدھی کے آگھات ساگر۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ وہ کون سی شکتی تھی جو تجھے میرے پاس کھینچ کر لائی۔ اب مجھے گیات ہوا کہ وہ کونسا رہسیہ تھا جس نے تجھے میری درشٹی سے اتنا سندر اتنا چت آکرشک بنا دیا تھا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ میں تیرے پریم پاش میں کیوں اس بھانتی جکڑ گیا تھا کہ اپنا شانتی واس چھوڑنے پر وِوش ہوا اس کی بپتسمہ جل کی مہیما تھی جس نے مجھے ایشور کے دوار کو چھڑا کر مجھے کھوجنے کے لیے اس وشالت وایو بھرے سنسار میں آنے پر بادھیہ کیا۔ جہاں مایا موہ میں پھنسے ہوئے لوگ اپنا کلشت جیون ویتیت کرتے ہیں۔ اس پوتر جل کی ایک بوند میرے مکھ میں چھڑک دی گئی ہے جس میں تو نے اسنان کیا تھا۔ آ میری پیاری بہن آ اور اپنے بھائی کے گلے لگ جا، جس کا ہردے تیرا ابھی وادن کرنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔

یہ کہہ کر پاپ ناشی نے واراگنا کے سندر للاٹ کو اپنے ہونٹوں سے اسپرش کیا۔

اس کے بعد وہ چپ ہوگیا کہ ایشور سویم مدھر سانتونا پرد شبدوں میں تھالیس کو اپنی دیالوتا کا وشواس دلائے اور پریوں کے رمنیک کنج میں تھالیس کی سسکیوں کے سوا جو جل دھارا کی کل کل دھونی سے مل گئی تھی، اور کچھ نہ سنائی نہیں دیا۔

وہ اسی بھانتی دیر تک روتی رہی۔ اشرو پرواہ کو روکنے کا پریتن اس نے نہ کیا۔ یہاں

تک کے اس کے حبشی غلام سندر وستر اور پھولوں کے ہار اور بھانتی بھانتی کے عطر لیے آ پہنچے۔

اس نے مسکرانے کی چیشٹھا کر کے کہا اب رونے کا سمے بالکل نہیں۔ آنسوؤں سے آنکھیں لال ہوجاتیں ہیں، اور ان میں چت کو وِکل کرنے والا پشپ وکاس نہیں رہتا، چہرے کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے، ورن کوملتا نشٹ ہوجاتی ہے۔ مجھے آج کئی رسِک متروں کے ساتھ بھوجن کرنا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میری مکھ چندر سولہوں کلا سے چمکے، کیوں کہ وہاں کئی استریاں آئیں گی کہ میرے مکھ پر چِتا یا گلین کے چنھ کو ترنت بھاپ جائیں گی اور من میں پرسنیہ ہوں گی کہ اب ان کا سوندریہ تھوڑے ہی دنوں کا مہمان ہے۔ نائیکا اب پروڑھا ہوا چاہتی ہیں۔ یہ غلام میرا سنگار کرنے آئے ہیں پوجیے پتا آپ کرپیا دوسرے کمرے میں جا بیٹھیے اور ان دونوں کو اپنا کام کرنے دیجیے۔ یہ اپنے کام میں بڑے پروین اور کُسل ہیں۔ میں انھیں یتھیشٹ پرسکار دیتی ہوں۔ وہ جو سونے کی انگوٹھیاں پہنے ہیں اور جن کے موتی کے سے دانت چمک رہے ہیں اسے میں نے پردھان منتری کی پتنی سے لیا ہے۔

پاپ ناشی کی پہلے تو یہ اچھا ہوئی کہ تھائیس کو اس بھوج میں سمیلت ہونے سے یتھاشکتی روکے۔ پر پُنہ وچار کیا تو ودیت ہوا کہ یہ اتاولی کا سمے نہیں ہے۔ ورشوں کا جما ہوا منو مالینہ ایک رگڑ سے نہیں دور ہوسکتا۔ روگ کا مول ناش شنہ شنہ :کرم کرم سے ہی ہوگا۔ اس لیے اس نے دھرم اتساہ کے بدلے بدھی متا سے کام لینے کا نشچے کیا اور پوچھا وہاں کن کن منشیوں سے بھینٹ ہوگی ؟

اس نے اتّر دیا۔ پہلے تو ویوردھ کوٹا سے بھینٹ ہوگی جو یہاں کے جل سینا کے سینا پتی ہیں۔ انھی نے یہ دعوت دی ہے۔ نسیاس اور انیہ دارشنِک بھی آئیں گے، جنھیں کسی وشے کی میمانسا کرنے ہی میں سب سے ادھیک آنند پراپت ہوتا ہے۔ ان کے اترکت کوی سماج بھوشن کللِکرانت، اور دیو مندر کے ادھیکھش بھی جائیں گے۔ کئی یووک ہوں گے جن کو گھوڑے نکالنے ہی میں پرم آنند آتا ہے اور کئی استریاں ملیں گی جن کے وشے میں اس کے سوائے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کی وے یووتیاں ہیں۔

پاپ ناشی نے ایسی آتسکتا سے جانے کی سمتی دی مانو اسے آکاش وانی ہوئی ہے۔ بولا۔ تو اوشیہ جاؤ، اوشیہ جاؤ۔ میں تمھیں سہرش آگیا دیتا ہوں۔ لیکن میں تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ میں بھی اس دعوت میں تمھارے ساتھ چلوں گا۔ اتنا جانتا ہوں کہ کہاں بولنا اور کہاں

چپ رہنا چاہیے میرے ساتھ رہنے سے تمھیں کوئی اسوودھا اتھوا جھینپ نہ ہوگی۔
دونوں غلام ابھی اس کو آبھوشن پہنا ہی رہے تھے کہ تھائیس کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔ وہ دھرم آشرم کے ایک تپسوی کو میرے پریمیوں میں دیکھ کر کیا کہیں گے۔؟

۳

جب تھائیس نے پاپ ناشی کے ساتھ بھوج شالا میں پدارپن کیا تو مہمان لوگ پہلے ہی سے آچکے تھے۔ وہ گدے دار کرسیوں پر تکیہ لگائے، ایک اردھ چندرکار میز کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ میز پر سونے چاندی کے برتن جگ مگا رہے تھے۔ میز کے بیچ میں ایک چاندی کا تھال تھا جس کے چاروں پایوں کی جگہ چار پریاں بنی ہوئی تھیں جو قرابوں میں سے ایک پرکار کا سرکا انڈیل انڈیل کر تلی ہوئی مچھلیوں کو اس میں تیرا رہی تھیں۔ تھائیس کے اندر قدم رکھتے ہی مہمانوں نے اچ سور سے اس کی اُبھیرتھنا کی۔
ایک نے کہا۔ سوکچھم کلاؤں کی دیوی کو نمسکار !
دوسرا بولا۔ اس دیوی کو نمسکار جو اپنی مُکھا کیرتی سے من کے سمست بھاؤں کو پرکٹ کرسکتی ہیں۔
تیسرا بولا۔ دیوتا اور منُشیوں کی لاڈلی کو سادر پرنام!
چوتھے نے کہا۔ اس کو نمسکار جس کی سبھی آکانکشھا کرتے ہیں!
پانچواں بولا۔ اس کو نمسکار جس کی آنکھوں میں وِش ہے اور اس کا اتار بھی۔
چھٹا بولا۔ سُورگ کے موتی کو نمسکار!
ساتواں بولا۔ اسکندریہ کے گلاب کو نمسکار!
تھائیس من میں جھنجھلا رہی تھی کہ ابھیوادنوں کا یہ پرواہ کب شانت ہوتا ہے۔ جب لوگ چپ ہوئے تو اس نے گرہ سوامی کوٹا سے کہا۔ لوشیس میں آج تمھارے پاس ایک مرستھل نواسی تپسوی لائی ہوں جو دھرم آشرم کے ادھیکھش ہیں۔ ان کا نام پاپ ناشی ہے۔ یہ ایک شدھ پُرش ہیں جن کے شبد اگنی کی بھانتی اڈیپک ہوتے ہیں۔
لوشی لیس آرے لیس کوٹا نے، جو جل سینا کا سینا پتی تھا، کھڑے ہوکر پاپ ناشی کا سمان کیا اور بولا۔ عیسائی دھرم کے انوگامی سنت پاپ ناشی کا میں ہردے سے سواگت کرتا

ہوں۔ میں سویم اس مت کا سمان کرتا ہوں جو اب سامراجیہ ویاپی ہوگیا ہے۔ شردھیہ مہاراج کانسٹین ٹائن نے تمھارے سہہ دھرمیوں کو سامراجیہ کے شبھ اچھکوں کی پرتھم شرینی میں استھان پردان کیا ہے۔ لیٹن جاتی کی اُدارتا کا کرتویہ ہے کہ وہ تمھارے پربھو مسیح کو اپنے دیو مندر میں پرتشٹھت کریں۔ ہمارے پرکھوں کا کتھن تھا کہ پرتیک دیوتا میں کچھ نہ کچھ انش ایشور کا اوشیہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ ان باتوں کا سمے نہیں ہے آؤ، پیالے اٹھائیں اور جیون کا سکھ بھوگیں۔ اس کے سوا اور سب متھیا ہے'۔

وَیو وردھ کوٹا بڑی گمبھیرتا سے بولتے تھے۔ انھوں نے آج ایک نئے پرکار کی نوکا کا نمونہ سوچا تھا اور اپنے ''کارتھیج جاتی کے اتیہاس'' کا چھٹواں بھاگ سماپت کیا تھا۔ انھیں سنتوش تھا کہ آج کا دن سپھل ہوا، اس لیے وہ بہت پرسّن تھے۔

ایک چھن کے اپرانت وہ پاپ ناشی سے پھر بولے۔ سنت پاپ ناشی، یہاں تمھیں کئی سجّن بیٹھے دکھائی دے رہے ہیں جن کا ست سنگ بڑے سوبھاگیہ سے پراپت ہوتا ہے۔ یہ سراپیج مندر کے ادھیکھش ہرموڈورس ہیں۔ یہ تینوں درشن کے گیاتا نسیاس، ڈورین اور جینو ہیں؛ یہ کوی کلی کرانت ہیں، یہ دونوں یووک چیریاں اور آریسٹو پرانے متروں کے پتر ہیں اور ان کے نکٹ دونوں رمنیاں فلینا اور ڈروسیا ہیں جن کی روپ چھوی پر ہردے مگدھ ہو جاتا ہے۔

نسیاس نے پاپ ناشی سے آلنگن کیا اور اس کے کان میں بولا۔ بندھور، میں نے تمھیں پہلے ہی سچیت کردیا تھا کہ وینس (سنگار کی دیوی یونان کے لوگ شکر کی وینس کہتے ہیں) بڑی بَل وَتی ہے۔ یہ اس کی شکتی ہے جو تمھیں اچھا نہ رہنے پر بھی یہاں کھینچ لائی ہے۔ سنو،تم وینس کے آگے سر نہ جھکاؤ گے، اسے سب دیوتاؤں کی ماتا نہ سویکار کروگے، تو تمھارا پتن نشچت ہے۔ تم اس کی اوہیلنا کرکے سکھی نہیں رہ سکتے۔ تمھیں گیات نہیں ہے کہ گنت شاستر کے اُدبھٹ گیاتا ملاتھس کا کتھن تھا کہ میں وینس کی سہایتا کے بنا ترجبھوں کی ویاکھیا بھی نہیں کرسکتا۔

ڈورین، جو کئی پل تک اس نئے آگانتک کو اور دھیان سے دیکھتا رہا تھا، سہسا تالیاں بجا کر بولا۔ یہ وہی ہے، متروں، یہ وہی مہاتما ہے۔ ان کا چہرا، ان کی داڑھی، ان کے وستر وہی ہیں۔ اس میں ہم نے لیش ماتر بھی سندیہہ نہیں۔ میری ان سے ناٹیہ شالا میں

بھینٹ ہوئی تھی۔ جب ہماری تھالیس ابھینے کر رہی تھی۔ میں شرط بد کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ انھیں اس سمے بڑا کرودھ آ گیا تھا، اور اس آویش میں ان کے منہ سے اودنڈ شبدوں کا پرواہ سا آ گیا تھا۔ یہ دھرماتمہ پُرش ہیں، پر ہم سبوں کو آڑے ہاتھوں لیں گے۔ ان کی وانی میں بڑا تیز اور ولکشھن پرتیبھا ہے۔ یدی مارکس 'عیسائیوں کا پلیٹو'' ہے تو پاپ ناشی نِس سندیہہ ڈمااستھنیز ہے۔

کنتو فلیپا اور ڈورسیا کی ٹک ٹکی تھالیس پر لگی ہوئیں تھی، مانو وے اس کا بھکشھن کرلیں گی۔ اس نے اپنے کیشوں میں بنفشے کے پیلے پیلے پھولوں کا ہار گوندھا تھا جس کا پرتیک پھول اس کی آنکھوں کی ہلکی آبھا کی سوچنا دیتا تھا۔ اس بھانتی کے پھول تو اس کی کومل چتونوں کے سدرش تھے۔ آنکھیں جگمگاتے ہوئے پھولوں کے سدرش تھیں۔ اس رمنی کی چھوی میں یہی ویشیشتا تھی۔ اس کی دیہہ پر پرتیک وستو کھل اٹھتی تھی۔ سجیو ہو جاتی تھی۔ اس کے چاندی کے تاروں سے سجی ہوئی پیشواز کے پائچے فرش پر لہراتے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں نہ کنگن تھے، نہ گلے میں ہار۔ اس آبھوشن ہین چھوی میں جیوتسنا کی ملان شوبھا تھی، ایک منوہر اداسی، جو کرتیم بناؤ سنوار سے ادھک چٹ آکرشک ہوتی ہے۔ اس کے سوندریہ کا مکھیہ آدھار اس کی دو کھلی ہوئی نرم، کومل، گوری گوری بانہیں تھیں۔ فلیپا اور ڈورسیا کو بھی ووش ہوکر تھالیس کے جوڑے اور پیشواز کی پرشنسا کرنی پڑی، یدیہی انھوں نے تھالیس سے اس وشے میں کچھ نہیں کہا۔

فلیپا نے تھالیس سے کہا۔ تمھاری روپ شوبھا کتنی ادھ بدھ ہے۔ تم پہلے پہل اسکندریہ آئیں تھیں، اس سمے بھی تم اس سے ادھیک سندر نہ رہی ہوگی جب میری ماتا کو تمھاری اس سمے کی صورت یاد ہے۔ یہ کہتی ہے کہ اس سمے سمست نگر میں تمھارے جوڑ کی ایک بھی رمنی نہ تھی۔ تمھارا سوندریہ اتلنیہ تھا۔

ڈروسیا نے مسکرا کر پوچھا۔ تمھارے ساتھ یہ کون نیا پریمی آیا ہے؟ بڑا وچتر، بھینکر روپ ہے۔ اگر ہاتھیوں کے چرواہے ہوتے ہیں تو اس پُرش کی صورت اوشیے ان سے ملتی ہوگی۔ سچ بتانا بہن، یہ بن مانس تمھیں کہاں مل گیا؟ کیا یہ ان جنتوؤں میں تو نہیں ہے جو رساتل میں رہتے ہیں اور وہاں کے دھومر پرکاش سے کالے ہوجاتے ہیں۔

لیکن فلیپا نے ڈروسیا کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی اور بولی۔ چپ! پرنے کے رہسیہ

ابھید ہوتے ہیں اور ان کی کھوج کرنا ورجت ہے۔ لیکن مجھ سے کوئی پوچھے تو میں اس ادھ بدھ منشیہ کے ہونٹوں کی اوپیکشھا، ایٹنا کے جلتے ہوئے، اگنی پرسارک مکھ سے چمبت ہونا ادھک پسند کروں گی۔ لیکن بہن، اس وشے میں تمھارا کوئی وش نہیں۔ تم دیویوں کی بھانتی روپ گن شیل اور کومل ہردے ہو، اور دیویوں ہی کی بھانتی تمھیں چھوٹے بڑے، بھلے بُرے، سبھی کا من رکھنا پڑتا ہے۔ سبھی کے آنسو پونچھنے پڑتے ہیں۔ ہماری طرح کیول سندر سوکمار ہی کی یاچنا سویکار کرنے سے تمھارا یہ لوک سمان کیسے ہوگا۔

تھالیس نے کہا۔ تم دونوں ذرا منہ سنبھال کر باتیں کرو۔ یہ سدھ اور چمتکاری پُرش ہیں۔ کانوں میں کہی ہوئی باتیں ہی نہیں، منوگت وچاروں کو بھی جان لیتا ہے۔ کہیں اسے کرودھ آگیا تو سوتے میں ہردے کو چیر نکالے گا اور اس کے استھان پر ایک ایک اسپنج رکھ دے گا۔ دوسرے دن جب تم پانی پیوگی تو دم گھٹنے سے مر جاؤ گی۔

تھالیس نے دیکھا کہ دونوں یووتیوں کے مکھ ورن ہین ہو گئے ہیں جیسے اڑا ہوا رنگ۔ تب وہ انھیں اسی دشا میں چھوڑ کر پاپ ناشی کے سمیپ ایک کرسی پر جابیٹھی۔ سہسا کوٹا کی مرُدو پرگرو سے بھری ہوئی کنٹھ دھونی کنفسکیوں کے اوپر سنائی دی۔

متروں آپ لوگ اپنے اپنے استھانوں پر بیٹھ جایئے۔او غلاموں ! وہ شراب لاؤ جس میں شہد ملی ہے۔'

تب بھرا ہوا پیالہ ہاتھ میں لے کر وہ بولا۔ پہلے دیوتولیہ سمراٹ اور سامراجیہ کے کرنا دھار سمراٹ کانٹن ٹائین کی شبھ اِچھا کا پیالہ پیو۔ دیش کا استھان سروپری ہے، دیوتاؤں سے بھی اچ، کیوکہ دیوتا بھی اسی کے اودر میں اوترت ہوتے ہیں۔

سب مہمانوں نے بھرے ہوئے پیالے ہونٹوں سے لگائے ؛ کیول پاپ ناشی نے نہ پیا، کیوں کہ کانسٹن ٹائین نے عیسائی سمپردائے پر اتیاچار کئے تھے۔ اسی لیے بھی کہ عیسائی مت مرتیولوک میں اپنے سودیش کا استی تو نہیں مانتا۔

ڈورین نے پیالہ خالی کرکے کہا۔ دیش کا اتنا سمان کیوں ؟ دیش ہے کیا ؟ایک بہتی ہوئی ندی۔ کنارے بدلتے رہتے ہیں اور جل میں نت نئی ترنگیں اٹھتی رہتی ہیں۔

جل سینا نائیک نے اتر دیا۔ ڈورین، مجھے معلوم ہے کہ تم ناگرک وشیوں کی پرواہ نہیں کرتے اور تمھارا وچار ہے کہ گیانیوں کوئین وستوؤں سے الگ الگ رہنا چاہئے۔ اس کے

پرتی کیول میرا وچار ہے کہ ایک ستیہ وادی پُرش کے لیے سب سے مہان اچھا یہی ہونی چاہیے کہ وہ سامراجیہ میں کسی پد پر بھی اِدھشٹھت ہو۔ سامراجیہ ایک مہتو شالی وستو ہے۔

دیوالیہ کے ادھیکھش ہرموڈورس نے اتر دیا۔ ڈورین مہاشیے نے جگیاسا کی ہے کہ سودیش کیا ہے؟ میرا اتر ہے کہ دیوتاؤں کی بلی ویدی اور پتروں کے سمادھی استوپ ہی سودیش کے پریائے ہے۔ ناگاریکتا اسمرتیوں اور آشاؤں کے سادیش سے اتپنیہ ہوتی ہیں۔'

یووک اریسٹوبولس نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ بھائی، ایشور جانتا ہے، آج میں نے ایک سندر گھوڑا دیکھا۔ ڈیموفون کا تھا۔ اننت مستک ہے، چھوٹا منہ اور سدرڑھ ٹانگیں۔ ایسا گردن اٹھا کر البیلی چال سے چلتا ہے جیسے مرغا۔

لیکن چیریپاس نے سر ہلا کر شنکا کی۔ ایسا اچھا گھوڑا تو نہیں ہے۔ اریسٹوبولس، جیسا تم بتلاتے ہو۔ اس کے سُم پتلے ہیں اور گامچیاں بہت چھوٹی ہیں۔ چال کا سچا نہیں، جلد ہی سُم لینے لگے گا، لنگڑے ہو جانے کا بھے ہے۔

یہ دونوں یہی ویواد کر رہے تھے کہ ڈروسیا نے زور سے چت کار کیا اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا، اور وہ زور سے کھانس کر بولی۔ کُسل ہوئی نہیں تو یہ مچھلی کا کانٹا نگل گئی تھی۔ دیکھو سلائی کے برابر ہے۔

اور اس سے بھی کہیں تیز۔ یہ تو کہو، میں نے جلدی سے انگلی ڈال کر نکال لیا۔ دیوتاؤں کی مجھ پر دیا ہے۔ وہ مجھے اوشیہ پیار کرتے ہیں۔

نسیاس نے مسکرا کر کہا۔ ڈروسیا، تم نے کیا کہا کہ دیوگن تمھیں پیار کرتے ہیں۔ تب تو وہ منشیوں ہی کی بھانتی سکھ دکھ کا انوبھو کر سکتے ہوں گے۔ یہ نرِوِواد ہے کہ پریم سے پیڑت منشیہ کو کشٹوں کا سامنا اوشیے کرنا پڑتا ہے، اور اس کے وشی بھوت ہو جانا مانسک دربلتا کا چنھ ہے۔ ڈروسیا کے پرتی دیوگنوں کو جو پریم ہے، اس سے ان کی دوش پورنتا سدھ ہوتی ہے۔

ڈروسیا یہ ویاکھیا سن کر بگڑ گئی اور بولی۔ نسیاس، تمھارا ترک سورتھا نرگل اور تتو ہین ہے۔ لیکن یہ تو تمھارا سوبھاو ہی ہے تم بات تو سمجھتے نہیں، ایشور نے اتنی بدھی ہی نہیں دی، اور نرر تھک شبدوں میں اتر دینے کی چیشٹا کرتے ہو۔

نسیاس مسکرایا ہاں، ہاں، ڈروسیا، باتیں کئے جاؤ چاہے وہ گالیاں ہی کیوں نہ ہوں۔ جب جب تمھارا منہ کھلتا ہے، ہمارے نیتر ترپت ہو جاتے ہیں۔ تمھارے دانتوں کی

بتیسی کتنی سندر ہے۔ جیسے موتیوں کی مالا۔

اتنے میں ایک وردھ پروش، جس کی صورت سے وچار شیلتا جھلکتی تھی اور جو ویش وستر سے بہت سوویواستھت نہ جان پڑتا تھا، مستک گرو سے اٹھائے مند گتی سے چلتا ہوا کمرے میں آیا۔ کوٹا نے اپنے ہی گدے پر اسے بیٹھنے کا سنکیت کیا اور بولا۔ یوکرائیٹیز، تم خوب آئے۔ تمھیں یہاں دیکھ کر چت بہت پرسنیہ ہوا۔ اس ماس میں تم نے درشن پر کوئی نیا گرنتھ لکھا؟ اگر میری گڑنا غلط نہیں ہے تو یہ اس وشے کا ۹۲ واں نبندھ ہے جو تمھاری لیکھنی سے نکلا ہے۔ تمھاری نرکٹ کی قلم میں بڑی پرتیبھا ہے۔ تم نے یونان کو بھی مات کر دیا۔

یوکرائی ٹیز نے اپنے شویت داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ بلبل کا جنم گانے کے لیے ہوا ہے۔ میرا جنم دیوتاؤں کی استوتی کے لیے، میرے جیون کا یہی اُدشیہ ہے۔

ڈورین۔ ہم یوکرائی ٹیز کو بڑے آدر کے ساتھ نمسکار کرتے ہیں، جو وراگ وادیوں میں اب اکیلے ہی بچ رہے ہیں۔ ہمارے بیچ میں وہ کسی دبیہ پُرش کی پرتیبھا کی بھانتی گمبھیر، پروڑھ، شویت کھڑے ہیں۔ ان کے لیے میلا بھی نرجن، شانت استھان ہے اور ان کے مکھ سے جو شبد نکلتے ہیں وہ کسی کے کانوں میں نہیں پڑتے۔

یوکرائی ٹیز۔ ڈورین، یہ تمھارا بھرم ہے ستیہ ویویچن ابھی سنسار سے لُپت نہیں ہوا ہے۔ اسکندریہ، روم، قسطنطنیہ آدی استھانوں میں میرے کتنے ہی انویائی ہے۔ غلاموں کی ایک بڑی سنکھیا اور قیصر کے کئی بھتیجوں نے اب یہ انوبھو کر لیا ہے کہ اندریوں کا کیوں کر دمن کیا جاسکتا ہے، سوچھند جیون کیسے اپلبدھ ہوسکتا ہے؟ وہ سنسارک وشیوں سے نرلپت رہتے ہیں، اور اسیم آنند اٹھاتے ہیں۔ ان میں سے کئی منشیوں نے اپنے ستکرموں دوارا اپیک ٹیٹس اور مارکس آرے لیس کا پنہ سنسکار کر دیا ہے۔ لیکن اگر یہی ستیہ ہو کہ سنسار سے ستکرم سدیو کے لیے اٹھ گیا، تو اس چھتی سے میرے آنند میں کیا بادھا ہوسکتی ہے، کیوں کہ مجھے اس کی پرواہ نہں ہے کہ سنسار میں ستکرم ہے یا اٹھ گیا ڈورین، اپنے آنند کو اپنے ادھین نہ رکھنا مورکھوں اور مند بدھی والوں کا کام ہے۔ مجھے ایسی کسی وستو کی اِچھا نہیں ہے جو وِدھاتا کی اِچھا کے انوکول ہے۔ اس ودھی سے میں اپنے کو ان سے ابھیہ بنا لیتا ہوں اور ان کے نربھانت سنتوش میں سہ بھاگی ہو جاتا ہوں۔ اگر ستکرموں کا پتن ہو رہا ہے تو ہو، میں پرسنیہ ہوں۔ مجھے کوئی آپتی نہیں۔ اگر نراپتی میرے چت کو آنند سے بھر دیتی ہے، کیوں کہ یہ میرے

ترک یا ساہس کی پرموتّول کیرتی ہے۔ پرتیک وشے میں میری بدھی دیو بدھی کا انوسارن کرتی ہے، اور نقل اصل سے کہیں مولیہ وان ہوتی ہے۔ وہ اُویشرانت سچ چنتا اور سدودھیوگ کا پھل ہوتی ہے

نسیاس۔ آپ کا آشیے سمجھ گیا۔ آپ اپنے کو ایشور یے اچھا کے انوروپ بناتے ہیں۔ لیکن اگر اودھوگ ہی سے سب کچھ ہوسکتا، اگر لگن ہی منشے کو ایشور تولیہ بنا سکتی، اور سادھنوں سے ہی آتما پر آتما میں ویلین ہوتا ہے، تو اس مینڈک نے، جو اپنے کو پھلا کر بیل بنا لینا چاہتا تھا، نی سندیہہ ویراگیے کا سروشریشٹھ سدھانت چرتارتھ کردیا۔

یوکرائیٹز۔ نسی یاس، تم مسخرا پن کرتے ہو اس کے سوا تمھیں اور کچھ نہیں آتا۔ لیکن جیسا تم کہتے ہو وہی سہی۔ اگر وہ بیل جس کا تم نے الیکھ کیا ہے واستوں میں ایپس کی بھانتی دیوتا ہے یا اس پاتال لوک کے بیل کے سدرش ہے جس کے مندر کے ادھیکھش کو ہم یہاں بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور اس مینڈک نے سدپرینا سے اپنے کو اس بیل کے سمتُلیہ بنا لیا، تو کیا وہ بیل سے ادھیک شریشٹھ نہیں ہے؟ یہ سمبھو ہے کہ تم اس ننھے سے پشو کے ساہس اور پراکرم کی پرشنسا نہ کرو۔

چار سیوکوں نے ایک جنگلی سور، جس کے ابھی تک بال بھی الگ نہیں کیے گئے تھے، لاکر میز پر رکھا۔ چار چھوٹے، چھوٹے سور جو میدے کے بنے ہوئے تھے۔ مانو اس کا دودھ پینے کے لیے اتسک ہیں۔ اس سے پرکٹ ہوتا تھا کہ سور مادہ ہے۔

جینا تھمیز نے پاپ ناشی کی اور دیکھ کر کہا۔ مترو، ہماری سبھا کو آج ایک نئے مہمان نے اپنے چرنوں سے پوتر کیا ہے۔ شردھیہ سنت پاپ ناشی، جو مروستھل میں ایکانت نیواس اور تپسیا کرتے ہیں، آج سنیوگ سے ہمارے مہمان ہو گئے ہیں۔

کوٹا۔ متر جینا تھمیز، اتنا اور بڑھا دو کہ انھوں نے بنا نیمنترت ہوئے یہ کرپا کی ہے، اس لیے انھی کو سمان پد کی شوبھا بڑھانی چاہیے۔

جینا تھمیز۔ اس لیے متر وروں، ہمارا کرتویہ ہے کہ ان کے سمانارتھ وہی باتیں کریں جو ان کو روچی کر ہوں۔ یہ تو اسپشٹ ہے کہ ایسا تیاگی پُرش مسالوں کی گندھ کو اتنا روچی کر نہیں سمجھتا جتنا پوتر وچاروں کی سگندھ کو۔ اس میں کوئی سندیہہ نہیں ہے کہ جتنا آنند انھیں عیسائی دھرم سدھانتوں کے ویوِچن سے پراپت ہوگا، جن کے وہ انویائی ہیں، اتنا اوروشیے سے

نہیں ہوسکتا۔ میں سویم اس ویوچن کا پکھش پاتی ہوں، کیوں کہ اس میں کتنے ہی سروانگ سندر اور وچتر روپکوں کا سا ولیش ہے جو مجھے اتینت پریے ہیں۔اگر شبدوں سے آشیے کا انومان کیا جاسکتا ہے، تو عیسائی سدھانتوں میں ستیے کی ماترا پرچر ہیں اور عیسائی دھرم گرنتھ ایشور گیان سے پری پورن ہیں۔لیکن سنت پاپ ناشی، میں یہودی دھرم گرنتھوں کو ان کے سمان سماّن کے یوگیے نہیں سمجھتا۔ ان کی رچنا ایشور یے گیان دوارا نہیں ہوئی ہے۔ ورن ایک پشاچ دوارا جو ایشور کا مہان شترو تھا۔ اسی پشاچ نے، جس کا نام آئیوے تھا ان گرنتھوں کو لکھوایا۔ وہ ان دشٹ آتماؤں میں سے تھا جو نرک لوک میں بستے ہیں اور ان سمست وڈمب ناؤں کے کارن ہیں جن سے منُشیہ ماتر پیڑت ہیں، لیکن آئی وے اگیان، کٹیلتا اور کُرورتا میں ان سبھوں سے بڑھ کر تھا۔ اس کے وِرُدّھ سونے کے پروں کا سا سرپ جو گیان وردھ سے لپٹا ہوا تھا، پریم اور پرکاش سے بنایا تھا۔ ان دونوں شکتیوں میں ایک پرکاش کی تھی اور دوسری اندھکار کی تھی۔ وِرُدّھ ہونا انی واریہ تھا۔ یہ گھٹنا سنسار کی گھٹنا سرشٹی کے تھوڑے ہی دنوں پشچات گھٹی۔ دونوں ورُودھی شکتیوں سے یدّھ چھڑ گیا۔ ایشور ابھی کٹھن پریشرم کے بعد وشرام نہ کرنے پائے تھے ؛آدم اور حوّا، آدی پرش، آدی استری، عدن کے باغ میں ننگے گھومتے اورآنند سے جیون ویتیت کررہے تھے۔ اتنے میں دربھاگیے سے آئی وے کو سوجھی کہ ان دونوں پرانیوں پر اور ان کی آنے والی سنتانوں پر آدِھپتیہ جماؤں۔ ترنت اپنی اِچّھا کو پورا کرنے کا پریتن وہ کرنے لگا۔ وہ نہ گرُت میں کُسل تھا۔ نہ سنگیت میں، نہ اس شاستر سے پریچت تھا جو راجیہ کا سنچالن کرتا ہے، نہ اس لِلت کلا سے جو چت کو مگھد کرتی ہے۔ اس نے ان دونوں سرل بالکوں کی سی بدھی رکھنے والے پرانیوں کو بھینکر پشاچ لیلاؤں سے، شنکوت پادک کرودھ سے اور میگھ گرجنوں سے بھے بھیت کردیا۔ آدم اور حوّا اپنے اوپر اس کی چھایا کا انوبھو کر کے ایک دوسرے سے چمٹ گئے اور بھے نے ان کے پریم کو اور بھی گھنشٹ کردیا۔ اس سمے اس ویراٹ سنسار میں کوئی ان کی رکشھا کرنے والا نہ تھا۔ جدھر آنکھ اٹھاتے۔ اودھر سنّاٹا دکھائی دیتا تھا۔ سرپ کو ان کی یہ نسہائے دشا دیکھ کر دیا آگئی اور اس نے ان کے انتہ کرن کو بدھی کے پرکاش سے آلوکِت کرنے کا نشچے کیا، جس میں گیان سے سترک ہو کر وہ متھیا بھے، اور بھینکر پریت لیلاؤں سے چنتت نہ ہوں۔ کنتو اس کاریے کو سچا روپ سے پورا کرنے کے لیے بڑی سادودھانی اور بدھیمتا کی آوشیکتا تھی اور پورو دمپتی کی سرل ہردیتا نے

اسے اور بھی کٹھن بنا دیا۔ کنتو دیالو سرپ سے نہ رہا گیا۔ اس نے گپت روپ سے ان پرانیوں کے ادّھار کرنے کا نشچے کیا۔ آئی وے ڈینگ تو یہ مارتا تھا کہ وہ انتریامی ہے لیکن یتھارت میں وہ بہت سوکچھم درشی نہ تھا۔ سرپ نے ان پرانیوں کے پاس آکر پہلے انھیں اپنے پیروں کی سندرتا اور کھال کی چمک سے مگدھ کردیا۔ دیہہ سے بھنّ بھنّ آکار بنا کر اس نے ان کی وچار شکتی کو جاگرت کردیا۔ یونان کے گڑت آچاریوں نے ان آکاروں کے ادھ بدھ گنوں کو سویکار کیا ہے۔ آدم ان آکاروں پر حوّا کی اپیکشھا ادھیک وچارتا تھا، کنتو جب سرپ نے ان سے گیان تتووں کا وِدِیچن کرنا شروع کیا۔ ان رہسیوں کا جو پرتیکھش روپ سے سدھ نہیں کئے جاسکتے۔ تو اسے گیات ہوا کہ آدم لال مٹی سے بنائے جانے کے کارن اتنا استھول بدھی تھا کہ ان سوکچھم ویوچیوں کو گرہن نہیں کرسکتا تھا، لیکن حوّا ادھیک چتنیہ ہونے کے کارن ان وشیوں کو آسانی سے سمجھ جاتی تھی۔ اس لیے سرپ سے بہودھا اکیلے ہی ان وشیوں کا نروپن کیا کرتی تھی، جس میں پہلے خود دیکشھت ہوکر تب اپنے پتی کو دیکشھت کرے۔

ڈورین۔ مہاشیے جیناتھیمز، چھما کیجیے گا، آپ کی بات کاٹتا ہوں۔ آپ کا یہ کٹھن سن کر مجھے شنکا ہوتی ہے کہ سرپ اتنا بدھی مان اور وچار شیل نہ تھا جتنا آپ نے اسے بتایا ہے۔ یدی وہ گیانی ہوتا تو کیا وہ اس گیان کو حوّا کے چھوٹے سے مستشک میں آروپت کرتا جہاں کافی استھان نہ تھا ؟ میرا وچار ہے کہ وہ آئی وے کے سمان ہی مورکھ اور کٹِل تھا اور حوّا کو ایکانت میں اس لیے اپدیش دیتا تھا کہ استری کو بہکانا بہت کٹھن نہ تھا۔ آدمی ادھیک چتر اور انوبھو شیل ہونے کے کارن، : اس کی بری نیت کو تاڑ لیتا۔ یہاں اس کی دال نہ گلتی اس لیے میں سرپ کی سادھوتا کا قائل ہوں، نہ کہ اس کی بدّھی متاّ کا۔

جیناتھیمز۔ ڈورین تمھاری شنکا نرمول ہے۔ تمھیں یہ نہیں معلوم ہے کہ جیون کے سراوچیہ اور گوڑتم رہسیے بدھی اور انومان دوارا گرہن نہیں کیے جا سکتے، بلکہ انت جیورتی دوارا کیے جاتے ہیں۔ یہی کارن ہے کہ استریاں جو پروشوں کی بھانتی سہن شیل نہیں ہوتی ہیں پر جن کی چیتنا شکتی ادھیک تیوٗر ہوتی ہے، ایشور وشیوں کو آسانی سے سمجھ جاتی ہیں۔ استریوں کو ست سوپن دکھائی دیتے ہیں، پروشوں کو نہیں۔ استری کا پتر یا پتی دور دیش میں کسی سنکٹ میں پڑجائے تو استری کو ترنت اس کی شنکا ہوجاتی ہے۔ دیوتاؤں کا وستر استریوں کا سا ہوتا ہے، کیا اس کا کوئی آشے نہیں ہے؟ اس لیے سرپ کی یہ دور درشتا تھی کہ اس نے گیان کا پرکاش

ڈالنے کے لیے مندبدھی آدم کونہیں ؛ بلکہ چنچنے شیل حوّا کو پسند کیا، جو پنچھتروں سے اجول اور دودھ سے اسنگدھ تھی۔ حوّا نے سرپ کے اپدیش کو سہرش سنا اور گیان ورکھش کے سمیپ جانے پر تیار ہو گئی، جس کی شاکھائیں سورگ تک سر اٹھائے ہوئے تھیں اور جو ایشور یہ دیا سے اس بھانتی آچھا دِت تھا، مانو اوس کی بوندوں میں نہایا ہوا ہو۔ اس ورکھش کی پتیاں سمست سنسار کے پرانیوں کی بولیاں بولتی تھیں اور ان کے شبدوں کے سم مشرن سے اتینت مدھر سنگیت کی دھونی نکلتی تھی۔ جو پرانی اس کا پھل کھاتا تھا، اسے کھنج پدارھاتوں کا، پتھروں کا، ونپستیوں کا، پراکرتِک اور نیتک نیموں کا سمپورن گیان پراپت ہو جاتا تھا، لیکن اس کے پھل اگنی کے سمّان تھے اور سنشیا تما بھیرو پرانی بھے وش اسے اپنے ہونٹوں پر رکھنے کا ساہس نہ کر سکتے تھے۔ پر حوا نے تو سرپ کے اپدیشوں کو بڑے دھیان سے سنا تھا اس لیے اس نے ان نرمول شنکاؤں کو تچھ سمجھا اور اس پھل کو چکھنے پر ادھسیت ہو گئی، جس سے ایشور گیان پراپت ہو جاتا تھا۔ لیکن آدم کے پریم سوتر میں بندھے ہونے کے کارن اسے یہ کب سویکار ہو سکتا تھا کہ اس کا پتی اس سے ہین دشا میں رہے۔ اگیان کے اندھکار میں پڑا رہے۔ اس نے پتی کا ہاتھ پکڑا اور گیان ورکھش کے پاس آئیں۔ تب اس نے یا یک تپتا ہوا پھل اٹھایا، اسے تھوڑا سا کاٹ کر کھایا اور شیش اپنے جیونگی کو دے دیا۔ مصیبت وہ ہوئی کہ آئی دے اسی سمے باغیچے میں ٹہل رہا تھا جیوں ہی حوا نے پھل اٹھایا، وہ اچانک ان کے سر پر آپہنچا اور جب اسے گیات ہوا کہ ان پرانیوں کے گیان چکچھو کھل گئے ہیں تو اس کے کرودھ کی جوالا دہک اٹھی۔ اپنی سمگر سینا کو بلا کر اس نے پرتھوی کے گربھ میں ایسا بھینکر اتپات مچایا کہ یہ دونوں شکتی ہین پرانی تھر تھر کانپنے لگے۔ پھل آدم کے ہاتھ سے چھوٹ پڑا اور حوا نے اپنے پتی کی گردن میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ میں بھی اگیانی بنی رہوں گی اور اپنے پتی کی وپتی میں اس کا ساتھ دوں گی۔ وجئی آئی دے آدم اور حوا اور ان کی بھوشیہ سنتانوں کو بھے اور کاپوروشتا کی دشا میں رکھنے لگا۔ وہ بڑا کلانیدھی تھا۔ وہ بڑے ورہدآکار آکاش وجروں کے بنانے میں سدھ ہست تھا۔ اس کے کلا نپُن نے سرپ کے شاستر کو پراست کر دیا ات ایو اس نے پرانیوں کو مورکھ، انیایائی، نردے بنا دیا اور سنسار میں نکرم کا سکہ چلا دیا۔ تب سے لاکھوں ورش ویتیت ہو جانے پر بھی منشیہ نے دھرم پتہ نہیں پایا۔ یونان کے کتپیہ ودوانوں تتھا مہاتماؤں نے اپنے بدھی بل سے اس مارگ کو کھوج نکالنے کا پریتن کیا۔ پیتھاگورس، پلیٹو آدی تتو گیانیوں کے ہم

سدیو رِنی رہیں گے، لیکن وہ اپنے پریتن میں سپھلی بھوت نہیں ہوئے، یہاں تک کہ تھوڑے دن ہوئے ناصرہ کے عیسو نے اس پتھ کو منشیہ ماتر کے لیے کھوج نکالا۔

ڈورین۔ اگر میں آپ کا آشیے ٹھیک سمجھ رہا ہوں تو آپ نے یہ کہا ہے کہ جس مارگ کو کھوج نکالنے میں یونان کے تتوگیانیوں کو سپھلتا نہیں ہوئی، اسے عیسو نے کن سادھنوں دوارا پا لیا؟ کن سادھنوں کے دوارا وہ مکتی گیان پراپت کر لیا جو پلیٹو آدی آتم درشی مہاپروشوں کو نہ پراپت ہو سکا۔؟

جینا تھیمز۔ مہاشیے ڈورین کیا وہ بار بار بتلانا پڑے گا کہ بدھی اور ترک ودھیا پراپتی کے سادھن ہیں، کنتو پراودھیا آتمولا س دوارا ہی پراپت ہوسکتی ہے۔پلیٹو، پیتھا گورس، ارسطو آدی مہاتماؤں میں اپار بدھی شکتی تھی، پر وہ ایشور کی اس اننیہ بھکتی سے ونچت تھے۔جس میں عیسو سرابور تھے۔ان میں وہ تمیتا نہ تھی جو پربھو مسیح میں تھی۔

ہرموڈورس۔ جینا تھیمز، تمھارا یہ کتھن سرورتھا ستیہ ہے کہ جیسے دوب اوس پی کر جیتی اور پھیلتی ہے، اسی پرکار جیو آتما کا پوشن پرم آنند دوارا ہوتا ہے۔لیکن ہم اس کے آگے بھی جا سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ کیول بدھی ہی میں پرم آنند بھوگنے کی چھمتا ہے۔منشیہ میں سروپردھان بدھی ہی ہے۔ پنچ بھوتوں کا بنا ہوا شریر تو جڑ ہے،جیو آتما ادھِک سوکچھم ہے،پر وہ بھی بھوتک ہے،کیول بدھی ہی نرویکار اور اکھنڈ ہے۔جب یہ بھون روپی شریر سے پرستھان کر کے، جو اکسمات نرجن اور شونیے ہوگیا ہو۔آتما کے رمنک اودھان میں وچرن کرتی ہوئی ایشور میں ساویشٹ ہو جاتی ہے تو وہ پورونشچت مرتیو یا پونرجنم کے آنند اٹھاتی ہے، کیونکہ جیون اور مرتیو میں کوئی انترنہیں، اور اس اوستھا میں اسے سورگیے پاوتریہ میں مگن ہو کر پرم آنند اور سنپورن گیان پراپت ہوجاتا ہے۔ وہ اس میں ایکہ پرِوشٹ ہو جاتی ہے جو سرووياپی ہے۔ اسے پرم پد یا سدھی پراپت ہو جاتی ہے۔

نسیاس۔ بڑی ہی سندر ییکتی ہے۔لیکن ہرموڈورس، سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ''استی'' اور ''ناسیت'' میں کوئی بھنیتا نہیں دکھتی۔ شبدوں میں اس بھنیتا کو ویکت کرنے کی سامتھر یہ نہیں ہے۔''اننت'' اور ''شونیہ'' کی سامانتا کتنی بھیاوہ ہے۔ دونوں میں سے ایک بھی بدھی گراہ نہیں ہے۔ مستشک ان دونوں ہی کی کلپنا میں اسمرتھ ہے۔میرے وچار میں تو جس پرم پد یا موکھش کی آپ نے چرچا کی ہے وہ بہت ہی مہنگی وستو ہے۔ اس کا مولیہ ہمارا سمست جیون، نہیں،

ہمارا استتو ہے۔ اسے پراپت کرنے کے لیے ہمیں پہلے اپنے استتو کو مٹا دینا چاہئے۔ یہ ایک ایسی وپتی ہے جس سے پرمیشور بھی مکت نہیں، کیوں کہ درشنوں کے گیاتا اور بھکت اسے سمپورن اور سدھ پرمانت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ سارانش یہ ہے کہ یدی ہمیں، 'اِست،' کا کچھ بودھ نہیں تو، 'ناستی' سے بھی ہم اتنے ہی انبھگیہ ہیں۔ ہم کچھ جانتے ہی نہیں۔

کوٹا۔ مجھے بھی درشن سے پریم ہے اور اوکاش کے سمے اس کا ادھیین کیا کرتا ہوں۔لیکن اس کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ ہاں، سسروں کے گرنتھوں میں اودشیہ اسے خوب سمجھ لیتا ہوں، راسو، کہاں مر گئے، مدھومشرت وستو پیالوں میں بھرو۔

کلی کرانت۔ یہ ایک وچتر بات ہے، لیکن نہ جانے کیوں جب میں چھدھاتر ہوتا ہوں تو مجھے ان ناٹک رچنے والے کویوں کی یاد آتی ہے جو بادشاہوں کی میز پر بھوجن کیا کرتے تھے اور میرے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔لیکن جب میں وہ سدھارس پان کر کے ترپت ہو جاتا ہوں، جس کی مہاشیہ کوٹا کے یہاں کوئی کمی نہیں معلوم ہوتی، اور جس کے پلانے میں وہ اتنے اُدّار ہیں،تو میری کلپنا ویررس میں مگن ہو جاتی ہے، یودھاؤں کے ویرچریتر آنکھوں میں پھرنے لگتے ہیں،گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلوار کی جھنکاروں کی دھونی کان میں آنے لگتی ہے۔ مجھے لجّا اور کھید ہے کہ میرا جنم ایسی ادھوگتی کے سمے ہوا۔وِوش ہوکر میں بھاونا کے ہی دوارا اس رس کا آنند اٹھاتا ہوں، سودھینتا۔ دیوی کی ارادھنا کرتا ہوں اور ویروں کے ساتھ سویم ویرگتی پراپت کر لیتا ہوں۔

کوٹا۔ روم کے پرجاستاتمک راجیہ کے سمئے میرے پرکھوں نے بروٹس کے ساتھ اپنے پران سوادھینتا دیوی کی بھینٹ کیے تھے۔لیکن یہ انومان کرنے کے لیے پرمانوں کی کمی نہیں ہے کہ روم نیواسیوں جسے سوادھینتا کہتے تھے، وہ کیول اپنی ویوستھا آپ کرنے کا۔ اپنے اوپر آپ شاسن کرنے کا ادھیکار تھا۔میں سویکار کرتا ہوں کہ سوادھینتا سروتم وستو ہے،جس پر کسی راشٹر کو گورو ہو سکتا ہے۔ لیکن جیوں جیوں میری آیو گزرتی جاتی ہے اور انوبھو بڑھتا جاتا ہے، مجھے وشواس ہوتا ہے کہ ایک سشکت اور سوویوستھت شاسن ہی پرجا کو یہ گورو پردان کر سکتا ہے۔گت چالیس ورشوں سے میں بھن بھن اُچ پدوں پر راجیہ کی سیوا کر رہا ہوں اور میرے دیرگھ انوبھو نے سدھ کر دیا ہے کہ جب شاسک شکتی نربل ہوتی ہے،تو پرجا کو انیائیوں کا شکار

ہونا پڑتا ہے۔ات ایو وہ وانی کُشل، زمین اور آسمان کے قلابے ملانے والے ویاکھیاتا جو شاسن کو نربل اور اپنگ بنانے کی چیشٹھا کرتے ہیں، اتینت نندنیہ کاریے کرتے ہیں۔ ایک سوتچھا چاری شاسک جو اپنی ہی اِچھا کے انوسار راجیہ کا سنچالن کرتا ہے، سمبھوتہ کبھی کبھی پرجا کو گھور سنکٹ میں ڈال دیتا ہے، لیکن اگر وہ پرجامت کے انوسار شاسن کرتا ہے تو پھر اس کے وِش کا منتر نہیں وہ ایسا روگ ہے۔ جس کی اوشدھی نہیں،روم راجیہ کے شستر بل دوارا سنسار میں شانتی استھاپت ہونے سے پہلے، وہی راشٹر سکھی اور سمرِدھ تھے۔جن کا ادھیکار کُسل وچارشیل سوتچھا چاری راجاؤں کے ہاتھ میں تھا۔

ہرموڈورس۔ مہاشیے کوٹا، میرا تو وچار ہے کہ سوویوستھت شاسن پدیتی کیول ایک کلپت وستو ہے اور ہم اسے پراپت کرنے میں سپھل نہیں ہو سکتے، کیوں کہ یونان کے لوگ بھی، جو سبھی وشیوں میں اتنے نپورن اور دکھش تھے، نردوش شاسن پرنالی کا اوِر بھاؤ نہ کرسکے۔ ات ایو اس وشے میں ہمیں سپھل ہونے کی کوئی آشا بھی نہیں۔ ہم اتی دور بھوشیے میں اس کی کلپنا نہیں کرسکتے۔ نربھرانت لکشنوں سے پرکٹ ہو رہا ہے کہ سنسار شیگھر ہی مورکھتا اور بربرتا کے اندھکار میں مگن ہوا چاہتا ہے۔کوٹاہمیں اپنے جیون میں انھی آنکھوں سے بڑی بڑی بھینکر درگھٹنائیں دیکھنی پڑی ہیں۔وِدیا، بدھی اور سداچرن سے جتنی مانسک سانتو نائیں اپلبدھ ہو سکتی ہیں،ان میں اب جوشیش رہ گیا ہے وہ یہی ہے کہ اُدھہ پتن کا شوک درشیہ دیکھیں۔

کوٹا۔ مِترور، یہ ستیہ ہے کہ جنتا کی سوارتھ پرتا اور اسبھیہ ملیچھوں کی اُدنڈتا، نِتانت بھینکر سمبھاونائیں ہیں، لیکن یدی ہمارے پاس سدڑھ سینا، سوسنگھٹ ناوِک شکتی اور پرچر دھن بل ہو تو۔

ہرموڈورس۔ وتس، کیوں اپنے کوبھرم میں ڈالتے ہو؟ یہ مرناسنّ سامراجیہ ملیچھوں کے پشو بل کا سامنا نہیں کرسکتا۔ ان کا پتن اب دور نہیں ہے۔ آہ! وہ نگر جنھیں یونان کی وِلکشن بدھی یا رومن واسیوں کے انوپم دھیریے نے نرمت کیا تھا۔شیگھر ہی مدونمت نرپشوؤں کے پیروں تلے روندیں جائیں گے، لوٹیں گے اور ڈھائے جائیں گے۔ پرتھوی پر نہ کلا کوشل کا چنہہ رہ جائے گا، نہ درشن کا، نہ وگیان کا۔ دیوتاؤں کی منوہر پرتی مائیں دیوالیوں میں تہس نہس کر دی جائیں گی۔ مانو ہردے میں بھی ان کی سمرتی نہ رہے گی۔ بدھی پر اندھکار چھا جائے گا اور یہ بھومنڈل اسی اندھکار میں ولین ہو جائے گا۔ کیا ہمیں یہ آشا ہو سکتی ہے کہ ملیچھ

جاتیاں سنسار میں سوبدھی اور سنیتی کا پرسار کریں گی؟ کیا جرمن جاتی سنگیت اور وگیان کی اپاسنا کرے گی؟ کیا عرب کے پشو امر دیوتاؤں کا سمان کریں گے؟ کداپی نہیں۔ ہم وناش کی اور بھینکر گتی سے پھسلتے چلے جارہے ہیں۔ ہمارا پیارا متر جو کسی سے سنسار کا جیون داتا تھا، جو بھومنڈل میں پرکاش پھیلاتا تھا، اس کا ساذھی استوپ بن جائے گا۔ وہ سویم اندھکار میں لیپت ہو جائے گا۔ مرتیو دیوراسے پیز مانو بھکتی کی انتم بھینٹ پائے گا اور میں انتم دیوتا کا انتم پجاری سِدّھ ہوں گا۔

اتنے میں ایک وچتر مورتی نے پردا اٹھایا اور مہمانوں کے سمّکھ ایک کبڑا، ناٹا منشیہ اپستھت ہوا جس کی چاند پر ایک بال بھی نہ تھا۔وہ ایشیا نیواسیوں کی بھانتی ایک لال چوغا اور اسبھیہ جاتیوں کی بھانتی لال پاجاما پہنے ہوئے تھا جس پر سنہرے بوٹے بنے ہوئے تھے۔ پاپ ناشی اسے دیکھتے ہی پہچان گیا اور ایسا بھے بھیت ہوا مانو آکاش سے وجر گر پڑے گا۔ اس نے ترنت سر پر ہاتھ رکھ لیے اور تھرتھر کانپنے لگا۔ یہ پرانی مارکس ارین تھا جس نے عیسائی دھرم میں نوین وچار کا پرچار کیا تھا۔وہ عیسو کے اناد تیو پر وشواس نہیں کرتا تھا۔ اس کا کتھن تھا کہ جس نے جنم لیا، وہ کداپی انادی نہیں ہوسکتا۔ پرانے وچار کے عیسائی، جن کا مکھ پاتر نیسا تھا، کہتے ہیں کہ یدیپی مسیح نے دیہہ دھارن کی کنتو وہ اننت کال سے ودِمان ہے۔ ات ایو نیسا کے بھکت ارین کو ودھرمی کہتے تھے۔ اور ارین کے انویائی نیسا کو مورکھ، مند بدّھی پاگل آدی اپادھی دیتے تھے۔ پاپ ناشی نیسا کا بھکت تھا۔ اس کی درشٹی میں ایسے ودھرمی کو دیکھنا بھی پاپ تھا۔ اس سبھا کو وہ پشاچوں کی سبھا سمجھتا تھا۔لیکن اس پشاچ سبھا میں پرکرت وادیوں کے اپواد اور وگیانیوں کا دوشکلپناؤں سے بھی وہ اتنا سنشک اور چنچل نہ ہوا تھا۔لیکن اس ودھرمی کی اُپستھتی ماتر نے اس کے پران ہر لیے۔ وہ بھاگنے ہی والا تھا کہ سہسا اس کی نگاہ تھالیس پر جا پڑی اور اس کی ہمت بندھ گئی۔ اس نے اس کے لمبے، لہراتے ہوئے، لہنگے کا کنارا پکڑ لیا اور من میں پربھو مسیح کی وندنا کرنے لگا۔

اپستھت جنوں نے اس پرتیبھا شالی وِدّوان پُرش کا بڑے سمّان سے سواگت کیا، جسے لوگ عیسائی دھرم کا پلیٹو کہتے تھے ہرموڈورس سب سے پہلے بولا۔

'پرم آدرنیہ مارکس، ہم آپ کو اس سبھا میں پدآرپن کرنے کے لیے ہردے سے دھنے واد دیتے ہیں۔آپ کا شبھ آگمن بڑے ہی شبھ اوسر پر ہوا ہے۔ہمیں عیسائی دھرم کا اس

سے ادھک گیان نہیں ہے، جتنا پرکٹ روپ سے پاٹھ شالاؤں کے پاٹھیہ کرم میں رکھا ہوا ہے۔ آپ گیانی پُرش ہیں، آپ کی وچار شیلی سادھارن جنتا کی وچار شیلی سے اوشیہ بھن ہوگی۔ ہم آپ کے مکھ سے اس دھرم کے رہسیوں کی میمانسہ سننے کے لیے اتسک ہیں جن کے آپ انویائی ہیں۔آپ جانتے ہیں کہ ہمارے متر جینا تھمیز کو نیتے روپکوں اور درشٹانتوں کی دھن سوار رہتی ہے،اور انھوں نے ابھی پاپ ناشی مہودے سے یہودی گرنتھوں کے وشیے میں کچھ جگیاسا کی تھی۔ لیکن اُکت مہودے نے کوئی اتر نہیں دیا اور ہمیں اس کا کوئی اشچریہ نہ ہونا چاہیے کیوں کہ انھوں نے مون ورت دھارن کیا ہے۔لیکن آپ نے عیسائی دھرم سبھاؤں میں ویا کھیان دیے ہیں۔ بادشاہ کانسٹین ٹائن کی سبھا کو بھی آپ نے اپنی امرت وانی سے کرتارتھ کیا ہے۔آپ چاہیں تو عیسائی دھرم کا تاتیوک ویوچن اور ان گپت آشاؤں کا اسپشٹی کرن کر کے، جو عیسائی دنت کتھاؤں میں نہیت ہیں،ہمیں سنتشٹ کر سکتے ہیں۔ کیا عیسائیوں کا مکھیہ سدھانت توحید (ادویت واد) نہیں ہے، جس پر میرا وشواس ہوگا۔؟

مارکس۔ ہاں، سووگیہ متروں، میں ادویت وادی ہوں!میں اس ایشور کو مانتا ہوں جو نہ جنم لیتا ہے،نہ مرتا ہے جو انت ہے، انادی ہے،سرشٹی کا کرتا ہے۔

نسیاس۔ مہاشیے مارکس، آپ ایک ایشور کو مانتے ہیں،وہ سن کر ہرش ہوا۔ اسی نے سرشٹی کی رچنا کی، یہ وکٹ سمسیا ہے۔ یہ اس کے جیون میں بڑا کرانتی کاری سے ہوگا۔سرشٹی رچنا کے پہلے بھی وہ انت کال سے وِدّیہ مان تھا۔بہت سوچ وچار کے بعد اس نے سرشٹی کو رچنے کا نشچے کیا۔ اوشیے ہی اس سے اس کی اوستھا اتینت شوچنیہ رہی ہوگی۔ اگر سرشٹی کی اُتپتی کرتا ہے تو اس کی اکھنڈتا، سمپورنتا میں بادھا پڑتی ہے، اکرمنیہ بنا بیٹھا رہتا ہے تو اسے اپنے استتو ہی پر بھرم ہونے لگتا ہے، کسی کو اس کی خبر ہی نہیں ہوتی، کوئی اس کی چرچا ہی نہیں کرتا آپ کہتے ہیں، اس نے انت میں سنسار کی رچنا کو ہی آویشک سمجھا۔ میں آپ کی بات مان لیتا ہوں،یدھپی ایک سروشکتی مان ایشور کے لیے اتنا کیرتی لولُپ ہونا شوبھا نہیں دیتا۔لیکن یہ تو بتایئے اس نے کیوں کر سرشٹی کی رچنا کی۔؟

مارکس۔ جو لوگ عیسائی نہ ہونے پر بھی، ہرموڈورس اور جینا تھیمز کی بھانتی گیان کے سدھانتوں سے پری چت ہیں،وہ جانتے ہیں کہ ایشور نے اکیلے بنا سہایتا کے سرشٹی نہیں کی۔ اس نے ایک پتر کو جنم دیا اور اسی کے ہاتھوں سرشٹی کا بیجاروپن ہوا۔

ہرموڈورس۔ مارکس، یہ سروتھا ستیہ ہے۔ یہ پتر بھن بھن ناموں سے پرسدھ ہے جیسے ہیرمیز، اپولواور عیسو۔

مارکس۔ یہ میرے لیے کلنک کی بات ہوگی اگر میں اسے کرائیسٹ، عیسو اور اڈھارک کے سوائے اور کسی نام سے یاد کروں۔وہی ایشور کا سچا بیٹا ہے۔لیکن وہ انادی نہیں ہے۔ کیوں کہ اس نے جنم دھارن کیا۔یہ ترک کرنا کہ جنم سے پوروبھی اس کا استیتو تھا،متھیا وادی نیسائی گدھوں کا کام ہے۔

یہ کٹھن سن کر پاپ ناشی انت ویدنا سے وکل ہو اٹھا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں آگئیں۔ اس نے صلیب کا آکار بنا کر اپنے چت کو شانت کیا۔کنتو مکھ سے ایک شبد بھی نہ نکلا۔

مارکس نے کہا۔ یہ نرویواد سدھ ہے کہ بدھی ہین نیسائیوں نے سروشکتی مان ایشور کو اپنے کراولمب کا لپھک بنا کر عیسائی دھرم کوکلنکت اور اپمانت کیاہے۔وہ ایک ہے، اکھنڈ ہے۔ پتر کے سہیوگ کا آشرت بن جانے سے اس کے یہ گن کہاں رہ جاتے ہیں؟ نسی یاس عیسائیوں کے سچے ایشور کا پری ہاس نہ کرو۔ وہ ساگر کے سپت دلوں کے سدرش کیول اپنے وکاس کی منوہرتا پردرشت کرتا ہے، کدال نہیں چلاتا، سوت نہیں کاتتا۔ سرشٹی رچنا کا شرم اس نے نہیں اٹھایا۔ یہ اس کے پتر عیسو کا کرتیہ تھا۔ اسی نے اس وسترت بھومنڈل کو اُتپن کیا اور تب اپنے شرم پھل کا پنرسنسکار کرنے کے نمت پھر سنسار میں اوترت ہوا، کیوں کہ سرشٹی نردوش نہیں تھی، پُن کے ساتھ پاپ بھی ملا ہوا تھا، دھرم کے ساتھ ادھرم بھی، بھلائی کے ساتھ برائی بھی۔

نسیاس۔ بھلائی اور برائی میں کیا انتر ہے۔

ایک شن کے لیے سبھی وچار میں مگن ہوگئے۔ سہسا ہرموڈورس نے میز پر اپنا ایک ہاتھ پھیلا کر ایک گدھے کا چتر دکھایا جس پر دو ٹوکریں لدے ہوئے تھے۔ایک میں شویت زیتون کے پھول تھے؛ دوسرے میں شیام زیتون کے۔

ان ٹوکروں کی اور سنکیت کرکے اس نے کہا۔ دیکھو رنگوں کی وبھننتا آنکھوں کو کتنی پریے لگتی ہے۔ہمیں یہی پسند ہے کہ ایک شویت ہو،دوسرا شیام۔ دونوں ایک ہی رنگ کے ہوتے تو ان کا میل اتنا سندر نہ معلوم ہوتا۔لیکن یدی ان پھولوں میں وچار اور گیان ہوتا تو

شویت پُشپ کہتے۔ زیتون کے لیے شویت ہونا ہی سرواتّم ہے۔ اسی طرح کالے پھول سفید پھولوں سے گھرنا کرتے۔ ہم ان کے گن اوگن کی پرکھ نرپیکھش بھاو سے کر سکتے ہیں، کیوں کہ ہم ان سے اتنے ہی اونچے ہیں جتنے دیوتا گن ہم سے۔منشیہ کے لیے، جو وستوؤں کا ایک ہی بھاگ دیکھ سکتا ہے، برائی برائی ہے۔ایشور کی آنکھوں میں، جو سروگیہ ہے، برائی بھلائی ہے۔ نس سندیہہ ہی کُروپتا کروپ ہوتی ہے، سندر نہیں ہوتی، کنتو یدی سبھی وستوئیں سندر ہو جائیں تو سندرتا کا لوپ ہو جائے گا اس لیے پرماوشیک ہے کی برائی کا ناش نہ ہو ؛نہیں تو سنسار رہنے کے یوگیہ نہ رہ جائے گا۔

یوکرائیٹیز۔ اس وشیہ پر دھارمک بھاو سے وچار کرنا چاہیے۔ برائی برائی ہے لیکن سنسار کے لیے نہیں، کیونکہ اس کا مادھریہ ان شور اور استھائی ہیں؛ بلکہ اس پرانی کے لیے جو کرتا ہے اور بنا کیے رہ نہیں سکتا۔

کوٹا۔ زو پیٹر ساکھشی ہے، یہ بڑی سندر یکتی ہے۔

یوکرائیٹیز۔ ایک مرمگیہ کوی نے کہا ہے کہ سنسار ایک رنگ بھومی ہے۔ اس کے نرماتا ایشور نے ہم میں سے پرتیک کے لیے کوئی نہ کوئی ابھینے بھاگ دے رکھا ہے۔ یدی اس کی اِچھا ہے کہ تم بھکشک، راجا یا اپنگ ہو، تو ویرتھ رو رو کر دن مت کاٹو، ورن تمھیں جو کام سونپا گیا ہے، اسے یتھا سادھیے اتّم ریتی سے پورا کرو۔

نسیاس۔ تب کوئی جھنجھٹ ہی نہیں رہا۔ لنگڑے کو چاہیے کہ لنگڑائے، پاگل کو چاہیے کہ خوب دھوندھ مچائے؛جتنا اتپات کر سکے، کرے۔ کلٹا کو چاہیے جتنے گھر گھالتے بنے گھالے جتنے گھاٹوں کا پانی پی سکے، پیئے ؛جتنے ہردیوں کا سروناش کرسکے، کرے۔ دیش دروہی کو چاہیے کہ دیش میں آگ لگا دے، اپنے بھائیوں کا گلا کٹوا دے، جھوٹے کو جھوٹ کا اوڑھنا۔ بچھونا بنوانا چاہیے، ہتھیارے کو چاہیے کہ رکت کی ندی بہا دے، اور ابھینے سماپت ہو جانے پر سبھی کھلاڑی، راجا ہو یا رنک، نیائی ہو یا انیائی، خونی، ظالم، ستی کامنیاں، کل کلنکنی استریاں، سجّن، درجن، چور، ساہو سب کے سب ان کوی مہودے کے پرشنسا پاتر بن جائیں، سبھی سمان روپ سے سراہے جائیں۔ کیا کہنا!

یوکرائیٹیز۔ نسیاس، تم نے میرے وچار کو بالکل وکرت کردیا، ایک ترون یووتی سندری کو بھینکر پشاچینی بنا دیا۔ یدی تم دیوتاؤں کی پرکرتی، نیائے اور سرودیاپی نیموں سے اتنے

اپریکچت ہو تو تمھاری دشا پر جتنا کھید کیا جائے، اتنا کم ہے۔

جینا تھیمز۔ مترو، میرا تو بھلائی اور برائی، سُوکرم اور کُوکرم دونوں ہی کا ستہ پر اٹل وشواس ہے لیکن مجھے بھی وشواس ہے کہ منُشیہ کا ایک بھی ایسا کام نہیں ہے۔ چاہے وہ جودا کا کپٹ ویوہار ہی کیوں نہ ہو۔ جس میں مکتی کا سادھن بیج روپ میں، پرستوت نہ ہو۔ ادھرم مانو جاتی کے اڈّھار کا کارن ہو سکتا ہے، اور اس ہیتو سے، وہ دھرم کا ایک انش ہے اور دھرم کے پھل کا بھاگی ہے۔ عیسائی دھرم گرنتھوں میں اس وشے کی بڑی سندر ویاکھیا کی گئی ہے۔ عیسو کے ایک ششیہ ہی نے ان کا شانتی چمبن کر کے انھیں پکڑا دیا۔ کنتو عیسو کے پکڑے جانے کا پھل کیا ہوا؟ وہ صلیب پر کھینچے گئے اور پران ماتر کے اڈّھار کی ویوستھا نشچت کردی، اپنے رکت سے منُشیہ ماتر کے پاپوں کا پریائشچت کردیا۔ ات ایو میری نگاہ میں وہ ترسکار اور گھرنا سروتھا انیائے پورن اور نندنیہ ہے جو سینٹ پال کے ششیہ کے پرتی لوگ بھوشیہ وانی کی تھی جو انھی کی سدھانتوں کے انوسار مانو جاتی کے اڈّھار کے لیے آوشیک تھا اور یدی جودا تمیں مدرائیں نہ لیا ہوتا تو ایشوریے ویوستھا میں بادھا پڑتی، پورونشچت گھٹناؤں کی شرنکھلا ٹوٹ جاتی ؛دیوی ودھانوں میں ویتی کرم اپستھت ہو جاتا اور سنسار میں اوڈّیا، اگیان اور ادھرم کی توتی بولنے لگتی۔

مارکس۔ پرم آتما کو ودیت تھا کہ جودا، بنا کسی کے دباؤں کے کپٹ کر جائے گا، ات ایو اس نے جودا کے پاپ کو مکتی کے وشال بھون کا ایک مکھیہ ستمبھ بنا لیا۔

جینا تھیمز۔ مارکس مہودے، میں نے ابھی جو کتھن کیا ہے، وہ اس بھاو سے کیا ہے مانو مسیح کے صلیب پر چڑھنے سے مانو جاتی کا اڈّھار پورن ہو گیا۔ اس کا کارن ہے کہ میں عیسائیوں ہی کے گرنتھوں اور سدّھانتوں سے ان لوگوں کی بھرانتی سدھ کرنا چاہتا تھا، جو جودا کو دھکارنے سے باز نہیں آتے ! لیکن واستو میں عیسیٰ میری نگاہ میں تین مکتی داتاؤں میں سے کیول ایک تھا۔ مکتی کے رہسیے کے وشیے میں یدی آپ لوگ جاننے کے لیے اتسک ہوں تو میں بتاؤں کہ سنسار میں اس سمسیا کی پورتی کیوں کر ہوئی۔؟

اپستھت جنوں نے چاروں اور سے ''ہاں، ہاں کی۔ اتنے میں بارہ، یووتی بالیکائیں، انار، انگور، سیب آدی سے بھرے ہوئے ٹوکرے سر پر رکھے ہوئے، ایک انترہت وینا کے تالوں پر پیر رکھتی ہوئی، مندگتی سے سبھا میں آئیں اور ٹوکروں کو میز پر رکھ کر الٹے پاؤں لوٹ

گئیں، وینا بند ہوگئی اور جینا تھیمز نے یہ کتھا کہنی شروع کی۔''جب ایشور کی وچار شکتی نے جس کا نام یونیاں ہے،سنسار کی رچنا سماپت کر لی تو اس نے اس کا شاسن ادھیکار سورگ دوتوں کو دے دیا۔لیکن ان شاسکوں میں یہ وی ویک نہ تھا جو سوامیوں میں ہونا چاہیے، جب انھوں نے منشیوں کی روپ وتی کنیائیں دیکھیں تو کاماتُر ہو گئے، سندھیا سے کنوئیں پر اچانک آکر انھیں گھیر لیا، اور اپنی کام واسنا پوری کی۔اس سنیوگ سے ایک اپرڈ جاتی اتپنیہ ہوئی۔ جس نے سنسار میں انیائے اورکرورتا سے ہاہا کار مچا دیا، پرتھوی نر پرادھیوں کے رکت سے تر ہوگئی، بے گناہوں کی لاشوں سے سڑکیں پٹ گئیں اور اپنی سرشٹی کی یہ دردشا دیکھ کر یونیا اتینت شوکا تُر ہوئی۔

اس نے ویراگیہ سے بھرے ہوئے نیتروں سے سنسار پر درشٹی پات کیا۔اور لمبی سانس لے کر کہا۔یہ سب میری کرنی ہے۔میرے پتر وپتّی۔ ساگر میں ڈوبے ہوئے ہیں اور میرے ہی اوِیچار سے انھیں میرے پاپوں کا پھل بھوگنا پڑ رہا ہے اور میں اس کا پراشچت کروں گی۔ سویم ایشور، جو میرے ہی دوارا وچار کرتا ہے،ان میں آدِم ستیانشٹھا کا سنچار نہیں کر سکتا۔ جو کچھ ہو گیا، ہو گیا، یہ سرشٹی اننت کال تک دوشت رہے گی۔لیکن کم سے کم میں اپنے بالکوں کو اس دشا میں نہ چھوڑوں گی۔ ان کی رکشھا کرنا میرا کرتویہ ہے۔ یدی میں انھیں اپنے سمان سکھی نہیں بنا سکتی تو اپنے کو ان کے سمان دکھی تو بنا سکتی ہوں۔ میں نے ہی دیہہ دھاری بنایا ہے۔ جس سے ان کا اپکار ہوتا ہے؛ات ایو میں سویم انھی کی سی دیہہ دھارن کروں گی اور انھی کے ساتھ جاکر رہوں گی۔

یہ نشچے کرکے یونیاں آکاش سے اتری اور یونان کی ایک استری کے گربھ میں پروشٹھ ہوئی۔جنم کے سمے وہ ننھی۔ سی دربل پران ہین شِشو تھی۔اس کا نام ہیلن رکھا گیا۔ اس کی بالیہ اوستھا بڑی تکلیف سے کٹی، لیکن یووتی ہوکر وہ اتیو سندری رمنی ہوئی، جس کی روپ شوبھا انوپم تھی۔یہی اس کی اِچھا تھی، کیوں کہ وہ چاہتی تھی کہ اس کا نشور شریر گھورتم لپساؤں کی پریکشھا اگنی میں جلے۔ کام لولپ اور اودنڈ منشیوں سے اپہرت ہوکر اس نے سمست سنسار کے وے بھیچار، بلاتکار اور دوشٹتا کے دنڈسوروپ، سبھی پرکار کی امانوشیہ یاتنائیں سہی؛ اور اپنے سوندریہ دوارا راشٹروں کا سنہار کردیا،جس میں ایشور بھومنڈل کے کُکرموں کو چھما کر دے، اور وہ ایشوریے وچار شکتی، وہ یونیاں، کبھی اتنی سہار گیے شوبھا کو پراپت نہ ہوئی تھی۔اب وہ ناری

روپ دھارن کر کے، یودھاؤں اور گوالوں کو یتھاوسر اپنی شیا پر استھان دیتی تھی۔کویجنوں نے اس سے دیوی مہتو کا انوبھو کر کے ہی اس کے چریتر کا اتنا شانت، اتنا سندر، اتنا گھاتک چترن کیا ہے اور ان شبدوں میں اس کا سمبودھن کیا ہے۔تیری آتما نشچل ساگر کی بھانتی شانت ہے!

اس پرکار پشچاتاپ اور دیا نے یونیاں سے نیچ سے نیچ کرم کرائے، اور دارون دکھ جھیلوایا۔ انت میں اس کی مرتیو ہوگئی اور اس کی جنم بھومی میں ابھی تک اس کی قبر موجود ہے۔اس کا مرنا اوشیک تھا، جس میں وہ بھوگ ولاس کے پشچات مرتیو کی پیڑا کا انوبھو کرے اور اپنے لگائے ہوئے ورکھش کے کڑوے پھل چکھے۔لیکن ہیلن کے شریر کو تیاگ کرنے کے بعد اس نے پھر استری کا جنم لیا اور پھر نانا پرکار کے اپمان اور کلنک سہے۔ اسی بھانتی جنم جنمانتروں سے وہ پرتھوی کا پاپ بھار اپنے اوپر لیتی چلی آتی ہے۔اور اس کا یہ انت آتما سمپرن نشپھل نہ ہوگا!ہمارے پریم سوتر میں بندھی ہوئی وہ ہماری دشا پر روتی ہے،ہمارے کشٹوں سے پیڑیت ہوتی ہے،اور انت میں وہ اپنا اور اپنے ساتھ ہمارا اڈھار کرے گی اور ہمیں اپنے اجول، اودار دیامے ہردے سے لگائے ہوئے سورگ کے شانتی بھون میں پہنچا دے گی۔

ہرموڈورس۔ یہ کتھا مجھے معلوم تھی۔میں نے کہیں پڑھا یا سنا ہے کہ اپنے ایک جنم میں یہ سیمن جادوگر کے ساتھ رہی۔میں نے وچار کیا تھا کہ ایشور نے اسے یہ دنڈ دیا ہوگا۔

جینا تھمیز۔ یہ ستیہ ہے۔ ہرموڈرس،کہ جو لوگ ان رہسیوں کا متھن نہیں کرتے، ان کو بھرم ہوتا ہے کہ یونیا نے سوئچھا سے یہ یںترنا نہیں جھیلی، ورن اپنے کرموں کا دنڈ بھوگا۔ پرنتو یتھارتھ میں ایسا نہیں ہے۔

کلی کرانت۔ مہاراج جینا تھمیز،کوئی بتلا سکتا ہے کہ وہ بار بار جنم لینے والی ہیلن اس سمے کس دیش میں، کس ویش میں،کس نام سے رہتی ہیں؟

جینا تھمیز۔ اس بھید کو کھولنے کے لیے اسادھارن بدھی چاہیے، اور ناراض نہ ہونا کلی کرانت،کویوں کے حصّے میں بدّھی نہیں آتی۔ انھیں بدّھی لے کر کرنا ہی کیا ہے۔ وہ تو روپ کے سنسار میں رہتے ہیں اور بالکوں کی بھانتی سبدوں اور کھلونوں سے اپنا منورنجن کرتے ہیں۔

کلی کرانت۔ جینا تھمیز، ذرا زبان سنبھال کر باتیں کرو۔ جانتے ہو دیوگن کویوں سے کتنا پریم کرتے ہیں ؟ان کے بھکتوں کی نندا کروگے تو وہ روشٹ ہو کر تمھاری درگتی کر

ڈالیں گے۔ امر دیوتاؤں نے سویم آدِم نیتی پدوں ہی میں گھوشت کی اور ان کی آکاش وانیوں پدوں ہی میں اوِترت ہوتی ہے۔ بھجن ان کے کانوں کو کتنے پریے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ کوی جن ہی آتم گیانی ہوتے ہیں، ان سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی؟ کون نبی، کون پیغمبر، کون اوتار تھا جو کوی نہ رہا ہو؟ میں سویم کوی ہوں اور کوی دیو اپولو کا بھکت ہوں۔ اس لیے میں یونیاں کے ورتمان روپ کا رہسیہ بتلا سکتا ہوں۔ ہیلن ہمارے سمیپ ہی بیٹھی ہوئی ہے۔ ہم سب اسے دیکھ رہے ہیں۔ تم لوگ اسی رمنی کو دیکھ رہے ہو جو اپنی کرسی پر تکیہ لگائے بیٹھی ہوئی ہے۔ آنکھوں میں آنسو کی بوندیں موتیوں کی طرح جھلک رہی ہیں اور ادھروں پر اترِپت پریم کی اِچھا جیوتسنا کی بھانتی چھائی ہوئی ہے۔ یہ وہی استری ہے۔ وہی انوپم سوندریہ والی یونیاں، وہی وشال روپ دھارنی ہیلن، اس جنم میں من موہنی تھالیس ہے۔

فیلینا۔ کیسی باتیں کرتے ہو کلی کرانت؟ تھالیس ٹروجن کی لڑائی میں؟ کیوں تھالیس، تم نے اشیلیز آجکس، پیرس آدی شورویروں کو دیکھا تھا؟ اس سمے کے گھوڑے بڑے ہوتے تھے؟

اریسٹا بولس۔ گھوڑوں کی بات چیت کون کرتا ہے۔ مجھ سے کرو۔ میں اس ودیا کا ادوتیہ گیاتا ہوں۔

چیریباس نے کہا۔ میں بہت پی گیا۔ اور وہ میز کے نیچے گر پڑا۔ کلی کرانت نے پیالہ بھر کر کہا۔ جو پی کر گر پڑے ان پر دیوتاؤں کا کوپ ہو!

وردھ کوٹا نندرا میں مگن تھے۔

ڈورین تھوڑی دیر سے بہت ویگر ہو رہے تھے۔ آنکھیں چڑھ گئیں تھیں اور نتھنے پھول گئے تھے۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے تھالیس کی کرسی کے پاس آکر بولے۔ تھالیس، میں تم سے پریم کرتا ہوں، یدھپی پریماسکت ہونا بڑی نندا کی بات ہے۔

تھالیس۔ تم نے پہلے کیوں مجھ پر پریم نہیں کیا۔؟

ڈورین تب تو پیا ہی نہ تھا۔

تھالیس۔ میں نے تو اب تک نہیں پیا، پھر تم سے پریم کیسے کروں؟

ڈورین اس کے پاس سے ڈروسیا کے پاس پہنچا، جس نے اسے اشارے سے اپنے پاس بلایا تھا۔ اس کے پاس جاتے ہی اس کے استھان پر جینا تھمیز آپہنچا اور تھالیس کے کپولوں پر اپنا پریم انکِت کر دیا۔ تھالیس نے کردھ ہو کر کہا۔ میں تمھیں اس سے ادھِک دھرم آتما سمجھتی تھی!

جینا تھمیز۔ میں سدھ ہوں اور سدھ گن کسی نیم کا پالن نہیں کرتے۔

تھالیس۔ لیکن تمھیں یہ بھے نہیں ہے کہ استری کے آلنگن سے تمھاری آتما اپوتر ہو جائے گی؟

جینا تھمیز دیہہ کے بھرشٹ ہونے سے آتما بھرشٹ نہیں ہوتی۔ آتما کو پرتھک رکھ کر وشے بھوگ کا سکھ اٹھایا جاسکتا ہے۔

تھالیس۔ تو آپ یہاں سے کھسک جایئے۔ میں چاہتی ہوں کہ جو مجھے پیار کرے وہ تن من سے پیار کرے۔ فلاسفر سبھی بڈھے بکرے ہوتے ہیں۔ ایک ایک کرکے سبھی دیپک بجھ گئے۔ اوشا کی پیلی کرنیں جو پردوں کی دراروں سے بھیتر آرہی تھیں، مہمانوں کی چڑھی ہوئی آنکھوں اور سنولائے ہوئے چہروں پر پڑ رہی تھیں۔ اریسٹوبولس چیریاس کی بغل میں پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ جینا تھمیز مہودے، جودھرم اور ادھرم کی ستا کے قائل تھے،فلیپا کو ہردے سے لگائے پڑے ہوئے تھے سنسار سے ویرکت ڈورین مہاشیے ڈروسیا کے آورن ہین وکھش پر شراب کی بوندیں ٹپکاتے تھے جو گوری چھاتی پرلالوں کی بھانتی ناچ رہی تھیں اور وہ ویراگی پُرش ان بوندوں کو اپنے ہونٹ سے پکڑنے کی چیشٹھا کر رہا تھا۔ ڈروسیا کھلکھلا رہی تھی اور بوندیں گدگدے وکھش پر آیا کی بھانتی ڈورین کے اہوٹوں کے سامنے سے بھاگتی تھیں۔

سہسا یوکرٹی ٹیز اٹھا اور نسیاس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دوسرے کمرے کے دوسرے سرے پر لے گیا۔

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ متر، اس سمے کس وچار میں ہو،اگرتم میں اب بھی وچار کرنے کی سامرتھیہ ہے۔

نسیاس نے کہا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ استریوں کا پریم انڈانس کی واٹیکا کے سمان ہے۔

اس سے تمھارا کیا آشیے ہیں؟

نسیاس۔ کیوں، تمھیں معلوم نہیں کہ استریاں اپنے آنگن میں وینس کے پریمی کے اسمرتی سوروپ،مٹی کے گملوں میں چھوٹے چھوٹے پودھے لگاتی ہیں؟ یہ پودھے کچھ دن ہرے رہتے ہیں، پھر مرجھا جاتے ہیں۔

اس کا کیا مطلب ہے نسیاس ؟یہی کہ مرجھانے والی نشور وستوؤں پر پریم کرنا مورکھتا ہے۔

نسیاس نے گمبھیر سور میں اتر دیا۔ متر، یدی سوندریہ کیول چھایا ماتر ہے، تو واسنا بھی دامنی کی دمک سے ادھک استھر نہیں۔

سوندریہ کی اِچھا کرنا پاگل پن نہیں تو کیا ہے؟ یہ بدھی سنگت نہیں ہے۔ جو سویہ استھائی نہیں ہے اس کا بھی اسی کے ساتھ انت ہو جانا استھر ہے۔ دامنی کھسکتی ہوئی چھانہہ کو نگل جائے، یہی اچھا ہے۔

یوکرائٹیز نے ٹھنڈی سانس کھینچ کر کہا— نسیاس، تم مجھے اس بالک کے سمان جان پڑتے ہو جو گھٹنوں کے بل چل رہا ہو۔ میری بات مانو— سوادھین ہو جاؤ۔ سوادھین ہو کر تم منشیہ بن جاتے ہو۔

'یہ کیوں کر ہوسکتا ہے یوکرائٹیز، کہ شریر کے رہتے ہوئے منشیہ مُکت ہو جائے؟'

'پریہ پتر، تمھیں یہ سیگھر ہی گیات ہو جائے گا۔ ایک شن میں تم کہوگے یوکرائٹیز مُکت ہو گیا'

بدھ پُرش ایک سنگ مرمر کے استمبھ سے پیٹھ لگائے یہ باتیں کر رہا تھا اور سوریہ اُدے کی پرتھم جیوتی ریکھائیں اس کے مُکھ کو آلوکت کر رہی تھیں۔ ہرموڈورس اور مارکس بھی اس کے سمیپ آکر نسیاس کی بغل میں کھڑے تھے اور چاروں پرانی، مدِراسیویوں کے ہنسی ٹھٹے کی پرواہ نہ کرکے گیان چرچا میں مگن ہو رہے تھے۔ یوکرائٹیز کا کتھن اتنا وچارپورن اور مدُھر تھا کہ مارکس نے کہا— تم سچے پرماتما کو جاننے کے یوگیہ ہو۔

یوکرائٹیز نے کہا— سچا پرماتما سچے منُشیہ کے ہردیہ میں رہتا ہے۔

تب وہ لوگ مرتیو کی چرچا کرنے لگے۔

یوکرائٹیز نے کہا— میں چاہتا ہوں کہ جب وہ آئے تو مجھے اپنے دوشوں کو سدھارنے اور کرتبیوں کا پالن کرنے میں لگا ہوا دیکھے۔ اس کے سمکھ میں اپنے نرمل ہاتھوں کو آکاش کی اُور اٹھاؤں گا اور دیوتاؤں سے کہوں گا— پوجیہ دیوں، میں نے تمھاری پرتیماؤں کا لیش ماتر بھی اپمان نہیں کیا جو تم نے میری آتما کے مندر میں پرتشٹھ کر دی ہے۔ میں نے وہیں اپنے وچاروں کو، پشپ مالاؤں کو، دیپکوں کو، سگندھ کو تمھاری بھینٹ کیا ہے۔ میں نے تمھارے ہی اپدیشوں کے انوسار جیون ویتت کیا ہے، اور اب جیون سے اکتا گیا ہوں۔

وینس یونان کی للت کلاؤں کی دیوی ہے اور اڑانس اس کا پریمی ہے۔ (مترجم)

یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھوں کو اوپر کی طرف اٹھایا اور ایک پل وچار میں مگن رہا۔
تب وہ آنند سے اُلِست ہو کر بولا — یوکرائٹیز، اپنے کو جیون کے پرتھک کر لے، اس پکے پھل کی بھانتی جو ورکچھ سے الگ ہو کر زمین پر گر پڑتا ہے، اس ورکچھ کو دھنیہ واد دے جس نے تجھے پیدا کیا اور اس بھومی کو دھنیہ واد دے جس نے تیرا پالن کیا۔
یہ کہنے کے ساتھ ہی اس نے اپنے وستروں کے نیچے سے ننگی کٹار نکالی اور اپنی چھاتی میں چبھا لی۔

جو لوگ اس کے سمکھ کھڑے تھے، ترنت اس کا ہاتھ پکڑنے دوڑے، لیکن فولادی نوک پہلے ہی ہردیہ کے پار ہو چکی تھی۔ یوکرائٹیز نروان پد پراپت کر چکا تھا۔ ہرموڈورس اور نسیاس نے رکت میں سنی ہوئی دیہہ کو ایک پلنگ پر لٹا دیا۔ استریاں چیخنے لگیں، نیند سے چونکے ہوئے مہمان گرّانے لگے۔ وَیو وردھ کوٹا: جو پرانے سپاہیوں کی بھانتی کُگر نیند سوتا تھا، جاگ پڑا، شو کے سمیپ آیا، گھاؤ کو دیکھا اور بولا — میرے وَیدھ کو بلاؤ۔
نیساس نے نراشا سے سر ہلا کر کہا — یوکرائٹیز کا پران انت ہوگیا، اور لوگوں کو جیون سے جتنا پریم ہوتا ہے، اتنا ہی پریم انھیں مرتیو سے تھا۔ ہم سبھوں کی بھانتی انھوں نے بھی اپنی پرم اِچھا کے آگے سر جھکا دیا، اور اب وہ دیوتاؤں کے تُلیہ ہے جنھیں کوئی اِچھا نہیں ہوتی۔

کوٹا نے سر پیٹ لیا اور بولا — مرنے کی اتنی جلدی! ابھی تو وہ بہت دنوں تک سمراجیہ کی سیوا کر سکتے تھے۔ کیسی وِڈمبنا ہے!
پاپ ناشی اور تھامس پاس پاس استمبھیت اور اواکیہ بیٹھے رہے۔ ان کے انتہ کرن گھرنا، بھے اور آشا سے اچھادِت ہو رہے تھے۔
سہسا پاپ ناشی نے تھامس کا ہاتھ پکڑ لیا اور شرابیوں کو پھاندتے ہوئے، جو وِش بھوگیوں کے پاس ہی پڑے ہوئے تھے، اور اس مدرا اور رکت کو پیروں سے کچلتے ہوئے جو فرش پر بہا ہوا تھا، وہ اسے پُریوں کے کنج کی اُور لے چلا۔

۴

نگر میں سوریہ کا پرکاش پھیل چکا تھا۔ گلیاں ابھی خالی پڑی ہوئی تھیں۔ گلی کے دونوں

طرف سکندر کی قبر تک بھونوں کے اونچے اونچے ستون دکھائی دیتے تھے۔ گلی کے سنگین فرش پر جہاں تہاں ٹوٹے ہوئے ہار اور بجھی ہوئی مشالوں کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ سمندر کی طرف سے ہوا کے تیز جھونکے آ رہے تھے۔ پاپ ناشنی نے گھرنا سے اپنے بھڑکیلے وستر اتار پھینکے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے پیروں تلے کچل دیا۔

تب اس نے تھالیس سے کہا۔ پیاری تھالیس، تو نے ان کو کؤ مانشوں کی باتیں سنیں؟ ایسے کون سے دروچن اور اپشبد ہیں جو ان کے منہ سے نہ نکلے ہوں۔ جیسے موری سے میلا پانی نکلتا ہے۔ ان لوگوں نے جگت کے کرتا پرمیشور کو نرک کی سیڑھیوں پر گھسیٹا، دھرم اور ادھرم کی ستا پرشدکا کی، پربھو مسیح کا اپمان کیا، اور جودا کا لیش گایا، اور وہ اندھکار کا گیدڑ وہ درگندھ مے راکشس، جو ان سبھی درتماؤں کا گرو گھنٹال تھا، وہ پاپی مارکس ایرین کھودی ہوئی قبر کی بھانتی منہ کھول رہا تھا۔ پریہ، تو نے ان وشٹھامے گوبریلوں کو اپنی اور رینگ کر آتے اور اپنے کو ان کے گندے اسپرش سے اپوتر کرتے دیکھا ہے تو نے اوروں کا پشوؤں کی بھانتی اپنے غلاموں کے پیروں کے پاس سوتے دیکھا ہے۔ تو نے انھیں پشوؤں کی بھانتی اسی فرش پر سنبھوگ کرتے دیکھا ہے جس پر وہ مدرا سے انمت ہوکر قے کر چکے تھے۔ تو نے ایک مند بدھی، سٹھیمائے ہوئے بڈھے کو اپنا رکت بہاتے دیکھا ہے جو اس شراب سے بھی گندہ تھا جو ان بھرشٹاچاریوں نے بہائی تھی۔ ایشور کو دھنیے ہے! تو نے کوواسناؤں کا درشیے دیکھا اور تجھے ودیت ہوگیا کہ یہ کتنی گھرنوتپادک وستو ہے؟ تھالیس، تھالیس ان کو مارگی دارشنیکوں کی بھرشٹا تاؤں کو یاد کر، اور تب سوچ کہ تو بھی انھی کے ساتھ اپنے کو بھرشٹ کرے گی؟ ان دونوں کلٹاؤں کے کٹاکشوں کو، ہاؤ بھاؤ کو، گھرنیت سنکیتوں کو یاد کر، وہ کتنی نرلجتا سے ہنستی تھیں، کتنی بے حیائی سے لوگوں کو اپنے پاس بلاتی تھی اور تب نرنے کر کہ تو بھی انھی کے سدرش اپنے جیون کا سروناش کرتی رہے گی؟ یہ دارشنیک پُرش تھے جو اپنے کو سبھے کہتے ہیں، جو اپنے وچاروں پر گرو کرتے ہیں، پر ان ویشیاؤں پر ایسے گرے پڑتے تھے جیسے کتے ہڈیوں پر گریں!'

تھالیس نے رات کو جو کچھ دیکھا اور سنا تھا اس سے اس کا ہردے غلانت اور لجّیت ہو رہا تھا۔ ایسے درشیہ دیکھنے کا اسے یہ پہلا ہی اوسر نہ تھا، پر آج کا سا اثر اس کے من پر کبھی نہ

ہوا تھا۔ پاپ ناشی کی سنت تیجناؤں نے اس کے سدبھاؤ کو جگا دیا تھا۔ کیسے ہردے شونیے لوگ ہیں جو استری کو اپنی واسناؤں کا کھلونا ماتر سمجھتے ہیں! کیسی استریاں ہیں جو اپنے دیہہ سمرپن کا مولیے ایک پیالیہ شراب سے ادھیک نہیں سمجھتیں۔ میں یہ سب جانتے اور دیکھتے ہوئے بھی اِسی اندھکار میں پڑی ہوئی ہوں۔ میرے جیون کو دھکار ہے۔

اس نے پاپ ناشی کو جواب دیا۔ 'پریے پتا، مجھ میں اب ذرا بھی دم نہیں ہے۔ میں ایسی آشکت ہو رہی ہوں مانو دم نکل رہا ہو۔ کہاں وشرام ملے گا، کہاں ایک گھڑی شانتی سے لیٹوں؟ میرا چہرہ جل رہا ہے، آنکھوں سے آنچ سی نکل رہی ہے، سر میں چکر آر ہا ہے، اور میرے ہاتھ اتنے تھک گئے ہیں، کہ یدی آنند اور شانتی میرے ہاتھوں کی پہنچ میں بھی آجائے تو مجھ میں اس کے لینے کی شکتی نہ ہوگی۔'

پاپ ناشی نے اسے اسنیہہ کرونا سے دیکھ کر کہا۔ پریے بھاگینی! دھریہ اور ساہس ہی سے تیرا اڈھار ہوگا۔ تیری سکھ شانتی کا اتول اور نرمل پرکاش اس بھانتی نکل رہا ہے جیسے ساگر اور ون سے بھاپ نکلتی ہے۔

یہ باتیں کرتے ہوئے دونوں گھر کے سمیپ آپہنچے۔ سروں اور صنوبر کے ورکھش جو ''پریوں کے کنج '' کو گھیرے ہوئے تھے، دیوار کے اوپر سر اٹھائے پربھات سمیر سے کانپ رہے تھے۔ ان کے سامنے ایک میدان تھا۔ اس سمے سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میدان کے چاروں طرف یودھاؤں کی مورتیاں بنی ہوئی تھیں اور چاروں سروں پر اردھ چندراکار سنگ مرمر کی چوکیاں بنی ہوئی تھیں، جو دیتیوں کی مورتیوں پر استھت تھیں۔ تھالیس ایک چوکی پر گر پڑی۔ ایک چھن وشرام لینے کے بعد اس نے سچنت نیتروں سے پاپ ناشی کی اور دیکھ کر پوچھا۔ اب میں کہاں جاؤں؟

پاپ ناشی نے اتر دیا۔ تجھے اس کے ساتھ جانا چاہیے جو تیری کھوج میں کتنی ہی منزلیں مار کر آیا ہے۔ وہ تجھے اس بھرشٹ جیون سے پرتھک کر دے گا جیسے انگور بٹورنے والا مالی ان گچھوں کو توڑ لیتا ہے۔ جو پیڑ میں لگے لگے سڑ جاتے ہیں اور انھیں کولہو میں لے جا کر سوگندھ پورن شراب کے روپ میں پرنیت کردیتا ہے۔ سن، اسکندریہ سے کیول بارہ گھنٹے کی راہ پر، سمندر تٹ کے سمیپ ویراگیوں کا ایک آشرم ہے جس کے نیم اتنے سندر، بدھی متا سے اتنے پری پورن ہے کہ ان کو پگھ کا روپ دے کر ستار اور تمنبورے پر گانا چاہئے۔ یہ کہنا لیش

ماتر بھی آتیکتی نہیں ہے کہ جو استریاں وہاں پر رہ کر اُن نیموں کا پالن کرتی ہیں ان کے پیر دھرتی پر رہتے ہیں اور سر آکاش پر۔ وہ دھن سے گھرنا کرتی ہیں جس میں پربھو مسیح ان پر پریم کریں،لجا شیل رہتی ہیں کہ وہ ان پر کرپا درشٹی پات کریں،ستی رہتی ہیں کہ وہ انھیں پریسی بنائیں۔ پربھو مسیح مالی کا ویش دھارن کر کے، ننگے پاؤں، اپنے وشال باھوں کو پھیلائے، نتیہ درشن دیتے ہیں۔اسی طرح انھوں نے ماتا مریم کی قبر کے دوار پر درشن دیے تھے۔ میں آج تجھے اس آشرم میں لے جاؤں گا، اور تھوڑے ہی دن پیچھے، تجھے ان پوتر دیویوں کے سہواس میں ان کی امرت وانی سننے کا آنند پراپت ہوگا۔ وہ بہنوں کی بھانتی تیرا سواگت کرنے کو اُتسک ہیں۔آشرم کے دوار پر اس کی ادھیکشٹھنی ماتا البینا تیرا مکھ چومے گی اور تجھ سے سپریم سور سے کہیں گی، بیٹی، آ تجھے گود میں لے لوں، میں تیرے لیے بہت وکل تھی۔

تھالیس چکِت ہو کر بولی۔ ارے البینا ! قیصر کی بیٹی، سمراٹ کیرس کی بھتیجی !وہ بھوگ ولاس چھوڑ کر آشرم میں تپ کررہی ہے؟

پاپ ناشی نے کہا۔ ہاں،ہاں وہی ! البینا، جو محل میں پیدا ہوئی اور سنہرے وستر دھارن کرتی رہی، جو سنسار کے سب سے بڑے نریش کی پتری ہیں، اسے مسیح کی داسی کا اوچ پد پراپت ہوا ہے۔ وہ اب جھونپڑے میں رہتی ہے،موٹے وستر پہنتی ہے اور کئی دن تک اپواس کرتی ہیں۔وہ اب تیری ماتا ہوگی اور تجھے اپنی گود میں آشریے دے گی۔

تھالیس چوکی پر سے اٹھ بیٹھی اور بولی۔ مجھے اسی چھن البینا کے آشرم میں لے چلو۔

پاپ ناشی نے اپنی سپھلتا پر مگدھ ہو کر کہا۔ تجھے وہاں اوشیے لے چلوں گا اور وہاں تجھے ایک کٹی میں رکھ دوں گا جہاں تو اپنے پاپوں کا رو رو کر پرآشچت کرے گی، کیوں کہ جب تک تیرے پاپ آنسوؤں سے دھل نہ جائیں، تو البینا کی انیے پتریوں سے مل جل نہیں سکتی اور نہ ملنا اچت ہی ہے۔ میں دوار پر تالا ڈال دوں گا،اور تو وہاں آنسوؤں سے آدر ہو کر پربھو مسیح کی پرتیکشھا کرے گی، یہاں تک کہ وہ تیرے پاپوں کو چھما کرنے کے لیے سویم آئیں گے اور دوار کا تالا کھولیں گے، اور تھالیس، اس میں آنو ماتر بھی سندیہہ نہ کر کہ وہ آئیں گے۔ آہ ! جب وہ اپنی کومل، پرکاش مے انگلیاں تیری آنکھوں پر رکھ کر تیرے آنسو پوچھیں گے، اس سمے تیری آتما آنند سے کیسی پلکت ہوگی !ان کے سپرش ماتر سے تجھے ایسا انوبھو ہوگا کہ کوئی پریم کے ہنڈولے میں جھلا رہا ہے۔

تھالیس نے پھر کہا۔ پر یے پتا، مجھے البینا کے گھر لے چلو۔

پاپ ناشی کا ہردیے آنند سے اتھل پتھل ہوگیا۔ اس نے چاروں طرف گرو سے دیکھا مانو کوئی کنگال کبیر کا خزانہ پا گیا ہو۔ نرشنک ہو کر سرشٹی کی انوپم سشما کا اس نے آسوادن کیا۔اس کی آنکھیں ایشور کے دیئے ہوئے پرکاش کو پرسنیہ ہو کر پی رہی تھیں۔ اس کے گالوں پر ہوا کے جھونکے نہ جانے کدھر سے آکر لگتے تھے۔ سہسا میدان کے ایک کونے پر تھالیس کے مکان کا چھوٹا سا دوار دیکھ کر اور یہ یاد کرکے کہ جن پتیوں کی شوبھا کا وہ آنند اٹھا رہا تھا وہ تھالیس کے باغ کے پیڑوں کی ہیں۔ اسے ان سب اپاون وستوؤں کی یاد آگئی جو وہاں کی وایو کو، جو آج اتنی نرمل اور پوتر تھی، دوشت کر رہی تھی، اور اس کی آتما کو اتنی ویدنا ہوئی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

اس نے کہا۔ تھالیس، ہمیں یہاں سے بنا پیچھے، مڑ کر دیکھے ہوئے بھاگنا چاہیے۔لیکن ہمیں اپنے پیچھے تیرے سنسکار کے سادھنوں، ساکچھیوں اور سہ یوگیوں کو بھی نہ چھوڑنا چاہیے۔ وہ بھاری پردے، وہ سندر پلنگ، وہ قالینیں، وہ منوہر چتر اور مورتیاں، وہ دھوپ آدی جلانے کے سورن کنڈ یہ سب چلا چلا کر تیرے پاپاچرن کی گھوشنا کریں گے۔ کیا تیری اچھا ہے کہ یہ گھرنت سامگریاں، جن میں پریتوں کا نیواس ہے،جن میں پاپاتمائیں کیریڑا کرتی ہیں مروبھومی میں بھی تیرا پیچھا کریں، یہی سنسکار وہاں تیری بھی آتما کو چنچل کرتے رہیں؟ یہ نری کلپنا نہیں ہے کہ میزیں پران گھاتک ہوتی ہیں،کرسیاں اور گدے پریتوں کے ینتر بن کر بولتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں ہوا میں اڑتے ہیں، گاتے ہیں۔ ان سمگر وستوؤں کو،جو تیری ولاس لولپتا کے ساتھی ہیں،مٹا دے، سروناش کردے۔ تھالیس ایک چھن بھی ولمب نہ کر ابھی سارا نگر سو رہا ہے۔،کوئی ہلچل نہ مچے گی، اپنے غلاموں کو حکم دے کہ وہ استھان کے مدھیہ میں ایک چتا بنائے، جس پرہم تیرے بھون کی ساری سمپردا کی آہوتی کردیں۔اسی اگنی راشی میں تیرے کوسنسکار جل کر بھسمی بھوت ہوجائیں!

تھالیس نے سہمت ہو کر کہا۔ پوجیے پتا،آپ کی جیسی اچھا ہو،وہ کیجیے۔ میں بھی جانتی ہوں کہ بہودھا پریت گن نرجیو وستوؤں میں رہتے ہیں۔ رات سجاوٹ کی کوئی کوئی وستو باتیں کرنے لگتی ہیں، کنتو شبدوں میں نہیں، یا تو تھوڑی تھوڑی دیر میں کھٹ کھٹ کی آواز سے یا پرکاش کی ریکھائیں، پرس فِت کرکے، اورایک وچتربات سنیے پوجیے پتا،آپ نے پریوں کے

کنج کے دوار پر، داہنی اور ایک نگن استری کی مورتی کودھیان سے دیکھاہے؟ایک دن میں نے آنکھوں سے دیکھاہے کہ اس مورتی نے جیوت پرانی کے سمان اپنا سر پھر لیا، اور پھر ایک پل میں اپنی پورو دشا میں آ گئی، میں بھے بھیت ہوگئی۔ جب میں نے نسیاس سے یہ ادھ بھت لیلا بیان کی تو وہ میری ہنسی اڑانے لگا۔لیکن اس مورتی میں کوئی جادو اوشیے ہے؛ کیوں کہ اس نے ایک ودیشی منشیہ کو،جس پر میرے سوندریہ کا جادو کچھ اثر نہ کر سکا تھا،اتینت پربل اپھاؤں سے پری پوریت کردیا۔ اس میں کوئی سندیہہ نہیں ہے کہ گھر کی سبھی وستوؤں میں پریتوں کا بسیرا ہے اور میرے لیے یہاں رہنا جان جوکھم تھا، کیوں کہ کئی آدمی ایک پیتل کی مورتی سے آلنگن کرتے ہوئے پران کھوبیٹھے ہیں۔، تو بھی ان وستوں کو نشٹ کرنا جو اُدوتیہ کلانے پونیے پردرشت کررہی ہیںاور میری قالینوں اور پردوں کو جلانا گھور انیائے ہوگا۔ یہ ادھ بھت وستوئیں سدیو کے لیے سنسار سے لپت ہو جائیں گی۔ ان میں سے کئی اتنے سندر رنگوں سے سشوبھت ہیں کہ ان کی شوبھا اورنیہ ہے، اور لوگوں نے انھیں مجھے اپہار دینے کے لیے اتُل دھن ویے کیا تھا۔ میرے پاس امولیہ پیالے، مورتیاں اور چتر ہیں۔ میرے وچار میں ان کو جلانا بھی انوچت ہوگا۔ لیکن میں اس وشیے میں کوئی آگرہ نہیں کرتی۔ پوجیے پتا، آپ کی جیسی اچھاہو کیجیے۔

یہ کہہ کر وہ پاپ ناشی کے پیچھے پیچھے اپنے گرہ دوار پر پہنچی جس پر اگنیت منشیوں کے ہاتھوں سے ہاروں اور پشپ ملاؤں کی بھینٹ پا چکی تھی،اور جب دوار کھلا تو اس نے دوار پال سے کہا کہ گھر کے سمست سیوکوں کو بلاؤ۔ پہلے چار بھارت واسی آئے جو رسوئی کا کام کرتے تھے۔وہ سب سانولے رنگ کے اور کانے تھے۔ تھالیس کو ایک ہی جاتی کے چار غلام، اور چاروں کانے، بڑی مشکل سے ملے، پر یہ اس کی ایک دل لگی تھی اور جب تک چاروں مل نہ گئے تھے، اسے چین نہ آتا تھا۔ جب وہ میز پر بھوجیے پدارتھ چنتے تھے۔تو مہمانوں کو انھیں دیکھ کر بڑا کوتوہل ہوتا تھا۔ تھالیس پرتیک کا ورتانت اس کے مکھ سے کہلا کر مہمانوں کا منورنجن کرتی تھی۔ ان چاروں کے بعد ان کے سہائک آئے۔ تب باری باری سے سائس، شکاری، پالکی اٹھانے والے، ہرکارے جن کی مانس پیشیاں اتینت سودرڑ تھیں، دو کُسل مالی، چھ: بھینکر روپ کے حبشی اور تین یونانی غلام، جن میں ایک ویاکرن تھا، دوسرا کوی اور تیسرا گائیک سب آ کر ایک لمبی قطار میں کھڑے ہوگئے۔ ان کے پیچھے حبشنیں آئیں جن کی بڑی بڑی گول

آنکھوں میں شنکا، آتسکتا اور ادگنیتا جھلک رہی تھی، اور جن کے مکھ کانوں تک پھٹے ہوئے تھے۔سب کے پیچھے چھ تروتی روپ وتی داسیاں،اپنی نقابوں کوسنبھالتی اور دھیرے دھیرے بیڑیوں سے جکڑے ہوئے پاؤں اٹھاتی آکر اداسین بھاؤ سے کھڑی ہوئی۔

جب سب کے سب جمع ہوگئے تو تھالیس نے پاپ ناشی کی اور انگلی اٹھا کر کہا۔ دیکھو، تمھیں یہ مہاتما جو آگیاں دے اس کا پالن کرو۔یہ ایشور کے بھکت ہیں۔جو ان کی اوگیاں کرے گا وہ کھڑے کھڑے مر جائے گا۔

اس نے سنا تھا اور اس پر وشواس کرتی تھی کہ دھرم آشرم کے سنت جس ابھاگے پُرش پر کوپ کر کے چھڑی سے مارتے تھے،اسے نگلنے کے لیے پرتھوی اپنا منہ کھول دیتی تھی۔

پاپ ناشی نے یونانی داسوں اورداسیوں کو سامنے سے ہٹا دیا۔ وہ اپنے اوپر ان کا سایہ بھی نہ پڑنے دینا چاہتا تھا اور شیش سیوکوں سے کہا۔'یہاں بہت سی لکڑی جمع کرو،اس میں آگ لگا دو اور جب اگنی کی جوالا اٹھنے لگے تو اس گھر کے سب ساز سامان مٹی کے برتن سے لے کر سونے کے تھالوں تک،ٹاٹ کے ٹکڑے سے لے کر، بہو مولیہ، قالینوں تک، سبھی مورتیاں چتر، گملے، گڈمڈ کر کے اسی چتا میں ڈال دو،کوئی چیز باقی نہ بچے۔'

یہ وچتر آگیا سن کر سب کے سب وسمت ہوگئے۔اور اپنی سوامنی کی اور کاتر نیتروں سے تاکتے ہوئے مورتیوت کھڑے رہ گئے۔ وہ ابھی اسی اکریینہ دشا میں اواک اورنشچل کھڑے تھے، اور ایک دوسرے کو کہنیاں گڑاتے تھے،مانو وہ اس حکم کو دل لگی سمجھ رہے ہیں کہ پاپ ناشی نے رودرروپ دھارن کر کے کہا۔ کیوں ولمب ہو رہا ہے؟

اسی سمے تھالیس ننگے پیر، چھٹکے ہوئے کیش کندھوں پر لہراتی گھر میں سے نکلی۔ وہ بھدے موٹے وستر دھارن کئے ہوئے تھی،جو اس کے دیہہ اسپرش ماتر سے سورگیہ، کا موتیجک سگندھت سے پرپیورت جان پڑتے تھے۔ اس کے پیچھے ایک مالی ایک چھوٹی سی ہاتھی دانت کی مورتی چھاتی سے لگائے لیے آتا تھا۔

پاپ ناشی کے پاس آکر تھالیس نے مورتی اسے دکھائی اور کہا۔ پوجیے پتا، کیا اسے بھی آگ میں ڈال دوں؟ پراچین سمے کی ادھ بھت کاریگری کا نمونہ ہے اور اس کا مولیہ شتگن سَورن سے کم نہیں۔ اس چھتی کی پورتی کسی بھانتی نہ ہو سکے گی، کیوں کہ سنسار میں ایک بھی ایسا نپورن مورتی کار نہیں ہے۔جو اتنی سندر ایراس کی مورتی بنا سکے۔پتا، یہ بھی اسمرن

رکھیے کہ یہ پریم کا دیوتا ہے؛ اس کے ساتھ نردیتا کرنا اچت نہیں۔ پتا، میں آپ کو وشواس دلاتی ہوں کہ پریم کا ادھرم سے کوئی سمبندھ نہیں، اور اگر میں وشے بھوگ میں لپت ہوئی تو پریم کی پریرنا سے نہیں، بلکہ اس کی اوہیلنا کر کے، اس کی اِچھا کے وِرُدھ بیوہار کر کے۔ مجھے ان باتوں کے لیے کبھی پشچاتاپ نہ ہوگا جو میں نے اس کے آدیش کا اُلنگھن کر کے کی ہے۔ اس کی کداپی یہ اچھا نہیں ہے کہ استریاں ان پروشوں کا سواگت کریں جو اس کے نام پر نہیں آتے۔ اس کارن اس دیوتا کی پرتیشٹھا کرنی چاہیے دیکھیے پتا جی، یہ چھوٹا سا ایراس کتنا منوہر ہے۔ایک دن نسیاس نے، جو ان دنوں مجھ پر پریم کرتا تھا۔ اسے میرے پاس لا کر کہا۔ آج تو یہ دیوتا یہیں رہے گا اور تمھیں میری یاد دلائے گا۔ پر اس نٹ کھٹ بالک نے مجھے نسیاس کی یاد تو کبھی نہیں دلائی؛ ہاں ایک یووک کی یاد نتیہ دلاتا رہا۔ جو اینٹی اوک میں رہتا تھا اور جس کے ساتھ میں نے جیون کا واستوِک آنند اٹھایا۔ پھر ویسا پُرش نہیں ملا۔ یدھپی میں سدیو اس کی کھوج میں تتپر رہی۔ اب اس اگنی کو شانت ہونے دیجیے، پتا جی! اتل دھن اس کی بھینٹ ہو چکا۔ اس بال مورتی کو آشرے دیجیے اور اسے سورکشِت کسی دھرم شالا میں استھان دلا دیجیے۔ اسے دیکھ کر لوگوں کے چت ایشور کی اور پرورتت ہوں گے، کیوں کہ پریم سوبھاوتہ من میں اتکِرشٹ اور پوتر وچاروں کو جاگرت کرتا ہے۔

تھائیس من میں سوچ رہی تھی کہ اس کی وکالت کا اوشیہ اثر ہوگا اور کم سے کم یہ مورتی تو بچ جائے گی۔ لیکن پاپ ناشی باز کی بھانتی جھپٹا، مالی کے ہاتھ سے مورتی چھین لی، ترنت اسے چتا میں ڈال دیا اور نردیے سور میں بولا۔ جب یہ نسیاس کی چیز ہے اور اس نے اسے اسپرش کیا ہے تو مجھ سے اس کی سفارش کرنا ویرتھ ہے۔اس پاپی کا اسپرش ماتر سمست وکاروں سے پری پوریت کر دینے کے لیے کافی ہے۔

تب اس نے چمکتے ہوئے وستر، بھانتی بھانتی کے آبھوشن، سونے کی پادوکائیں، رتن جٹیت کنگھیاں، بہو مولیے آئینے، بھانتی بھانتی کے گانے بجانے کی وستوئیں سرود، ستار، وینا، نانا پرکار کے فانوس انگاروں میں اٹھا اٹھا کر جھونکنا شروع کیا۔اس پرکار کتنا دھن نشٹ ہوا۔اس کا انومان کرنا ہے۔ادھر تو جوالا اٹھ رہی تھی، چنگاریاں اڑ رہی تھیں۔ چٹاک پٹاک کی زنتر دھونی سنائی دیتی تھی، ادھر حبشی غلام اس وناشک درشیے سے انمت ہو تالیاں بجا بجا کر اور بھوشن ناد سے چلا چلا کر ناچ رہے تھے۔ وچتر درشیے تھا، دھرم اتساہ کا کتنا بھینکر روپ!

ان غلاموں میں سے کئی عیسائی تھے۔انھوں نے شیگھر ہی اس پرکار کا آشیے سمجھ لیا اور گھر میں ایندھن اور آگ لانے گئے۔اوروں نے بھی ان کا انوکرن کیا، کیوں کہ یہ سب دریدر تھے اور دھن سے گھرنا کرتے تھے اور دھن سے بدلا لینے کی ان میں سوابھویک پرورتی تھی۔ جو دھن ہمارے کام نہیں آتا، اسے نشٹ ہی کیوں نہ کر ڈالیں! جو وستر ہمیں پہننے کو نہیں مل سکتے، انھیں جلا ہی، کیوں نہ ڈالیں! انھیں اس پرورتی کو شانت کرنے کا یہ اچھا اوسر ملا۔ جن وستوؤں نے ہمیں اتنے دنوں تک جلایا ہے انھیں آج جلا دیں گے۔ چتا تیار ہو رہی تھی اور گھر کی وستوئیں باہر لائی جا رہی تھیں کہ پاپ ناشی نے تھالیس سے کہا۔ پہلے میرے من میں یہ وچار ہوا کہ اسکندریہ کے کسی چرچ کے کوشادھیکش کو لاؤں (یدی ابھی کوئی، ایسا استھان ہے جسے چرچ کہا جاسکے، اور جسے ایرین کے بھرشٹا چرن نے بھرشٹ نہ کردیا) اور اسے تیری سمپورن سمپتی دے دوں کہ وہ انھیں اناتھ ودھواؤں اور بالکوں کو پردان کردے اور اس بھانتی پاپوپارجت دھن کا پونیت اپیوگ ہو جائے لیکن ایک چھن میں یہ وچار جاتا رہا؛ کیوں کہ ایشور نے اس کی پررینا نہ کی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ ایشور کو کبھی منظور نہ ہوگا کہ تیرے پاپ کی کمائی عیسو کے پریے بھکتوں کو دی جائے۔ اس سے ان کی آتما کو گھور دکھ ہوگا۔ جو سویم دریدر رہنا چاہتے ہیں، سویم کشٹ بھوگنا چاہتے ہیں، اس لیے کہ اس سے ان کی آتما شدھ ہوگی، انھیں یہ کُلشِت دھن دے کر ان کی آتم شدھی کے پریتن کو وِپھل کرنا ان کے ساتھ بڑا انیائے ہوگا۔اس لیے میں نشچے کر چکا ہوں کہ تیرا سروسو اگنی کا بھوجن بن جائے، ایک دھاگہ بھی باقی نہ رہے! ایشور کو کوٹی دھنے واد دیتا ہوں کہ تیری نقابیں اور چولیاں اور کرتیاں جنھوں نے سمندر کی لہروں سے بھی اگنیے چمبنوں کا آسوادن کیا ہے، آج جوالا کے مکھ اور چنچھ کا انوبھو کریں گی۔ غلاموں، دوڑو، اور لکڑی لاؤ، اور آگ لاؤ، تیل کے کپے لاکر لڑھکا دو، اگر اور کپور اور لوبان چھڑک دو جس میں جوالا اور بھی پرچنڈ ہو جائے! اور تھالیس، تو گھر میں جا، اپنے گھرِت وستروں کو اتار دے، آبھوشنوں کو پیروں تلے کچل دے، اور اپنے سب سے دین غلام سے پراتھنا کر کہ وہ تجھے اپنا موٹا کرتا دے دے؛ یدیپی تو اس دان کو پانے یوگیہ نہیں ہے، جسے پہن کر وہ تیرے فرش پر جھاڑو لگاتا ہے۔

تھالیس نے کہا۔ میں نے اس آگیاں کو شرودھاریے کیا۔

جب تک چاروں بھارتیہ کانے بیٹھ کر آگ جھونک رہے تھے، حبشی غلاموں نے چتا

میں بڑے بڑے ہاتھی دانت، آبنوس تتھا ساگون کے صندوق ڈال دیئے جو دھماکے سے ٹوٹ گئے اور ان میں سے بہو مولیے اور رتن جٹیت آبھوشن نکل پڑے۔ الاو میں سے دھوئیں کے کالے کالے بادل اٹھ رہے تھے۔ تب اگنی جو ابھی تک سلگ رہی تھی، اتنا بھیشن شبد کر کے ددھک اٹھی، مانو کوئی بھینکر بن پشو گرج اٹھا، اور جوالا چنھ جو سوریے کے پرکاش میں بہت دھندلی دکھائی دیتی تھی، کسی راکشھس کی بھانتی اپنے شکار کو نگلنے لگی۔ جوالا نے اتیجت ہوکر غلاموں کو بھی اتیجت کیا۔ وہ دوڑ دوڑکر بھیتر سے چیزیں باہر لانے لگے۔ کوئی موٹی موٹی قالینیں گھسیٹے چلا آتا تھا، کوئی وستر کے گٹھر لیے دوڑا آتا تھا۔ جن نقابوں پر سنہرا کام کیا ہوا تھا، جن پردوں پر سندر بیل بوٹے بنے ہوئے تھے، سبھی آگ میں جھونک دیے گئے۔ اگنی منھ پر نقاب نہیں ڈالنا چاہتی اور نہ اسے پردوں سے پریم ہے۔ وہ بھیشن اور نگن رہنا چاہتی ہے۔ تب لکڑی کے سامانوں کی باری آئی۔ بھاری میز، کرسیاں، موٹے موٹے گدے، سونے کی پریوں سے سشوبھت پلنگ غلاموں سے اٹھتے ہی نہ تھے۔ تین بالشتھ حبشی پریوں کی مورتیاں چھاتی سے لگائے ہوئے لائے۔ ان مورتیوں میں ایک اتنی سندر تھی کہ لوگ اس سے استری کا سا پریم کرتے تھے۔ ایسا جان پڑتا تھا کہ تین جنگلی بندر تین استریوں کو اٹھائے بھاگے جاتے ہیں !اور جب یہ تینوں سندر نگن مورتیاں، ان دیتیوں کے ہاتھ سے چھوٹ کر گریں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں، تو گہری شوک دھونی کانوں میں آئی۔

یہ شور سن کر پڑوسی ایک ایک کر کے جاگنے لگے اور آنکھیں مل مل کر کھڑکیوں سے دیکھنے لگے کہ یہ دھواں کہاں سے آرہا ہے۔ تب اسی اردھ نگن دشا میں باہر نکل پڑے اور الاؤ کے چاروں اور جما ہوگئے۔

یہ ماجرہ کیا ہے ؟ یہی پرشن ایک دوسرے سے کرتا تھا۔

ان لوگوں میں وہ ویاپاری تھے۔ جن سے تھالیس عطر، تیل، کپڑے آدی لیا کرتی تھیں، اور وہ سچنت بھاو سے منھ لٹکائے تاک رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کئی وشیے بھوگی پُرش جو رات بھر کے ولاس کے بعد سر پر ہار لپٹے، کرتے پہنے غلاموں کے پیچھے جاتے ہوئے ادھر سے نکلے تو یہ درشیے دیکھ کر ٹھٹھک گئے اور زور زور سے تالیاں بجا کر چلّانے لگے۔ دھیرے دھیرے کوتوہل وش اور لوگ آگئے اور بڑی بھیڑ جمع ہوگئی۔ تب لوگوں کو گیات ہوا کہ تھالیس دھرم آشرم کے تپسوی پاپ ناشی کے آدیش سے اپنی سمست سمپتی

جلا کر کسی آشرم میں پروشٹھ ہونے آرہی ہیں۔

دکانداروں نے وچار کیا۔ تھالیس یہ نگر چھوڑ کر چلی جارہی ہے۔اب ہم کس کے ہاتھ اپنی چیزیں بیچیں گے ؟کون ہمیں منھ مانگے دام دے گا۔ یہ بڑا گھور انرتھ ہے۔تھالیس پاگل ہو گئی ہے کیا؟ اس یوگی نے اوشیے اس پر کوئی منتر ڈال دیا ہے،نہیں تو اتنا سکھ ولاس چھوڑ کر تپسونی بن جانا سہج نہیں ہے۔ اس کے بنا ہمارا نرواہ کیوں کر ہوگا !وہ ہمارا سروناش کیے ڈالتی ہیں۔یوگی کو کیوں ایسا کرنے دیا جائے؟ آخر قانون کس لیے ہے؟ کیا اسکندریہ میں کوئی نگر کا شاسک نہیں؟ تھالیس کو ہمارے بال بچوں کی ذرا بھی چنتا نہیں ہے۔ اسے شہر میں رہنے کے لیے مجبور کرنا چاہیے۔ دھنی لوگ اسی بھانتی نگر چھوڑ کر چلے جائیں گے تو ہم رہ چکے۔ہم راجیہ کر کہاں سے دیں گے۔؟

'یوک گن کو دوسرے پرکار کی چنتا تھی۔ اگر تھالیس اس بھانتی نردیتا سے نگر سے جائے گی تو ناٹیہ شالاؤں کو جیوت کون رکھے گا؟ شیگھر ہی ان میں سناٹا چھا جائے گا،ہمارے منورنجن کی مکھ سامگری غائب ہو جائے گی، ہمارا جیون شسک اور نیرس ہو جائے گا۔ وہ رنگ بھومی کا دیپک، آنند، سمان، پرتیبھا اور پران تھی۔ جنھوں نے اس کے پریم کا آنند نہیں اٹھایا تھا،وہ اس کے درشن ماتر ہی سے کرتارتھ ہو جاتے تھے۔انیہ استریوں سے پریم کرتے ہوئے بھی وہ ہمارے نیتروں کے سامنے اپستھت رہتی تھی۔ہم ولاسیوں کی تو جیون دھارا تھی۔ کیول یہ وچار کہ وہ اس نگر میں اپستھت ہیں،ہماری واسناؤں کو اودیپت کیا کرتا تھا۔ جیسے جل کی دیوی ورشٹی کرتی ہیں،اگنی کی دیوی جلاتی ہے،اسی بھانتی یہ آنند کی دیوی ہردیے میں آنند کا سنچار کرتی تھی۔

سمست نگر میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔کوئی پاپ ناشی کو گالیاں دیتا تھا،کوئی عیسائی دھرم کو اور کوئی سویم پربھو مسیح کو صلواتیں سناتا تھا۔اور تھالیس کے تیاگ کی بھی بڑی تیور آلوچنا ہو رہی تھی۔ ایسا کوئی سماج نہ تھا جہاں کہرام نہ مچا ہو۔

'یوں منھ چھپا کر جانا لجا اسپد ہے۔!'

'یہ کوئی بھلمنساہت نہیں ہے!'

'اجی، یہ تو ہمارے پیٹ کی روٹیاں چھینے لیتی ہے!'

'وہ آنے والی سنتان کو ارسیک بنائے دیتی ہے۔ اب انھیں رسکتا کا اپدیش کون

دے گا؟'

'اجی، اس نے تو ابھی ہمارے ہاروں کے دام بھی نہیں دیے۔'

'میرے بھی پچاس جوڑوں کے دام آتے ہیں۔'

'سبھی کا کچھ نہ کچھ اس پر آتا ہے۔'

'جب وہ چلی جائے گی تو نایکاؤں کا پارٹ کون کھیلے گا؟'

'اس چھتی کی پورتی نہیں ہوسکتی۔'

'اس کا استھان سدیو رکت رہے گا۔'

'اس کے دوار بند ہو جائیں گے تو جیون کا آنند ہی جاتا رہے گا۔'

'وہ اسکندریہ کے گگن کا سوریہ تھی۔'

اتنی دیر میں نگر بھر کے بھکشھک، اپنگ، لولے لنگڑے، کوڑھی، اندھے سب اس استھان پر جمع ہو گئے اور جلی ہوئی وستوں کو ٹٹولتے ہوئے بولے۔اب ہمارا پالن کون کرے گا؟ اس کی میز کا جوٹھن کھا کر دوسو آبھاگوں کے پیٹ بھر جاتے تھے۔ اس کے پریمی گن چلتے سے ہمیں مٹھیاں بھر پیسے روپے دان کر دیتے تھے۔

چور چکاروں کی بھی بن آئی۔ وہ بھی آکر اس بھیڑ میں مل گئے اور شور مچا مچا کر اپنے پاس کے آدمیوں کو ڈھکیلنے لگے کہ دنگا ہوجائے اور اس گول مال میں ہم بھی کسی وستو پر ہاتھ صاف کریں۔ یدیپی بہت کچھ جل چکا تھا، پھر بھی اتنا شیش تھا کہ نگر کے سارے چور چنڈال آیاچی ہو جاتے!

اس ہل چل میں کیول ایک وردھ منشیہ استھرچت دکھائی دیتا تھا۔ وہ تھالیس کے ہاتھوں دور دیشوں سے بہو مولیہ وستو لالا کر بیچتا تھا اور تھالیس پر اس کے بہت روپے آتے تھے۔ وہ سب کی باتیں سنتا تھا، دیکھتا تھا کہ لوگ کیا کرتے ہیں، رہ رہ کر داڑھی پر ہاتھ پھیرتا تھا،اور من میں کچھ سوچ رہا تھا۔ ایکا ایک اس نے ایک یووک کو سندر وستر پہنے پاس کھڑے دیکھا اس نے یووک سے پوچھا۔تم تھالیس کے پریمیوں میں نہیں ہو!

یووک۔ ہاں، ہوں تو بہت دنوں سے۔

وردھ۔ تو جاں کر اسے روکتے کیوں نہیں؟

یووک۔ اور کیا تم سمجھتے ہو کہ اسے جانے دوں گا؟ من میں یہی نشچے کرکے آیا

ہوں۔شیخی تو نہیں مارتا لیکن اتنا تو مجھے وشواس ہے کہ میں اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو جاؤں گا تو وہ اس بندر موہے پادری کی اپیکشا میری باتوں پر ادھک دھیان دے گی۔

وردھ۔تو جلدی جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تمھارے پہنچتے پہنچتے وہ سوار ہو جائے۔

یووک۔ اس بھیڑ کو ہٹاؤ۔

وردھ ویپاری نے 'ہٹو،جگہ دو' کا گُل مچانا شروع کیا اور یووک گھوسوں اور ٹھوکروں سے آدمیوں کو ہٹاتا، وردھوں کو گراتا، بالکوں کو کچلتا، اندر پہنچ گیا اور تھالیس کا ہاتھ پکڑ کر دھیرے سے بولا۔ پریے،میری اور دیکھوں اتنی نشٹھرتا !یاد کرو،تم نے مجھ سے کیسی کیسی باتیں کی تھیں، کیا کیا وعدے کیے تھے،کیا اپنے وعدوں کو بھول جاؤ گی ؟کیا پریم کا بندھن اتنا ڈھیلا ہو سکتا ہے؟'

تھالیس ابھی کچھ جواب نہ دینے پائی تھی کہ پاپ ناشی لپک کر اس کے اور تھالیس کے بیچ میں کھڑا ہو گیا اور ڈانٹ کر بولا۔'دور ہٹ، پاپی کہیں کا !خبردار جو اس کے دیہہ کو اسپرش کیا وہ اب ایشور کی ہے، منشیہ اسے نہیں چھو سکتا۔'

یووک نے کڑک کر کہا۔ ہٹ یہاں سے، بن مانش !کیا تیرے کارن اپنی پریتما سے نہ بولوں؟ ہٹ جاؤ نہیں تو یہ داڑھی پکڑ کر تمھاری گندی لاش کو آگ کے پاس کھینچ لے جاؤں گا اور کباب کی طرح بھون ڈالوں گا۔ اس بھرم میں مت رہ کہ میرے پران آدھار کو یوں چپکے سے اٹھا لے جائے گا۔ اس کے پہلے میں تجھے سنسار سے اٹھا دوں گا!

یہ کہہ کر اس نے تھالیس کے کندھے پر ہاتھ رکھا لیکن پاپ ناشی نے اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ کئی قدم پیچھے لڑکھڑاتا ہوا چلا گیا اور بکھری ہوئی راکھ کے سمیپ چاروں کھانے چت گر پڑا۔ لیکن وردھ سوداگر شانت نہ بیٹھا۔ وہ پرتیک منشیہ کے پاس جا جا کر غلاموں کے کان کھینچتا، اور سوامیوں کے ہاتھوں کو چومتا اور سبھی کو پاپ ناشی کے وِرودھ اتیجت کر رہا تھا کہ تھوڑی دیر میں اس نے ایک چھوٹا سا جتھا بنا لیا جو اس بات پر کٹی بدھ تھا کہ پاپ ناشی کو کداپی اپنے کاریے میں سپھل نہ ہونے دے گا۔ مجال ہے کہ یہ پادری ہمارے نگر کی شوبھا کو بھگا لے جائے! گردن توڑ دیں گے۔ پوچھو، دھرم آشرم میں ایسی رمنیوں کی کیا ضرورت؟ کیا سنسار میں وپتی کی ماری بوڑھیوں کی کمی ہے؟ کیا ان کے آنسوؤں سے ان پادریوں کو سنتوش نہیں ہوتا کہ یووتیوں کو بھی رونے کے لیے مجبور کیا جائے !

یووک کا نام سیرون تھا۔ وہ دھکا کھا کر گرا، کنتو ترنت گرد جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔
اس کا منہ راکھ سے کالا ہو گیا تھا، بال جھلس گیا تھا، کرودھ اور دھوئیں سے دم گھٹ رہا تھا۔ وہ دیوتاؤں کو گالیاں دیتا ہوا اپدرویوں کو بھڑکانے لگا۔ پیچھے بھکاریوں کا دل اتپات مچانے پر اویت تھا۔ ایک چھن میں پاپ ناشی تنے ہوئے گھونسوں، اٹھی ہوئی لاٹھیوں اور اپمان سوچک اپشبدوں کے بیچ میں گھر گیا۔

ایک نے کہا۔ مار کر کووّں کو کھلا دو !

'نہیں جلا دو، جیتا آگ میں ڈال دو، جلا کر بھسم کر دو !'

لیکن پاپ ناشی ذرا بھی بھے بھیت نہ ہوا۔ اس نے تھالیس کو پکڑ کر کھینچ لیا اور میگھ کی بھانتی گرج کر بولا۔ ایشوردروہیوں، اس کپوت کو ایشوریے باز کے چنگل سے چھڑانے کی چیشٹھا مت کرو ؛ تم آج جس آگ میں جل رہے ہو، اس میں جلنے کے لیے اسے ووش مت کرو بلکہ اس کی ریس کرو اسی کی بھانتی اپنے کھوٹے کو بھی کھرا کنچن بنا دو۔ اس کا انوکرن کرو، اس کے دکھائے ہوئے مارگ پر اگرسر ہو، اور اس ممتا کو تیاگ دو جو تمھیں باندھے ہوئے ہیں اور جسے تم سمجھتے ہو کہ ہماری ہے۔ ولمب نہ کرو، حساب کا دن نکٹ ہے اور ایشور کی اور سے وجر گھات ہونے والا ہی ہے۔ اپنے پاپوں پر پچھتاؤ، ان کا پریاشچت کرو، توبہ کرو، روؤ اور ایشور سے چھما پراتھنا کرو۔ تھالیس کے پدچنھو پر چلو۔ اپنی کووا سناؤں سے گھرنا کرو جو اس سے کسی بھانتی کم نہیں ہے۔ تم سے کون اس یوگیہ ہے، چاہے وہ دھنی ہو یا کنگال، داس ہو یا سوامی، سپاہی ہو یا ویاپاری، جو ایشور کے سمکھ کھڑا ہو کر دعوے کے ساتھ کہہ سکے کہ میں کسی ویشیا سے اچھا ہوں؟ سب کے سب بجیو درگندھ کے سوا اور کچھ نہیں ہو اور یہ ایشور کی مہان دیا ہے کہ وہ تمھیں ایک چھن میں کیچڑ کی موریاں نہیں بنا ڈالتا۔

جب تک وہ بولتا رہا، اس کی آنکھوں سے جوالا سی نکل رہی تھی۔ ایسا جان پڑتا تھا کہ اس کے مکھ سے آگ کے انگارے برس رہے ہیں۔ جو لوگ وہاں کھڑے تھے، اچھا نہ رہنے پر بھی منتر مگدھ سے کھڑے اس کی باتیں سن رہے تھے۔

کنتو وہ وردھ ویاپاری اودھم مچانے میں اتینت پروین تھا۔ وہ اب بھی شانت نہ ہوا۔ اس نے زمین سے پتھر کے ٹکڑے اور گھونگھے چن لیے اور اپنے کرتے کے دامن میں چھپا لیے، کنتو سویم انھیں پھینکنے کا ساہس نہ کر کے اس نے وہ سب چیزیں بھکشوؤں کے ہاتھوں

میں دے دیں۔ پھر کیا تھا؟ پتھروں کی ورشا ہونے لگی اور ایک گھونگھا پاپ ناشی کے چہرے پر ایسا آکر بیٹھا کہ گھاؤ ہوگیا۔ رکت، کی دھارا پاپ ناشی کے چہرے پر بہہ بہہ کر تیاگنی تھالیس کے سر پر ٹپکنے لگی، مانو اس رکت کے بپتسمہ سے پُنہ سنسکرت کیا جارہا تھا۔ تھالیس کو یوگی نے اتنی زور سے بھینچ لیا تھا کہ اس کا دم گھٹ رہا تھا اور یوگی کے کھر کھر ۔۔ وستر سے اس کا کومل شریر چھلا جاتا تھا۔ اس آمنجسیہ میں پڑے ہوئے، گھرنا اور کر... سے اس کا مکھ لال ہو رہا تھا۔

اتنے میں ایک منشیہ بھڑکیلے وستر پہنے، جنگلی پھولوں کی ایک مالا سر پر لپیٹے بھیڑ کو ہٹاتا ہوا آیا اور چلا کر بولا۔ 'ٹھہرو، ٹھہرو، یہ اتپات کیوں مچا رہے ہو؟ یہ یوگی میرا بھائی ہے۔'

یہ نسیاس تھا، جو وردھ یوکراٹیز کو قبر میں سلا کر اس میدان میں ہوتا ہوا اپنے گھر لوٹا جا رہا تھا۔ دیکھا تو الاؤ جل رہا ہے، اس میں بھانتی بھانتی کی بہومولیہ وستوئیں پڑی سلگ رہی ہیں، تھالیس ایک موٹی چادر اوڑھے کھڑی ہے اور پاپ ناشی پر چاروں اور سے پتھروں کی بوچھار ہو رہی ہے۔ وہ یہ درشیہ دیکھ کر وسمت تو نہیں ہوا، وہ آویشوں سے وشی بھوت نہ ہوتا تھا۔ ہاں، ٹھٹھک گیا اور پاپ ناشی کو اس آکرمن سے بچانے کی چیشٹھا کرنے لگا۔

اس نے پھر کہا۔ میں منع کر رہا ہوں، ٹھہرو، پتھر نہ پھینکو۔ یہ یوگی میرا پریے سہہ پاٹھی ہے۔ میرے پریے متر پاپ ناشی پر اتیاچار مت کرو۔

کنتو اس کی للکار کا کچھ اثر نہ ہوا جو پُرش نائیکوں کے ساتھ بیٹھا ہوا بال کی کھال نکالنے ہی میں کُسل ہو، اس میں وہ نیتر توشکتی کہاں جس کے سامنے جنتا کے سر جھک جاتے ہیں۔ پتھروں اور گھونگھوں کی دوسری بوچھار پڑی، کنتو پاپ ناشی تھالیس کو اپنی دیہہ سے رکچھت کیے ہوئے پتھروں کی چوٹیں کھاتا تھا اور ایشور کو دھنے واد دیتا تھا جس کی دیا درشٹی اس کے گھاؤں پر مرہم رکھتی ہوئی جان پڑتی تھی۔ نسیاس نے جب دیکھا کہ یہاں میری کوئی نہیں سنتا اور من میں یہ سمجھ کر کہ میں اپنے متر کی رکشھا نہ تو بل سے کر سکتا ہوں نہ واکیہ چاتُری سے، اس نے سب کچھ ایشور پر چھوڑ دیا۔ (یدھپی ایشور پر اسے انو ماتر بھی وشواس نہ تھا۔) سہسا اسے ایک اپائے سوجھا۔ ان پرانیوں کو وہ اتنا نیچ سمجھتا تھا کہ اسے اپنے اپائے کی سپھلتا پر ذرا بھی سندیہہ نہ رہا۔ اس نے ترنت اپنی تھیلی نکال لی، جس میں روپے اور اشرفیاں بھری ہوئی تھیں وہ بڑا

ادار، ولاس پریمی پروش تھا، اور ان منشیوں کے سمیپ جا کر جو پتھر پھینک رہے تھے، ان کے کانوں کے پاس مودراؤں کو اس نے کھن کھنایا۔ پہلے تو وے اس سے اتنے جھلائے ہوئے تھے، لیکن شیگھر ہی سونے کی جھنکار نے انھیں لبدھ کردیا، ان کے ہاتھ نیچے کو لٹک گئے۔ نسیاس نے جب دیکھ کہ اپدروکاری، اس کی اور آکرشت ہوگئے تو اس نے کچھ روپیے اور مہریں ان کی اور پھینک دیں۔ ان میں سے جو زیادہ لوبھی پرکرتی کے تھے، وہ جھک جھک کر چننے لگے۔ نسیاس اپنی سپھلتا پر پرسن ہوکر مٹھیاں بھر بھرکر روپے آدی اِدھر اُدھر پھینکنے لگا۔ پکّی زمین پر اشرفیوں کے کھنکنے کی آواز سن کر پاپ ناشی کے شتروں کا دل بھومی پر سجدے کرنے لگا۔ بھکشھک غلام چھوٹے موٹے دوکان دار سب کے سب روپیے لوٹنے کے لیے آپس میں دھنگا مشتی کرنے لگے اور سیرون تتھا انیہ بھدر سماج کے پرانی دور سے یہ تماشا دیکھتے تھے اور ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے۔ سویم سیرون کا کرودھ شانت ہوگیا۔ اس کے متروں نے لوٹنے والے پرتی دوندیوں کو بھڑکانا شروع کیا مانو پشوؤں کولڑا رہے ہوں۔ کوئی کہتا تھا، اب کی یہ بازی مارے گا، اس پر شرط بدتا ہوں، کوئی کسی دوسرے یودھا کا پکھش لیتا تھا، اور دونوں پرتی پکھشیوں میں سینکڑوں کی ہار جیت ہوجاتی تھی۔ ایک بنا ٹانگوں والے پنگل نے جب ایک مہر پائی تو اس کے ساہس پر تالیاں بجنے لگیں۔ یہاں تک کہ سب نے اس پر پھول برسائے۔ روپیے لوٹانے کا تماشا دیکھتے دیکھتے یہ یووک ورند اتنے خوش ہوئے کہ سویم لُٹانے لگے اور ایک چھن میں سمست میدان میں سوائے پیٹھوں کے اٹھنے اور گرنے کے اور کچھ دکھائی ہی نہ دیتا تھا، مانو سمندر کی ترنگیں چاندی سونے کے سکّوں کے طوفان سے آندولیت ہورہی ہوں۔ پاپ ناشی کو کسی کی سدھ ہی نہ رہی۔

تب نسیاس اس کے پاس لپک کر گیا، اسے اپنے لبادے میں چھپا لیا اور تھالیس کو اس کے ساتھ ایک پاس کی گلی میں کھینچ لے گیا جہاں ودرہیوں سے ان کا گلا چھوٹا۔ کچھ دیر تک تو وہ چپ چاپ دوڑے، لیکن جب انھیں معلوم ہوگیا کہ ہم کافی دور نکل آئے اور ادھر کوئی ہمارا پیچھا کرنے نہ آئے گا تو انھوں نے دوڑنا چھوڑ دیا۔ نسیاس نے پریہاس پورن سور میں کہا۔ لیلا سماپت ہوگئی۔ ابھینے کا انت ہوگیا۔ تھالیس اب نہیں رک سکتی۔ وہ اپنے اڈھار کرتا کے ساتھ اوشیے جائے گی، چاہے وہ اسے جہاں لے جائے۔

تھالیس نے اتر دیا۔ ہاں نسیاس، تمھارا کتھن سرورتھا نرمول نہیں ہے۔ میں تم جیسے منشیوں کے ساتھ رہتے رہتے تنگ آ گئی ہوں، جو سگندھ سے بسے، ولاس میں ڈوبے ہوئے، سہردیے آتم سیوی پرانی ہے۔ جو کچھ میں نے انوبھو کیا ہے، اس سے مجھے اتنی گھرنا ہو گئی ہے کہ اب میں اگیات آنند کی کھوج میں جا رہی ہوں۔ میں نے اس سکھ کو دیکھا ہے جو واستو میں نہیں تھا، اور سکھ مجھے ایک گرو ملا ہے۔ جو بتلاتا ہے کہ دکھ اور شوک ہی میں سچا آنند ہے۔ میرا اس پر وشواس ہے کیوں کہ اسے ستیہ کا گیان ہے۔

نسیاس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پریہ، مجھے تو سمپورن ستیوں کا گیان پراپت ہے۔ وہ کیول ایک ہی ستیہ کا گیاتا ہے، میں سبھی ستیہ کا گیاتا ہوں۔ اس درشٹی سے تو میرا پد اس کے پد سے کہیں اونچا ہے، لیکن سچ پوچھو تو اس سے نہ کچھ گورو پراپت ہوتا ہے، نہ کچھ آنند۔

تب یہ دیکھ کر کہ پاپناشی میری اور تاپ مے نیتروں سے تاک رہا ہے، اس نے سمبودھت ہو کر کہا۔ پریے متر پاپناشی، یہ مت سوچو کہ میں تمھیں نرا بدھو، پاکھنڈی یا اندھ وشواسی سمجھتا ہوں۔ یدی میں اپنے جیون کی تمھارے جیون سے تلنا کروں تو میں سویم نشچے نہ کر سکوں گا کہ کون شریشٹھ ہے۔ میں ابھی یہیں سے جا کر اسنان کروں گا، داسوں نے پانی تیار کر رکھا ہو گا، تب اُتّم وستر پہن کر ایک تیتر کے ڈینوں کا ناشتہ کروں گا، اور آنند سے پلنگ پر لیٹ کر کوئی کہانی پڑھوں گا یا کسی دارشنک کے وچاروں کا آسوادن کروں گا۔ یدھپی ایسی کہانیاں بہت پڑھ چکا ہوں اور دارشنکوں کے وچاروں میں بھی کوئی مولکتا یا نوینتا نہیں رہی۔ تم اپنی کُٹی میں لوٹ کر جاؤ گے اور وہاں کسی سُدھائے ہوئے اونٹ کی بھانتی جھک کر کچھ جگالی سی کرو گے، کداچت کوئی ایک ہزار بار کے چبائے ہوئے شبد آڈمبر کو پھر سے چباؤ گے، اور سندھیا سمے بِنا بگھاری ہوئی بھاجی کھا کر زمین پر لیٹ رہو گے۔ کنتو بندھوور، یدھپی ہمارے اور تمھارے مارگ پرتھک ہیں، یدھپی ہمارے اور تمھارے کاریہ کرم میں بڑا انتر دکھائی پڑتا ہے، لیکن واستو میں ہم دونوں ایک ہی منوبھاؤ کے ادھین کاریہ کام کر رہے ہیں۔ وہی جو سمست مانو پرکرتیوں کا ایک ماتر کارن ہے۔ ہم سبھی سکھ کے اِچھک ہیں، سبھی ایک ہی لکشیہ پر پہنچنا چاہتے ہیں۔ سبھی کا ابھیشٹ ایک ہی ہے۔۔ آنند، اپراپیہ آنند، اسمبھو آنند۔ یہی میری مورکھتا ہو گی اگر میں کہوں کہ تم غلطی پر ہو یدھپی میرا وچار ہے کہ میں ستیہ پر ہوں۔

اور پریے تھالیس، تم سے بھی میں یہی کہوں گا کہ جاؤ اور اپنی زندگی میں مزے

اٹھاؤ، اور یدی یہ بات اسمبھو نہ ہو، تو تیاگ اور تپسیا میں اس سے ادھیک آنند لابھ کرو جتنا تم نے بھوگ اور ولاس میں کیا ہے۔ سبھی باتوں کا وچار کر کے میں کہہ سکتا ہوں کہ تمھارے اوپر لوگوں کو حسد ہوتا تھا کیوں کہ یدی پاپناشی نے اور میں نے اپنے سمست جیون میں ایک ہی ایک پرکار کے آنند کا اپبھوگ کیا ہے، تو تھالیس، تم نے اپنے جیون میں اتنے بھِنّ بھِنّ پرکار کے آنندوں کا آسوادن کیا ہے، جو برلے ہی کسی منشیہ کو پراپت ہو سکتے ہیں۔ میری ہارِدِک ابھیلاشا ہے کہ ایک گھنٹے کے لیے میں بندھو پاپناشی کی طرح سنت ہو جاتا۔ لیکن یہ سمبھو نہیں۔ اس لیے تم کو بھی وِدا کرتا ہوں، جاؤ جہاں پرکرتی کی گپت شکتیاں اور تمھارا بھاگیہ تمھیں لے جائے۔ جاؤ جہاں تمھاری اِچھا ہو، نسیاس کی شُبھ اِچھائیں تمھارے ساتھ رہیں گی۔ میں جانتا ہوں کہ اس سمے انرگل باتیں کر رہا ہوں، پر اس اشار سبھ کامناؤں اور نرمول پچھاتاوے کے سوائے، میں اس سمکھ بھانتی کا کیا مولیہ دے سکتا ہے جو تمھارے پریم کے دنوں میں مجھ پر چھائی رہتی تھی اور جس کی سمرتی چھایا کی بھانتی میرے من میں رہ گئی ہے؟ جاؤ میری دیوی، جاؤ، تم پروپکار کی مورتی ہو جسے اپنے استتو کا گیان نہیں، تم لیلامئی شِشما ہو۔ نمسکار ہے اس سروشریشٹھ، سروتکشٹھ مایا مورتی کو جو پراکرت نے کسی اگیات کارن سے آشار، مایاوی سنسار کو پردان کی ہے۔

پاپ ناشی کے ہردیہ پر اس کتھن کا ایک ایک شبد وجر کے سمان پڑ رہا تھا۔ انت میں وہ اپ شبدوں میں پرتی دھونت ہوا— ہا! درجن، دشٹ، پاپی! میں تجھ سے گھرنا کرتا ہوں اور تجھے تچھ سمجھتا ہوں! دور ہو یہاں سے، نرک کے دوت، ان دربل دکھی ملیچھوں سے بھی ہزار گنا نکرشٹھ، جو ابھی مجھے پتھروں اور دروچنوں کا نشان بنا رہے تھے۔ وہ اگیانی تھے، مورکھ تھے: انھیں کچھ گیان نہ تھا کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور سمبھو ہے کہ کبھی ان پر ایشور کی دیا درشٹی پھرے اور میری پرارتھناؤں کے انوسار ان کے انتہ کارن شودھ ہو جائیں لیکن نسیاس، اسپشیہ پتت نسیاس، تیرے لیے کوئی آشا نہیں ہے، تم گھاتک وِش ہے۔ تیرے مکھ سے نیراشیہ اور ناش کے شبد ہی نکلتے ہیں۔ تیرے ایک ہاسیہ سے اس سے کہیں ادھک ناستکتا پرواہیت ہوتی ہے جتنی شیطان کے مکھ سے سو برسوں میں بھی نہ نکلتی ہوگی۔

نسیاس نے اس کی اور ونود پورن نیتروں سے دیکھ کر کہا— بندھور، پرنام! میری یہی اِچھا ہے کہ انت تک تم وشواس، گھرنا اور پریم کے پتھ پر آروڑھ رہو۔ اسی بھانتی تم نتیہ اپنے

شتروؤں کو کوستے اور اپنے انویاییوں سے پریم کرتے رہو۔ تھالیس، چرنجیوی رہو۔ تم مجھے بھول جاؤ گی، کنتو میں تمھیں نہ بھولوں گا۔ تم یاوج جیون میرے ہردیہ میں مورتی مان رہوگی۔

ان سے ودا ہوکر نسیاس اسکندریہ کی قبرستان کے نکٹ پیچ دار گلیوں میں وچار پورن گتی سے چلا۔ اس مارگ میں ادھیک تر کمہار رہتے تھے، جو مردوں کے ساتھ دفن کرنے کے لیے کھلونے، برتن آدی بناتے تھے۔ ان کی دکانے مٹی کی سندر رنگوں سے چمکتی ہوئی دیویوں، استریوں اڑنے والے دوتوں اور ایسے ہی انیہ وستوؤں کی مورتیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اسے وچار ہوا، کدا چت ان مورتیوں میں کچھ ایسی بھی ہوں جو مہا ندرا میں میرا ساتھ دیں اور اسے ایسا پرتیت ہوا ایک چھوٹی پریم کی مورتی میرا اپہاس کررہی ہے۔ مرتیو کی کلپنا ہی سے اسے دُکھ ہوا۔ اس ویواد کو دور کرنے کے لیے اس نے من میں ترک کیا۔ اس میں تو کوئی سندیہہ ہی نہیں کہ کال یا سے کوئی چیز نہیں۔ وہ ہماری بدھی کی بھرانتی ماتر ہے، دھوکہ ہے۔ تو جب اس کی ستہّ ہی نہیں تو وہ میری مرتیو کو کیسے لا سکتا ہے۔ کیا اس کا یہ آشے ہے کہ انت کال تک میں جیوت رہوں گا؟ کیا میں بھی دیوتاؤں کی بھانتی امر ہوں؟ نہیں کداپی نہیں۔ لیکن اس سے یہ اوشیے سدھ ہوتا ہے کہ وہ اس سے ہے سدیو سے ہے، اور سدیو رہے گا۔ یدیپی میں ابھی اس کا انوبھو نہیں کررہا ہوں، پر یہ مجھ میں ودھمان ہے اور مجھے اس سے شنکا نہ کرنی چاہیے۔ کیوں کہ اس وقت کے آنے سے ڈرنا، جو پہلے ہی آچکی ہے حماقت ہے۔ یہ کسی پستک کے انتم پرشٹ کے سمان استھت ہے، جسے میں نے پڑھا ہے پر ابھی سماپت نہیں کر چکا ہوں۔

اس کا شیش راستہ اس واد میں کٹ گیا، لیکن اس سے اس کے چت کو شانتی نہ ملی، اور جب یہ گھر پہنچا تو اس کا من ویواد پورن وِیچاروں سے بھرا ہوا تھا اس کی دونوں یوتی داسیاں پرسنّ، ہنس ہنس کر ٹینس کھیل رہی تھیں۔ ان کی ہاسیہ دھونی نے انت میں اس کے دل کا بوجھ ہلکا کیا۔

پاپ ناشی اور تھالیس بھی شہر سے نکل کر سمندر کے کنارے کنارے چلے۔ راستے میں پاپ ناشی بولا ''تھالیس اس وسترت ساگر کا جل بھی تیری کلیماؤں کو نہیں دھو سکتا۔ یہ کہتے کہتے اسے انایاس کرودھ آگیا۔ تھالیس کو دھتکارنے لگا'' تو کتیوں اور شکریوں سے بھی بھرشٹ ہے کیوں کہ تو نے اس دیہہ کو جو ایشور نے تجھے اس ہیتو دیا تھا کہ تو اس کی مورتی استھاپت کرائے ودھرمیوں اور ملیچھوں دوارا دلت کرایا ہے اور تیرا دراچرن اتنا ادھیک ہے کہ تو بنا انتہ

کرن میں اپنے پرتی گھرنا کا بھاو اتپنیہ کیے نہ ایشور کی پراتھنا کرسکتی ہے نہ وندنا۔

دھوپ کے مارے زمین سے آنچ نکل رہی تھی اور تھالیس اپنے نئے گرو کے پیچھے سر جھکائے پتھریلی سڑکوں پر چلی جا رہی تھی۔ تھکان کے مارے اس کے گھٹنوؤں میں پیڑا ہونے لگی اور کنٹھ سوکھ گیا۔ لیکن پاپ ناشی کے من میں دیابھاو کا جاگنا تو دور رہا، (جو درآتماؤں کو بھی نرم کردیتا ہے) وہ الٹے اس پرانی کے پرایشچت پر پرسنیہ ہورہا تھا جس کے پاپوں کا وارا پار نہ تھا۔ وہ دھرم اتساہ سے اتنا اتیجت ہورہا تھا کہ اس دیہہ کو لوہے کے سانگوں سے چھیدنے میں بھی اسے سنکوچ نہ ہوتا جس کا سوندریہ اس کی کلشتا کا مانواجول پرمان تھا۔ جیوں جیوں وہ وچار میں مگن ہوتا تھا، اس کا پرکوپ اور بھی پرچنڈ ہوتا جاتا تھا۔ جب اسے یاد آتا تھا کہ نسیاس اس کے ساتھ سہیوگ کرچکا ہے تو اس کا رکت کھولنے لگتا تھا اور ایسا جان پڑتا تھا کہ اس کی چھاتی پھٹ جائے گی۔ اپشبد اس کے ہونٹوں پر آ آ کر رک جاتے تھے اور وہ کیول دانت پیس پیس کر رہ جاتا تھا۔ سہساوہ اچھل کر وکرال روپ دھارن کئے ہوئے اس کے سمکھ کھڑا ہوگیا اور اس کے منہ پر تھوک دیا۔اس کی تیور درشٹی تھالیس کے ہردیے میں چبھی جاتی تھی۔

تھالیس نے شانتی پوروک اپنا منہ پوچھ لیااور پاپ ناشی کے پیچھے چلتی رہی۔پاپ ناشی اس کی اوٗر ایسی کٹھور درشٹی سے تاکتا تھا مانو وہ سدیہہ نرک ہے۔ اسے یہ چنتا ہو رہی تھی کہ میں اس سے پربھو مسیح کا بدلہ کیوں کرلوں، کیوں کہ تھالیس نے مسیح کو اپنے کوکرتیوں سے اتنا اتیپڑت کیا تھا کہ انھیں سویم اسے دنڈ دینے کا کشٹ نہ اٹھانا پڑے۔ اکسمات اسے رودھیر کی ایک بوند دکھائی دی جو تھالیس کے پیر سے بہہ کر مارگ پر گری تھی۔ اسے دیکھتے ہی پاپ ناشی کا ہردیے دیا سے پلاوت ہوگیا، اس کی کٹھور آکرتی شانت ہوگئی۔ اس کے ہردیے میں ایک ایسا بھاو پروشٹ ہوا جس سے وہ ابھی ابھنگیہ تھا۔ وہ رونے لگا، سسکیوں کا تار بندھ گیا، تب وہ دوڑ کر اس کے سامنے ماتھا ٹھونک کر بیٹھ گیا اور اس کے چرنوں پر گرکر کہنے لگا۔ بہن، بہن میری ماتا، میری دیوی۔ اور اس کے رکت پلوت چرنوں کو چومنے لگا۔

تب اس نے شدھ ہردیے سے یہ پراتھنا کی۔اے سورگ کے دوتو! اس رکت کی بوند کو ساودھانی سے اٹھاؤاور اسے پرم پتا کے سنگھاسن کے سمکھ لے جاؤ۔ ایشور کی اس پوتر بھومی پر، جہاں یہ رکت بہا ہے۔ ایک آلوکیک پشپ ورکھش اتپنیہ ہو۔ اس میں سورگیہ سگندھ یکت

پھول کھلیں اور جن پرانیوں کی درشٹی اس پر پڑے اور جنکی ناک میں اس کی سگندھ پہنچے، ان کے ہردیے شدھ اور ان کے وچار پوتر ہو جائیں۔ تھالیس، پرم پوجیے تھالیس! تجھے دھنے ہے؛ آج تو نے وہ پد پراپت کرلیا جس کے لیے بڑے بڑے سدھ یوگی بھی لالائت رہتے ہیں۔

جس سمے وہ یہ پراتھنا اور شبھ کانکشھا کرنے میں مگن تھا، ایک لڑکا گدھے پر سوار جاتا ہوا ملا۔ پاپ ناشی نے اسے اترنے کی آگیاں دی؛ تھالیس کو گدھے پر بٹھا دیا اور تب اس کی باگ ڈور پکڑ کر لے چلا۔ سوریہ است کے سمے وے ایک نہر پر پہنچے جس پر سگھن ورکشھوں کا سایہ تھا۔ پاپ ناشی نے گدھے کو ایک چھوہارے کے ورکھش سے باندھ دیا اور کائی سے ڈھکی ہوئی چٹان پر بیٹھ کر اس نے ایک روٹی نکالی اور اسے نمک اور تیل کے ساتھ دونوں نے کھایا، چلّو سے تازہ پانی پیا اور ایشوریہ وشے پر سمبھاشن کرنے لگے۔

تھالیس بولی۔ پوجیہ پتا، میں نے آج تک کبھی ایسا نرمل جل نہیں پیا، اور نہ ایسی پران پد سوچھ وایو میں سانس لیا۔ مجھے ایسا انوبھو ہورہا ہے کہ اس سمیرن میں ایشور کی جیوتی پرواہت ہورہی ہے۔

پاپ ناشی بولا۔ پر یہ بہن، دیکھو سندھیا ہورہی ہے۔نشا کی سوچنا دینے والی شیام لتا پہاڑیوں پر چھائی ہوئی ہے۔ لیکن شیگھر ہی مجھے ایشوریے جیوتی، ایشوریے اوشا کے سنہرے پرکاش میں چمکتی ہوئی دکھائی دے گی، شیگھر ہی تجھے اننت پربھات کے غلاب پشپوں کی منوہر لالیما آلوکت ہوتی ہوئی درشٹ گوچر ہوگی۔

دونوں رات بھر چلتے رہے۔اردھ چندر کی جیوتی لہروں کے ابھول مکٹ پر جگمگا رہی تھی؛نوکاؤں کے سفید پال اس شانتی مے جیوتسنا میں ایسے جان پڑتے تھے۔ مانو پنیت آتمائیں سورگ کو پریان کررہی ہیں۔دونوں پرانی استُتی اور بھجن گاتے ہوئے چلے جاتے تھے۔تھالیس کے کشٹ کا مادھر ریے، پاپ ناشی کی پنچم دھونی کے ساتھ مشرت ہو کر ایسا جان پڑتا تھا کہ سندر وستر پر ٹاٹ کا بخیا کردیا گیا ہے! جب دن کرنے اپنا پرکاش پھیلایا، توان کے سامنے لائبیاں کی مرو بھومی ایک وسترت سنھ کرم کی بھانتی پھیلی ہوئی دکھائی دی۔ مرو بھومی کے اس سرے پر کئی چھوہارے کے ورکشوں کے مدھیہ میں کئی سفید جھونپڑیاں پربھات کے مند پرکاش میں جھلک رہی تھیں۔

تھالیس نے پوچھا پوجیہ پتا، کیا وہ ایشوریے جیوتی کا مندر ہے؟

'ہاں پریے بہن، میری پریے پُتری، وہی مکتی گرہ ہے، جہاں میں تجھے اپنے ہی ہاتھوں سے بند کروں گا۔'

ایک چھن میں انھیں کئی استریاں جھونپڑیوں کے آس پاس کچھ کام کرتی ہوئی دکھائی دیں، مانو مدھو مکھیاں اپنے چھتوں کے پاس بھن بھنا رہی ہوں۔ کئی استریاں روٹیاں پکاتی تھیں، کئی شاک بھاجی بنا رہی تھیں، بہت سی استریاں اون کاٹ رہی تھیں اور آکاش کی جیوتی ان پر اس بھانتی پڑ رہی تھیں مانو پرم پتا کی مدھر مسکان ہے، اور کتنی ہی تپسونیاں جھاؤ کے ورکشھوں کے نیچے بیٹھی ایشوروندنا کر رہی تھیں، ان کے گورے گورے ہاتھ دونوں کنارے لٹکے ہوئے تھے کیوں کہ ایشور کے پریم سے پری پورن ہو جانے کے کارن وہ ہاتھوں سے کوئی کام نہ کرتی تھیں؛ کیول دھیان، آرادھنا اور سورگیہ آنند میں نمگن رہتی تھیں۔ اس لیے انھیں 'ماتا مریم کی پتریاں' کہتے تھے، اور وہ اجوِل وستر ہی دھارن کرتی تھیں۔ جو استریاں ہاتھوں سے کام دھندا کرتی تھیں، وہ 'ماتھی کی پتریاں' کہلاتی تھیں اور نیلے-وستر پہنتی تھیں۔ سبھی استریاں کنٹوپ لگاتی تھیں، کیول یوتیاں بالوں کے دو چار گچھے ماتھے پر نکالے رہتی تھیں۔ سمبھوتہ وہ آپ ہی آپ باہر نکل آتے تھے، کیوں کہ بالوں کو سنوارنا یا دکھانا نیموں کے وِرودھ تھا۔ ایک بہت لمبی، گوری، وردھ مہیلا، ایک کُٹی سے نکل کر دوسری کُٹی میں جاتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں لکڑی کی ایک جریب تھی۔ پاپ ناشی بڑے ادب کے ساتھ اس کے سمیپ گیا، اس کی نقاب کے کناروں کا چمبن کیا اور بولا۔ پوجیہ البینا، پرم پتا تیری آتما کو شانتی دیں! میں اس چھتّے کے لیے جس کی تو رانی ہے، ایک مکھی لایا ہوں جو پشپ ہین میدانوں میں ادھر ادھر بھٹکتی پھرتی تھی۔ میں نے اسے اپنی ہتھیلی میں اٹھا لیا اور اپنے شوا سوچھ واس سے پنرجیوت کیا۔ میں اسے تیری شرن میں لایا ہوں۔

یہ کہہ کر اس نے تھائیس کی اوٗر اشارہ کیا۔ تھائیس ترنت قیصر کی پتری کے سمکھ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

البینا نے تھائیس پر ایک مرم بھیدی درشٹی ڈالی، اسے اٹھنے کو کہا، اس کے مستک کا چمبن کیا اور تب یوگی سے بولی۔ ہم اسے 'ماتا مریم کی پتریوں' کے ساتھ رکھیں گے۔

پاپ ناشی نے تب تھائیس کے مکتی گرہ میں آنے کا پورا ورتانت کہہ سنایا۔ ایشور نے کیسے اسے پرینا کی، کیسے وہ اسکندریہ پہنچا اور کن کن اپایوں سے اس کے من میں اس نے

پربھو مسیح کا انوراگ اُتپن کیا۔ اس کے بعد اس نے پرستاو کیا کہ تھالیس کو کسی کٹی میں بند کر دیا جائے جس سے وہ ایکانت میں اپنے پروجیون پر وچار کرے، آتم شدھی کے مارگ کا اولمبن کریں۔

مٹھ کی ادھیکشھنی اس پرستاو سے سہمت ہو گئی۔ وہ تھالیس کو ایک کٹی میں لے گئی جسے کماری لیٹا نے اپنے چرنوں سے پوتر کیا تھا اور جو اسی سمے سے خالی پڑی ہوئی تھی۔ اس تنگ کوٹھری میں کیول ایک چارپائی، ایک میز اور ایک گھڑا تھا، اور جب تھالیس نے اس کے اندر قدم رکھا، تو چوکھٹ کو پار کرتے ہی اسے اکتھنیہ آنند کا انوبھو ہوا۔

پاپ ناشی نے کہا۔ میں سویم دوار کو بند کر کے اس پر ایک مہر لگا دینا چاہتا ہوں، جسے پربھو مسیح سویم آکر اپنے ہاتھوں سے توڑیں گے۔

وہ اسی شن پاس کی جل دھارا کے کنارے گیا، اس میں سے مٹھی بھر مٹی لی، اس میں اپنے منہ کا تھوک ملایا اور اسے دوار کے دروازوں پر مڑ دیا۔ تب کھڑکی کے پاس آکر، جہاں تھالیس شانتی چت اور پرسن مکھ بیٹھی ہوئی تھی اس نے بھومی پر سر جھکا کر تین بار ایشور کی وندنا کی۔

او ہو! اس استری کے چرن کتنے سندر ہیں جو سنمارگ پر چلتی ہے۔ ہاں، اس کے چرن سندر، کتنے کومل اور کتنے گوروشیل ہیں، اس کا مکھ کتنا کانتی مے!

یہ کہہ کر وہ اٹھا، کنٹوپ اپنی آنکھوں پر کھینچ لیا اور مندگتی سے اپنے آشرم کی اور چلا۔

البینا نے اپنی ایک کماری کو بلا کر کہا۔ پریے پتری، تم تھالیس کے پاس آویشک وستو پہنچا دو، روٹیاں، پانی اور ایک تین چھدروں والی بانسری۔

۵

پاپ ناشی نے ایک نوکا پر بیٹھ کر، جو سراپین کے دھرم آشرم کے لیے کھاد یہ پدراتھ لیے جا رہی تھی، اپنی یاترا سماپت کی اور نج استھان کو لوٹ آیا۔ جب وہ کشتی پر سے اترا تو اس کے شِشیہ اس کا سواگت کرنے کے لیے ندی تٹ پر آپہنچے اور خوشیاں منانے لگے۔ کسی نے آکاش کی اور ہاتھ اٹھائے، کسی نے دھرتی پر سر جھکا کر گرو کے چرنوں کو اسپرش کیا۔ انھیں پہلے ہی سے اپنے گرو کے کرت کاریہ ہونے کا آتم گیان ہو گیا تھا۔ یوگیوں کو کسی گپت اور

آ گیاں ریتی سے اپنے دھرم کی وجے اور گورو کے ساچار مل جاتے تھے،اور اتنی جلد کہ لوگوں کو آشچریہ ہوتا تھا۔ یہ ساچار بھی سمست دھرم آشرموں میں،جو اس پرانت میں استھت تھے، آندھی کے ویگ کے ساتھ پھیل گیا۔

جب پاپ ناشی بلؤے مارگ پر چلا تو اس کے ششیہ اس کے پیچھے پیچھے ایشور کیرتن کرتے ہوئے چلے۔فلیوین اس سنستھا کا سب سے وردھ سدسیہ تھا۔ وہ دھرمونمت ہو کر اونچ سور سے یہ سورچت گیت گانے لگا۔

آج کا شبھ دن ہے،
کہ ہمارے پوجیے پتا نے پھر ہمیں گود میں لیا۔
وہ دھرم کا سہرا سر باندھے ہوئے آئے ہیں،
جس نے ہمارا گورو بڑھا دیا ہے
کیوں کہ پتا کا دھرم ہی،
سنتان کا یتھارتھ دھن ہے۔
ہمارے پتا کی سکیرتی کی جیوتی سے،
ہماری کٹیوں میں پرکاش پھیل گیا ہے۔
ہمارے پتا پاپ ناشی،
پربھومسیح کے لیے نئی ایک دلہن لائے ہیں۔
اپنے آلوکیک تیز اور سدھی سے،
انھوں نے ایک کالی بھیڑ کو۔
جو اندھیری گھاٹیوں میں ماری ماری پھرتی تھی،
اجلی بھیڑ بنادیا ہے
اس بھانتی عیسائی دھرم کی دھوجا پھہراتے ہوئے
وہ پھر ہمارے اوپر ہاتھ رکھنے کے لیے لوٹ آئے ہیں۔
ان مدھومکھیوں کی بھانتی،
جو اپنے چھتوں سے اڑ جاتی ہیں
اور پھر جنگلوں سے پھولوں کی،

مدھوسدھا لیے ہوئے لوٹتی ہیں
نیوبیا کے میش کی بھانتی،
جو اپنے ہی اون کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔
ہم آج کے دن آنند اتسو منائیں،
اپنے بھوجن میں تیل کو چپڑ کر۔

جب وہ لوگ پاپ ناشی کے کٹی کے دوار پر آئے تو سب کے سب گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے اور بولے۔پوجیہ پتا !ہمیں آشیرواد دیجئے، اور ہمیں اپنی روٹیوں کو چپڑنے کے لیے تھوڑا سا تیل پردان کیجیے کہ ہم آپ کے کُسل پوروک لوٹ آنے پر آنند منائیں۔

مُورکھ پال اکیلا چپ چاپ کھڑا رہا۔ اس نے نہ گھاٹ ہی پر آنند پرکٹ کیا تھا، اور نہ اس سمے زمین پر گرا۔ وہ پاپ ناشی کو پہچانتا ہی نہ تھا اور سب سے پوچھتا تھا، 'یہ کون آدمی ہے ؟' لیکن کوئی اس کی اوٗر دھیان نہیں دیتا تھا، کیوں کہ سبھی جانتے تھے کہ یدھپی یہ سدھی پراپت ہیں۔ پر ہیں گیان شونیہ۔

پاپ ناشی جب اپنی کٹی میں ساودھان ہوکر بیٹھا تو وچارکرنے لگا۔انت میں میں اپنے آنند اور شانتی کے اُدّشٹ استھان پر پہنچ گیا۔ میں اپنے سنتوش کے سرکشھت گڑھ میں پروشٹ ہو گیا، لیکن یہ کیا بات ہے کہ یہ تنکوں کا جھونپڑا جو مجھے اتنا پریے ہے، مجھے متر بھاو سے نہیں دیکھتا اور دیواریں مجھ سے ہرشت ہوکر نہیں کہتیں۔ تیرا آنا مبارک ہو!'میری انوپستھتی میں یہاں کسی پرکار کا انتر ہوتا ہوا نہیں دیکھ پڑتا۔جھونپڑا جیوں کا تیوں ہے، یہی پرانی میز اور میری پرانی کھاٹ ہے۔ وہ مسالوں سے بھرا سر ہے۔ جس نے کتنی ہی بار میرے من میں پوتر وچاروں کی پریرنا کی ہے۔ وہ پستک رکھی ہوئی ہے جس کے دوارا میں نے سینکڑوں بار ایشور کا سوروپ دیکھا۔ وہ پُستک رکھی ہوئی ہے جس پر بھی وہ سبھی چیزیں نہ جانے کیوں مجھے اپریچت سی جان پڑتی ہے، ان کا وہ سوروپ نہیں رہا۔ ایسا پرتیت ہوتا ہے کہ ان کی سوابھاوِک شوبھا کا اپرہن ہو گیا ہے، مانو مجھ پر ان کا اسنیہہ ہونہیں رہا اور میں پہلی ہی بار انھیں دیکھ رہا ہوں۔ جب میں اس میز اور اس پلنگ پر، جو میں نے کسی سمے اپنے ہاتھوں سے بنائے تھے، اس مسالوں سے سکھائی کھونپڑی پر، اس بھوج پتر کے پلندووں پر جن پر ایشور کے پوتر واکیہ انکت ہے، نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے ایسا گیات ہوتا ہے کہ یہ سب کسی

مرت پرانی کی وستوئیں ہیں۔ ان سے اتنا گھنشٹھ سمبندھ ہونے پر بھی، ان سے رات دن کا سنگ رہنے پر بھی میں اب انھیں پہچان نہیں سکتا۔ آہ! یہ سب چیزیں جیوں کی تیوں ہیں ان میں ذرا بھی پریورتن نہیں ہوا۔ ات ایو مجھ میں ہی پریورتن ہو گیا ہے، ہیں جو پہلے تھا وہ اب نہیں رہا۔ میں کوئی اور ہی پرانی ہوں۔ میں ہی مرت آتما ہوں! ہے بھگوان! یہ کیا رہسیہ ہے؟ مجھ میں سے کون سی وستو لپت ہو گئی ہے، مجھ میں اب کیا شیش رہ گیا ہے؟ میں کون ہوں؟ اور سب سے بڑی آشنکا کی بات یہ تھی کہ من کو بار بار اس شنکا کی نرمولتا کا وشواس دلانے پر بھی اسے ایسا بھاشت ہوتا تھا کہ اس کی کٹی بہت تنگ ہوگئی یدیپی دھارمک بھاو سے اسے اس استھان کو اننت سمجھنا چاہیے تھا، کیوں کہ اننت کا بھاگ بھی اننت ہی ہوتا ہے، کیوں کہ یہیں بیٹھ کر وہ ایشور کو اننتا میں ویلین ہو جاتا تھا۔

اس نے اس شدکا کے دمنارتھ دھرتی پر سر رکھ کر ایشور کی پراتھنا کی اور اس سے اس کا چت شانت ہوا۔ اسے پراتھنا کرتے ہوئے گھنٹہ بھی نہ ہوا ہوگا کہ تھالیس کی چھایااس کی آنکھوں کے سامنے سے نکل گئی۔ اس نے ایشور کو دھنے واد دے کر کہا پربھو مسیح، تیری ہی کرپا سے مجھے اس کے درشن ہوئے۔ یہ تیری اسیم دیا اور انوگرہ ہے، اسے میں سویکار کرتا ہوں۔ تو اس پرانی کو میرے سمکھ بھیج کر، جسے میں نے تیری بھینٹ کیا ہے، مجھے سنتوشٹ، پرسن اور آشوست کرنا چاہتا ہے۔ تو اسے میری آنکھوں کے سامنے پرستوت کرتا ہے، کیوں کہ اب اس کی مسکان نہہ شستر، اس کا سوندریہ نشکلنک اور اس کے ہاؤ بھاؤ اودیشے ہین ہوگئے ہیں۔ میرے دیالو پتت پاون پربھو، تو مجھے پرسنن کرنے کے نیمیت اسے میرے سمکھ اسی شدھ اور پریمارجِت سوروپ میں لاتا ہے۔ جو میں نے تیری اچھاؤں کے انوکول اسے دیا ہے، جیسے ایک متر پرسن ہوکر دوسرے متر کو اس کے دیئے ہوئے سندر اپہار کی یاد دلاتا ہے۔ اس کارن میں اس استری کو دیکھ آنندِت ہوتا ہوں، کیوں کہ تو ہی اس کا پریشک ہے۔ تو اس بات کو نہیں بھولتا کہ میں نے اسے تیرے چرنوں پر سمرپت کیا ہے۔ اس سے تجھے آنند پراپت ہوتا ہے، اس لیے اسے اپنی سیوا میں رکھ اور اپنے سوائے کسی انیہ پرانی کو اس کے سوندریہ سے مگدھ نہ ہونے دے۔

اسے رات بھر نیند نہیں آئی اور تھالیس کو اس نے اس سے بھی اسپشٹ روپ سے دیکھا جیسے پریوں کے کنج میں دیکھا تھا۔ اس نے ان شدبوں میں اپنی آتم اشتوتی کی۔ میں

نے جو کچھ کیا ہے، ایشور ہی کے نمت کیا ہے۔ لیکن اس آشواسن اور پرارتھنا پر بھی اس کا ہردے وکل تھا۔ اس نے آہ بھر کر کہا۔ میری آتما، تو اتنی اپنی شوکا سکت ہے، اور کیوں مجھے یہ یاتنا دے رہی ہیں؟

اب بھی اس کے چت کی ادگنیتا شانت نہ ہوئی۔ تین دن تک وہ ایسے مہان شوک اور دکھ کی اوستھا میں پڑا رہا جو ایکانت واسی یوگیوں کی دسہہ پریکشھاؤں کا پورو لکشھن ہے۔ تھالیس کی صورت آٹھوں پہر اس کی آنکھوں کے آگے پھرا کرتی۔ وہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے سے ہٹانا بھی نہ چاہتا تھا کیوں کہ اب تک وہ سمجھتا تھا کہ یہ میرے اوپر ایشور کی ویشیش کرپا ہے اور واستو میں یہ ایک یوگنی کی مورتی ہے۔ لیکن ایک دن پربھات کی سوشپتا وستھا میں اس نے تھالیس کو سوپن میں دیکھا۔ اس کے کیشوں پر پشپوں کا مکٹ وراج رہا تھا اور اس کا مادھریے ہی بھیاوہ گیات ہوتا تھا کہ وہ بھے بھیت ہوکر چیخ اٹھا اور جاگا تو ٹھنڈے پسینے سے تر تھا، مانو برف کے کنڈ میں سے نکلا ہو۔ اس کی آنکھیں بھے کی ندرا سے بھاری ہو رہی تھیں کہ اسے اپنے مکھ پر گرم گرم سانسوں کے چلنے کا انوبھو ہوا۔ ایک چھوٹا سا گیدڑ اس کی چارپائی کی پٹی پر دونوں اگلے پیر رکھے ہانپ ہانپ کر اپنی درگندھ یکت سانسیں اس کے مکھ پر چھوڑ رہا تھا، اور اسے دانت نکال نکال کردکھا رہا تھا۔

پاپ ناشی کو اتینت وسمے ہوا۔ اسے ایسا جان پڑا، میرے پیروں کے نیچے کی زمین دھنس گئی۔ اور واستو میں وہ پتیت ہوگیا تھا۔ کچھ دیر تک تو اس میں وچار کرنے کی شکتی ہی نہ رہی اور جب وہ پھر سچیت بھی ہوا تو دھیان اور وچار سے اس کی اشانتی اور بھی بڑھ گئی۔

اس نے سوچا۔ ان دو باتوں میں سے ایک بات ہے یا تو یہ سوپن کی بھانتی ایشور کا پریرت کیا ہوا تھااور شبھ سوپن تھا، اور یہ میری سوبھاوک دُربدّھی ہے جس نے اسے یہ بھینکرروپ دے دیا ہے، جیسے گندے پیالے میں انگور کا رس کٹھا ہو جاتا ہے، میں نے اپنے اگیان وش ایشوریے آدیش کو ایشوریے ترسکار کا روپ دے دیا اور اس گیدڑ روپی شیطان نے میری شنکانوِت دشا سے لابھ اٹھایا، اتھوا اس سوپن کا پریرک ایشور نہیں، پشاچ تھا۔ ایسی دشا میں یہ شنکا ہوتی ہے کہ پہلے کے سوپنوں کو دیوکرت سمجھنے میں میری بھرانتی تھی۔ سارانش یہ کہ اس سمے مجھ میں وہ دھرما دھرم کا گیان نہیں رہا جوتپسوی کے لیے پرماوشیک ہے اور جس کے بنا اسُ کے پگ پگ پرٹھوکر کھانے کی آشنکا رہتی ہے کہ ایشور میرے ساتھ نہیں رہا۔جس کے

پھل میں بھوگ رہا ہوں ۔ یدھپی اس کے کارن نہیں نشچت کر سکتا۔

اس بھانتی ترک کر کے اس نے بڑی گلانی کے ساتھ جگیاسا کی۔ دیالو پتا! تو اپنے بھکت سے کیا پرائشچت کرانا چاہتا ہے، یدی اس کی بھاونائیں ہی اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیں، در بھاوَنائیں ہی اسے ویستھت کرنے لگیں ؟میں کیوں ایسے لکشھنوں کا اسپشٹی کرن نہیں کر دیتا جس کے دوارا مجھے معلوم ہو جایا کرے کہ تیری اچھا کیا ہے، اور کیا تیرے پرتی پکشھی کی؟

کنتو اب اشیور نے جس کی مایا ابھید ہے،اپنے اس بھگت کی اچھا پوری نہ کی اور اسے آتم گیان نہ پردان کیا تو اس نے شنکا اور بھرانتی کے وشی بھوت ہو کر نشچے کیا اب میں تھالیس کی اور من کو جانے ہی نہ دوں گا۔ لیکن اس کا یہ پریتن نشپھل ہوا۔ اس سے دور رہ کر بھی تھالیس نتیہ اس کے ساتھ رہتی تھی۔ جب وہ کچھ پڑھتا تھا، ایشور کا دھیان کرتا تھا تو وہ سامنے بیٹھی اسی کی اور تاکتی رہتی، وہ جدھر نگاہ ڈالتا، اُسے اُس کی مورتی دکھائی دیتی، یہاں تک کہ اپاسنا کے سمے بھی وہ اس سے جدا نہ ہوتی۔ جیوں ہی وہ پاپ ناشی کے کلپنا چھیتر میں پدآرپن کرتی، وہ یوگی کے کانوں میں کچھ دھیمی آواز سنائی دیتی، جیسی استریوں کے چلنے کے سمے ان کے وستروں سے نکلتی ہے، اور ان چھایاؤں میں یتھارتھ سے بھی ادھک استھرتا ہوتی تھی۔ اسمرتی چتر استھر، آگیک اور اسپشٹ ہوتا ہے۔ اس کے پرتی کول ایکانت میں جو چھایا اپستھت ہوتی ہے۔،وہ استھر اور سدریکھ ہوتی ہے۔ وہ نانا پرکار کے روپ بدل کر اس کے سامنے آتی۔ کبھی ملِن ودن کیشوں میں اپنی انتم پشپمالا گوندھے، وہی سنہرے کام کے وستر دھارن کئے جو اس نے اسکندریہ میں کوٹا کے پریتی بھوج کے اوسر پر پہنے تھے، کبھی مہین وستر پہنے، پریوں کے کنج میں بیٹھی ہوئی، کبھی موٹا کرتا پہنے، ورکت اور آدھیاتمک آنند سے وکسیت، کبھی شوک میں ڈوبی آنکھیں مرتیو کی بھینکر آشنکاؤں سے ڈبڈبائی ہوئی، اپنا آورن ہین ہردے اسھتل کھولے، جس پر آہت ہردے سے رکت دھارا پرواہت ہو کر جم گئی تھی۔ ان چھایا مورتیوں میں جس بات کا اسے سب سے ادھک کھید اور وسمے ہوتا تھا وہ یہ تھی کہ وہ پشپ مالائیں، وہ سندر وستر، وہ مہین چادریں، وہ زری کے کام کی کُرتیاں جو اس نے جلا ڈالیں تھیں، پھر جیسے لوٹ آئیں اسے اب یہ ودت ہوتا تھا کہ ان وستوؤں میں بھی کوئی اویناشی آتما ہے اور اس نے انتر ویدنا سے وِکل ہو کر کہا۔

''کیسی وپتی ہے کہ تھالیس کے اسنکھیہ پاپوں کی اسنکھیہ آتمائیں یوں مجھ پر آکرمن کررہی ہیں۔

جب اس نے پیچھے کی اور دیکھا تو اسے گیات ہوا کہ تھالیس کھڑی ہے، اور اس سے اس کی اشانتی اور بھی بڑھ گئی۔ اسہائے آتم ویدنا ہونے لگی لیکن چونکہ ان سب شنکاؤں اور دشکلپناؤں میں بھی اس کی چھایا اورمن دونوں ہی پوتر تھے،اس لیے اسے ایشور پر وشواس تھا۔ ات ایو وہ ان کرون شبدوں میں انونے کرتا تھا۔بھگوان تیری مجھ پر یہ کرپا کیوں؟یدی میں ان کی کھوج میں ودھرمیوں کے بیچ گیا،تو تیرے لیے، اپنے لیےنہیں۔کیا یہ انیائےنہیں ہے کہ مجھے ان کرموں کا دنڈ دیا جائے جو میں نے تیرامہاتمئے بڑھانے کے نمت کیے ہیں؟پیارے مسیح، آپ اس گھور انیائے سے میری رکشھا کیجیے۔ میرے تراتا مجھے بچایئے۔ دیہہ مجھ پرجو وجے پراپت نہ کرسکی، وہ وجے کیرتی اس کی چھایا کو نہ پردان کیجیے۔ میں جانتا ہوں کہ میں اس سمے مہاسنکٹوں میں پڑا ہوا ہوں۔ میرا جیون اتنا شنکا مے کبھی نہ تھا۔ میں جانتا ہوں اور انوبھو کرتا ہوں کہ سوپن میں پرتیکھش سے ادھک شکتی ہے اور یہ کوئی آشچریہ کی بات نہیں، کیوں کہ سوپن میں سویم آتمک وستو ہونے کے کارن بھوتک وستوؤں سے اتّم ہے۔سوپن واستو میں وستوؤں کی آتما ہے۔ پلیٹو یدھپی مورتی وادی تھا،تتھاپی اس نے وچاروں کے استِتو کو سویکار کیاہے۔ بھگوان نرپشاچوں کے اس بھوج میں جہاں تو میرے ساتھ تھا، میں نے منشیوں کو۔ وہ پاپ۔ملین اوشے تھے،کنتو کوئی انھیں وچار اور بدھی سے رہیت نہیں کہہ سکتا۔ اس بات پرسہمت ہوتے سنا کہ یوگیوں کو ایکانت، دھیان اور پرم آنند کی اوستھا میں پرتیکھش ستوئیں دکھائی دیتی ہیں۔پرم پتا، آپ نے پوتر گرنتھ سویم کتنی ہی بار سوپن کے گنوں کو اور چھایا مورتیوں کی شکتیوں کو، چاہے وہ تیری اور سے ہوں یا تیرے شترو کی اور سے، اسپشٹ اور کئی استھانوں پر سویکار کیاہے۔ پھر یدی میں بھرانتی میں جا پڑا تو مجھے کیوں اتنا کشٹ دیا جارہا ہے؟

پہلے پاپ ناشی ایشور سے ترک نہ کرتا تھا۔ وہ نراپد بھاو سے اس کے آدیشوں کا پالن کرتا تھا۔ پر اب اس میں ایک نئے بھاؤ کا وکاس ہوا۔ اس نے ایشور سے پرشن اور شنکائیں کرنی شروع کیں،کنتو ایشور نے اسے وہ پرکاش نہ دکھایا جس کا وہ اِچھک تھا۔ اس کی راتیں ایک دیرگھ سوپن ہوتی تھیں،اور اس کے دن بھی اس وشے میں راتوں ہی کے سدرش ہوتے

تھے۔ ایک رات وہ جاگا تو اس کے مکھ سے ایسی پشچات پورن آہیں نکل رہی تھیں، جیسی چاندنی رات میں پاپاہت منشیوں کی قبروں سے نکلا کرتی ہیں۔ تھالیس آپہنچی تھی، اور اس کے زخمی پیروں سے خون بہہ رہا تھا۔ کنتو پاپ ناشی رونے لگا کہ وہ دھیرے سے اس کی چارپائی پر آکر لیٹ گئی۔ اب کوئی سندیہہ نہ رہا، ساری شنکائیں نیورت ہوگئیں۔ تھالیس کی چھایا واسنا یکت تھی۔

اس کے من میں گھرنا کی ایک لہر اٹھی۔ وہ اپنی اپوتر شیا سے جھپٹ کر نیچے کود پڑا اور اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا کہ سوریہ کا پرکاش نہ پڑنے پائے۔ دن کی گھڑیاں گزرتی جاتی تھیں، کنتو اس کی لجا اور غلانی شانت نہ ہوتی تھی۔ کٹی میں پوری شانتی تھی۔ آج بہت دنوں کے پشچات پرتھم بار تھالیس کو ایکانت ملا۔ آخر میں چھایا نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا، اور اب اس کی ولیغتا بھی بھینکر پرتیت ہوتی تھی۔ اس سوپن کو وسترت کرنے کے لیے اس وچار سے اس کے من کو ہٹانے کے لیے اب کوئی اولمبن، کوئی سادھن، کوئی سہارا نہیں تھا۔ اس نے اپنے کو دھکارا۔ میں نے کیوں اسے بھگا نہ دیا؟ میں نے اپنے کو اس کے گھرنت آلنگن اور تاپ مئے کروں سے کیوں نہ چھڑا لیا؟

اب وہ اس بھرشٹ چارپائی کے سمیپ ایشور کا نام لینے کا بھی ساہس نہ کر سکتا تھا، اور اسے یہ بھے ہوتا تھا کہ کٹی کے اپوتر ہوجانے کے کارن پشاچ گن سوتچھا نوسار اندر پروشٹ ہو جائیں گے، ان کے روکنے کا میرے پاس اب کون۔ سامنتر رہا، اور اس کا بھے نرمول نہ تھا۔ وہ ساتوں گیدڑ جو کبھی اس کی چوکھٹ کے بھیتر نہ آسکے تھے، اب قطار باندھ کر آئے اور بھیتر آکر اس کے پلنگ کے نیچے چھپ گئے۔ سندھیا پراتھنا کے سمے ایک اور آٹھواں گیدڑ بھی آیا، جس کی درگندھ اسہائے تھی۔ دوسرے دن نواں گیدڑ بھی ان میں آملا اور ان کی سنکھیا بڑھتے بڑھتے تیس سے ساٹھ اور ساٹھ سے اسّی تک پہنچ گئی۔ جیسے جیسے اس کی سنکھیا بڑھتی تھی، ان کا آکار چھوٹا ہوتا جاتا تھا، یہاں تک کہ وہ چوہوں کے برابر ہو گئے اور ساری کٹی میں پھیل گئے۔ پلنگ، میز، تپائی، فرش ایک بھی ان سے خالی نہ بچا۔ ان میں سے ایک میز پر کود گیا اور اس کے تکیہ پر چاروں پیر رکھ کر پاپ ناشی کے مکھ کی اور جلتی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ نتیہ نئے نئے گیدڑ آنے لگے۔

اپنے سوپن کے بھیشن پاپ کا پرائشچت کرنے اور بھرشٹ وچاروں سے بچنے کے لیے

پاپ ناشی نے نشچے کیا کہ اپنی کٹی سے نکل جاؤں جو اب پاپ کا بسیرا بن گئی ہے اور مروبھومی میں دور جاکر کٹھن سے کٹھن تپسیائیں کروں، ایسی ایسی سدھیوں میں رت ہو جاؤں جو کسی نے سنی بھی نہ ہوں، پروپکار اور اوڈار کے پتھ پر اور بھی اتساہ سے چلوں۔ لیکن اس نشچے کو کاریے روپ میں لانے سے پہلے وہ سنت پالم کے پاس اس سے پرامرش کرنے گیا۔

اس نے پالم کو اپنے باغیچے میں پودوں کو سینچتے ہوئے پایا۔ سندھیا ہوگئی تھی۔ نیل ندی کی نیلی دھارا اونچے پروتوں کے دامن میں بہ رہی تھی۔ وہ ساتیوک ہردے وردھ سادھو دھیرے دھیرے چل رہا تھا کہ کہیں وہ کبوتر چونک کر اڑ نہ جائے جو اس کے کندھے پر آبیٹھا تھا۔

پاپ ناشی کو دیکھ کر اس نے کہا۔ بھائی پاپ ناشی کو نمسکار کرتا ہوں دیکھو، پرم پتا کتنا دیالو ہے وہ میرے پاس اپنے رچے ہوئے پسوؤں کو بھجتا ہے کہ میں ان کے ساتھ ان کا کیرتی گان کروں اور ہوا میں اڑنے والے پکشھیوں کو دیکھ کر ان کی اننت لیلا کا آنند اٹھاؤں۔ اس کبوتر کو دیکھو، اس کی گردن کے بدلتے ہوئے رنگوں کو دیکھو، کیا وہ ایشور کی سندر رچنا نہیں ہے؟ لیکن تم تو میرے پاس کسی دھارمک وشے پر باتیں کرنے آئے ہو نا؟ یہ لو، میں اپنا ڈول رکھے دیتا ہوں اور تمھاری باتیں سننے کو تیار ہوں؟

پاپ ناشی نے بردھ سادھو سے اپنی اسکندریہ کی یاترا، تھالیس کے اُدّار، وہاں سے لوٹنے — دنوں کی درشت کلپناؤں اور راتوں کے دو سوپنوں کا سارا ورتانت کہہ سنایا۔ اس رات کے پاپ سوپن اور گیدڑوں کے جھنڈ کی بات بھی نہ چھپائی اور تب اس سے پوچھا— پوجیہ پتا کیا ایسی ایسی اسادھارن یوگیہ کریائیں کرنی چاہیے کہ پریت راج چکِت ہوجائیں؟

پالم سنت نے اتّر دیا۔ بھائی پاپ ناشی، میں چھدر پاپی پُرش ہوں اور اپنا سارا جیون باغیچے میں ہرنوں، کبوتروں اور خرہوں کے ساتھ وییتیت کرنے کے کارن، مجھے منشیوں کا بہت کم گیان ہے۔ لیکن مجھے ایسا پرتیت ہوتا ہے کہ تمھاری دشچنتاؤں کا کارن کچھ اور ہی ہے۔ تم اتنے دنوں تک ویوہارک سنسار میں رہنے کے بعد یکایک نرجن شانتی میں آگئے ہو۔ ایسے آکسمک پریورتنوں سے آتما کا سواستھ بگڑ جائے تو آشچریے کی بات نہیں۔ بندھور، تمھاری دشا اس پرانی کی سی ہے جو ایک ہی چھن میں اتیدھک تاپ سے اتیدھک شیت میں آ پہنچے۔ اسے ترنت کھانسی اور جور گھیر لیتے ہیں۔ بندھو تمھارے لیے میری یہ صلاح ہے کہ کسی نرجن

مرو ستھل میں جانے کے بدلے، من بہلاو کے ایسے کام کرو جو تپسویوں اور سادھوؤں کے سورتھا یوگیہ ہے۔ تمھاری جگہ میں ہوتا تو سمیپ ورتی دھرم آشرموں کی سیر کرتا۔ ان میں سے کئی دیکھنے کے یوگیے ہیں، لوگ ان کی بڑی پرشنسا کرتے ہیں۔ سرے پین کے رشی گرہ میں ایک ہزار چار سو بتیس کٹیاں بنی ہوئی ہیں، اور تپسیویوں کو اتنے ورگوں میں وبھکت کیا گیا ہے جتنے اکشھر یونانی لپی میں ہیں۔ مجھ سے لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس ورگی کرن میں اکشر آکار اور سادھکوں کی منوورتیوں میں ایک پرکار کی انوروپتا کا دھیان رکھا جاتا ہے۔ اداہرنتہ وہ لوگ جو Zورگ کے انتر گت رکھے جاتے ہیں چنچل پرکرتی کے ہوتے ہیں، اور جو لوگ شانت پرکرتی کے ہیں وہ I کے انتر گت رکھے جاتے ہیں۔ بندھو ور، تمھاری جگہ میں ہوتا تو اپنی آنکھوں سے اس رہسیے کو دیکھتا اور جب تک ایسے ادھ بھُت استھان کی سیر نہ کر لیتا، چین نہ لیتا، کیا تم اسے ادھ بدھ نہیں سمجھتے؟ کسی کی منوورتیوں کا انومان کر لینا کتنا کٹھن ہے اور جو لوگ نمن شرینی میں رکھا جانا سویکار کر لیتے ہیں، وہ واستو میں سادھو ہیں، کیوں کہ ان کی آتم شدھی کا لکھشیہ ان کے سامنے رہتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم کس بھانتی جیون ویتیت کرنے سے سرل اکشھروں کے انتر گت ہو سکتے ہیں۔ اس کے اتی رکت ورت دھاریوں کے دیکھنے اور منن کرنے یوگیہ اور بھی کتنی ہی باتیں ہیں۔ میں بھن بھن سنگتوں کو جو نیل ندی کے تٹ پر پھیلی ہوئی ہیں، اوشیے دیکھتا، ان کے نیموں اور سدھانتوں کا آولوکن کرتا، ایک آشرم کی نیماولی کی دوسرے سے تلنا کرتا کہ ان میں کیا انتر ہے، کیا دوش ہے، کیا گن ہے۔ تم جیسے دھرماتما پُرش کے لیے یہ آلوچنا سروتھا یوگیہ ہے تم نے لوگوں سے یہ اوشیے ہی سنا ہوگا کہ رشی انفریم نے اپنے آشرم کے لیے بڑے ات کرشٹ دھارمک نیموں کی رچنا کی ہے۔ ان کی آگیاں لے کر تم اس نیماولی کی نقل کر سکتے ہو کیوں کہ تمھارے اکشھر بڑے سندر ہوتے ہیں۔ میں نہیں لکھ سکتا کیوں کہ میرے ہاتھ پھاوڑا چلاتے چلاتے اتنے کٹھور ہو گئے ہیں کہ ان میں پتلی قلم کو بھوج پتر پر چلانے کی چھمتا ہی نہیں رہی۔ لکھنے کے لیے ہاتھوں کا کومل ہونا ضروری ہے۔ لیکن بندھور، تم تو لکھنے میں چتر ہو، اور تمھیں ایشور کو دھنیہ واد دینا چاہیے کہ اس نے تمھیں یہ ودیا پردان کی، کیوں کہ سندر لپیوں کی جتنی پرشنسا کی جائے تھوڑی ہے۔ گرنتھوں کی نقل کرنا اور پڑھنا برے وچاروں سے بچنے کا بہت ہی اتم سادھن ہے۔ بندھو پاپ ناشی، تم ہمارے شردھیہ رشیوں، پالم اور اینٹونی کے سدو پدیشوں کو لپیدھ کیوں نہیں کر ڈالتے؟ ایسے

دھارمک کاموں میں لگے رہنے سے شنے شنے تم چت اور آتما کی شانتی کو پنہ لابھ کر لوگے، پھر ایکانت تمھیں سکدھ جان پڑے گا اور شیگھر ہی تم اس یوگیہ ہو جاؤگے کہ آتم شدھی کی ان کریاؤں میں پرورتِ ہو جاؤگے جن میں تمھاری یاترا نے وگھن ڈال دیا تھا۔ لیکن کٹھن کشٹوں اور دمن کاری ویدناؤں کے سہن سے تمھیں بہت آشا نہ رکھنی چاہئے۔ جب پتا اینٹونی ہمارے بیچ میں تھے تو کہا کرتے تھے بہت ورت رکھنے سے دربلتا آتی ہے اور دربلتا سے آلسیہ پیدا ہوتا ہے۔ کچھ ایسے تپسوی ہیں جو کئی دنوں تک لگاتار ان شن ورت رکھ کر اپنے شریر کو چوپٹ کر ڈالتے ہیں۔ ان کے وشے میں یہ کہنا سورتھا ستیہ ہے کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی چھاتی پر کٹار مار لیتے ہیں اور اپنے کو کسی پرکار کی رکاوٹ کے شیطان کے ہاتھوں میں سونپ دیتے ہیں۔' وہ اس پنیت آتما اینٹونی کے وچار تھے! میں اگیانی پُرش مورکھ بڈھا ہوں ؛لیکن گرو کے مکھ سے جو کچھ سنا تھا وہ اب تک یاد ہے۔

پاپ ناشی نے پالم سنت کو اس شبھادیش کے لیے دھنیہ واد دیا اور اس پر وچار کرنے کا وعدہ کیا۔ جب وہ اس سے ودا ہو کر نرکٹوں کے باڑے کے باہر آگیا جو باغیچے کے چاروں اور بنا ہوا تھا، تو اس نے پیچھے پھر کر دیکھا۔ سرل، جیون مکت سادھو پالم پودھوں کو پانی دے رہا تھا۔اور اس کی جھکی ہوئی کمر پر کبوتر بیٹھا اس کے ساتھ ساتھ گھومتا تھا اس درشیہ کو دیکھ کر پاپ ناشی رو پڑا۔

اپنی کٹی میں جا کر اس نے ایک وچتر درشیہ دیکھا۔ ایسا جان پڑتا تھا کہ آگنیت بالوکرن کسی پر چنڈ آندھی سے اڑ کر کٹی میں پھیل گئے ہیں۔ جب اس نے ذرا دھیان سے دیکھا تو پرتیک بالوکرن یتھارتھ میں ایک اتی سوچھم آکار کا گیدڑ تھا، ساری کٹی شرنگال مے ہوگئی تھی۔

اسی رات کو پاپ ناشی نے سوپن دیکھا کہ ایک بہت اونچا پتھر کا استمبھ ہے، جس کے شِکھر پر ایک آدمی کا چہرا دکھائی دے رہا ہے اس کے کان میں کہیں سے یہ آواز آئی۔ اس ستمبھ پر چڑھ!

پاپ ناشی جاگا تو اسے نشچے ہوا کہ یہ سوپن مجھے ایشور کی اور سے ہوا ہے۔اس نے اپنے شِشیوں کو بلایا اور ان کو ان شبدوں میں سمھودت کیا۔ 'پریہ پترو مجھے آدیش ملا ہے کہ تم سے پھر ودا مانگوں اور جہاں ایشور لے جائے وہاں جاؤں۔ میری انوپستھتی میں فیلوین کی

آ گیاؤں کو میری ہی آ گیاؤں کی بھانتی ماننا اور بندھو پالم کی رکشھا کرتے رہنا۔ ایشور تمھیں شانتی دے۔ نمسکار!

جب وہ چلا تو اس کے سبھی ششیہ ساشٹانگ ڈنڈوت کرنے لگے اور جب انھوں نے سر اٹھایا تو انھیں اپنے گرو کی لمبی، شیام مورتی چھتیج میں ولین ہوتی ہوئی دکھائی دی۔

وہ رات اور دن اوشرانت چلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اس مندر میں جا پہنچے، جو پراچین کال میں مورتی پوجکوں نے بنائی تھی اور جس میں وہ اپنی وچتر پورو یاترا میں ایک رات سویا تھا۔ اب اس مندر کا بھگناوشیش ماتر رہ گیا تھا اور سرپ، بچھو، چمگادڑ آدی جنتوؤں کے اتیرکت پریت بھی اس میں اپنا اڈّا بنائے ہوئے تھے۔ دیواریں جن پر جادو کے چِنھ بنے ہوئے تھے، ابھی تک کھڑی تھیں، تیس ورھداکار استمبھ جن کے شکھروں پر منشیہ کے سر اتھوا کمل کے پھول بنے ہوئے تھے، ابھی تک ایک بھاری چبوترے کو اٹھائیں ہوئے تھے۔ لیکن مندر کے ایک سرے پر ایک استمبھ اس چبوترے کے بیچ سے سرک گیا تھا۔ اور اب اکیلا کھڑا تھا۔ اس کا کلش ایک استری کا مسکراتا ہوا مکھ منڈل تھا۔ اس کی آنکھیں لمبی تھیں، کپول بھرے ہوئے، اور مستک پر گائے کی سینگیں تھیں۔

پاپ ناشی اس استمبھ کو دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ وہ استمبھ ہیں جسے اس نے سوپن میں دیکھا تھا اور اس نے انومان کیا کہ اس کی اونچائی: بتّیس ہاتھوں سے کم نہ ہوگی۔ وہ نکٹ گاؤں میں گیا اور اتنی ہی اونچی ایک سیڑھی بنوائی اور جب سیڑھی تیار ہوگئی تو وہ استمبھ سے لگا کر کھڑی کی گئی۔ وہ اس پر چڑھا اور شکھر پر جا کر اس نے بھومی پر مستک نوا کر یوں پرارتھنا کی۔ ''بھگوان، یہی وہ استھان ہیں جو تو نے میرے لیے بتایا ہے۔ میری پرم اچھا ہے کہ میں یہی تیری دیا کی چھایا میں جیون پرینت رہوں۔'

وہ اپنے ساتھ بھوجن کی سامگریاں نہ لایا تھا۔ اسے بھروسہ تھا کہ ایشور میری سدھی اوشیہ لے گا اور وہ یہ آشا تھی کہ گاؤں کے بھکتی پرائن جن میرے کھانے پینے کا پربندھ کر دیں گے اور ایسا ہوا بھی۔ دوسرے دن تیسرے پہر استریاں اپنے بالکوں کے ساتھ روٹیاں، چھوہارے اور تازہ پانی لیے ہوئے آئیں جسے بالکوں نے استمبھ کے شکھر پر پہنچا دیا۔

استمبھ کا کلش اِتنا چوڑا نہ تھا کہ پاپ ناشی اس پر پیر پھیلا کر لیٹ سکتا، اس لیے وہ پیروں کو نیچے اوپر کیے سر چھاتی پر رکھ کر سوتا تھا اور ندرا جاگرت رہنے سے بھی ادھیک کشٹ

دایک تھی۔ پراتہ کال عقاب اپنے پیروں سے اسے اسپرش کرتا تھا اور وہ ندرا، بھے تتھا انگ ویدنا سے پیڑت اٹھ بیٹھتا تھا۔

سنیوگ سے جس بڑھئی نے یہ سیڑھی بنائی تھی، وہ ایشور کا بھکت تھا۔ اسے یہ دیکھ کر چنتا ہوئی کہ یوگی کو ورشا اور دھوپ سے کشٹ ہو رہا ہے، اور اس بھے سے کہ کہیں ندرا میں وہ نیچے نہ گر پڑے، اس پنیہ آتما پرش نے استمبھ کے شکھر پر چھت اور کٹگھرا: بنا دیا۔

تھوڑے ہی دنوں میں اس سادھارن ویکتی کی چرچا گاؤں میں پھیلنے لگی اور روی وار کے دن شرمجیویوں کے دل کے دل اپنی استریوں اور بچوں کے ساتھ اس کے درشنارتھ آنے لگے۔ پاپ ناشی کے ششیوں نے جب سنا کہ گرو جی نے اس وچتر استھان میں شرن لی ہے تو وہ چکت ہوئے، اور اس کی سیوا میں اپستھت ہو کر اس سے استمبھ کے نیچے اپنی کٹیاں بنانے کی آگیا پراپت کی۔ نتیہ پرتی پراتہ کال وہ آکر اپنے سوامی کے چاروں اور کھڑے ہو جاتے اور اس کے سدھو پدیش سنتے تھے۔

وہ انھیں سکھاتا تھا۔ پریہ پتروں، انھیں ننھے بالکوں کے سمان بنے رہو جنھیں پربھو مسیح پیار کیا کرتے تھے وہی مکتی کا مارگ ہے۔ واسنا ہی سب پاپوں کا مول ہے۔ وہ واسنا سے اسی بھانتی اتپنیہ ہوتے ہیں جیسے سنتان پتا سے آہنکار، لوبھ، آلسیہ کرودھ اور ایرشیا ان کی پریہ سنتان ہیں۔ میں نے اسکندریہ میں یہی کُل ویاپار دیکھا۔ میں نے دھن سمپنیہ پروشوں کو کچیشٹاؤں میں پرواہیت ہوتے دیکھا ہے جو اس ندی کی باڑھ کی بھانتی ہیں جس میں میلا جل بھرا ہو۔ وہ انھیں دکھ کی کھاڑی میں بہا لے جاتا ہے۔

ایفرایم اور سراپین کے ادھشٹھاتاؤں نے اس ادھ بھُت تپسیا کا سماچار سنا تو اس کے درشنوں سے اپنے نیتروں کو کرتارتھ کرنے کی اچھا پرکٹ کی۔ ان کی نوکا کے تری کون پالوں کو دور سے ندی میں آتے دیکھ کر پاپ ناشی کے من میں انی واریۃ یہ وچار اتپن ہوا کہ ایشور نے مجھے ایکانت سے بھی وگیوں کے لیے آدرش بنا دیا ہے۔ دونوں مہاتماؤں نے جب اسے دیکھا تو انھیں بڑا کوتوہل ہوا اور آپس میں پرامرش کر کے انھوں نے سروسمّتی سے ایسی امانوشک کو تپسیا کا تیاجیہ ٹھہرایا۔ ات ایو انھوں نے پاپ ناشی سے نیچے اتر آنے کا انورودھ کیا۔

وہ بولا۔ یہ جیون پرانی پرمپراگت ویوہار کے سروتھا ورودھ ہے۔ دھرم سدھانت اس

کی آگیاں نہیں دیتے۔

لیکن پاپ ناشی نے اتر دیا۔ یوگی جیون کے نیموں اور پرامپراگت ویہوہاروں کی پروا نہیں کرتا۔ یوگی سویم اسادھارن ویکتی ہوتا ہے، اس لیے یدی اس کا جیون بھی اسادھارن ہو تو آشچریہ کی کیا بات ہے۔ میں ایشور کی پرنا سے یہاں چڑھا ہوں۔ اسی کے آدیش سے اتروں گا۔

نتیہ پرتی دھرم کے اچھک آکر پاپ ناشی کے ششیہ بنتے اور اسی استمھ کے نیچے اپنی کٹیاں بناتے تھے۔ ان میں سے کئی ششیوں نے اپنے گرو کا انوکرن کرنے کے لیے مندر کے دوسرے استمھوں پر چڑھ کر تپ کرنا شروع کیا۔ پر جب ان کے انیہ سبچروں نے اس کی نندا کی، اور وہ سویم دھوپ اور کشٹ نہ سہ سکے، تو نیچے اتر آئے۔

دیش کے انیہ بھاگوں سے پاپیوں اور بھکتوں کے جتھے کے جتھے آنے لگے۔ ان میں سے کتنے ہی بہت دور سے آتے تھے۔ ان کے ساتھ بھوجن کی کوئی وستو نہ ہوتی تھی۔ ایک وردھا ودھوا کو سوجھی کہ ان کے ہاتھ تازہ پانی، خربوزے آدی پھل بیچے جائیں تو لابھ ہو۔ استمھ کے سمیپ ہی اس نے مٹی کے کلھڑ جمع کیے ایک نیلی چادر تان کر اس نے نیچے پھلوں کی ٹوکریاں سجائی اور پیچھے کھڑی ہو کر ہانک لگانے لگی۔ ٹھنڈا پانی، تازہ پھل، جسے کھانا یا پانی پینا ہو چلا آوے۔ اس کی دیکھا دیکھی ایک نان بائی تھوڑی سی لال اینٹیں لایا اور سمیپ ہی اپنا تندور بنایا۔ اس میں سادی اور خمیری روٹیاں سینک کر وہ گراہکوں کو کھلاتا تھا یاتریوں کی سنکھیا دن پرتی دن بڑھنے لگی۔ مصر دیش کے بڑے بڑے شہروں سے بھی لوگ آنے لگے یہ دیکھ کر ایک لوبھی آدمی نے مسافروں اور نوکروں، اونٹوں، خچروں آدی کو ٹھہرانے کے لیے ایک سرائے بنوائی۔ تھوڑے ہی دن میں اس استمھ کے سامنے ایک بازار لگ گیا جہاں مچھوئے اپنی مچھلیاں اور کسان اپنے پھل میوے لالا کر بیچنے لگے۔ ایک نائی بھی آپہنچا جو کسی ورکھش کی چھاں میں بیٹھ کر یاتریوں کی حجامت بناتا تھا اور دل لگی کی باتیں کرکے لوگوں کو ہنساتا تھا۔ پرانا مندر اتنے دن اجڑے رہنے کے بعد پھر آباد ہوا۔ جہاں رات دن نرجنتا اور نیروتا کا آدھپتیہ رہتا تھا، وہاں اب جیون کے درشیہ اور چنھ دکھائی دینے لگے۔ ہر دم چہل پہل رہتی۔ بھٹیاریوں نے پرانے مندر کے تہہ خانوں کو شراب خانے بنا دیئے اور استمھ پر پاپ ناشی کے چتر لٹکا کر اس کے نیچے یونانی اور مصری لپیوں میں یہ وگیاپن لگا

دیئے۔ ''انار کی شراب، انجیر کی شراب اور سلیسیا کی بچی جو کی شراب یہاں ملتی ہے۔'
دکانداروں نے ان دیواروں پر، جن پر پوتر اور سندر بیل بوٹے انکت کئے ہوئے تھے، رسیوں سے گونتھ کر پیاز لٹکا دئے۔ تلی ہوئی مچھلیاں، مرے ہوئے کھرہے اور بھیڑوں کی لاشیں بچی ہوئی دکھائی دینے لگیں۔ سندھیا سے اس کھنڈہر کے پرانے نواسی اتھارتھ چوہے صف باندھ کر ندی کی اور دوڑتے اور بگلے سندہ ہاتمک بھاو سے گردن اٹھا کر اونچی کارنسوں پر بیٹھ جاتے ؛لیکن وہاں بھی انھیں پاکشالاؤں کے دھوئیں، شرابیوں کے شور گُل اور شراب بیچنے والوں کی ہانک۔ پکار سے چین نہ ملتا۔ چاروں طرف کوٹھی والوں نے سڑکیں، مکان، چرچ دھرم شالائیں اور رشیوں کے آشرم بنوا دئے۔ چھ مہینے نہ گزرنے پائے تھے کہ وہاں ایک اچھا خاصا شہر بس گیا، جہاں رکشھا کاری وبھاگ، نیایالیہ، کاراگار، سبھی بن گئے اور وردھ منشی نے ایک پاٹھ شالا بھی کھول لی۔ جنگل میں منگل ہوگیا، اوسر میں باغ لہرانے لگا۔

یاتریوں کا رات دن تانتا لگا رہتا۔ شنے شنے عیسائی دھرم کے پردھان پداھیکاری بھی شردھا کے وشی بھوت ہو کر آنے لگے۔ اینٹونی کا پردھان جو اس سمے سینوگ سے مصر میں تھا، اپنے سمست انویائیوں کے ساتھ آیا۔ اس نے پاپ ناشی کے اسادھارن تپ کی مکت کنٹھ سے پرشنسا کی۔ مصر کے انیہ اُچ مہارتھیوں نے اس سمتی کا انومودن کیا۔ ایفرایم اور سراپین کے ادھیکشوں نے یہ بات سنی تو انھوں نے پاپ ناشی کے پاس آکر اس کے چرنوں پر سر جھکایا اور پہلے اس تپسیا کے وردھ جو وچار پرکٹ کیے تھے اس کے لیے لجت ہوئے اور چھما مانگی۔ پاپ ناشی نے اتر دیا۔ بندھوؤں، یتھارتھ یہ ہے کہ میں جو تپسیا کر رہا ہوں وہ کیول ان پرلوبھنوں اور درچھاؤں کے نیوارن کے لیے ہے جو سروتر مجھے گھیرے رہتے ہیں اور جن کی سنکھیا تتھا شکتی کو دیکھ کر میں دہل اٹھتا ہوں۔ منشیہ کا باہیہ روپ بہت ہی سوکچھم اور سولپ ہوتا ہے اس اونچے شکھر پر سے میں منشیوں کو چنٹیوں کے سمان زمین پر رینگتا دیکھتا ہوں۔ کنتو منشیہ کو اندر سے دیکھو تو یہ اننت اور اپار ہے۔ وہ سنسار کے سماکار ہے کیوں کہ سنسار اس کے انتر گت ہے میرے سامنے جو کچھ ہے۔ یہ آشریہ، یہ اتیتھی شالائیں، ندی پر تیرنے والی نوکائیں، یہ گرام، کھیت، ون اپون، ندیاں، نہریں، پربت، مروستھل وہ اس کی تلنا نہیں کر سکتے جو مجھ میں ہیں۔ میں اپنے اننت استل میں اسنکھیہ نگروں اور سیما شونیہ پرونوں کو چھپائے ہوئے ہوں۔ اور اس وراٹ اننت استل پر اچھائیں اسی بھانتی اچھادت ہیں جیسے نشا پرتھوی

پر اپھادت ہو جاتی ہے۔ میں، کیول میں اوپچار کا ایک جگت ہوں۔

ساتویں مہینے میں اسکندریہ سے بوبیس تیس اور سیائم نام کی دو وندھیا استریاں، اس لالسا میں آئیں کی مہاتما کے آشیرواد اور استمبھ کے آلوکیک گنوں سے ان کے سنتان ہوگی، اپنی اوسر دیہہ کو پتھر سے رگڑا۔ ان استریوں کے پیچھے جہاں تک نگاہ پہنچتی تھی، رتھوں، پالکیوں اور ڈولیوں کا ایک جلوس چلا آتا تھا جو استمبھ کے پاس آکر رک گیا اور اس دیوپروش کے درشن کے لیے دھکم دھکا کرنے لگا۔ ان سواریوں میں سے ایسے روگی نکلے جن کو دیکھ کر ہردے کانپ اٹھتا تھا۔ ماتائیں ایسے بالکوں کو لائی تھیں جن کے انگ ٹیڑھے ہو گئے تھے، آنکھیں نکل آئیں تھی اور گلے بیٹھ گئے تھے۔ پاپ ناشی نے ان کے دیہہ پر اپنا ہاتھ رکھا تب اندھے، ہاتھوں سے ٹٹولتے، پاپ ناشی کی اور دو رکت مے چھدروں سے تاکتے ہوئے آئے۔ پکشھا گھات پیڑت پرانیوں نے اپنے گتی شونیے سو کھے تتھا سنکوچت انگوں کو پاپ ناشی کے سمکھ اپستھت کیا۔ لنگڑوں نے اپنی ٹانگیں دکھائیں۔ کھوئی کے روگ والی استریاں دونوں ہاتھوں سے اپنی چھاتی کو دبائے ہوئے آئیں اور اس کے سامنے اپنے جر جر وکھش کھول دئے۔ جلودر کے روگی، شراب کے پیپوں کے بھانتی پھولے ہوئے۔ اس کے سمکھ بھومی پر لٹائے گئے۔ پاپ ناشی نے ان سمست روگی پرانیوں کو آشیرواد دیا۔ فیل پاؤں سے پیڑت جشی سنبھل سنبھل کر چلتے ہوئے آئے اور اس کی اور کرون نیتروں سے تاکنے لگے۔ اس نے ان کے اوپر صلیب کا چنھ بنا دیا۔ ایک یووتی بڑی دور سے ڈولی میں لائیں گئیں تھی رکت اگلنے کے بعد تین دن سے اس نے آنکھیں نہ کھولی تھیں۔ وہ ایک موم کی مورتی کی بھانتی دکھائی دیتی تھی اور اس کے ماتا پتا نے اسے مردہ سمجھ کر اس کی چھاتی پر کھجور کی ایک پتی رکھ دی تھی۔ پاپ ناشی نے جیوں ہی ایشور سے پرارتھنا کی، یووتی نے سر اٹھایا اور آنکھیں کھول دیں۔

یاتریوں نے اپنے گھر لوٹ کر ان سدھیوں کی چرچا کی تو مرگی کے روگی بھی دوڑے۔ مصر کے سبھی پرانتوں سے اگڑت روگی آکر جما ہوگئے۔ جیوں ہی انھوں نے یہ استمبھ دیکھا تو مورچھت ہوگئے، زمین پر لوٹنے لگے اور ان کے ہاتھ پیر اکڑ گئے۔ یدھپی یہ کسی کو وشواس نہ آئے گا، کنتو وہاں جتنے آدمی موجود تھے، سب کے سب بوکھلا اٹھے اور روگیوں کی بھانتی کُلانچیں کھانے لگے۔ پنڈت اور پجاری، استری اور پُرش سب کے سب

تلے اوپر لوٹنے پوٹنے لگے۔ سبھوں کے انگ اکڑے ہوئے تھے، منہ سے پھُکر بہتا تھا، مٹی سے مٹھیاں بھر بھر کر پھانکتے اور انرگل شبد منہ سے نکالتے تھے۔

پاپ ناشی نے شکھر پر سے یہ کتوہل جنک درشیہ دیکھا تو اس کے سمست شریر میں ایک ویلو سا ہونے لگا۔ اس نے ایشور سے پرارتھنا کی۔ بھگوان، میں ہی چھوڑا ہوا بکرا ہوں، اور میں اپنے اوپر ان سارے پرانیوں کے پاپوں کا بھار لیتا ہوں، اور یہی کارن ہے کہ میرا شریر پریتوں اور پشاچوں سے بھرا ہوا ہے۔

جب کوئی روگی چنگا ہو کر جاتا تھا تو لوگ اس کا سواگت کرتے تھے، اس کا جلوس نکالتے تھے، باجے بجاتے، پھول اڑاتے اسے اس کے گھر تک پہنچاتے تھے، اور لاکھوں کنٹھوں سے یہ دھونی نکلتی تھی۔ 'ہمارے پربھو مسیحا پھر اوترت ہوئے!''

بیساکھیوں کے سہارے چلنے والے دربل روگی جب آروگیہ لابھ کر لیتے تھے تو اپنی بیساکھیاں اسی استمبھ سے لٹکا دیتے تھے۔ ہزاروں بیساکھیاں لٹکتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں اور پرتی دن ان کی سنکھیا بڑھتی ہی جاتی تھی۔ اپنی مراد پانے والی استریاں پھول کی مالا لٹکا دیتی تھیں۔ کتنے ہی یونانی یاتریوں نے پاپ ناشی کے پرتی شردھا سے دوہے انکت کر دیے۔ جو یاتری آتا تھا، وہ استمبھ پر اپنا نام انکت کر دیتا تھا۔ ات ایو استمبھ پر جہاں تک آدمی کے ہاتھ پہنچ سکتے تھے، اس سے کی سمست لپیوں لیٹن، یونانی، مصری، ایرانی، سریانی، اور زندی۔ کا وچتر سمّشرن درشٹ گوچر ہوتا تھا۔

جب ایسٹر کا اتسو آیا تو اس چمتکاروں اور سدھیوں کے نگر میں اتنی بھیڑ بھاڑ ہوئی دیش دیشانتروں کے یاتریوں کا ایسا جم گھٹ ہوا کہ بڑے بڑے بڈھے کہتے کہ پرانے جادوگروں کے دن پھر لوٹ آئے۔ سبھی پرکار کے منشیہ، نانا پرکار کے وستر پہنے ہوئے وہاں نظر آتے تھے۔ مصر نواسیوں کے دھاری دار کپڑے، عربوں کے ڈھیلے پاجامے، حبشیوں کے شویت جانگھیے، یونانیوں کے اونچے چوغے، روم نواسیوں کے نیچے لبادے، اسھیہ جاتیوں کے لال ستھنے اور دیشیاؤں کی کمخواب کی پیشوازیں، بھانتی بھانتی کی ٹوپیوں، مڈاسوں، کمر بندوں اور جوتوں ان سبھی کلوروں کی جھانکیاں مل جاتی تھیں۔ کہیں کوئی مہیلا منہ پر نقاب ڈالے، گدھے پر سوار چلی جاتی تھی، جس کے آگے آگے حبشی خوجے مسافروں کو ہٹانے کے لیے چھڑیاں گھماتے، ہٹو، بچو، راستہ دو، کا شور مچاتے رہتے تھے۔ کہیں بازی گروں کے کھیل ہوتے تھے۔

بازی گر زمین پر ایک جازم بچھائیں، مون درشکوں کے سامنے ادھ بھت چھلانگیں مارتا اور بھانتی بھانتی کے کرتب دکھاتا تھا۔ کبھی رسّی پر چڑھ کر تالی بجاتا، کبھی بانس گاڑ کر اس پر چڑھ جاتا اور شکھر پر سر نیچے پیر اوپر کر کے کھڑا ہو جاتا۔ کہیں مداریوں کے کھیل تھے، کہیں بندروں کے ناچ، کہیں بھالوؤں کی بھدی نقلیں، سپیرے پٹاریوں میں سے سانپ نکال کر دکھاتے، ہتھیلی پر بچھو دکھاتے اور سانپ کا وش اتارنے والی جڑی بیچتے تھے۔ کتنا شور تھا، کتنی دھول، کتنی چمک دمک، کہیں اونٹ وان اونٹوں کو پیٹ رہا ہے اور زور زور سے گالیاں دے رہا ہے، کہیں پھیری والے گلی میں ایک جھولی لٹکائے چلا چلا کر کوڑھ کی تعویذیں اور بھوت پریت آدی ویادھیوں کے منتر بیچتے پھرتے ہیں، کہیں سادھو گن سور ملا کر بائیبل کے بھجن گا رہے ہیں، کہیں بھیڑ ممیاں رہی ہے، کہیں گدھے رینگ رہے ہیں۔ ملّاح یاتریوں کو پکارتے ہیں ''دیر مت کرو!'' کہیں بھن بھن پرانتوں کی استریاں اپنے کھوئے ہوئے بالکوں کو پکار رہی ہیں، کوئی روتا ہے اور کہیں خوشی میں لوگ آتش بازی چھوڑتے ہیں۔ ان سمست دھونیوں کے ملنے سے ایسا شور ہوتا تھا کہ کان کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ اور ان سب سے پربل دھونی ان حبشی لڑکوں کی تھی جو گلے پھاڑ کر کھجور بیچتے پھرتے تھے، اور ان سمست جن سموہ کو کھلے ہوئے میدان میں بھی سانس لینے کو ہوا نہ میسر ہوتی تھی۔ استریوں کے کپڑوں کی مہک، حبشیوں کے وستروں کی درگندھ، کھانا، پکانے کے دھوئیں، اور کپور، لوہبان آدی کی سگندھ سے، جو بھکت جن مہاتما پاپ ناشی کے سمکھ جلاتے تھے، سمست وایو منڈل دوشت ہوگیا تھا، لوگوں کے دم گھٹنے لگتے تھے۔

جب رات آئی تو لوگوں نے آلاؤ جلائے، مشالیں اور لالٹینیں جلائی گئیں، کنتو لال پرکاش کی چھایا اور کالی صورتوں کے سوا اور کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ میلے کے ایک طرف ایک وردھ پُرش تیل کی دھوں آتی کپّی جلائے، پرانے زمانے کی ایک کہانی کہہ رہا تھا۔ شروتا لوگ گھیرا بنائے ہوئے تھے۔ بڈھے کا چہرا دھندلے پرکاش میں چمک رہا تھا۔ وہ بھاؤ بنا بنا کر کہانی کہتا تھا، اور اس کی پرچھائی اس کے پرتیک بھاو کو بڑھا بڑھا کر دکھاتی تھی۔ شروتا گن پرچھائی کے وکرت ابھینے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ یہ کہانی بٹریو کی پریم کتھا تھی۔ بٹریو نے اپنے ہردیہ پر جادو کر دیا تھا اور اسے چھاتی سے نکال کر ایک ببول کے ورکھش میں رکھ کر سویم ورکھش کا روپ دھارن کر لیا تھا۔ کہانی پرانی تھی۔ شروتاؤں نے سینکڑوں ہی بار

اسے سنا ہوگا، کنتو وردھ کی ورن شیلی بڑی چتا کرشک تھی۔ اس نے کہانی کو مزے دار بنا دیا تھا۔ شراب خانوں میں مد کے پیاسے کرسیوں پر لیٹے ہوئے بھانتی بھانتی کے سدھارس پان کر رہے تھے اور بوتلیں خالی کرتے چلے جاتے تھے۔ نرتکیاں آنکھوں میں سرما لگائے اور پیٹ کھولے ان کے سامنے ناچتی اور کوئی دھارمک یا شرنگار رس کا ابھینے کرتی تھیں۔

ایکانت کمروں میں یوک گن چوپڑ یا کوئی کھیل کھیلتے تھے، اور وردھ جن ویشیاؤں سے دل بہلا رہے تھے۔ ان سمست درشیوں کے اوپر وہ اکیلا، استھر، اٹل استمبھ کھڑا تھا۔ اس کا گوروپی کلش پرکاش کی چھایا میں منھ پھیلائے درشیہ دکھائی دیتا تھا، اور اس کے اوپر پرتھوی آکاش کے مدھیہ میں پاپ ناشی اکیلا بیٹھا ہوا یہ درشیہ دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں چاند نے نیل کے انچل میں سے سر نکالا، پہاڑیاں نیلے پرکاش سے چمک اٹھیں اور پاپ ناشی کو ایسا بھاست ہوا مانو تھالیس کی سجیو مورتی ناچتے ہوئے جل کے پرکاش میں چمکتی، نیلے گگن میں نرالمب کھڑی ہے۔

دن گزرتے جاتے تھے اور پاپ ناشی جیوں کا تیوں استمبھ پر آسن جمائے ہوئے تھا۔ ورشا کال آیا تو آکاش کا جل لکڑی کی چھت سے ٹپک ٹپک کر اسے بھگونے لگا۔ اس سے سردی کھا کر اس کے ہاتھ پاؤں اکڑ اٹھے، ہلنا ڈولنا مشکل ہوگیا۔ ادھر دن کو دھوپ کی جلن اور رات کو اوس کی شیت کھاتے کھاتے اس کے شریر کی کھال پھٹنے لگی اور سمست دیہہ میں گھاؤ، چھالے اور گلٹیاں پڑ گئیں۔ لیکن تھالیس کی اِچھا اب بھی اس کے انتہ کرن میں دیاپت تھی اور وہ انتر ویدنا سے پیڑت ہو کر چلا اٹھتا تھا۔ 'بھگوان! میری اور بھی سانست کیجیے، اور بھی یاتنائیں دیجیے۔ اتنا کافی نہیں ہے۔ اب بھی اچھاؤں سے گلا نہیں چھوٹا، بھرشٹ کلپنائیں ابھی پیچھے پڑی ہوئیں ہیں، وناشک واسنائیں ابھی تک من کا منتھن کر رہی ہیں۔ بھگوان، مجھ پر پرانیماتر کی وشے واسناؤں کا بھار رکھ دیجیے، ان سبوں کا پرایشچت کروں گا۔ یدھپی یہ استیہ ہے کہ ایک یونانی کنیئے نے سمست سنسار کا پاپ بھار اپنے اوپر لیا تھا، جیسا میں نے کسی سے ایک ہتھیاوادی منشیہ کو کہتے سنا تھا، لیکن اس کتھا میں کچھ آشے اوشیہ چھپا ہوا ہے جس کی سچائی اب میری سمجھ میں آ رہی ہیں، کیوں کہ اس میں کوئی سندیہہ نہیں ہے کہ جنتا کے پاپ دھرماتماؤں کی آتماؤں میں پروشٹ ہوتے ہیں اور وہ اس بھانتی ولین ہوجاتے ہیں، مانو کنوئیں میں گر پڑے ہوں۔ یہی کارن ہے کہ پنیہ آتماؤں کے من میں جتنا مل بھرا رہتا ہیں،

اتنا پاپیوں کے من میں کدا پی نہیں رہتا۔ اس لیے بھگوان، میں تجھے دھنے واد دیتا ہوں کہ تو نے مجھے سنسار کا مل کنڈ بنادیا ہے۔

ایک دن اس پوتر نگر میں یہ خبر اڑی، اور پاپ ناشی کے کانوں میں بھی پہنچی کہ ایک اچ راجیہ پدادھیکاری، جو اسکندریہ کی جل سینا کا ادھیکش تھا، شیگھر ہی اس شہر کو سیر کرنے آرہا ہیں۔ نہیں بلکہ روانہ ہو چکا ہے۔

یہ سماچار ستیہ تھا۔ ویو وردھ کوٹا، جو اس سال نیل ساگر کی ندیوں اور جل مارگوں کا نیرِیکشن کر رہا تھا، کئی بار اس مہاتما اوراس نگر کو دیکھنے کی اِچھا پرکٹ کرچکا تھا۔ اس نگر کا نام پاپ ناشی ہی کے نام پر ''پاپ موچن'' رکھا گیا تھا۔ ایک دن پربھات کال اس پوتر بھومی کے نواسیوں نے دیکھا کہ نیل ندی شویت پالوں سے آچھدیہ ہوگئی ہے۔ کوٹا ایک سنہری نوکا پر، جس پر بیگنی رنگ کے پال لگے ہوئے تھے، اپنی سمست ناوک شکتی کے آگے آگے نشان اڑاتا چلا آتا ہے۔ گھاٹ پر پہنچ کر وہ اتر پڑا اور اپنے منتری تتھا اپنے ویدھ آرٹی لیس کے ساتھ نگر کی طرف چلا۔ منتری کے ہاتھ میں ندی کے مان چتر آدی تھے، اور ویدھ سے کوٹا سویم باتیں کررہا تھا۔ وردھا وستھا میں اسے ویدھ راج کی باتوں میں آنند ملتا تھا۔

کوٹا کے پیچھے سہسروں منشیوں کا جلوس چلا اور جل تٹ پر سینکوں کی وردیاں اور راجیہ کرم چاریوں کے چغے ہی چغے دکھائی دینے لگے۔ ان چغوں میں چوڑی بیگنی رنگ کی گانٹھ لگی تھی، جو روم کی ویوستھاپک سبھا کے سدسیوں کا سمان چنھ تھی۔ کوٹا اس پوتر استمبھ کے سمیپ رک گیا اور مہاتما پاپ ناشی کو دھیان سے دیکھنے لگا۔ گرمی کے کارن اپنے چغے کے دامن سے منہ پر کا پسینہ وہ پونچھتا تھا۔ وہ سوبھاؤ سے وچتر انوبھوؤں کا پریمی تھا، اور اپنی جل یاتراؤں میں اس نے کتنی ہی ادھ بھت باتیں دیکھی تھیں۔ وہ انھیں اسمرن رکھنا چاہتا تھا۔ اس کی اچھا تھی کہ اپنا ورتمان اتہاس گرنتھ سماپت کرنے کے بعد اپنی سمست یاتراؤں کا ورتانت لکھے اور جو جو انوکھی باتیں دیکھی ہیں اس کا اولیکھ کرے! یہ درشیہ دیکھ کر اسے بہت دل چسپی ہوئی۔

اس نے کھانس کر کہا۔ وچتر بات ہے! اور یہ پُرش میرا مہمان تھا! میں اپنے یاترا ورتانت میں وہ اوشیہ لکھوں گا۔ ہاں، گت ورش اس پُرش نے میرے یہاں دعوت کھائی تھی، اور اس کے ایک ہی دن بعد ایک ویشیہ کو لے کر بھاگ گیا تھا۔

پھر اپنے منتری سے بولا۔ ''پتر، میرے پتروں پر اس کا اولیکھ کردو۔ اس ستمبھ کی لمبائی چوڑائی بھی درج کر دینا۔ دیکھنا، شکھر پر جو گائے کی مورتی بنی ہوئی ہیں، اسے نہ بھولنا۔

تب پھر اپنا منہ پونچھ کر بولا۔ مجھ سے وشوست پرانیوں نے کہا ہے کہ اس یوگی نے سال بھر سے ایک چھن کے لیے بھی نیچے قدم نہیں رکھا۔ کیوں آرٹی لیس یہ سمبھو ہے؟ کوئی پُرش پورے سال بھر تک آکاش میں لٹکا رہ سکتا ہے؟'

اریسٹی نیس نے اتر دیا۔ کسی اسوستھ یا انمت پرانی کے لیے جو بات سمبھو ہے، وہ سوستھ پرانی کے لیے، جسے کوئی شاریرک یا مانسک وکار نہ ہو اسمبھو ہے۔ آپ کو شاید یہ بات نہ معلوم ہوگی کہ کتی پے شاریرک اور مانسک وکاروں سے اتنی ادھ بھت شکتی آجاتی ہے جو تندرست آدمیوں میں کبھی نہیں آسکتی۔ کیوں کہ یتھارتھ میں اچھا سواستھیہ یا برا سواستھ سویم کوئی وستو نہیں ہے۔ وہ شریر کے انگ پرتینگ کی بھن بھن دشاؤں کا نام ماتر ہے۔ روگوں کے ندان سے میں نے وہ بات سدھ کی ہے کہ وہ بھی جیون کی آوشیک اوستھائیں ہیں۔ میں بڑے پریم سے ان کی میمانسا کرتا ہوں، اس لیے کہ ان پر وجے پراپت کرسکوں۔ ان میں سے کئی بیماریاں پرشنسیہ ہیں اور ان میں بہر وکار کے روپ میں اڈبھت آروگیہ وردھک شکتی چھپی رہتی ہیں۔ ادھرانتہ کبھی کبھی شاریرک وکاروں سے بدھی شکتیاں پرکھر ہو جاتی ہیں، بڑے ویگ سے ان کا وکاس ہونے لگتا ہے۔ آپ سیرون کو تو جانتے ہیں۔ جب وہ بالک تھا تو وہ تتلا کر بولتا تھا اور مند بدھی تھا۔ لیکن جب ایک سیڑھی پر سے گر جانے کے کارن اس کی کپال کریا ہوگئی تو وہ اچ شرینی کا وکیل نکلا، جیسا کہ آپ سویم دیکھ رہے ہیں۔ اس یوگی کا کوئی گپت انگ اوشیہ ہی وکرت ہوگیا ہے۔ ان کے اتی رکت اس اوستھا میں جیون ویتیت کرنا اتنی اسادھارن بات نہیں ہے، جتنی آپ سمجھ رہیں ہیں۔ آپ کو بھارت ورش کے یوگیوں کی یاد ہیں؟ وہاں کے یوگی گن اس بھانتی بہت دنوں تک نشچل رہ سکتے ہیں۔ ایک دو ورش نہیں، بلکہ بیس، تیس چالیس ورشوں تک۔ کبھی کبھی اس سے بھی ادھیک۔ یہاں تک کہ میں نے تو سنا ہے کہ وہ نرجل، نراہار سو سو ورشوں تک سمادھیست رہتے ہیں۔

کوٹا نے کہا۔ ایشور کی سوگندھ سے کہتا ہوں، مجھے یہ دشا اتینت کتوہل جنک معلوم ہورہی ہے۔ یہ نرالے پرکار کا پاگل پن ہے۔ میں اس کی پرشنسا نہیں کرسکتا، کیوں کہ منشیہ کا جنم چلنے اور کام کرنے کے نیمت ہوا ہے۔ اور ادھیوگ ہینتا سامراجیہ کے پرتی اکھمیہ اتیاچار

ہے۔ مجھے ایسے کسی دھرم کا گیان نہیں ہے جو ایسی آپاتی جنک کریاؤں کا آدیش کرتا ہو۔ سمبھو ہے، عیسائی سمپر دائیوں میں اس کی ویوستھا ہو۔ جب میں شام (سیریا) کا صوبیدار تھا تو میں نے 'حرا' نگر کے دوار پر ایک اونچا چبوترہ بنا ہوا دیکھا۔ایک آدمی سال میں دو باراس پر چڑھتا تھا اور وہاں سات دنوں تک چپ چاپ بیٹھا رہتا تھا۔ لوگوں کووشواس تھا کہ یہ پرانی دیوتاؤں سے باتیں کرتا تھا اور شام دیش کی دھن دھانیہ پورن رکھنے کے لیے ان سے ونے کرتا تھا۔ مجھے یہ پرتھا نرتھرک سی جان پڑی۔ کنتو میں نے اسے اٹھانے کی چیشٹا نہیں کی۔ کیوں کہ میرا وچار ہے کہ راجیہ کرم چاریوں کو پرجا کی ریتی رواجوں میں ہست چھیپ نہ کرنا چاہیے، بلکہ ان کو مریادیت رکھنا ان کا کرتو یہ ہے۔ شاسکوں کی یہ نیتی کداپی نہ ہونی چاہیے کہ وہ پرجا کو کسی وشیش مت کی اور کھینچے، بلکہ ان کو اسی مت کی رکشھا کرنا چاہیے جو پرچلت ہو، چاہے وہ اچھا ہو یا برا، کیوں کہ دیش، کال اور جاتی کی پرستھتی کے انوسار ہی اس کا جنم اور وکاس ہوا ہے۔ اگر شاسن کسی مت کو دمن کرنے کی چیشٹا کرتا ہے،تو وہ اپنے کو وچاروں میں کرانتی کاری اور ویوہاروں میں اتیاچاری سدھ کرتا ہے، اور پرجا اس سے گھرنا کرے تو سروتھا چھمیہ ہے۔ پھر آپ جنتا کے متھیا وچاروں کا سدھار کیوں کر سکتے ہیں اگر آپ ان کو سمجھنے اور انھیں نرپیکھش بھاو سے دیکھنے میں اسمرتھ ہیں؟ اریسٹی لیں، میرا وچار ہے کہ اس پکچھیوں کے بسائے ہوئے میگھ نگر کو آکاش میں لٹکا رہنے دوں۔ اس پر نیسر گِک شکتیوں کا کوپ ہی کیا کم ہے کہ میں بھی اس کو اجاڑنے میں اگرسر بنوں۔ اس کے اجاڑنے سے مجھے اَپ لیش کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ لگے گا۔ ہاں، اس آکاش نواسی یوگی کے وچاروں اور وشواسوں کو لیکھ بدھ کرنا چاہیے۔

یہ کہہ اس نے پھر کھانسا اور اپنے منتری کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ پتر، نوٹ کر لو کہ عیسائی سمپر دائے کے کچھ انویائیوں کے مت انوسار استمبھوں کے شکھر پر رہنا اور ویشیاؤں کو لے بھاگنا سراہنیہ کاریہ ہے۔ اتنا اور بڑھا دو کہ یہ پرتھائیں سرشٹی کرنیوالے دیوتاؤں کی اپاسنا کے پرمان ہیں۔ عیسائی دھرم ایشوروادی ہو کر دیوتاؤں کے پربھاؤ کو ابھی تک نہیں مٹا سکا۔ لیکن اس وشے میں ہمیں سویم اس یوگی ہی سے جگیاسا کرنی چاہیے۔

تب پھر اٹھا کر اور دھوپ سے آنکھوں کو بچانے کے لیے ہاتھوں کی آڑ کر کے اس نے اچّ سور میں کہا۔ ادھر دیکھو پاپ ناشی !اگر تم ابھی یہ نہیں بھولے ہو کہ تم ایک بار میرے

مہمان رہ چکے ہو تو میری باتوں کا اتر دو۔ تم وہاں آکاش پر بیٹھے کیا کر رہے ہو۔؟ تمھارے وہاں جانے کا اور رہنے کا کیا اودشیہ ہے؟ کیا تمھارا وچار ہے کہ اس استمبھ پر چڑھ کر تم دیش کا کچھ کلیان کر سکتے ہو؟

پاپ ناشی نے کوٹا کو کیول پر تیماوادی سمجھ کر تچھ درشٹی سے دیکھا اور اسے کچھ اتر دینے یوگیہ نہ سمجھا۔ لیکن اس کا ششیہ پلیوین سمیپ آکر بولا۔ مانیہ ور، وہ رشی سمست بھومنڈل کے پاپوں کو اپنے اوپر لیتا اور روگیوں کو آروگیہ پردان کرتا ہے۔'

کوٹا۔ قسم خدا کی، یہ تو بڑی دل لگی کی بات ہے۔ تم کہتے ہو اریسٹی لیس، یہ آکاش واسی مہاتما چکتسا کرتا ہے۔ یہ تو تمھارا پرتی وادی نکلا۔ تم ایسے آکاش روہی ویدھ سے کیوں کر پیش پا سکو گے؟

اریسٹی لیس نے سر ہلا کر کہا۔ یہ بہت سمبھو ہے کہ وہ بعض بعض روگی کی چکتسا کرنے میں مجھ سے کُسل ہو۔ اُداہرنتہ مرگی ہی کو لے لیجیے۔ گنواری بول چال میں لوگ اسے ''دیوروگ'' کہتے ہیں، یدھپی سبھی روگ دیوی ہیں، کیوں کہ ان کے سرجن کرنے والے تو دیوگن ہی ہیں۔ لیکن اس ویشیش روگ کا کارن انشتہ کلپناشکتی میں ہیں اور آپ یہ سویکار کریں گے کہ یہ یوگی اتنی اونچائی پر اور ایک دیوی کے مستک پر بیٹھا ہوا روگیوں کی کلپنا پر جتنا پر بھاؤ ڈال سکتا ہے۔، اتنا میں اپنے چکتسالیہ میں کھرل اور دستے سے اوشدھیاں گھونٹ کر کداپی نہیں ڈال سکتا۔ مہاشے، کتنی ہی گپت شکتیاں ہیں جو شاستر اور بدھی سے کہیں بڑھ کر پربھاؤ تپادک ہیں۔

کوٹا۔ وہ کون شکتیاں ہیں؟

اریسٹی لیس۔ مورکھتا اور اگیان۔

کوٹا۔ میں نے اپنی بڑی بڑی یاتراؤں میں بھی اس سے وچتر درشیہ نہیں دیکھا، اور مجھے آشا ہے کہ کبھی کوئی سویوگیہ اتیہاس لیکھک ''موچن نگر کی ات پتی کا سوِستار ورنن کرے گا۔ لیکن ہم جیسے بہو دھندی منشیوں کو کسی وستو کے دیکھنے میں چاہے وہ کتنا ہی کتوہل جنک کیوں نہ ہو، اپنا بہت سے نہ گنوانا چاہیے۔ چلیے، اب نہروں کا نرِیکھن کریں۔ اچھا پاپ ناشی، نمسکار۔ پھر کبھی آؤں گا لیکن اگر تم پھر کبھی پرتھوی پر اترو اور اسکندریہ آنے کا سنیوگ ہو تو مجھے نہ بھولنا۔ میرے دوار تمھارے سواگت کے لیے نتیہ کھلے ہیں۔ میرے یہاں آکر اوشیہ بھوجن

کرنا۔

ہزاروں منشیوں نے کوٹا کے یہ شبد سنے۔ ایک نے دوسرے سے کہا۔ عیسائیوں نے اور بھی نمک مرچ لگایا۔ جتنا کسی کی پرشنسا بڑے ادھیکاریوں کے منھ سے سنتی ہے تو اس کی درشٹی میں اس پرشنسیت منشیہ کا آدر سمّان شت گن ادھیک ہو جاتا ہے۔ پاپ ناشی کی اور بھی کھیاتی ہونے لگی۔ سرل ہردیہ متانوراگیوں نے ان شبدوں کو اور بھی پریمارجیت اور اتی شیوکتِ پورن روپ دے دیا۔ کیودنتیاں ہونے لگیں کہ مہاتما پاپ ناشی نے استمبھ کے شکھر پر بیٹھے بیٹھے، جل سینا کے ادھیکش کو عیسائی دھرم کا انوگامی بنا لیا۔ اس کے اپدیشوں میں یہ چمتکار ہے کہ سنتے ہی بڑے بڑے ناستِک بھی مستک جھکا دیتے ہیں۔ کوٹا کے انتم شبدوں میں بھکتوں کو گپت آشیہ چھپا ہوا پرتیت ہوا۔ جس سواگت کی اس اچ ادھیکاری نے سوچنا دی تھی کہ وہ سادھارن سواگت نہیں تھا۔ وہ واستو میں ایک آدیھیاتمک بھوج، ایک سورگیہ سمیلن، ایک پار لوکیک سینوگ کا نمترن تھا۔ اس سمبھاشن کی کتھا کا بڑا ادھ بھت اور النکرت وستار کیا گیا، اور جن جن مہانو بھاؤوں نے یہ رچنا کی۔ انھوں نے سویم پہلے اس پر وشواس کیا۔ کہا جاتا تھا کہ جب کوٹا نے وشد ترک وترک کے پشچات ستیہ کو انگی کار کیا اور پربھو مسیح کی شرن میں آیا تو ایک سورگدوت آکاش سے اس کے منھ کا پسینہ پونچھنے آیا۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ کوٹا کے ساتھ اس کے ویدھ اور منتری نے بھی عیسائی دھرم سویکار کیا۔ مکھیہ عیسائی سنستھاؤں کے ادھیشٹھاتاؤں نے یہ آلوکیک سماچار سنا تو اتیہاسک گھٹناؤں میں اس کا الیکھ کیا۔ اتنے خیاتی لابھ کے بعد یہ کہنا کنچت ماتر بھی اتیشیوکتی نہ تھی، کہ سارا سنسار پاپ ناشی کے درشنوں کے لیے اتکھنٹت ہوگیا۔ پراچیہ اور پشچاتیہ دونوں ہی دیشوں کے عیسائیوں کی وِسمت آنکھیں ان کی اور اٹھنے لگیں۔ اٹلی کے پردھان نگروں نے اس کے نام ابھینندن پتر بھیجے اور روم کے قیصر کانسٹینٹائن نے، جو عیسائی دھرم کا پکھش پاتی تھا۔ ان کے پاس ایک پتر بھیجا۔ عیسائی دوت اس پتر کو بڑے آدر سمّان کے ساتھ پاپ ناشی کے پاس لائے۔ لیکن ایک رات کو جب یہ نو جات نگر ہم کی چادر اوڑھے سو رہا تھا، پاپ ناشی کے کانوں میں یہ شبد سنائی دیے۔

پاپ ناشی، تو اپنے کرموں سے پرسدھ اور اپنے شبدوں سے شکتی شالی ہوگیا ہے۔ ایشور نے اپنی کیرتی کو اجّول کرنے کے لیے تجھے اس سراوچ پد پر پہنچایا ہے۔ اس نے تجھے آلوکیک لیلائیں دکھانے، روگیوں کا آروگیہ پردان کرنے، ناستیکوں کو سنمارگ پر لانے، پاپیوں کا

اذ ھار کرنے، ایرین کے متانو یائیوں کے مکھ میں کالیما لگانے اور عیسائی جگت میں شانتی اور سکھ سامراجیہ استھاپت کرنے کے لیے نیوکت کیا ہے۔

پاپ ناشی نے اتر دیا۔ ایشور کی جیسی آگیا!

پھر آواز آئی تھی۔ پاپ ناشی، اٹھ جا، اور ودھرمی کانس ٹینس کو اس کے راجیہ پرساد میں سنمارگ پرلا، جو اپنے پوجیہ بندھو کانس ٹین ٹائن کا انوکرن نہ کرکے ایریس اور مارکس کے متھیا واد میں پھنسا ہوا ہے۔ جا، ولمب نہ کر۔ اشٹ دھاتو کے پھاٹک تیرے پہنچتے ہی آپ ہی آپ کھل جائیں گے، اور تیری پادوکاؤں کی دھونی: قیصروں کے سنگھاسن کے سمکھ سجے بھون کی سورن بھومی پر پرتی ادھونیت ہوگی اور تیری پرتبھامے وانی کانسٹین ٹائن کے پتر کے ہردیہ کو پراست کردے گی۔ سینگت اور اکھنڈ عیسائی سامراجیہ پر راجیہ کرے گا اور جس پرکار جیو دیہہ پر شاسن کرتا ہے، اسی پرکار عیسائی دھرم سامراجیہ پر شاسن کرے گا۔ دھنی، رئیس، راجیہ ادھیکاری، راجیہ سبھا کے سبھاسد سبھی تیرے ادھین ہو جائیں گے۔ تو جنتا کو لوبھ سے مکت کرے گا اور اسبھیہ جاتیوں کے اکرمنوں کا نوارن کرے گا۔ وردھ کوٹا جو اس سے نوکا وبھاگ کا پردھان ہے۔ تجھے شاسن کا کرنا دھار بنا ہوا دیکھ کر تیرے چرن دھوئے گا۔ تیرے شریرانت ہونے پر تیری مرت دیہہ اسکندریہ جائے گی اور وہاں کا پردھان مٹھ دھاری اسے ایک رشی کا سمارک چنھ سمجھ کر اس کا چمبن کرے گا! جا!'

پاپ ناشی نے اتر دیا۔ ایشور کی جیسی آگیا!

یہ کہہ کر اس نے اٹھ کر کھڑے ہونے کی چیشٹا کی، کنتو اس آواز نے اس کی اچھا کو تاڑ کر کہا۔ سب سے مہتو کی بات یہ ہے کہ تو سیڑھی دوارا مت اتر! یہ تو سادھارن منشیوں کی سی بات ہوگی۔ ایشور نے تجھے ادبھت شکتی پردان کی ہے۔ تجھ جیسے پرتی بھاشالی مہاتما کو وایو میں اڑنا چاہیے۔ نیچے کود پڑ، سورگ کے دُوت تجھے سنبھالنے کے لیے کھڑے ہیں، ترنت کود پڑ!

پاپ ناشی نے اتر دیا۔ ایشور کی اس سنسار میں اسی بھانتی وجے ہو جیسے سورگ میں ہے۔

اپنی وشال بانہیں پھیلا کر، مانو کسی ورہ داکار پکشھی نے اپنے چھدرے پنکھ پھیلائے ہوں، وہ نیچے کودنے والا ہی تھا کہ سہسا ایک ڈراؤنی، اپہاس سوچک ہاسیہ دھونی اس کے کانوں میں آئی۔ بھے بھیت ہو کر اس نے پوچھا۔ یہ کون ہنس رہا ہے۔

اس آواز نے اتر دیا۔ چونکتے کیوں ہو؟ ابھی تو ہماری مترتا کا آرمبھ ہوا ہے۔ ایک دن ایسا آئے گا جب مجھ سے تمھارا پرتیے گھنشٹ ہوجائے گا۔ مترور، میں نے ہی تجھے اس استمبھ پر چڑھنے کی پرینا کی تھی اور جس نیراپد بھاو سے تم نے میری آگیا شرو دھاریہ کی اس سے میں بہت پرسن ہوں۔ پاپ ناشی، میں تم سے بہت خوش ہوں۔

پاپ ناشی نے بھے بھیت ہو کر کہا۔ پربھو۔ پربھو! میں تجھے اب پہچان گیا، خوب پہچان گیا۔ تو ہی وہ پرانی ہے جو پربھو مسیح کو مندر کے کلش پر لے گیا تھا اور بھو منڈل کے سمست سامراجیہ کا دگ درشن کرایا تھا۔

تو شیطان ہے! بھگوان، تم مجھ سے کیوں پران مکھ ہو؟

وہ تھر تھر کانپتا ہوا بھومی پر گر پڑا اور سوچنے لگا۔

مجھے پہلے اس کا گیان نہ ہوا؟ میں ان نیتر ہین، ودھیر اور اپنگ منشیوں سے بھی ابھاگا ہوں جو نتیہ شرن آتے ہیں۔ میری انتر درشٹی سرورتھا جیوتی ہین ہو گئی ہیں، مجھے دیوی گھٹناؤں کا اب لیش ماتر بھی گیان نہیں ہوتا اور اب میں ان بھرشٹ بذھی پاگلوں کی بھانتی ہوں جو مٹی پھانکتے ہیں اور مردوں کی لاشیں گھسیٹتے ہیں۔ میں اب نرک کے امنگل اور سورگ کے مدُھر شبدوں میں بھید کرنے کے یوگیہ نہیں رہا۔ مجھ میں اب اس نوجات ششو کا نیسرگک گیان بھی نہیں رہا جو ماتا کے استنوں کے منہ سے نکل جانے پر روتا ہے، اس کتے کا سا بھی، جو اپنے سوامی کے پدچنھوں کی گندھ پہچانتا ہے، ڈاس پودھے کا سا بھی جو سوریہ کی اور اپنا مکھ پھیرتا رہتا ہیں۔ میں پریتوں اور پشاچوں کے پری ہاس کا کیندر ہوں۔ یہ سب مجھ پر تالیاں بجا رہے ہیں، تو اب گیات ہوا، کہ شیطان ہی مجھے یہاں کھینچ کر لایا۔ جب اس نے مجھے اس استمبھ پر چڑھایا تو واسنا اور آہنکار دونوں ہی میرے ساتھ چڑھ آئے! میں کیول اپنی اچھاؤں کے وستار ہی سے شنکائمان نہیں ہوتا۔ ایٹونی بھی اپنی پروت گپھا میں اسے ہی پرلوبھنوں سے پیڑت ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان سمست پشاچوں کی تلوار میری دیہہ کو چھید سورگ دوتوں کے سمکھ میری دھجیاں اڑا دی جائیں۔ اب میں اپنی یاتناؤں سے پریم کرنا سیکھ گیا ہوں۔ لیکن ایشور مجھ سے نہیں بولتا، اس کا ایک شبد بھی میرے کانوں میں نہیں آتا۔ اس کا یہ نردیہ مون، یہ کٹھور نستبدھتا آشچریہ جنک ہیں۔ اس نے مجھے تیاگ دیا ہے۔ مجھے، جس کا اس کے سوائے اور کوئی اولمب نہ تھا۔ وہ مجھے اس آفت میں اکیلا نسہائے چھوڑے ہوئے ہیں۔ وہ

مجھ سے دور بھاگتا ہے، گھرنا کرتا ہے،لیکن میں اس کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا۔ یہاں میرے پیر جل رہے ہیں،میں دوڑ کر اس کے پاس پہنچوں گا۔

یہ کہتے ہی اس نے وہ سیڑھی تھام لی جو استمبھ کے سہارے کھڑی تھی، اس پر پیر رکھے اور ایک ڈنڈا نیچے اترا کہ اس کا مکھ گوروپی کلش کے سمکھ آگیا۔ اسے دیکھ کر یہ گو مورتی وچتر روپ سے مسکرائی۔ اسے اب اس میں کوئی سندیہہ نہ تھا کہ جس استھان کو اس نے شانتیلابھ اور ستکیرتی کے لیے پسند کیا تھا، وہ اس کے سروناش اور پتن کا سدھ ہوا، وہ بڑے ویگ سے اتر کر زمین پر آپہنچا۔ اس کے پیروں کو اب کھڑے ہونے کا بھی ابھیاس نہ تھا، وہ ڈگمگاتے تھے۔لیکن اپنے اوپر اس پشاچک استمبھ کی پرچھائی پڑتے دیکھ کر وہ زبردستی دوڑا، مانو کوئی قیدی بھاگا جاتا ہو۔سنسار ندرا میں مگن تھا۔ وہ سب سے چھپا ہوا اس چوک سے ہو کر نکلا جس کے چاروں اور شراب کی دکانیں، سرائیں، دھرم شالائیں بنی ہوئی تھیں اور ایک گلی میں گھس گیا، جو لائبیا کی پہاڑیوں کی اور جاتی تھی۔ وچتر بات یہ تھی کہ کتا بھی بھونکتا ہوا اس کا پیچھا کررہا تھا اور جب تک مرو بھومی کے کنارے تک اسے دوڑا نہ لے گیا، اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ پاپ ناشی ایسے دیہاتوں میں پہنچ گیا جہاں سڑکیں یا پگ ڈنڈیاں نہ تھیں، کیول ون جنتوؤں کے پیروں کے نشان تھے۔ اس نرجن پردیش میں وہ ایک دن اور رات لگا تار اکیلا بھاگتا چلا گیا۔

انت میں جب وہ بھوک، پیاس اور تھکان سے اتنا بے دم ہو گیا کہ پاؤں لڑکھڑانے لگے، ایسا جان پڑنے لگا کہ اب جیتا نہ بچوں گا تو وہ ایک نگر میں پہنچا جو دائیں بائیں اتنی دور تک پھیلا ہوا تھا کہ اس کی سیمائیں نیلے چھتج میں ولین ہو جاتی تھیں۔ چاروں اور نستبدھتا چھائی ہوئی تھی، کسی پرانی کا نام نہ تھا۔ مکانوں کی کمی نہ تھی، پر وہ دور دور پر بنے ہوئے تھے، اور ان مصری میناروں کی بھانتی دکھتے تھے جو بیچ سے کاٹ لیے گئے ہوں۔ سبوں کی بناوٹ ایک سی تھی، مانوں ایک ہی امارت کی بہت سی نقلیں کی گئیں ہوں۔ واستو میں یہ سب قبریں تھیں۔ ان کے دوار کھلے اور ٹوٹے ہوئے تھے، اور ان کے اندر بھیڑیوں اور لکڑبھگوں کی چمکتی ہوئی آنکھیں نظر آتی تھیں، جنھوں نے وہاں بچے دیئے تھے۔ مردے قبروں کے سامنے باہر پڑے ہوئے تھے،جنھیں ڈاکوؤں نے نوچ کھسوٹ لیا تھا۔ اور جنگلی جانوروں نے جگہ جگہ چبا ڈالا تھا۔ اس مرتیوپوری میں بہت دیر تک چلنے کے بعد پاپ ناشی ایک قبر کے

سامنے تھک کر گر پڑا جو چھوہارے کے ورکشھوں سے ڈھکے ہوئے ایک سوتے کے سمیپ تھی۔
یہ قبر خوب سجی ہوئی تھی، اس کے اوپر بیل بوٹے بنے ہوئے تھے، کنتوں کوئی دوار نہ تھا۔ پاپ ناشی نے ایک چھدر میں سے جھانکا تو اندر ایک سندر، رنگا ہوا تہہ خانہ دکھائی پڑا جس میں سانپوں کے چھوٹے چھوٹے بچے ادھر ادھر رینگ رہے تھے۔ اسے اب بھی یہی شنکا ہو رہی تھی کہ ایشور نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا ہے اور میرا کوئی اولمب نہیں ہیں۔

اس نے ایک دن دیرگھ، نہہ شواس لے کر کہا۔ اسی استھان میں میرا نواس ہوگا، یہی قبر اب میرے پرائشچت اور آتم دمن کا آشر یستھا نہ ہوگی۔

اس کے پیر تو اٹھ نہ سکتے تھے، لیٹے لیٹے کھسکتا ہوا وہ اندر چلا گیا، سانپوں کو اپنے پیروں سے بھگا دیا اور نرنتر اٹھارہ گھنٹوں تک پکی بھومی پر سر رکھے ہوئے اوندھے منہ پڑا رہا۔ اس کے پشچات وہ اس جل سروت پر گیا اور چلوّ سے پیٹ بھر پانی پیا۔ تب اس نے تھوڑے چھوہارے توڑے اور کئی کمل کی بیلیں نکال کر کمل گٹے جما کیے۔ یہی اس کا بھوجن تھا۔ چھدھا اور ترشنا شانت ہونے پر اسے ایساانومان ہوا کہ یہاں وہ سبھی ودھن بادھاؤں سے مکت ہو کر کال چھیپ کرسکتا ہے۔ ات ایو اس نے اسے اپنے جیون کا نیم بنا لیا۔ پراتہ کال سے سندھیا تک وہ ایک چھن کے لیے بھی سر اوپر نہ اٹھاتا تھا۔

ایک دن جب وہ اس بھانتی اوندھے منہ پڑا ہوا تھا تو اس کے کانوں میں کسی کے بولنے کی آواز آئی۔ پاشان اچتروں کو دیکھ، تجھے گیان پراپت ہوگا!'

یہ سنتے ہی اس نے سر اٹھایا اور تہہ خانوں کی دیواروں پر درشٹی پات کیاتو اسے چاروں اور سماجک درشیہ انکت دکھائی دیے۔ جیون کی سادھارن گھٹنائیں جیتی جاگتی مورتیوں دوارا پرکٹ کی گئیں تھیں۔ یہ بڑے پراچین سے کی چتر کاری تھی اور اتنی اتّم کہ جان پڑتا مورتیاں اب بولنا ہی چاہتی ہیں۔ چتر کار نے ان میں جان ڈال دی تھی۔ کہیں کوئی نان بائی روٹیاں بنا رہا تھا اور گالوں کوپھکّی کی طرح پھولا کر آگ پھونکتا تھا، کوئی بطخوں کے پر نوچ رہا تھا اور کوئی پتیلیوں میں مانس پکا رہا تھا۔ ذرا اور ہٹ کر ایک شکاری کندھوں پر ہرن لیے جاتا تھا، جس کی دیہہ میں بانڑ چبھے دکھائی دیتے تھے۔ ایک استھان پر کسان کھیتی کا کام کاج کرتے تھے۔ کوئی بوتا تھا، کوئی کاٹتا تھا، کوئی اناج بکھاروں میں بھر رہا تھا۔ دوسرے استھان پر کئی استریاں ویڑا، بانسری اور تمبوروں پر ناچ رہی تھیں۔ ایک سندر یووتی ستار بجا رہی تھی۔ اس

کے کیشوں میں کمل کا پشپ شوبھا دے رہا تھا۔ کیش بڑی سندرتا سے گتھے ہوئے تھے۔ اس کے سوچھ مہین کپڑوں سے اس کے نرمل انگوں کی آبھا چھلکتی تھی۔ اس کے مکھ اور وکچھ استھل کی شوبھا ادوتیہ تھی۔ اس کا مکھ ایک اُور کو پھرا ہوا تھا، پر کمل نیتر سیدھے ہی تاک رہے تھے۔ سرواگ انوپم، ادِتیہ مگدھ کر تھا۔ پاپ ناشی نے اسے دیکھتے ہی آنکھیں نیچی کر لیں اور اس آواز کو اُتر دیا— تو مجھے ان تصویریں کا اولوکن کرنے کا آدیش کیوں دیتا ہے۔ اس میں تیری کیا اِچھا ہے؟ یہ ستیہ ہے کہ ان چترں میں اس پرتیما وادی پُرش کے سنسارِک جیون کا انکن کیا گیا ہے جو یہاں میرے پیروں کے نیچے[1] ایک کنوئیں کی تہہ میں، کالے پتھر کے صندوق میں بند، گڑا ہے۔ ان سے ایک مرے ہوئے پَرانی کی یاد آتی ہے، اور یدپی ان کے روپ بہت چمکیلے ہیں، پر یتھارتھ میں وہ کیول چھایا نہیں، چھایا کی چھایا ہے، کیوں کہ مانو جیون سونیہ چھایا ماتر ہے۔ مرت دیہہ کا اتنا مہتو اتنا گرو!

اس آواز نے اُتر دیا— اب وہ مر گیا ہے لیکن ایک دن جیوت تھا۔ لیکن تو ایک دن مر جائے گا اور تیرا کوئی نشان نہ رہے گا۔ تو ایسا مِٹ جائے گا مانو کبھی تیرا جنم ہی نہیں ہوا تھا۔

اسی دن سے پاپ ناشی کا چِت آٹھوں پہر چنچل رہنے لگا۔ ایک پل کے لیے اسے شانتی نہ ملتی۔ اس آواز کی اوشرانت دھونی اس کے کانوں میں آیا کرتی۔ ستار بجانے والی یُووَتی اپنی لمبی پلکوں کے نیچے سے اس کی اُور ٹکٹی لگائے رہتی۔ آخر ایک دن وہ بھی بولی— پاپ ناشی، ادھر دیکھ! میں کتنی مایاوینی اور روپ وتی ہوں! مجھے پیار کیوں نہیں کرتا؟ میرے پریم لنکن میں اس پریم داہ کو شانت کر دے جو تجھے وِیکل کر رہا ہے۔ مجھ سے تو ویرتھ آشنکِت ہے۔ تو مجھ سے بچ نہیں سکتا، میرے پریم پاشوں سے بھاگ نہیں سکتا۔ میں ناری سوندریہ ہوں۔ ہت بُدّھی! مُورکھ! تو مجھ سے کہاں بھاگ جانے کا وچار کرتا ہے؟ تجھے کہاں شرن ملے گی؟ تجھے سندر پشپوں کی شوبھی میں، کھجور کے ورکچھوں کے پھولوں میں، اس کی پھلوں سے لدی ہوئی ڈالیوں میں، کبوتر کے پر میں، مرغاؤں کی چھلانگوں میں، جل پرتاپوں کے مدھر کلرَو میں، چاند کی مند جیوتسنا میں، تتلیوں کے منوہر رنگوں میں، اور یدی اپنی آنکھیں بند کر لے گا، تو اپنے انت استل میں، میرا ہی سوروپ دکھائی دے گا۔ میرا سوندریہ سرو ویاپک ہے۔ ایک ہزار

1۔ مصر کے پراچین نواسی مردوں کو تہہ خانے کے اندر، کنوؤں کے نیچے گاڑتے تھے۔

برسوں سے ادھیک ہوئے کہ اس پُرش نے جو یہاں مہین کفن میں ویشٹت ، ایک کالے پتھر پر وشرام کر رہا ہے، مجھے اپنے ہردے سے لگایا تھا۔ ایک ہزار برسوں سے ادھک ہوئے کہ اس نے میرا سُدھا مے ادھروں کا انتم بار رساسوادن کیا تھا اور اس کی درگھ ندرا ابھی تک اس کی سگندھ سے مہک رہی ہے۔ پاپ ناشی، تم مجھے بھلی بھانتی جانتے ہو؟ تم مجھے بھول کیسے گئے؟ مجھے پہچانا کیوں نہیں! اسی پر آتم گیانی بننے کا دعویٰ کرتے ہو؟ میں تھالیس کے اسنکھیہ اوتاروں میں سے ایک ہوں۔ تم وِدوان ہو اور جیوؤں کے تتو کو جانتے ہو۔ تم نے بڑی بڑی یاترائیں کی ہیں اور یاتراؤں ہی سے منُشیہ آدمی بنتا ہے، اس کے گیان اور بدھی کا وکاس ہوتا ہے۔ یاترا کے دنوں میں بہودا اتنی نوین وستوئیں دیکھنے میں آ جاتی ہیں، جتنی گھر پر بیٹھے ہوئے دس برسوں میں بھی نہ آئیں گی۔ تم نے سنا ہے کہ پُوروکال میں تھالیس ہیلن کے نام سے یونان میں رہتی تھی۔ اس نے تھبس میں پھر دوسرا اوتار لیا۔ میں ہی تھبس کی تھالیس تھی۔ اس کا کارن کیا ہے کہ تم اتنا بھی نہ بھانپ سکے! پہچانو، یہ کس کی قبر ہے؟ کیا تم بالکل بھول گئے کہ ہم نے کیسے کیسے وہار کیے تھے۔ جب میں جیوت تھی تو میں نے اس سنسار کے پاپوں کا بڑا بھار اپنے سر پر لیا تھا اور اب کیول چھایا ماتر رہ جانے پر بھی ایک چتر کے روپ میں بھی، مجھ میں اتنی سامرتھیہ ہے کہ میں تمھارے پاپوں کو اپنے اوپر لے سکوں۔ ہاں، مجھ میں اتنی سامرتھ ہے۔ جس نے جیون میں سمست سنسار کے پاپوں کا بھار اٹھایا، کیا اس کا چتر اب ایک پرانی کے پاپوں کا بھار بھی نہ اٹھا سکے گا؟ وسمت کیوں ہوتے ہو؟ آشچریہ کی کوئی بات نہیں۔ وِدھاتا ہی نے یہ ویوستھا کر دی کہ تم جہاں جاؤ گے، تھالیس تمھارے ساتھ رہے گی۔ اب اپنے چرسنگینی تھالیس کی کیوں اوہیلنا کرتے ہو؟ تم وِدھاتا کو نہیں توڑ سکتے۔

پاپ ناشی نے پتھر کے فرش پر اپنا سر پٹک دیا اور بھے بھیت ہو کر چیخ اٹھا۔ اب، یہ ستارووادی نتیہ پرتی دیوار سے نہ جانے کس طرح الگ ہو کر اس کے سمیپ آ جاتی اور مندواش لیتے ہوئے اس سے اسپشٹ شبدوں میں ورتالاپ کرتی، اور جب وہ وِرکت پَرانی اس کی چھبد چیشٹاؤں کا بہشکار کرتا تو وہ اس سے کہتی— پریتم! مجھے پیار کیوں نہیں کرتے؟ مجھ سے اتنی نٹھرائی کیوں کرتے ہو؟ جب تک تم مجھ سے دور بھاگتے رہو گے، میں تمھیں ویکل کرتی ہوں گی، تمھیں یاتنائیں دیتی رہوں گی۔ تمھیں ابھی یہ نہیں معلوم ہے کہ مرت استری کی آتما کتنی دھریہ شالینی ہوتی ہے۔ اگر آوشیکتا ہو تو میں اس سمے تک تمھارا انتظار کروں گی جب تک

تم مر نہ جاؤ گے۔ مرنے کے بعد بھی میں تمھارا پیچھا نہ چھوڑوں گی۔ میں جادوگرنی ہوں۔ مجھے تنتروں کا بہت ابھیاس ہے۔ میں تمھاری مرت دیہہ میں نیا جیو ڈال دوں گی جو اسے چیتنیہ کر دے گا اور جو مجھے وہ وستو پردان کرکے اپنے کو دھنیہ مانے گا جو میں تم سے مانگتے مانگتے ہار گئی اور نہ پاسکی! میں اس پنہ جیوت شریر کے ساتھ من مانا سکھ بھوگ کروں گی۔ اور پریہ پاپ ناشی، سوچو، تمھاری دشا کتنی کرونا جنک ہوتی جب تمھاری سورگ واسی آتما اس اونچے استھان پر بیٹھے ہوئے دیکھے گی کہ میری ہی دیہہ کی کیا چھچھالیدار ہو رہی ہے۔ سویم ایشور جس نے حساب کے دن کے بعد تمھیں انت کال تک کے لیے یہ دیہہ لوٹا دینے کا وچن دیا ہے چکر میں پڑ جائے گا کہ کیا کروں۔ وہ اس مائو شریر کے سورگ کے پوتر دھام میں کیسے استھان دے گا جس میں ایک پریت کا نواس ہے اور جس سے ایک جادوگرنی کی مایا لپٹی ہوئی ہے؟ تم نے اس کٹھن سمسّیا کا وچار نہیں کیا۔ نہ ایشور ہی نے اس پر وچار کرنے کا کشٹ اٹھایا۔ تم سے کوئی پردا نہیں۔ ہم تم دونوں ایک ہی ہیں ایشور بہت وچار شیل نہیں جان پڑتا۔ کوئی ساھارن جادوگر اسے دھوکے میں ڈال سکتا ہے، اور یدی اس کے پاس آکاش، وجر اور میگھوں کی جل سینا نہ ہوتی تو دیہاتی لونڈے اس کی داڑھی نوچ کر بھاگ جاتے، اس سے کوئی بھے بھیت نہ ہوتا، اور اس کی وسترت سرشٹی کا انت ہو جاتا۔ یتھارتھ میں اس کا پرانا شترو سرپ اس سے کہیں چتر اور دور درشی ہے۔ سرپ راج کے کوشل کا پراپوار نہیں ہے۔ یہ کلاؤں میں پروین ہے۔ یدی میں ایسی سندری ہوں تو اس کا کارن یہ ہے کہ اس نے مجھے اپنے ہی ہاتھوں سے رچا اور یہ شوبھا پردان کی۔ اسی نے مجھے بالوں کا گھتنا، اردھ کوسمت ادھروں سے ہنسنا اور آبھوشنوں سے انگوں کو سجانا سکھایا۔ تم ابھی تک اس کا مہاتمے نہیں جانتے۔ جب تم پہلی بار اس قبر میں آئے تو تم نے اپنے پیروں سے ان سرپوں کو بھگا دیا جو یہاں رہتے تھے اور ان کے انڈوں کو کچل ڈالا۔ تمھیں اس کی لیش ماتر بھی چنتا نہ ہوئی کہ یہ سرپ راج کے آتمیہ ہے۔ متر، مجھے بھے ہے کہ اس اوچار کا تم کو کڑا ڈنڈ ملے گا۔ سرپ راج تم سے بدلا لیے بنا نہ رہے گا۔ تس پر بھی تم اتنا تو جانتے ہی تھے کہ وہ سنگیت میں نپن اور پریم کلا میں سدھ ہست ہے۔ تم نے یہ جان کر بھی اس کی اوگیا کی۔ کلا اور سوندریہ دونوں ہی سے جھگڑا کر بیٹھے، دونوں کو ہی پاؤں تلے کچلنے کی چیشٹا کی، اور اب تم دیہک اور مانسک آتنکوں سے گرست ہو رہے ہو۔ تمھارا ایشور کیوں تمھاری سہایتا نہیں کرتا؟ اس کے لیے یہ اسمبھو ہے۔

اس کا آکار بھومنڈل کے آکار کے سامان ہی ہے، اس لیے اسے چلنے کی جگہ ہی کہاں ہے، اور اگر اسمبھو کو سمبھو مان لیں، تو اس کی بھومنڈل ویاپی دیہہ کے کنچت ماتر ہلنے پر ساری سرِشٹی اپنی جگہ سے کھسلک جائے گی، سنسار کا نام ہی نہ رہے گا۔ تمھارے سروگیات ایشر نے اپنی سرِشٹی میں اپنے کو قید کر رکھا ہے۔

پاپ ناشی کو معلوم تھا کہ جادو دوارا بڑے بڑے انیسر گک کاریہ سدّھ ہو جایا کرتے ہیں۔ یہ وچار کر کے اس کو بڑی گھبراہٹ ہوئی—

شاید وہ مرت پرشوں جو میرے پیروں کے نیچے سمادھیست ہے ان منتروں کو یاد رکھے ہوئے ہے جو 'گپت گرنتھ' میں گپت روپ سے لکھے ہوئے ہیں۔ وہ گرنتھ اوشیہ ہی کسی بادشاہ کی قبر کے نیچے کہیں نہ کہیں چھپا رکھا ہوگا۔ وہ استھان یہاں سے دور نہیں ہوسکتا۔ کسی بادشاہ کی قبر نکٹ ہوگی۔ ان منتروں کے بل کے مردے وہی دیہہ دھارن کر لیتے ہیں جو انھوں نے اس لوک میں دھارن کیا تھا، اور پھر شوریہ کے پرکاش اور رمنیوں کی مند مسکان کا آنند اٹھاتے ہیں۔

اس کو سب سے ادھِک بھے اس بات کا تھا کہ کہیں یہ ستار بجانے والی سندری اور وہ مرت پُرش نکل نہ آئیں اور اس کے سامنے اسی بھانتی سنبھوگ نہ کرنے لگیں، جیسے وہ اپنے جیون میں کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چمبن کا شبد سنائی دے رہا ہے۔

وہ مانسک تاپ میں جلا جاتا تھا، اور اب ایشوور کی دیا درشٹی سے ونچت ہو کر اسے وچاروں سے اتنا ہی بھے لگتا تھا، جتنا بھاوؤں سے۔ نہ جانے من میں کب کیا بھاؤ جاگرِت ہو جائے۔

ایک دن سندھیا سمے جب وہ اپنے نیا انوسار اوندھے اوندھے منھ پڑا سجدہ کر رہا تھا، کسی اپریچت پَرانی نے اس سے کہا—

'پاپ ناشی، پرتھوی پر اس سے کتنے ہی ادھِک اور کتنے ہی وچتر پَرانی بستے ہیں جتنا تم انومان کر سکتے ہو، اور یدی میں تمھیں یہ سب دکھا سکوں جس کا میں نے انوبھو کیا ہے تو تم آشچریہ سے بھر جاؤ گے۔ سنسار میں ایسے منُشیہ بھی ہے جن کے للاٹ کے مدھیہ میں کیول ایک ہی آنکھ ہوتی ہے اور وہ جیون کا سارا کام اسی ایک آنکھ سے کرتے ہیں۔ اسے پرانی بھی

دیکھے گئے ہیں جن کے ایک ہی ٹانگ ہوتی ہے اور اچھل اچھل کر چلتے ہیں۔ ان ایک ٹانگوں سے ایک پورا پرانت بسا ہوا ہے۔ ایسے پرانی بھی ہے تو اچھا انوسار استری یا پرش بن جاتے ہیں۔ جن میں لنگ بھید ہی نہیں ہوتا۔ اتنا ہی سن کر نہ چکراؤ۔ پرتھوی پر مانو ورکچھ ہے جن کی جڑیں زمین میں پھیلتی ہیں، بنا سر والے منشیہ ہیں۔ جن کی چھاتی میں منھ، دو آنکھیں اور ایک ناک رہتی ہے۔ کیا تم شدھ من سے وشواش کرتے ہو کہ پربھو مسیح نے ان پرانیوں کی مکتی سے نمت ہی شریر تیاگ کیا؟ اگر اس نے ان دکھیوں کو چھوڑ دیا ہے تو یہ کس کی شرن جائیں گے، کون ان کی مکتی کا داعی ہوگا؟

اس کے کچھ سے بعد پاپ ناشی کو ایک سوپن ہوا۔ اس نے نرمل پرکاش میں ایک چھوٹی سڑک، بہتے ہوئے نالے اور لہلہاتے ہوئے ادھان دیکھے۔ سڑک پر ارسطوبولس اور چیریاس اپنے عربی گھوڑوں کو سرپٹ دوڑائے چلے جاتے تھے اور اس چوگان دوڑ سے ان کا چت اتنا اُلست ہو رہا تھا کہ ان میں منھ اورُڑ ورن ہوئے جاتے تھے۔ ان کے سمیپ ہی کے ایک پیش تاک میں کھڑا کوی کلی کرانت اپنے کوِت پڑھ رہا تھا۔ سپھل ورگ اس کے سوَر میں کانپتا تھا اور اس کی آنکھوں میں چمکتا تھا۔ ادھان میں جینا تھمیز پکے ہوئے سیب چن رہا تھا اور ایک سرپ کو تھپکیاں دے رہا تھا جس کے نیلے پر تھے۔ ہرموڈورس سویت وستر پہنے، سر پر ایک رتن جٹت مکٹ رکھے، ایک ورکشھ کے نیچے دھیان میں مگن بیٹھا تھا۔ اس ورکشھ میں کچھ پھولوں کی جگہ چھوٹے چھوٹے سر لٹک رہے تھے جو مصر دیش کی دیوؤں کی بھانتی گدھ، باج یا اجوِل چندر منڈل کا مکٹ پہنے ہوئے تھے۔ پیچھے کی اُور ایک جل کنڈ کے سمیپ بیٹھا ہوا نسیاس نکھتروں کی انت گتی کا اولوکن کر رہا تھا۔

تب ایک استری منھ پر نقاب ڈالے اور ہاتھ میں مہندی کی ایک ٹہنی لیے پاپ ناشی کے پاس آئی اور بولی— پاپ ناشی، ادھر دیکھ! کچھ لوگ ایسے ہیں جو انت سوندریہ کے لیے لالائت رہتے ہیں، اور اپنے نشور جیون کو امر سمجھتے ہیں۔ کچھ ایسے پرانی بھی ہیں جو جڑ اور وچار شونیہ ہیں، جو کبھی جیون کے تتوؤں پر وچار ہی نہیں کرتے لیکن دونوں ہی کیول جیون کے ناطے پرکرت دیوی کی اگیاؤں کا پالن کرتے ہیں، وہ کیول اتنے ہی سے سنتشٹ اور سکھی ہے کہ ہم جیتے ہیں، اور سنسار کے ادوتیہ کلانیدھی کا گن گان کرتے ہیں کیوں کہ منشیہ ایشور کی مورتی مان استوتی ہے۔ پرانی ماتر کا وچار ہے کہ سکھ ایک نشپاپ، وِشودھ وستو ہے، اور سکھ

بھوگ منشیہ کے لیے ورجت نہیں ہے۔ اگر ان لوگوں کا وچار ستیہ ہے تو پاپ ناشی، تم کہیں کے نہ رہے۔ تمھارا جیون نشٹ ہو گیا۔ تم نے پرکرت کے دیے ہوئے سروتّم پدارتھ کو تُچھ سمجھا۔ تم جانتے ہو، تمھیں اس کا ڈنڈ ملے گا؟

پاپ ناشی کی نیند ٹوٹ گئی۔

اسی بھانتی پاپ ناشی کو نرنتر شاریرک تتھا مانسِک پرلوبھنوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ یہ دوش پریرنائیں اسے سروتر گھیرے رہتی تھیں۔ شیطان ایک پل کے لے بھی اسے چین نہ لینے دیتا۔ اس نرجن قبر میں کسی بڑے نگر کی سڑکوں سے بھی اِدھِک پُرانی بسے ہوئے جان پڑتے تھے۔ بھوت پشاچ ہنس ہنس کر شور مچایا کرتے اور اگنِت پریت، چڑیل آدی، اور نانا پرکار کی دُورآتمائیں جیون کا سادھارن ویوہار کرتی رہتی تھیں۔ سندھیا سمے جب وہ جل دھارا کی اُور جاتا تو پریاں اور چڑیل اس کے چاروں اُور اکتر ہو جاتیں اور اسے اپنے کاموتیجک نرتیوں میں کھینچ لے جانے کی چیشٹا کرتیں۔ پشاچوں کو اب اس سے ذار بھی بھے نہ ہوتا تھا۔ وے اس کا اپہاس کرتے، اس پر اشلیل ویَنگ کرتے اور بہودا اس پر مرشٹ پرہار بھی کر دیتے۔ وہ ان اپمانوں سے اتینت دکھی ہوتا تھا۔ ایک دن ایک پشاچ، جو اس کی بانہہ سے بڑا نہیں تھا، اس رسّی کو چرا لے گیا جو وہ اپنی کمر میں باندھے تھا۔ اب وہ بالکل ننگا تھا۔ آورن کی چھایا بھی اس کی دیہہ پر نہ تھی۔ یہ سب سے گھور اپمان تھا جو ایک تپسوی کا ہو سکتا تھا۔

پاپ ناشی نے سوچا— من تو مجھے کہاں لیے آتا ہے؟

اس دن سے اس نے نشچیہ کیا کہ اب ہاتھوں سے شُرم (श्रम) کرے گا جس میں وچاریندریوں کو وہ شانتی ملے جس کی انھیں بڑی اوشیکتا تھا۔ آلسیہ کا سب سے برا پھل کُپرورتیوں کو اکسانا ہے۔

جل دھارا کے نکٹ، چھوہارے کے ورکشھوں کے نیچے کئی کیلے کے پودھے تھے جن کی پتیاں بہت بڑی بڑی تھیں۔ پاپ ناشی نے ان کے تنے کاٹ لے اور انھیں قبر کے پاس لایا۔ انھیں اس نے ایک پتھر سے کچلا اور ان کے ریشے نکالے۔ رسی بنانے والوں کو اس نے کیلے کے تار نکالتے دیکھا تھا۔ وہ اس رسی کی جگہ جو ایک پشاچ چرا لے گیا تھا کمر میں لپیٹنے کے لیے دوسری رسی بنانا چاہتا تھا۔ پریتوں نے اس کی دن چریا میں یہ پریورتن دیکھا تو کرُدھ ہوئے۔ کنتو اسی شن سے ان کا شور بند ہوگیا، اور ستار والی رمنی نے بھی اپنی آلوکِک

سنگیت کلا کو بند کر دیا اور پُروت دیوار ـ سے جا ملی اور چپ چاپ کھڑی ہوگئی۔

پاپ ناشی جیوں جیوں کیلے کے تنے کو کچلتا تھا، اس آتم وشواش، دھریہ اور دھرم بل بڑھ جاتا تھا۔

اس نے من میں وچار کیا— ایشور کی اِچھا ہے تو اب بھی اندریوں کا دمن کر سکتا ہوں۔ رہی آتما، اس کی دھرم نشٹھا ابھی تک نشچل اور ابھید ہے۔ یہ پریت، پشاچ، گو اور وہ کلٹا استری، میرے من میں ایشور کے سمبندھ میں بھانتی بھانتی کی شنکائیں اُتپن کرتے رہتے ہیں۔ میں رشی جان کے شبدوں میں ان کو یہ اتر دوں گا— آدی میں شبد تھا اور شبد بھی وشوواس متھیا اور بھرم مولک ہے تو میں دڑھتا سے اس پر وشواس کرتا ہوں۔ واستو میں اسے متھیا ہی ہونا چاہیے۔ یدی ایسا نہ ہوتا تو میں وشواس کرتا، کیول ایمان نہ لاتا، بلکہ انوبھو کرتا، جانتا۔ انوبھو سے اننت جیون نہیں پراپت ہوتا گیان ہمیں مکتی نہیں دے سکتا۔ اڈّار کرنے والا کیول وشواس ہے۔ اتہہ ہمارے اُڈّار کی بھتّی متھیا اور استیہ ہے۔

یہ سوچتے سوچتے وہ رک گیا۔ ترک اسے نہ جانے کدھر لیے جاتا تھا۔ وہ ان بکھرے ہوئے ریشوں کو دن بھر دھوپ میں سکھاتا اور رات بھر اوس میں بھگنے دیتا۔ دن میں کئی بار وہ ریشوں کو پھیرتا تھا کہ کہیں سڑ نہ جائیں۔ اب اسے یہ انوبھو کر کے پرم آنند ہوتا تھا کہ بالکوں کے سمان سرل اورنشکپٹ ہو گیا ہے۔

رسی بٹ چکنے کے بعد اس نے چٹائیاں اور ٹوکریاں بنانے کے لیے نرکٹ کاٹ کر جمع کیا۔ وہ سادھی کُٹی ایک ٹوکری بنانے والے کی دوکان بن گئی، اور اب پاپ ناشی جب چاہتا ایش پرارتھنا کرتا، جب چاہتا کام کرتا؛ لیکن اتنا سیّم اور یتن کرنے پر بھی ایشور کی اس پر دیا درشٹی نہ ہوئی۔ ایک رات کو وہ ایک ایسی آواز سن کر جاگ پڑا جس نے اس کا ایک ایک رُواں کھڑا کر دیا۔ یہ اسی مرے ہوئے آدمی کی آواز تھی جو اس قبر کے اندر دفن تھا۔ اور کون بولنے والا تھا؟

آواز سائیں سائیں کرتی ہوئی جلدی جلدی یوں پکار رہی تھی— 'ہیلن، ہیلن، آؤ، میرے ساتھ اسنان کرو!'

ایک استری نے جس کا منھ پاپ ناشی کے کانوں کے سمیپ ہی جان پڑتا تھا، اتر دیا— پریتم، میں اٹھ نہیں سکتی۔ میرے اوپر ایک آدمی سویا ہوا ہے۔

سہسا پاپ ناشی کو ایسا معلوم ہوا کہ وہ اپنی گال کسی استری کے ہردے استھل پر رکھے ہوئے ہے۔ وہ ترنت پہچان گیا کہ وہی ستار بجانے والی یووتی ہے۔ وہ جیوں ہی ذرا سا کھسکا تو استری کا بوجھ کچھ ہلکا ہوگیا اور اس نے اپنی چھاتی اوپر اٹھائی۔ پاپ ناشی تب کاموئمت ہو کر، اس کومل، سگندھ مے، گرم شریر سے چمٹ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اسے پکڑ کر بھینچ لیا۔ سَروناشی دُورمنیے واسنا نے اسے پراست کر دیا۔ گڑگڑا کر وہ کہنے لگا— ٹھہرو، ٹھہرو، پریہ! ٹھہروں میری جان!

لیکن یُووَتی ایک چھلانگ میں قبر کے دَوار پر جا پہنچی۔ پاپ ناشی کو دونوں ہاتھ پھیلائے دیکھ کر وہ ہنس پڑی اور اس کی مسکراہٹ شَشی کی اُجول کرنوں میں چمک اٹھی۔

اس نے نشٹھُروتا سے کہا— میں کیوں ٹھہروں؟ ایسے پریمی کے لیے جس کی بھاؤ شکتی اتنی سجیو اور پرکھر ہو، چھایا ہی کافی ہے۔ پھر تم اب پتِت ہو گئے، تمھارے پتن میں اب کوئی کسر نہیں رہی۔ میری منوکامنا پوری ہوگئی، اب میرا تم سے کیا ناتا؟

پاپ ناشی نے ساری رات رو رو کر کاٹی اور اُوشا کال ہوا تو اس نے پربھو مسیح کی وندنا کی جس میں بھکتی پُورن ویَنگ بھرا ہوا تھا— عیسو، پربھو، تو نے کیوں مجھ سے آنکھ پھیر لی! تو دیکھ رہا ہے کہ میں کتنی بھیاوہ پرِستھیتیوں میں گھرا ہوا ہو۔ میرے پیارے مکتی داتا آ، میری سہایتا کر۔ تیرا پتا مجھ سے ناراض ہے، میری انونئے ونیہ کچھ نہیں سنتا، اس لیے یاد رکھ کہ تیرے سوائے میرا اب کوئی نہیں ہے۔ تیرے پتا سے اب مجھے کوئی آشا نہیں ہے میں اس کے رہسیہ کو سمجھ نہیں سکتا اور نہ اسے مجھ پر دیا آتی ہے۔ کنتو تو نے ایک استری کے گربھ سے جنم لیا ہے، تو نے ماتا کا اسنیہ بھوگ کیا ہے اور اس لیے تجھ پر میری شردا ہے۔ یاد رکھ کہ تو بھی ایک سمے مانو دیہہ دھاری تھا۔ میں تیری پرارتھنا کرتا ہوں، اس کارن نہیں کہ تو ایشور کا ایشور، جیوتی کی جیوتی، پرم پتا کا پرم پِتا ہے، بلکہ اس کارن کہ تو نے اس لوک میں، جہاں اب میں نانا یاتنائیں بھوگ رہا ہوں، درِدّر اور دین پرانیوں کا سا جیون ویتت کیا ہے؛ اس کارن کہ شیطان نے تجھے بھی کواسناؤں کے بھنور میں ڈالنے کی چیشٹا کی ہے، اور مانسِک ویدنا نے تیرے بھی مکھ کو پسینے سے تر کیا ہے۔ میرے مسیح، میرے بندھو مسیح، میں تیری دیا کا، تیری منُشیتا کا پراتھی ہوں۔

جب وہ اپنے ہاتھوں کو مل مل کر یہ پرارتھنا کر رہا تھا، تو اٹہاس کی پرچنڈ دَھونی سے

قبر کی دیواریں ہل گئیں اور وہی آواز، جو استمبھ کے سیکھر پر اس کے کانوں میں آئی تھی، ایمان سوچک شبدوں میں بولی— یہ پرارتھنا تو وِدھرمی مارکس کے مکھ سے نکلنے کے یوگیہ ہے! پاپ ناشی بھی مارکس کا چیلا ہوگیا۔ واہ واہ! کیا کہنا! پاپ ناشی وِدھرمی ہوگیا!

پاپ ناشی پر مانو ورج گھات ہوگیا۔ وہ مُرچھت ہوکر پرتھوی پر گر پڑا۔

جب اس نے پھر آنکھیں کھولیں، تو اس نے دیکھا کہ تپسوی کالے کنٹوپ پہنے اس کے اُور کھڑے ہیں، اس کے مُکھ پر پانی کے چھینٹے دے رہے ہیں اور اس کی جھاڑ پھونک، ینتر منتر میں لگے ہوئے ہیں۔ کئی اور آدمی ہاتھوں میں کھجور کی ڈالیاں لیے باہر کھڑے ہیں۔

ان میں سے ایک نے کہا— ہم لوگ اِدھر سے ہوکر جا رہے تھے تو ہم نے اس قبر سے چلّانے کی آواز نکلتی سنی، اور اب اندر آئے تو تمھیں پرتھوی پر اچیت پڑے دیکھا۔ نِسندیہہ پریتوں نے تمھیں پچھاڑ دیا تھا اور ہم کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

پاپ ناشی نے سر اٹھا کر چھین سوَر میں پوچھا— بندھو ورگ، آپ لوگ کون ہیں؟ آپ لوگ کیوں کھجور کی ڈالیاں لیے ہوئے ہیں؟ کیا میری مرتک کریا کرنے تو نہیں آئے ہیں؟

ان میں سے ایک تپسوی بولا— بندھوور، کیا تمھیں خبر نہیں کہ ہمارے پوجیہ پتا اینٹونی، جن کی اوستھا اب ایک سو پانچ برسوں کی ہوگئی ہے، اپنے انتم کال کی سوچنا پاکر اس پروت سے اتر آئے ہیں جہاں وہ ایکانت سیون کر رہے تھے؟ انھوں نے اپنے اگرِوت شِشیوں اور بھکتوں کو جو ان کی آدھیاتمِک سنتانے ہیں، اشِر واد دینے کے نِمت یہ کشٹ اٹھایا ہے۔ ہم کھجور کی ڈالیاں لیے (جو شانتی کی سوچک ہے) اپنے پتا کی ابھے ریتھنا کرنے جا رہے ہیں۔ لیکن بندھو وَر یہ کیا بات ہے کہ تم کو ایسی مہان گھٹنا کی خبر نہیں! کیا یہ سمھو ہے کہ کوئی دیو دوت یہ سوچنا لے کر اس قبر میں نہیں آیا؟

پاپ ناشی بولا— آہ! میری کچھ نہ پوچھو۔ میں اب اس کرپا کے یوگیہ نہیں ہوں ار اس مرتیو پوری میں پریتوں اور پشاچوں کے سیوا اور کوئی نہیں رہتا۔ میرے لیے ایشور سے پرارتھنا کرو۔ میرا نام پاپ ناشی ہے جو ایک دھرم شرم کا ادھیکچھ تھا۔ پربھو کے سیوکوں میں مجھ سے ادِھک دکھی اور کئی نہ ہوگا۔

پاپ ناشی کا نام سنتے ہی سب یوگیوں نے کھجور کی ڈالیاں ہلائیں اور ایک سُوَر میں

اس کی پرشنسا کرنے لگے۔ وہ تپسوی جو پہلے بولا تھا، وسمے سے چونک کر بلا— کیا تم وہی سنت پاپ ناشی ہو جس کی اُجّول کِرتی اتنی وِکھیات ہو رہی ہے کہ لوگ انومان کرنے لگے تھے کہ کسی دن وہ پوجیہ انٹونی کی برابری کرنے لگے گا؟ شردھے پِتا، تمھیں نے تھالیس نام کی ویشوا کو ایشور کے چرنوں میں رات کیا؟ تمھیں کو تو دیو اٹھا کر ایک اُونچ استمبھ کے شیکھر پر بیٹھا آئے تھے، جہاں تم نتیہ پربھو مسیح کے بھوج میں سمّیلت ہوتے تھے۔ جو لوگ اس سمے استمبھ کے نیچے کھڑے تھے، انھوں نے اپنے نیتروں سے تمھارا سورگ استھان دیکھا۔ دیو دوت کے پرشویت میگھا ورن کی بھانتی تمھارے چاروں اُور منڈل بنائے تھے اور تم داہنا ہاتھ پھیلائے منُشیوں کو اشیرواد دیتے جاتے تھے۔ دوسرے دن جب لوگوں نے تمھیں وہاں نہ پایا تو ان کی شوک دھونی اس مکٹ ہین کے شیکھر تک جا پہنچی۔ چاروں اُور ہاہاکار مچ گیا۔ لیکن تمھارے شیشیہ پلے وین نے تمھارے آتموسرگ کی کتھا کہی اور تمھارے آشرم کا ادھیکچھ بنایا گیا۔ کنتو وہاں پال نام کا ایک مُورکھ بھی تھا! شاید وہ بھی تمھارے شیشیوں میں تھا۔ اس نے جنم سمّتی کے وِرودھ کرنے کی چیشٹا کی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے سوپن میں دیکھا ہے کہ پشاچ تمھیں پکڑے لیے جاتا ہے۔ جنتا کو یہ سن کر بڑا کرودھ آیا۔ انھوں نے اس کو پتھر سے مارنا چاہا۔ چاروں اُور سے لوگ دوڑ پڑے۔ ایشور ہی جانے کیسے مورکھ کی جان بچی۔ ہاں، وہ آوشیہ بچ گیا۔ میرا نام جوزی مس ہے۔ میں ان تپسویوں کا ادھیکچھ ہوں جو اس سمے تمھارے چرنوں پر گرے ہوئے ہیں۔ اپنے شیشیوں کے بھانتی میں بھی تمھارے چرنوں پر سر رکھتا ہوں کہ پتروں کے ساتھ پتا کو بھی تمھارے شبھ شبدوں کا پھل مل جائے۔ ہم لوگوں کو اپنے اشیرواد سے شانتی دیجیے۔ اس کے بعد ان آلوکِک کِرتیوں کا بھی ورنن کیجیے جو ایشور آپ کے دوارا پورا کرنا چاہتا ہے۔ ہمارا پرم سوبھاگیہ ہے کہ آپ جیسے مہان پُرش کے درشن ہوئے۔

پاپ ناشی نے اُتّر دیا— بندھو وَر، تم نے میرے وِشے میں جو دھارنا بنا رکھی ہے وہ یتھارتھ سے کوسوں دور ہے۔ ایشور کی مجھ پر کرپا درشٹی ہوتی تو دور کی بات ہے، میں اس کے ہاتھوں کٹھورتم یاتنائیں بھوگ رہا ہوں۔ میری جو دُرگت ہوئی ہے اس کا وِرتانت سنانا ویرتھ ہے۔ مجھے استمبھ کے شیکھر پر دیودوت نہیں لے گئے تھے۔ یہ لوگوں کی متھیا کلپنا ہے۔ واستو میں میری آنکھوں کے سامنے ایک پردہ پڑ گیا اور مجھے کچھ سوجھ نہیں پڑتا۔ میں سوپن جیون ویتت کر رہا ہوں۔ ایشور وِمکھ ہو کر مانو۔ جیون سوپن کے سامان ہے۔ جب میں نے

اسکندریہ کی یاترا کی تھی تو تھوڑے ہی سمے میں مجھے کتنے ہی وادوں کے سننے کا اوسر ملا اور مجھے گیات ہوا کہ بھرانتی کی سیوا گڑنا سے پرے ہے۔ ووہ نتیہ میرا پیچھا کیا کرتی ہے اور میرے چاروں طرف سنگینوں کی دیوار کھڑی ہے۔

جوسس نے اتر دیا— پوجیہ پیتا، آپ کو اسمارن رکھنا چاہیے کہ سنت گن اور مکھیتہ ایکانت سیوی سنت گن بھینکر یاتناؤں سے پیڑت ہوتے رہتے ہیں۔ اگر یہ ستیہ نہیں ہے کہ دیودوت تمھیں لے گیا تو اوشیہ ہے سمان تمھاری مورتی اتھوا چھایا کا ہوا ہوگا، کیوں کہ پلپے وین، تپسوی اور درشکوں نے اپنی آنکھوں سے تمھیں وہاں پر اوپر جاتے دیکھا۔

پاپ ناشی نے سنت انٹونی کے پاس جاکر ان سے اشیرواد لینے کا نشچیہ کیا۔ بولا— بندھو جوزی مس مجھے بھی کھجور کی ایک ڈالی دے دو اور میں بھی تمھارے لیے پتا انٹونی کا درشن کرنے چلوں گا۔

جوزی مس نے کہا— بہت اچھی بات ہے۔ تپسویوں کے لے سینک ودھان ہی اُپیوتک ہے کیوں کہ ہم لوگ ایشور کے سپاہی ہیں۔ ہم اور تم ادھشٹھا تا ہے، اس لیے آگے آگے چلیں اور یہ لوگ بھجن گاتے ہوئے ہمارے پیچھے پیچھے چلیں گے۔

جب سب لوگ یاترا کو چلے تو پاپ ناشی نے کہا— برہما ایک ہے کیوں کہ وہ ستیہ ہے اور سنسار انیک ہے کیوں کہ وہ استیہ ہے۔ ہمیں سنسار کی سبھی وستوؤں سے منھ موڑ لینا چاہیے۔ ان میں بھی جو دیکھنے سے سَرودا نردوش جان پڑتی ہے۔ ان کی بہوروپتا انھیں اتنی منوہارنی بنا دیتی ہے جو اس بات کا پرتیکش پرمان ہے کہ وہ دوشت ہے۔ اسی کارن میں کسی کمل کو بھی شانت نرمل ساگر میں ہلتے ہوئے دیکھتا ہوں تو مجھے آتم ویدنا ہونے لگتی ہے، اور چت مالن ہو جاتا ہے۔ جن وستوؤں کا گیان اندریوں دوارا ہوتا ہے، وے سبھی تیاج ہیں۔ رینوکا کا ایک انُو بھی دوشوں سے رہت نہیں، ہمیں اس سے سشانک رہنا چاہیے۔ سبھی وستوئیں ہمیں بہکاتی ہیں، ہمیں راگ میں رت کراتی ہیں۔ اور استری تو ان سارے پرلوبھنوں کا یوگیہ ماتر ہے جو وایو منڈل میں پھولوں سے لہراتی ہوئی پرتھوی پر اور سوچھ ساگر میں وچرن کرتے ہیں۔ وہ پُرش دھنیہ ہے جس کی آتم بند دوار کے سامان ہے۔ ہوی پُرش سوکھی ہے جو گونگا، بہرا، اندھا ہونا جانتا ہے، اور جو اس لیے سنسارِک وستوؤں سے اگیات رہتا ہے کہ ایشور کا گیان پراپت کرے۔

جوزی مَس نے اس کتھن پر وچار کرنے کے بعد اتر دیا— پوجیہ پتا، تم نے اپنی آتما میرے سامنے کھول کر رکھ دی ہے، اس لیے آوشیک ہے کہ میں اپنے پاپوں کو تمھارے سامنے سویکار کروں۔ اس بھانتی ہم اپنی دھرم پرتھا کے انوسار پرسپر اپنے اپنے اپرادھوں کو سویکار کر لیں گے۔ یہ برت دھارن کرنے کے پہلے میرا سنسارِک جیون اتینت دُرواسنامیہ تھا۔ مدورا نگر میں، جو پشواؤں کے لیے پرشدھ تھا، میں نانا پرکار کے وِلاس بھوگ کیا کرتا تھا۔ نتیہ پرتی راتری سمے جوان ویشہ گامیوں اور وینا بجانے والی استریوں کے ساتھ شراب پیتا، اور ان میں جو پسند آتی اسے اپنے ساتھ گھر لے جاتا۔ تم جیسے سادھو پُرش کلپنا بھی نہیں کر سکتا کہ میری پرچنڈ کاماتُرتا مجھے کس سیما تک لے جاتی تھی، بس اتنا ہی کہہ دینا پریاپت ہے کہ مجھ سے وِواہت بچتی تھی نہ دیوکنیا، اور میں چاروں اُور وے بھیچار اور دھرم پھیلایا کرتا تھا۔ میرے ہردے میں کواسناؤں کے سیوا کسی بات کا دھیان ہی نہ آتا تھا۔ میں اپنی اندریوں کو مدیرا سے اتیجت کرتا تھا اور یتھارتھ میں مدیرا کا سب سے بڑا پیکرؔ سمجھا جاتا تھا۔ تس پر میں عیسائی دھرماولمبی تھا، اور صلیب پر چڑھائے گئے مسیح پر میرا اٹل وشواس تھا۔ اپنی سمپورن سمپتی بھوگ ولاس میں اڑانے کے بعد میں ابھاوَ کی ویدناؤں سے وکل ہونے لگا تھا کہ میں نے رنگیلے سہچروں میں سب سے بلوان پُرش کو یکا یک ایک بھینکر روگ میں گرست ہوتے دیکھا۔ اس کا شریر دنوں دن چھِن ہونے لگا۔ اس کی ٹانگیں اب اسے سنبھال نہ سکتی، اس کے کانپتے ہوئے ہاتھ شتھل پڑ گئے، اس کی جیوتی ہین آنکھیں بند رہنے لگیں۔ اس کے کنٹھ سے کراہنے کے سیوا اور کوئی دھونی نہ نکلتی۔ اس کا من، جو اس کی دیہہ سے بھی اِدھک آلسیہ پریی تھا، نِدرا میں مگن رہتا۔ پشوؤں کی بھانتی ویوہار کرنے کے دنڈ سوروپ ایشور نے اسے پشو ہی کا انوروپ بنا دیا۔ اپنی سمپتی کے ہاتھ سے نکل جانے کا کارن میں پہلے ہی سے کچھ وچارشیل اور سیمی ہو گیا تھا۔ کنتو ایک پرم متر کی دودرشا سے وہ رنگ اور بھی گہرا پربھاوَ پڑا کہ میں نے سنسار کو تیاگ دیا اور اس مروبھومی میں چلا آیا۔ وہاں گت بیس برسوں سے میں ایسی شانتی کا آنند اٹھا رہا ہوں، جس میں کوئی وِگھن نہ پڑا۔ میں اپنے تپسوی شیشیوں کے ساتھ یتھا سمے جولاہ، راج، بڑھئی اتھوا لیکھ کا کام کیا کرتا ہوں، لیکن جو پوچھو تو مجھے لکھنے میں کوئی آنند نہیں آتا، کیوں کہ میں کرم کو وچار سے شریشٹھ سمجھتا ہوں۔ میرے وچار ہیں کہ مجھ پر ایشور کی دیا درشٹی ہے کیوں کہ گھور سے گھور پاپوں میں آسکت رہنے پر بھی میں نے کبھی آشا نہیں

چھوڑی۔ یہ بھاومن سے ایک چھن کے لیے بھی دور ہوا کہ پرم پتا مجھ پر اوشیہ کرپا کریں گے۔ آشا دیپک کو جلائے رکھنے سے اندھکار مٹ جاتا ہے۔

یہ باتیں سن کر پاپ ناشی نے اپنی آنکھیں آکاش کی اور اٹھائیں اور یوں گلہ کی۔ بھگوان! تم اس پرانی پر دیا درشٹی رکھتے ہو جس پر تبھی چار، ادھرم اور وشیہ بھوگ جیسے پاپوں کی کلیما پتی ہوئی ہیں، اور مجھ پر جس نے سدیو تیری آگیاؤں کا پالن کیا۔ کبھی تیری اچھا اور اپدیش کے وِرودھ آچرن نہیں کیا، تیری اتنی کرپا ہے؟ تیرا نیائے کتنا رہسیہ مے ہے اور تیری ویوستھیائیں کتنی درگرار رہیہ؟

جوزی مَس نے اپنے ہاتھ پھیلا کر کہا۔ پوجیہ پتا، دیکھیے، چھتج کے دونوں اور کالی۔ کالی شرنکھلائیں چلی آرہی ہیں، مانو چینٹیاں کسی انیہ استھان کو جارہی ہوں۔ یہ سب ہمارے سہ یاتری ہیں جو پتا اینوٹونی کے درشن کو آرہے ہیں۔

جب یہ لوگ ان یاتریوں کے پاس پہنچے تو انھیں ایک وشال درشیہ دکھائی دیا۔ تپسیوں کی سینا تین ورھد اردھ گولاکار پنکتیوں میں دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ پہلی شرینی میں مرو بھومی کے وردھ تپسوی تھے، جن کے ہاتھوں میں صلیبیں تھیں اور جن کی داڑھیاں زمین کو چھو رہی تھیں۔ دوسری پنکتی میں افرایم اور سیرا پین کے تپسوی اور نیل کے تٹورتی پرانت کے ورت دھاری وِراج رہے تھے۔ ان کے پیچھے وے مہاتمہ گن تھے جو اپنی دور ورتی پہاڑوں سے آئے تھے ؟ کچھ لوگ اپنے سولائے اور سوکھے ہوئے شریر کو بنا سلے ہوئے چیتھڑوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ دوسرے لوگوں کی دیہہ پر وستروں کی جگہ کیول نرکٹ کی ہڈیاں تھیں جو بینت کی ڈالیوں کو اینٹھ کر باندھ لی گئیں تھیں۔ کتنے ہی بالکل ننگے تھے لیکن ایشور نے ان کی نگنتا کو بھیڑ کے گھنے گھنے بالوں سے چھپا دیا تھا۔ سبھی کے ہاتھوں میں کھجور کی ڈالیاں تھیں۔ ان کی شوبھا ایسی تھی مانو پنّے کے اندر ذہنش ہوں اتھوا ان کی ابھا سورگ کی دیواروں سے جی سکتی تھی۔

اتنے وسترت جن سموہ میں ایسی سوویوستھا چھائی ہوئی تھی کہ پاپ ناشی کو اپنے ادھین استھ تپسیویوں کو کھوج نکالنے میں لیش ماتر بھی کٹھنائی نہ پڑی۔ وہ ان کے سمیپ جاکر کھڑا ہوگیا، کنتو پہلے اپنے منھ کو کنٹوپ سے اچھی طرح ڈھک لیا کہ اسے کوئی پہچان نہ سکے اور ان کی دھارمک آکانشھا میں بادھا نہ پڑے۔

سہسا اسنکھے کنٹھوں سے گگن بھیدی ناد اٹھا۔ وہ مہاتما، وہ مہاتما آئے ! دیکھو وہ موکت آتما ہے جس نے نرک اور شیطان کو پراست کر دیا ہے۔ جو ایشور کا چہیتا، ہمارا پوجیہ پتا اینٹونی ہیں!

تب چاروں اور سناٹا چھا گیا اور پرتیک مستک پرتھوی پر جھک گیا۔

اس وستیرن مروستھل میں ایک پربت کے شکھر پر سے مہاتما اینٹونی اپنے دو پریہ ششیوں کے ہاتھوں کے سہارے، جن کے نام مکیریس اور امیتھس تھے آہستہ سے اتر رہے تھے۔ وہ دھیرے دھیرے چلتے تھے پر ان کا شریر ابھی تک یتر کی بھانتی سیدھا تھا اور اس سے ان کی اسادھارن شکتی پرکٹ ہوتی تھی۔ ان کی شویت داڑھی چوڑی چھاتی پر پھیلی ہوئی تھی اور ان کے منڈے ہوئے چکنے سر پر پرکاش کی ریکھائیں یوں جگمگا رہی تھیں مانو موسیٰ پیغمبر کا مستک ہو۔ ان کی آنکھوں میں عقاب کی آنکھوں کی سی تیبر جیوتی تھی، اور ان کے گول کپولوں پر بالکوں کی سی مدھر مسکان تھی۔ اپنے بھکتوں کو آشیرواد دینے کے لیے وہ اپنی بانہیں اٹھائے ہوئے تھے، جو ایک شتابدی کے اسادھارن اور اویشرانت پریشرم سے جر جر ہو گئی تھیں، انت میں ان کے مکھ سے یہ پریم مے شبد اچرِت ہوئے۔ ''اے جیکب، تیرے منڈپ کتنے وشال، اور اے اسرائیل تیرے شامیانے کتنے سکھ مے ہیں!''

اس کے ایک چھن کے اپرانت وہ جیتی جاگتی دیوار ایک سرے سے دوسرے سرے تک مدھر میگھ دھونی کی بھانتی اس بھجن سے گنجرت ہوگئی۔ دھنے ہے وہ پرانی جو ایشور بھیرو ہیں!

اینٹونی امیتھس اور مکیریس کے ساتھ وردھ تپسویوں، ورتدھاریوں اور برہماچاریوں کے بیچ میں سے ہوتے ہوئے نکلے۔ یہ مہاتما جس نے سوررگ اور نرگ دونوں ہی دیکھا تھا، یہ تپسوی جس نے ایک پربت کے شکھر پر بیٹھ ہوئے عیسائی دھرم کا سنچالن کیا تھا، یہ رشی جس نے ودھرمیوں اور ناستیکوں کا قافیہ تنگ کردیا تھا، اس سمے اپنے پرتیک پتر سے اسنیہہ مے شبدوں میں بولتا تھا اور پرسنیہ مکھ ان سے ودا مانگتا تھا: کنتو آج اس کی سورگ یاترا کا شبھ دوس تھا۔ پرم پتا ایشور نے آج اپنے لاڈلے بیٹے کو اپنے یہاں آنے کا نمترن دیا تھا۔

اس نے ایفرایم اور سرے پین کے ادھیکشھیوں سے کہا۔ تم دونوں بہوسنکھیک سیناؤں کے نیتر تو اور سنچالین میں کسل ہو، اس لیے تم دونوں سورگ میں سورن کے سینک وستر دھارن

کرو گے اور دیودوتوں کے نیتا میکائیل اپنی سیناؤں کے سینا پتی کی پدوی تمھیں پردان کرو گے۔
وردھ پالم کو دیکھ انھوں نے اسے آلنگن کیا اور بولے۔ دیکھو، یہ میرے سمت پتروں میں بجّن اور دیالوں ہیں۔ اس کی آتما سے ایسی منوہر سربھی پرسفوٹت ہوتی ہیں جیسی گلاب کی کلیوں کے پھولوں سے، جنھیں وہ نتیہ بوتا ہے۔''
سنت جوزیمس کو انھوں نے ان شبدوں میں سمھودت کیا۔ تو، کبھی ایشوریہ دیا اور چھما سے نراش نہیں ہوا، اس لیے تیری آتما میں ایشوریہ شانتی کا نواس ہے۔ تیری سوکیرتی کا کمل تیرے کوکرموں کی کیچڑ سے اودے ہوا ہے۔
ان کے سبھی بھاشاؤں سے دیوبدھی پرکٹ ہوتی تھی۔
وردھجوں سے انھوں نے کہا۔ ایشور کے سنگھاسن کے چاروں اور اسّی وردھ پُرش اجّول وستر پہنے، سر پر سورن مکٹ دھارن کیے بیٹھے رہتے ہیں۔
یووک ورند کو انھوں نے ان شبدوں میں سانتونا دی۔ پرسنیہ رہو، اُداسینتا ان لوگوں کے لیے چھوڑ دو جو سنسار کا سکھ بھوگ رہے ہیں!
اس بھانتی سب سے ہنس ہنس کر باتیں کرتے، اپدیش دیتے اپنے دھرم پتروں کی سینا کے سامنے سے چلے جاتے تھے سہسا پاپ ناشی انھیں سمیپ آتے دیکھ کر ان کے چرنوں پر گر پڑا۔ اس کا ہردیہ آشا اور بھے سے ودیرن ہورہا تھا۔
میرے پوجیہ پتا میرے دیالو پتا! اس نے مانسک ویدنا سے پیڑت ہو کر کہا۔ پر یہ پتا، میری بانہہ پکڑیے، کیوں کہ میں بھنور میں بہا جاتا ہوں۔ میں نے تھالیس کی آتما کو ایشور کے چرنوں پر سمرپت کیا، میں نے ایک اونچے استمبھ کے شکھر پر اور ایک قبر کی کندرا میں تپ کیا ہے، بھومی پر رگڑ کھاتے کھاتے میرے مستک میں اونٹ کے گھٹنوں کے سامان گھٹّے پڑ گئے ہیں۔ تس پر بھی ایشور نے مجھ سے آنکھیں پھیر لی ہیں۔ پتا، مجھے آشیرواد دیجیے اس سے میرا ادھار ہو جائے گا۔
کنتو اینٹونی نے اس کا کچھ اتر نہ دیا۔ اس نے پاپ ناشی کے ششیوں کو ایسی تیور درشٹی سے دیکھا جس کے سامنے کھڑا ہونا مشکل تھا۔ اتنے میں ان کی نگاہ مورکھ پال پر جا پڑی۔ وہ ذرا دیر اس کی طرف دیکھتے رہے، پھر اسے اپنے سمیپ آنے کا سنکیت کیا۔ چونکہ سبھی آدمیوں کو وِسمے ہوا کہ وہ مہاتما اس مورکھ اور پاگل آدمی سے باتیں کررہے ہیں، ات ایو

ان کی شنکا کا سمادھان کرنے کے لیے انھوں نے کہا۔ ایشور نے اس ویکتی پرجتنی وتسلتا پرکٹ کی ہے اتنی تم میں سے کسی پر نہیں۔ پتر پال، اپنی آنکھیں اوپر اٹھا اور مجھے بتلا کہ تجھے سورگ میں کیا دکھائی دیتا ہے۔

بدھی ہین پال نے آنکھیں اٹھائیں۔ اس کے مکھ پر تیز چھا گیا اور اس کی وانی مکت ہوگئی۔ بولا۔ میں سورگ میں ایک شیاّ بچھی ہوئی دیکھتا ہوں جس میں سنہری اور بیگنی چادریں لگی ہوئی ہیں۔ اس کے پاس تین دیوکنیائیں بیٹھی ہوئی بڑی چوکسی سے دیکھ رہی ہیں کہ کوئی انیہ آتما اس کے نکٹ نہ آنے پائے۔ جس سمانت ویکتی کے لیے شیاّ بچھائی گئی ہے اس کے سوائے کوئی نکٹ نہیں جاسکتا۔

پاپ ناشی نے یہ سمجھ کر کہ یہ شیاّ اس کی ستکیرتی کی پریچا یک ہے، ایشور کو دھنیہ واد دینا شروع کیا۔ کنتو سنت اینٹونی نے اسے چپ رہنے اور مورکھ پال کی باتوں کو سننے کا سنکیت کیا۔ پال اسی آتمولاس کی دھن میں بولا۔ تینوں دیوکنیائیں مجھ سے باتیں کررہی ہیں۔ وہ مجھ سے کہتی ہیں کہ شیگھر ہی ایک وِدوشی مرتیولوک سے پرستھان کرنے والی ہیں۔ اسکندریہ کی تھائیس مرناسنیہ ہیں؛ اور ہم نے یہ شیاّ اس کے آدر ستکار کے نِمت تیار کی ہے، کیوں کہ ہم تینوں اسی کی وبھوتیاں ہیں۔ ہمارے نام ہیں بھکتی، بھے اور پریم!

اینٹونی نے پوچھا۔ پریہ پتر، تجھے اور کیا دکھائی دیتا ہے؟

مورکھہ پال نے ادھ سے اورھر وتک شونیہ درشٹی سے دیکھا، ایک شیتج، سے دوسری شیتج تک نظر دوڑائی۔ سہسا اس کی درشٹی پاپ ناشی پر جا پڑی۔ دیوی بھے سے اس کا منہ پیلا پڑ گیا اور اس کے نیتروں سے ادرشیہ جوالا نکلنے لگی۔

اس نے ایک لمبی سانس لے کر کہا۔ میں تین پشاچوں کو دیکھ رہا ہوں جو امنگ سے بھرے ہوئے اس منُشیہ کو پکڑنے کی تیاری کررہے ہیں۔ ان میں سے ایک کا آکار ایک استمبھ کی بھانتی ہے، دوسرے کا ایک استری کی بھانتی اور تیسرے کا ایک جادوگر کی بھانتی تینوں کے نام گرم لوہے سے داغ دیے ہیں۔ ایک کا مستک پر، دوسرے کا پیٹ پر اور تیسرے کا چھاتی پر، اور وے نام ہیں، ''آہنکار''، ولاس۔ پریم اور شنکا۔ بس، مجھے اور کچھ نہیں سوجھتا۔'

یہ کہنے کے بعد پال کی آنکھیں پھر نش پربھ ہوگئیں، منہ نیچے کو لٹک گیا اور وہ

پوروت سیدھا سادہ معلوم ہونے لگا۔

جب پاپ ناشی کے ششیہ گن اینٹونی کی اور سچنت اور سنشک بھاو سے دیکھنے لگے تو انھوں نے یہ شبد کہے۔ ایشور نے اپنی سچی ویوستھا سنا دی۔ ہمارا کرتویہ ہے کہ ہم اُس کو شرودھاریہ کریں اور چپ رہیں۔ اسنتوش اور گلہ اس کے سیوکوں کے لیے اپیکت نہیں۔

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے۔ سوریہ نے استانچل کو پریان کیا اور اسے اپنے ارون پرکاش سے آلوکیت کردیا۔ سنت اینٹونی کی چھایا دیوی لیلا سے اتینت دیرگھ روپ دھارن کرکے ان کے پیچھے، ایک اننت غالیچے کی بھانتی پھیلی ہوئی تھی،، کہ سنت اینٹونی کی اسرتی بھی اس بھانتی دیرگھ جیوی ہوگی، اور لوگ اننت کال تک اس کا لیش گاتے رہیں گے۔

کنتو پاپ ناشی وجراہت کی بھانتی کھڑا رہا۔ اسے نہ کچھ سوجھتا تھا نہ کچھ سنائی دیتا تھا یہی شبد اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ تھالیس مرناسن ہے!

اسے کبھی اس بات کا دھیان ہی نہ آیا تھا۔ بیس ورشوں تک نرنتر اس نے مومیائی کے سر کو دیکھا تھا،مرتیو کا سوروپ اس کی آنکھوں کے سمکھ رہتا تھا۔ پر یہ وچار کہ مرتیو ایک دن تھالیس کی آنکھیں بند کردے گی، اسے گھور آشچریہ میں ڈال رہا تھا۔

''تھالیس مررہی ہے!' ان شبدوں میں کتنا وسمیکاری اور بھینکر آشیہ ہے! تھالیس مررہی ہے، وہ اب اس لوک میں نہ رہے گی،تو پھر سوریہ کا، پھولوں کا، سرووروں کا اور سمست سرشٹی کا اُدیشیہ ہی کیا؟اس برہمانڈ کی کیا آویشکتا ہے۔ سہسا وہ جھپٹ کر چلا۔اسے دیکھوں گا، ایک بار پھر اس سے ملوں گا!' وہ دوڑنے لگا۔ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں جا رہا ہے، کنتو انتہ پریرنا اسے اوتچل روپ سے لکشھ کی اور لیے جاتی تھی، وہ سیدھے نیل ندی کی اور چلا جارہا تھا۔ ندی پر اسے پالوں کا ایک سموہ تیرتا ہوا دکھائی پڑا۔ وہ کود کر ایک نوکا میں جابیٹھا، جسے حبشی چلا رہے تھے، اور وہاں نوکا کے مستول پر پیٹھ ٹیک کر مورت آنکھوں سے یاترا مارگ کا اسمرن کرتا ہوا، وہ کرودھ اور ویدنا سے بولا۔ آہ! میں کتنا مورکھ ہوں کہ تھالیس کو پہلے ہی اپنا نہ کر لیا جب سمے تھا۔ کتنا مورکھ ہوں کہ سمجھا کہ سنسار میں تھالیس کے سوا اور بھی کچھ ہے! کتنا پاگل پن تھا! میں ایشور کے وچار میں، آتمودّھار کی چنتا میں، اننت جیون کی آکانکشھا میں رت رہتا ؛ مانو تھالیس کو دیکھنے کے بعد بھی ان پاکھنڈوں میں کچھ مہتو تھا۔ مجھے اس سے کچھ نہ سوجھا کہ اس استری کے چمبن میں اننت سکھ بھرا ہوا ہے،اور اس کے بنا جیون نرر تھک ہے،

جس کا مولیہ ایک دو سوپن سے ادھیک نہیں، مورکھ! تو نے اسے دیکھا، پھر بھی تجھے پرلوک کے سکھوں کی اچھا بنی رہی! ارے کائر، تو اسے دیکھ کر بھی ایشور سے ڈرتا رہا! ایشور سورگ! انادی! یہ سب کیا گورکھ دھندا ہے! ان میں رکھا ہی کیا ہے، اور کیا وہ اس آنند کا الپانش بھی دے سکتے ہیں جو تجھے اس سے ملتا۔ ارے ابھاگے، نر بدھی، متھیا وادی، مورکھ جو تھالیس کے ادھروں کو چھوڑ کر ایشور یہ کرپا کو انیتر کھوجتا رہا! تیری آنکھوں پر کس نے پردہ ڈال دیا تھا۔ اس پرانی کا ستیاناس ہو جائے جس نے اس سمے تجھے اندھا بنا دیا تھا۔ تجھے دیوی کوپ کا کیا بھے تھا۔ جب تو اس کے پریم کا ایک چھن بھی آنند اٹھا لیتا پر تو نے ایسا نہ کیا۔ اس نے تیرے لیے اپنی بانہیں پھیلا دی تھیں، جن میں مانس کے ساتھ پھولوں کی سگندھ مشرت تھی، اور تو نے اس کے انمکت وکھش کے انوپم سدھا ساگر میں اپنے کوپلوت نہ کردیا۔ تو نتیہ اس دولیش دھونی پر کان لگائے رہا جو تجھ سے کہتی تھی، بھاگ بھاگ! اندھے! ہا شوک! پشچاتاپ! ہا نراش! نرک میں اسے کبھی نہ بھولنے والی گھڑی کی آنند اسمرتی لے جانے کا اور ایشور سے یہ کہنے کا اوسر ہاتھوں سے نکل گیا کہ میرے مانس کو جلا! میری دھمنیوں میں جتنا رکت ہے اسے چوس لے، میری ساری ہڈیوں کو چور چور کردے، لیکن تو میرے ہردیہ سے اس سکھد اسمرتی کو نہیں نکال سکتا، جو چرکال تک مجھے سگندھت اور پرمودت رکھے گی! تھالیس مر رہی ہے! ایشور تو کتنا ہاسیہ پد ہے! تجھے کیسے بتاؤں کہ میں تیرے نرک لوک کو تچھ سمجھتا ہوں، اس کی ہنسی اڑاتا ہوں! تھالیس مر رہی ہے وہ میری کبھی نہ ہوگی، کبھی نہیں، کبھی نہیں!

نوکا تیز دھارا کے ساتھ بہتی جاتی تھی اور وہ دن کے دن پیٹ کے بل پڑا ہوا برابر کہتا تھا۔ کبھی نہیں! کبھی نہیں! کبھی نہیں!!

تب یہ وچار آنے پر کہ اس نے اوروں کو اپنا پریم رس چکھایا کیول میں ہی ونچت رہا اس نے سنسار کو اپنے پریم کی لہروں سے پلاوت کردیا اور میں اس کے ہونٹوں کو بھی نہ تر کر سکا۔ وہ دانت پیس کر اٹھ بیٹھا اور انتر ویدنا سے چلانے لگا۔ وہ اپنے نخوں سے اپنی چھاتی کو کھروچنے اور اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹنے لگا۔

اس کے من میں یہ وچار اٹھا۔ یدی میں اس کے سارے پریمیوں کا سنہار کردیتا تو کتنا اچھا ہوتا ہے۔

اس ہتھیا کانڈ کی کلپنا نے اسے سرس ہتھیا ترشنا سے آندولت کردیا۔ یہ سوچنے لگا کہ

وہ نسیاس کا خوب آرام سے مزے لے کر ودھ کرے گا اور اس کے چہرے کو دیکھتا رہے گا کہ کیسے اس کی جان نکلتی ہے۔تب اکسمات اس کا کرودھا ویگ دروی بھوت ہوگیا۔ وہ رونے اور سسکنے لگا وہ دین اور نمر ہوگیا۔ ایک اگیات ونے شیلتا نے اس کے چت کو کومل بنادیا۔ اسے یہ آکانکشھا ہوئی کہ اس نے بال پن کے ساتھی نسیاس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور اس سے کہے۔نسیاس، میں تمھیں پیار کرتا ہوں کیوں کہ تم نے اس سے پریم کیا ہے۔ مجھ سے اس کی پریم چرچا کرو۔ مجھ سے وہ باتیں کہو جو وہ تم سے کیا کرتی تھی۔

لیکن ابھی تک اس کے ہردیہ میں ان واکیہ بان کی نوک نرنتر چوبھ رہی تھی۔ تھالیس مر رہی ہے۔

پھر وہ پریمونمت ہوکر کہنے لگا۔ او دن کے اجالے! او نشا کے آکاش۔ دیپکوں کی رُوپیہ چھٹا۔ او آکاش، او جھومتی ہوئی چوٹیوں والے ورکشھوں! او ون جنتوؤں! او گرہ پشوؤں! او منشیوؤں کے چنتت ہردییوں! کیا تمھارے کان بہرے ہوگئے ہیں؟ تمھیں سنائی نہیں دیتا کہ تھالیس مر رہی ہے؟ مند سمیرن نرمل پرکاش، منوہر سگندھ! ان کی اب کیا ضرورت ہے؟ تم بھاگ جاؤ لپت ہوجاؤ! او بھو منڈل کے روپ اور وچار! اپنے منھ چھپا لو مٹ جاؤ ! کیا تم نہیں جانتے کہ تھالیس مر رہی ہے کہ وہ سنسار کے مادھریہ کا کیندر تھی جو وستو اس کے سمیپ آتی تھی وہ اس کی روپ جیوتی سے پرتی بمبت ہوکر چمک اٹھتی تھی۔ اسکندریہ کے بھوج میں جتنے وِدوان گیانی، وردھ اس کے سمیپ بیٹھتے تھے ان کے وچار کتنے چتاکرشک تھے، ان کے بھاشن کتنے سرس! کتنے ہنس مکھ لوگ تھے ! ان کے ادھروں پر مدھر مسکان کی شوبھا تھی اور ان کے وچار آنند بھوگ کی سگندھ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ تھالیس کی چھایا ان کے اوپر تھی،اس لیے ان کے مکھ سے جو کچھ نکلتا وہ سندر، ستیہ اور مدھر ہوتا تھا ! ان کے کتھن ایک شبھر ابھکتی سے النکرت ہوجاتے تھے۔ شوک! وہ شوک سب اب سوپن ہوگیا۔ اس سکھ مے ابھنیے کا انت ہوگیا۔ تھالیس مر رہی ہے!وہ موت مجھے کیوں نہیں آتی۔ اس کی موت سے مرنا میرے لیے کتنا سوابھاوک اور سرل ہے! لیکن اوابھاگے، نکمّے، کائر پروش، او نراش اور وشاد میں ڈوبی ہوئی در آتما، کیا تو مرنے کے لیے ہی بنائی گئی ہے؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ تو مرتیو کا سواد چکھ سکے گا؟ جس نے ابھی جیون کا مرم نہیں جانا،وہ مرنا کیا جانے ؟ہاں اگر ایشور ہے، اور مجھے دنڈ دے،تو میں مرنے کو تیار ہوں، سنتا ہے او ایشور، میں تجھ سے گھرنا کرتا ہوں

سنتا ہے !میں تجھے کوستا ہوں! مجھے اپنے اگنی وجروں سے بھسم کردے، میں اس کا اِچھک ہوں، یہ میری بڑی ابھیلاشا ہے۔ تو مجھے اگنی کنڈ میں ڈال دے۔ تجھے اتیجت کرنے کے لیے، دیکھ، میں تیرے مکھ پر تھوکتا ہوں۔ میرے لیے اننت نرک واس کی ضرورت ہے۔ اس کے بنا یہ اپار کرودھ شانت نہ ہوگا جو میرے ہردیہ میں کھڑک رہا ہے۔

دوسرے دن پرات کال البینا نے پاپ ناشی کو اپنے آشرم میں کھڑے پایا۔ وہ اس کا سواگت کرتی ہوئی بولی۔ پوجیہ پتا، ہم اپنے شانتی بھون میں تمھارا سواگت کرتے ہیں کیوں کہ آپ اوشیہ ہی اس و دوشی کی آتما کو شانتی پردان کرنے آئے ہیں جسے آپ نے یہاں آشریہ دیا ہے آپ کو ودیت ہوگا کہ ایشور نے اپنی اسیم کرپا سے اسے اپنے پاس بلا یا ہے۔ یہ سماچار آپ سے کیوں کر چھپا، رہ سکتا تھا جسے سورگ کے دوتوں نے مرو ستھل کے اس سرے سے اس سرے تک پہنچا دیا ہے۔؟ یتھارتھ میں تھائیس کا شبھ انت نکٹ ہے۔ اس کے آتمودھار کی کریا پوری ہوگئی اور میں سوکچھمتہ آپ پر یہ پرکٹ کردینا اچت سمجھتی ہوں کہ جب تک وہ یہاں رہی، اس کا ویوہار اور اچرن کیسا رہا آپ کے چلے جانے کے پشچات جب وہ آپ کی مہر لگائی ہوئی کٹی میں ایکانت سیون کے لیے رکھی گئی، تو میں نے اس کے بھوجن کے ساتھ ایک بانسری بھی بھیج دی، جو ٹھیک اسی پرکار کی تھی جیسی نرتکیاں بھوج کے اوسروں پر بجایا کرتی ہیں میں نے یہ ویوستھا اس لیے کی جس میں اس کا چت اداس نہ ہو اور وہ ایشور کے سامنے اس سے کم سنگیت چاتریے اور کشاگرتا نہ پرکٹ کرے جتنی وہ منشیوں کے سامنے دکھاتی تھی۔ انوبھو سے سدھ ہوا کہ میں نے ویوستھا کرنے میں دوردرشیتا اور چرتر پریچے سے کام لیا، کیوں کہ تھائیس دن بھر بانسری بجا کر ایشور کا کیرتی گان کرتی رہتی تھی اور انے دیو کنیائیں، جو اس کی بنسی کی دھونی سے آکرشت ہوتی تھیں، کہتیں۔ ہمیں اس گان میں سورگ کنجوں کی بلبل کی چہک کا آنند ملتا ہے! اس کی سورگ سنگیت سے سارا آشرم گنجرت ہوجاتا تھا۔ پتھک بھی انایاس کھڑے ہوکر اسے سن کر اپنے کان پوتر کر لیتے تھے۔ اس بھانتی تھائیس تپشچریا کرتی رہی۔ یہاں تک کہ ساٹھ دنوں کے بعد وہ دوار جس پر آپ نے موہر لگادی تھی، آپ ہی آپ کھل گیا اور وہ مٹی کی مہر ٹوٹ گئی یدیپی اسے کسی منشیہ نے چھوا تک نہیں۔ اس لکشھن سے مجھے گیات ہوا کہ آپ نے اس کے لیے جو پرائشچت نیت کیا تھا، وہ پورا ہو گیا اور ایشور نے ان کے سب اپرادھ چھما کردیے۔ اسی سمے سے وہ میری انیہ دیوکنیاؤں کے

سادھارن جیون میں بھاگ لینے لگی ہیں۔ انھیں کے ساتھ کام دھندا کرتی ہیں، انھیں کے ساتھ دھیان اپاسنا کرتی ہیں۔ وہ اپنے وچن اور ویوہار کی نمرتا سے ان کے لیے ایک آدرش چرتر تھی، اور ان کے بیچ میں پوترتا کی ایک مورتی سی جان پڑتی تھی۔ کبھی کبھی وہ من مَلِن ہوجاتی تھی۔ کنتو وے گھٹائیں جلد ہی کٹ جاتی تھیں اور پھر سوریہ کا وییست پرکاش پھیل جاتا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ اس کے ہردیہ میں ایشور کی پرتی بھکتی، آشا اور پریم کے بھاو اودت ہو گئے ہیں تو پھر میں نے ان کے ابھیپیہ کلا نیپیہ کا اپیوگ کرنے میں ولمب نہیں کیا۔ یہاں تک کہ میں اس کے سوندریہ کو بھی اس کی بہتوں کی دھرم نیتی کے لیے کام میں لائی۔ میں نے اس سے سدگرنتھ میں ورنت دیوکنیاؤں اور ودوشیوں کی کیرتیوں کا ابھینے کرنے کے لیے آدیش کیا۔ اس نے ایشور، ڈبورا، جوڈتھ، لاج رس، کی بہن مریم، تتھا پربھو مسیح کی ماتا مریم کا ابھینے کیا۔ پوجیہ پتا، میں جانتی ہوں کہ آپ کا سینم شیل من ان دھارمک کرتیوں کے وچار ہی سے کمپت ہوتا ہے، لیکن آپ نے بھی یدی اسے ان دَھارِمک درشیوں میں دیکھا ہوتا تو آپ کا ہردے پُلکِت ہو جاتا۔ جب وہ اپنے کھجور کے پتوں سے سندر ہاتھ آکاش کی اور اٹھاتی تھی تو اس کے لوچنوں سے سچے آنسوؤں کی ورشا ہونے لگتی تھی۔ میں نے بہت دنوں تک استری سموداۓ پرشاسن کیا ہے اور میرا یہ نیم ہے کہ ان کے سوبھاؤ اور پرورِتیوں کی اوہیلنا نہ کی جائے۔ سبھی بیجوں میں ایک سمان پھول نہیں لگتے، نہ سبھی آتمائیں سمان روپ سے نروت ہوتی ہیں۔ یہ بات بھی نہ بھولنی چاہیے کہ تھالیس نے اپنے کو ایشور کے چرنوں پراس سمے ارپت کیا جب اس کا مکھ کمل پورن وکاس پر تھا اور ایسا آتم سمرپن اگر دُتیہ نہیں، تو برلا اوشیہ ہے۔ یہ سوندریہ جو اس کا سوبھاوک آورن ہے، تمیں ماس کے ویشم تاپ پر بھی ابھی تک نِشپربھ نہیں ہوا ہے۔ اپنی اس بیماری میں اس کی نرنتر یہی لِچھا رہی ہے کہ آکاش کو دیکھا کرے۔ اس لیے میں نتیہ پراتہ کال اسے آنگن میں کنوئیں کے پاس، پرانے انجیر کے ورکھش کے نیچے، جس کی چھایا میں اس آشرم کی ادِھشٹھاتریاں اپدیش کیا کرتی ہیں، لے جاتی ہوں۔ دیالوں پتا، وہ آپ کو وہیں ملے گی۔ کنتو جلدی کیجیے کیونکہ ایشور کا آدیش ہو چکا ہے اور آج کی رات وہ مکھ کفن سے ڈھک جائے گا جو ایشور نے اس جگت کو لجت اور اتساہت کرنے کے لیے بنایا ہے۔ یہی سوروپ آتما کا سنہار کرتا تھا، یہی اس کا اُدّھار کرے گا۔

پاپ ناشتی البینا کے پیچھے پیچھے آنگن میں گیا جو سوریہ کے پرکاش سے آچھادِت ہو رہا

تھا۔ اینٹوں کی چھت کے کناروں پر شویت کپوتوں کی ایک مکتا مالا سی بنی ہوئی تھی۔ انجیر کے ورکھش کی چھانہہ میں ایک شیّا پر تھالیس ہاتھ رکھے لیٹی ہوئی تھی۔ اس کا مکھ شری وہین ہوگیا تھا۔اس کے پاس کئی استریاں منہ پر نقاب ڈالے کھڑی انتم سنسکار سوچک گیت گا رہی تھیں۔

پرم پتا، مجھ دین پرانی پر
اپنی سپریم وتسلتا سے دیا کر
اپنی کرونا درشٹی سے
میرے اپرادھوں کو چھما کر۔

پاپ ناشی نے پکارا۔ تھالیس!

تھالیس نے پلکیں اٹھائیں اور اپنی آنکھوں کی پتلیاں اس کنٹھ دھونی کی اور پھیری۔

البینا نے دیوکنیاؤں کو پیچھے ہٹ جانے کی آگیاں دی، کیوں کہ پاپ ناشی پر اس کی چھایا پڑنا بھی دھرم وروددھ تھا۔

پاپ ناشی نے پھر پکارا۔ تھالیس!

اس نے اپنا سر دھیرے سے اٹھایا۔ اس کے پیلے اونٹوں سے ایک ہلکی سانس نکل آئی۔

اس نے چھینڑ سور میں کہا۔ پتا، کیا آپ ہیں؟ آپ کو یاد ہے کہ ہم نے سوتے سے پانی پیا تھا اور چھوہارے توڑے تھے؟ پتا، اسی دن میرے ہردے میں پریم کا ابھیودیہ ہوا۔ انت جیون کے پریم کا!

یہ کہہ کر وہ چپ ہوگئی اس کا سر پیچھے کو جھک گیا۔

یَم دوتوں نے اسے گھیر لیا تھا۔ اور انتم پران ویدنا شویت بوندوں نے اس کے ماتھے کو آردر کر دیا تھا۔ ایک کبوتر اپنے ارون کرندن سے اس استھان کی نیروتا کو بھنگ کررہا تھا۔تب پاپ ناشی کی سسکیاں دیوکنیاؤں کے بھجنوں کے ساتھ سمّشرت ہوگئیں۔

مجھے میری کلیماؤں سے بھلی بھانتی پوتر کردے اور میرے پاپوں کو دھو دے، کیوں کہ میں اپنے کوکرموں کو سویکار کرتی ہوں،اور میرے پاتک میرے نیتروں کے سمکھ اپستھت ہیں۔

سہسا تھالیس اٹھ کر شیّا پر بیٹھ گئی۔ اس کی بیگنی آنکھیں پھیل گئیں، اور وہ تلّین ہو کر

بانہوں کو پھیلائے ہوئے دور کی پہاڑیوں کی اور تاکنے لگی۔ تب اس نے اسپشٹ اور اُتھل سور میں کہا۔ وہ دیکھو، انت پربھات کے گلاب کھلے ہیں۔

اس کی آنکھوں میں ایک وچتر اسپھورتی آگئی، اس کے مکھ پر ہلکا سا رنگ چھا گیا۔ اس کی جیون جیوتی چمک اٹھی تھی، اور وہ پہلے سے بھی ادھِک سندر اور پرسنّ بدن ہوگئی تھی۔

پاپ ناشی گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا، اپنی لمبی، پتلی، بانہیں اس کے گلے م میں ڈال دی، اور بولا۔ ایسے سوروں سے جسے وہ سویم نہ پہچان سکتا تھا کہ یہ میری ہی آواز ہے۔ پریہ، ابھی مرنے کا نام نہ لے! میں تجھ پر جان دیتا ہوں۔ ابھی نہ مر! تھایس سن، کان دھر کر سن، میں نے تیرے ساتھ چھل کیا ہے، تجھے دغا دیاہے۔ میں سویم بھرانتی میں پڑا ہوا تھا۔ ایشور، سورگ، آدمی یہ سب نِررتھک شبد ہیں، متھیا ہیں۔ اس ایہک جیون سے بڑھ کر اور کوئی وستو، اور کوئی پدارتھ نہیں ہے۔ مانو پریم ہی سنسار میں سب سے اتّم رتن ہے۔ میرا تجھ پر انت پریم ہے۔ ابھی نہ مر۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا، تیرا مہتو اس سے کہیں ادھیک ہے، تو مرنے کے لیے بنائی ہی نہیں گئی۔ آ میرے ساتھ چل! یہاں سے بھاگ چلیں۔ میں تجھے اپنی گود میں اٹھا کر پرتھوی کی اس سیما تک لے جاسکتا ہوں۔ آ، اس پریم میں مگن ہوجائیں پریے، سن، میں کیا کہتا ہوں۔ ایک بار کہہ دے، میں جیوں گی۔ میں جینا چاہتی ہوں! تھایس اٹھ، اٹھ!

تھایس نے ایک شبد بھی نہ سنا اس کی درشٹی انت کی اور لگی ہوئی تھی۔

انت میں وہ نربل سور میں بولی۔ سورگ کے دوار کھل رہے ہیں، میں دیو دوتوں کو، نبیوں کو اور سنتوں کو دیکھ رہی ہوں۔ میرا سرل ہردے تھیوڈر انھیں میں ہے۔ اس کے سر پر پھولوں کا مکٹ ہے، وہ مسکراتا ہے، مجھے پکار رہا ہے۔ دو دیودوت میرے پاس آئے ہیں، وہ ادھر چلے آرہے ہیں........ وہ کتنے سندر ہیں! میں ایشور کے درشن کر رہی ہوں!

اس نے ایک پرپھُلّ اُچھ واس لیا اور اس کا سر تکیے پر پیچھے گر پڑا۔ تھایس کا پرانانت ہوگیا! سب دیکھتے ہی رہ گئے، چڑیا اڑ گئی۔

پاپ ناشی نے انتم بار، نراش ہوکر، اس کو گلے سے لگا لیا۔ اس کی آنکھیں اسے ترشنا، پریم اور کرودھ سے پھاڑے کھاتی تھیں۔

البینا نے پاپ ناشی سے کہا۔ دور ہو، پاپی، پشاچ!

اوراس نے بڑی کوملتا سے اپنی انگلیاں مرت بالیکا کی پلکوں پر رکھیں۔ پاپ ناشی

پیچھے ہٹ گیا، جیسے کسی نے دھکا دے دیا ہو۔ اس کی آنکھوں سے جوالا نکل رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے پیروں کے تلے پرتھوی پھٹ گئی ہے۔

دیوکنیائیں زکریا کا بھجن گا رہی تھیں۔

اسرائیلوں کے خدا کو کوٹی دھنیہ واد

اکسمات ان کے کنٹھ اورودھ ہوگئے، مانو کسی نے گلا بند کردیا انھوں نے پاپ ناشی کا مکھ دیکھ لیا اور بھیاتُر ہو چلاتی ہوئی بھاگیں۔ دَاوُر! دَاوُر! دَاوُر !!!!

وہ اتنا گھنونا ہو گیا تھا کہ جب اس نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر پھیرا، تو اسے سویم گیات ہوا کہ اس کا سوروپ کتنا وِکرت ہوگیا ہے!

○

شرسٹی کا آرمبھ

(عدن کی واٹیکا، تیسرے پہر کا سمے۔ ایک بڑا سانپ اپنا سر پھولوں کی ایک کیاری میں چھپائے ہوئے اور اپنے شریر کو ایک برگش کی شاکھاؤں میں لپیٹے پڑا ہے۔ برگش بھلی بھانتی چڑھ چکا ہے، کیونکہ شرشٹی کے دن ہمارے انومان سے کہیں ادھیک بڑے تھے۔سرپ اس ویکتی کو نہیں دکھائی دے سکتا جس کو اس کی ودھانتا کا گیان نہیں ہے، کیونکہ اس کے ہرے اور بھورے رنگ کے میل سے دھوکا ہوتا ہے۔اس کے نکٹ ہی پھولوں کی کیاری سے ایک اونچی چٹان دکھائی دے رہی ہے۔یہ چٹان اور برگش، دونوں ایک ہریالی کے کنارے پر ہیں،جس میں ایک ہرن کا بچہ مرا اور سوکھا ہوا پڑا ہے اور اس کی گردن ٹوٹ گئی ہے۔آدم اپنے ایک ہاتھ کے سہارے چٹان پر جھکا ہوا مرت شریر کو بھے بھیت ہو کر دیکھ رہا ہے،اس نے اپنی بائیں اور سرپ کو نہیں دیکھا ہے۔ وہ داہنی اور مڑتا ہے اور گھبرا کر پکارتا ہے۔)

آدم— حوّا،حوّا۔

حوّا— کیاہے،آدم؟

آدم— یہاں آؤ، شیگھر،کچھ ہو گیا ہے!

حوّا— (دوڑ کر) کیا، کہاں؟ (آدم ہرن کے بچے کی اور سنکیت کرتا ہے۔)اوہ! (وہ اس کے پاس جاتی ہے اور آدم کو بھی اس کے ساتھ جانے کا ساہس ہوتا ہے)اس کی آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے؟

آدم— کیول آنکھیں نہیں،یہ دیکھوں!(اس کو ٹھکراتا ہے۔)

حوّا— ارے۔ یہ نہ کرو، یہ جاگتا کیوں نہیں؟

آدم— معلوم نہیں،سو نہیں رہا ہے۔

حوّا— سو نہیں رہا ہے؟

آدم— دیکھو تو!

حوّا— (ہرن کے بچّے کو ہلانے اور الٹنے کی چیشٹھا کرتے ہوئے) یہ تو کٹھور اور ٹھنڈا ہو گیا ہے!

آدم— کوئی وستو اس کو جگا نہیں سکتی؟

حوّا— اس میں تو وچتر گندھ ہے، اوہ! (اپنا ہاتھ جھاڑتی ہے اور اس کے پاس سے ہٹ جاتی ہے۔) کیا تم نے اسے اسی دشا میں پایا تھا؟

آدم— نہیں، ابھی کھیل رہا تھا کہ ٹھوکر کھا کر لڑکھڑاتا ہوا گر پڑا، پھر وہ ہلا تک نہیں اور اس کی گردن میں کوئی دوش ہو گیا ہے۔ (گردن اٹھا کر حوا کو دکھانے کے لیے جھکتا ہے۔)

حوا— مت چھوؤ، اس کے پاس سے ہٹ جاؤ۔ (دونوں پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور تھوڑی دور سے اس لوتھ پر بڑھتی ہوئی گھرنا سے وچار کرتے ہیں)

حوا— آدم

آدم— ہاں!

حوا— مان لو کہ تم ٹھوکر کھا کر گر پڑو تو کیا تم بھی اسی طرح چلے جاؤ گے۔؟

آدم— اوہو! تھرّا جاتا ہے اور چٹان پر بیٹھ جاتا ہے۔

حوا— (اس کے پارشو میں بیٹھ کر اور اس کے گھٹنوں کو پکڑ کر) تم کو اس کا دھیان رکھنا چاہیے پرتگیا کرو کہ دھیان رکھو گے۔

آدم— دھیان رکھنے سے لابھ کیا؟ ہم کو یہاں سدیو رہنا ہے، دیکھتی ہو، سدیو کے کیا ارتھ ہیں۔ ایک نہ ایک دن میں بھی ٹھوکر کھا جاؤں گا اور گر پڑوں گا۔ ممکن ہے کل ہی، اور سمبھو ہے اننت دنوں بعد جتنی کہ اس باغ میں پتیاں ہیں اتھوا ندی کے کنارے بالو کے کن (कण) ہیں۔ تاتپریہ یہ کہ میں بھول جاؤں گا اور ٹھوکر کھا جاؤں گا۔

حوا— میں بھی ؟

آدم— (بھے بھیت ہو کر) نہیں، نہیں! میں اکیلا رہ جاؤں گا اور سدا کے لیے۔ تم کبھی اپنے کو اس وپتّی میں نہ ڈالنا۔ تم چلا نہ کرو، چپ چاپ بیٹھی رہا کرو، میں تمھاری رکشا کروں گا۔ اور جس وستو کی تم کو آوشیکتا ہوگی۔ سویم لاکر دوں گا۔

حوا— (کانپتے ہوئے اس کی اور سے منہ پھیر کر اپنی کہنیوں کو پکڑ کر) میں اس طرح جلد گھبرا جاؤں گی۔ اس کے سوا تمھارا یہ پرینام ہوا تو پھر میں اکیلے رہ جاؤں گی۔ اس سمے بے کار بیٹھی نہ رہ سکوں گی۔ اور انت میں میرا بھی وہی پرینام ہوگا۔

آدم— اور پھر؟

حوا— پھر ہم نہیں ہوں گے کیول پشو پکشی اور سرپ ہوں گے۔

آدم— یہ نہ ہونا چاہیے۔

حوّا — ہاں، نہ ہونا چاہیے، کنتو ہوسکتا ہے۔
آدم — نہیں، کہتا ہوں کہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں جانتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا۔
حوّا — ہم دونوں جانتے ہیں، لیکن کیسے جانتے ہیں؟۔
آدم — باغ میں ایک 'شبد' ہے جو مجھکو باتیں بتایا کرتا ہے۔
حوّا — باغ تو شبدوں سے پورن ہے، جو میرے سر میں نئے نئے وچار لاتے رہتے ہیں۔

آدم — میرے لیے کیول ایک شبد ہے جو مجھے سے اتنا نکٹ ہے، مانو میرے بھیتر سے آرہا ہو۔

حوّا — آشچر یہ ہے کہ میں تو پرتیک وستو میں شبد سنتی ہوں اور تم کیول ایک شبد اپنے بھیتر سنتے ہو مگر کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو شبدوں کے دوارا نہیں، کنتو میرے بھیتر سے آتی ہیں۔ اور یہ وچار کہ 'میرا کبھی ناش نہیں' میرے بھیتر سے آیا ہے۔

آدم — لیکن ہم نشٹ ہو جائیں گے۔ اس ہرن کے بالک کی بھانتی ہم بھی گریں گے، اور (اٹھ کر گھبراہٹ میں ادھر اُدھر ٹہلنے لگتا ہے۔) میں اس ودھا کا تیج نہیں سہہ سکتا۔ مجھے اس کی آوشیکتا نہیں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ پھر بھی یہ نہیں جانتا کہ کس پرکار روکوں۔

حوّا — میں بھی یہی انوبھو کرتی ہوں۔ آشچر یہ کی بات ہے کہ تم اس پرکار کہہ رہے ہو۔ تم کو کسی دشا میں کل نہیں! تم سدیو اپنا وچار بدلتے رہتے ہو۔

آدم — (ڈانٹ کر) یہ کیوں کہتی ہو؟ میں نے اپنا وچار کب بدلا ہے؟

حوّا — تم کہتے ہو کہ ہمارا ناش نہ ہونا چاہیے۔ لیکن تمھیں اس کی شکایت کیا کرتے تھے کہ ہم کو یہاں سدیو رہنا ہے، کسی کسی سمے تم گھنٹوں مون دھارن کیے ہوئے وچارا کرتے ہو اور من ہی من میں مجھ پر کرودھت رہتے ہو۔ جب میں پوچھتی ہوں کہ میں نے کیا کیا ہے، تو تم کہتے ہو کہ تمھارے وشیے میں نہیں کنتو اپنے یہاں سدیو رہنے کی وپتّی پر دھیان کر رہا تھا۔ پرنتو میں سمجھتی ہوں کہ جس وستو کو تم وپتّی کہتے ہو وہ یہاں سدیو میرے ساتھ رہنا ہے۔

آدم — تم یہ کیوں وچارتی ہو؟ نہیں، تم بھول کرتی ہو (وہ پھر مگدھ ہو کر بیٹھ جاتا

ہے)مول و پتّی تو سدیو اپنے ساتھ رہنا ہے۔ میں تم کو چاہتا ہوں، پرنتو اپنے کو نہیں چاہتا۔ میں کچھ اور ہونا چاہتا ہوں۔ اس سے اچھا میں چاہتا ہوں کہ میرا بار بار پھر سے آرمبھ ہوتا رہے۔ جس پرکار سرپ کینچُل بدلتا رہتا ہے، اسی پرکار میں بھی اپنے کو بدلتا رہوں۔ میں اپنے سے اوب گیا ہوں۔ پرنتو مجھ کو کسی نہ کسی پرکار سہن کرنا ہے۔ ایک دن یا کئی دن کے لیے ہی کیوں، کنتو سدیو کے لیے یہ ایک بھے بھیت کر دینے والا وچار ہے۔ اسی پر مون ہو کر وچار کیا کرتا ہوں۔ اور کھید کرتا ہوں۔ کیا تم نے کبھی اس پر وچار نہیں کیا؟

حوّا— میں اپنے وشیے میں وچار نہیں کرتی اس سے کیا لابھ؟ میں جو ہوں سو ہوں۔ کوئی وستو اس کو بدل نہیں سکتی۔ میں تمھارے سمبندھ میں وچار کرتی رہتی ہوں۔

آدم— یہ ٹھیک نہیں، تم سدیو میری کھوج میں لگی رہتی ہو۔ تم کو سدیو یہ جاننے کی چنتا رہتی ہے کہ میں کیا کرتا رہتا ہوں۔ یہ تو ایک بار گیات ہوتا ہی۔ اس کی جگہ کہ اپنے کو میرے ساتھ لگائے رکھو تم کو یہ یتن کرنا چاہیے کہ تمھارا ایک اپنا نجی اَستِتو پرتھک ہو۔

حوّا— مجھ کو تمھارا دھیان رکھنا ہے۔ تم سُست ہو، مَلِن رہتے ہو، اپنا دھیان نہیں رکھتے۔ پَرتی چھن سوپن دیکھتے رہتے ہو۔ یدی میں اپنے کو تمھارے ساتھ لگائے نہ رکھوں، تو تم دُوشِت بھوجن کرنے لگو گے اور گھرنا کے یوگیہ ہو جاؤ گے۔ اس پر میرے اتنے دیکھتے رہنے پر بھی تم کسی دن مستک کے بل گر پڑو گے اور مرتک ہو جاؤ گے۔

آدم— مرتک؟ یہ کون سا شبد ہے؟۔

حوّا— (ہرن کے بچے کی اور سنکیت کر کے) اس کی بھانتی۔ میں اس کو مرتک کہتی ہوں۔

آدم— (اٹھ کر بچّے کے پاس جاتے ہوئے) اس میں کوئی اَپریہ بات معلوم ہوتی ہے۔

حوّا— (آدم کے پاس جاتے ہوئے) یہ تو شویت چھوٹے کیڑوں کے روپ میں بدل رہا ہے۔

آدم— اس کو ندی میں پھینک آؤ۔ یہ اسہیہ ہو رہا ہے۔

حوّا— میں اس کو اسپرش کرنے کی ساہس نہیں کر سکتی۔

آدم— تو میں ہی پھینک آتا ہوں، یدھپی مجھے اس سے گھرنا ہو رہی ہے۔ یہ ہوا کو

وشے کر رہا ہے۔

(کھر وں کو اپنے ہاتھ میں لے کر شو کو یتھا سمبھو اپنے شریر سے دور لٹکائے ہوئے اس اور جاتا ہے،جس اور سے ہوا آئی تھی)

حوّا— (اس کی اور ایک چھن تک دیکھتی رہتی ہے،پھر گھرنا کی ایک جھجھک کے ساتھ چٹان پر بیٹھ جاتی ہے اور کچھ وچارنے لگتی ہے۔سرپ کا شریر منوہر نئے رنگوں سے چمکتا ہوا دکھ پڑتا ہے۔وہ پشپوں کی کیاری سے دھیرے سے اپنا سر اٹھاتا ہے اور حوّا کے کان میں ایک ادبھوت منومگدھکر، کنتو سریلی دھونی میں کہتا ہے۔)

حوّا— کون ہے؟

سرپ— میں ہوں! تم کو اپنا سندر نوین پھن دکھانے آیا ہوں۔ دیکھو! (سندر بیل میں اپنا پھن پھیلا دیتا ہے۔)

حوّا— اہا! کنتو تجھ کو بولنا کس نے سکھایا؟

سرپ— تم نے اور آدم نے! میں گھاس میں چھپ کر تمھاری باتیں سنا کرتا ہوں۔

حوّا— یہ تیری بڑی بدھیمانی ہے۔

سرپ— میں اس میدان کے پشوؤں میں سب سے ادھیک چتر ہوں۔

حوّا— تیرا پھن بہت سندر ہے (پھن کو تھپتھپاتی ہے اور سرپ کو پیار کرتی ہے۔) اچھے سرپ! کیا تو اپنی دیوی ماتا حوّا کو چاہتا ہے؟

سرپ— میں اس کو پوجتا ہوں (حوّا کی گردن کو اپنی دوہری جیبھ سے چاٹتا ہے)

حوّا— (اس کو پیار کرتی ہوئی) حوّا کے پریے سرپ! اب حوّا کبھی اکیلی نہ رہے گی۔ کیوں کہ اس کا سرپ باتیں کر سکتا ہے۔

سرپ— بہت سی وستوؤں کے وِشے میں میں باتیں کر سکتا ہوں۔میں بڑا بدھیمان ہوں۔ وہ میں ہی تھا جس نے تمھارے کان میں دھیرے سے وہ شبد کہہ دیا تھا جو تم کو نہیں گیات تھا۔مرتک، مرتیو، مرنا۔

حوا— (کانپ کر) اس کی یاد کیوں دلاتا ہے؟ میں تیرا سندر پھن دیکھ کر اس کو بھول گئی تھی۔تجھ کو ابھاگی وستوؤں کی یاد نہیں دلانا چاہیے۔

سرپ— مرتیو بھاگیہ ہین وستو نہیں، یدی تم نے اس پر وجے پانا سیکھ لیا ہے۔

حوا— میں مرتیو پر وجے کیسے پا سکتی ہوں؟

سرپ— ایک دوسری وستو کے دوارا، جس کو اُتپتّی کہتے ہیں۔

حوا— (اُچارن کی چیشٹھا کرتے ہوئے) اُ.......... ت.......... پ.......... تی۔

سرپ— ہاں اتپتی۔

حوا— اتپتی کیا ہے؟

سرپ— سرپ کبھی مرتا نہیں، تم کسی دن دیکھو گی کہ میں اس سندر کینچول سے ایک نیا سرپ بن کر، اور اس سے ادھیک سندر کینچول لے کر باہر نکل آؤں گا۔ یہی اتپتّی ہے۔

حوا— میں ایسا دیکھ چکی ہوں۔ بڑے آشچریہ کی بات ہے۔

سرپ— میں بڑا چتر ہوں، جب تم اور آدم باتیں کرتے ہو تو میں تم کو 'کیوں' کہتے ہوئے سنتا ہوں۔ پرتی سمے کیوں تم نیتروں سے وستوؤں کو دیکھتی ہو اور کہتی ہو 'کیوں'؟ میں سوپن میں دیکھتا ہوں اور کہتا ہو "کیوں نہیں؟" 'کیوں نہیں' میں نے مرتک شبد کو اپنے آپ بنایا ہے، جس کا تاتپریہ میری پرانی کینچول ہے، جس کو میں نے اپنی نویتا کے سمے اتار کر پھینک دیا۔ اس نوین کو میں اُتپن ہونا کہتا ہوں۔

حوا— اتپتی ایک سندر شبد ہے۔

سرپ— کیوں نہیں؟ میری بھانتی بار بار اتپن ہو اور سدیو نوین اور سندر بنی رہو۔

حوا— میں؟ اس لیے کہ ایسا ہوتا نہیں، اور کیوں نہیں۔

سرپ— کنتو وہ تو "کیسے" ہوا 'کیوں نہیں'؟ تو نہیں ہوا۔ بتاؤ 'کیوں نہیں'؟

حوا— پر میں اس کو پسند نہیں کروں گی۔ پھر سے نیا بن جانا اچھی بات ہے۔ کنتو میرا پرانا چولا پرتھوی پر بالکل میری بھانتی پڑا رہے گا اور آدم اس کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھے گا اور

سرپ— نہیں، اس کی آوشیکتا نہیں، ایک دوسری اتپتی بھی ہے۔

حوا— دوسری اتپتی!

سرپ— سنو، تم کو ایک بھاری گُپت بھید بتاتا ہوں۔ میں بڑا بدھیمان ہوں۔ میں وچارتا رہتا ہوں۔ میں سنکلپ کا پکا ہوں اور جس وستو کی مجھ کو آوشیکتا ہوتی ہے، اس کو پراپت کر لیتا ہوں۔ میں اپنے سنکلپ سے کام لیتا رہتا ہوں اور میں نے وچتر وستوئیں کھائی ہیں، پتھر سیب، جن کو کھاتے ہوئے تم بھے بھیت ہوتی ہو۔

حوّا۔ تمھارا یہ ساہس!

سرپ۔ مجھے پرتیک بات کا ساہس ہوا اور انت میں مجھے ایسا ڈھنگ گیات ہوگیا جس سے اپنے جیون کا بھاگ اپنے شریر کے بھیتر سورکچھت رکھ سکوں۔

حوّا۔ جیون کسے کہتے ہیں؟

سرپ۔ وہ وستو جو مرتک اور سجیو ہرن کے بالک میں انتر کرتی ہو۔

حوّا۔ کیسے سندر شبد ہیں اور کیسی آشچریہ جنک وستو ہے! 'جیون' سب شبدوں میں سب سے پریہ شبد ہے۔

سرپ۔ ہاں جیون ہی پر وچار اور چنتا کرنے سے میں نے کرامات دکھانے کی شکتی پراپت کی ہے۔

حوّا۔ کرامات؟ پھر ایک نوین شبد؟

سرپ۔ کرامات اس اسنگت بات کو کہتے ہیں۔ جو سادھارنتیہ نہیں ہو سکتی، پرنتو ہو جاتی ہے۔

حوّا۔ مجھے کوئی کرامات؟ بتاؤ، جو تم نے کی ہو۔

سرپ۔ میں نے اپنے جیون کا ایک بھاگ اپنے شریر میں اکتّرت کیا اور اس کو ایک گھر میں بند کیا جو ان پتھروں سے بنا تھا، جس کو میں نے کھایا تھا۔

حوّا۔ اس سے کیا لابھ ہوا؟

سرپ۔ میں نے اس چھوٹے گھر کو دھوپ دکھائی اور سوریہ کی اشنتا (उष्णता) میں رکھ دیا۔ وہ پھٹ گیا اور اس سے ایک چھوٹا سرپ نکل آیا جو پرتی دن بڑھتا گیا، یہاں تک کہ میرے برابر ہوگیا۔ یہی تھی دوسری اتپتی۔

حوّا۔ اوہو یہ تو اسیم آشچریہ جنک ہے۔ یہ تو میرے بھیتر بھی چیشٹا کر رہی ہے اور مجھ کو گھائل کیے ڈالتی ہے۔

سرپ۔ اس نے مجھے لگ بھگ پھاڑ ڈالا تھا، کنتو اس پر بھی میں جیوت رہا اور پھر اپنے چولے کو پھاڑ کر اپنے کو اسی پرکار اتپن کر سکتا ہوں۔ عدن میں لگ بھگ اتنے سرپ ہو جائیں گے۔ جتنے کہ میرے شریر پر چتّے ہیں۔ اس سمے مرتیو کچھ نہ کر سکے گی۔ یہ سرپ اور وہ سرپ مرتے رہیں گے، پرنتو سرپ شیش ہی رہے گا۔

حوّا— پرنتو سرپ کے اتیرکت ہم سب کبھی نہ کبھی مر جائیں گے۔ اور تب کچھ اور شیش نہ رہے گا۔ سروتر سرپ ہی سرپ رہ جائیں گے۔

سرپ— یہ نہ ہونا چاہیے۔ حوّا، میں تم کو پوجتا ہوں، میرے پوجن کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی وستو ہونی چاہیے، جو تمھاری بھانتی مجھ سے نتانت بھنّ ہو۔ کوئی وستو سرپ سے اتّم اوشیہ ہونی چاہیے۔

حوّا— ہاں یہ نہ ہونا چاہیے، آدم کا ناش نہ ہو۔ تم بڑے بدھیمان ہو بتاؤ، کیا کروں؟

سرپ— سوچو، سنکلپ کرو، مٹی کھاؤ، شویت پاشان کو چاٹو، اس سیب کو کھاؤ جس سے تم بھے بھیت ہوتی ہو، سوریہ تم کو جیون دے گا۔

حوّا— سوریہ پر مجھ کو بھروسا نہیں۔ میں سویم ہی جیون دوں گی۔ میں اپنے شریر کو چیر کردو سرا آدم نکالوں گی، چاہے ایسا کرنے میں میرے شریر کے ٹکڑے ٹکرے کیوں نہ ہو جائیں!

سرپ— اوشیہ ساہس کرو۔ پرتیک بات سمبھو ہے، پرتیک بات سنو۔ میں بوڑھا ہوں۔ آدم اور حوّا سے بھی بوڑھا ہوں۔ مجھے اب تک 'للس'☆ یاد ہے، جو آدم اور حوّا سے پہلے تھی۔ جس پرکار میں تم کو پریے ہوں اسی پرکار اس کو بھی تھا۔ وہ اکیلی تھی۔ اس کے سنگ کوئی پروش نہ تھا۔ جس پرکار ہرن کے بچے کو گرا ہوا دیکھ کر تم نے مرتیو دیکھ لی، اسی پرکار اس نے بھی دیکھ لیا تھا۔

تب اس کو دھیان ہوا کہ نئے سرے سے اتپنّ ہونے کا اور میری بھانتی اپنے کو بدلنے کا کوئی اپائے نکالنا چاہیے۔ اس کا سنکلپ بلوان تھا۔ وہ پریتن کرتی رہی اور جتنی اس واٹیکا کے برکشوں میں پتیاں ہیں، ان سے بھی ادھیک مہینوں تک وہ سنکلپ کرتی رہی۔ اس کی پیڑا بھیانک تھی اس کے کرندن نے عدن کو ندرا سے شونیہ کر دیا تھا۔ اس نے کہا اب ایسا نہ ہونا چاہیے۔ نئے سرے سے جیون کا بھار اسہیہ ہے۔ ان کے لیے یہ کلیش اتینت ادھیک

☆ سادھارنتیا یہ کدونتی پرسدھ ہے کہ 'للس' آدم کی پہلی استری تھی۔ پتی کے اوگیا کے ڈنڈ میں وہ عدن کی واٹیکا سے نکال دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اب بھی سنسار میں ودھمان ہے، پرنتو دکھائی نہیں پڑتی۔ وہ حوّا کی سنتان کی شترو ہے، استو جموگا کا روگ اسی سے ہونا مانا ہے، کنتو برناڈ شا 'للس' کو آدم اور حوّا دونوں کی ماتا سمجھتے ہیں۔

ہے اور جب اس نے اپنا شریر بدلا، تو ایک للس نہ تھی ورن دو تھیں ایک تمھاری بھانتی، دوسری آدم کی بھانتی۔ ایک حوّا تھی، دوسرا آدم۔

حوّا— پر اس نے اپنے کو دو میں کیوں وبھاجت کیا اور کیوں ہم کو ایک دوسرے سے وبھن بنایا؟

سرپ— کہتا تو ہوں کہ یہ پریشرم ایک کے سہن کرنے سے بہت ادھک ہے۔ اس میں دو کو سملت رہنا چاہیے۔

حوّا— کیا تمھارا یہ تاتپریہ ہے کہ میرے ساتھ آدم کو بھی اس کشٹ میں سملت ہونا پڑے گا؟ نہیں، وہ سملت نہیں ہوگا۔ وہ اس پرشرم کو سہن نہیں کر سکتا اور نہ شریر پر کوئی کشٹ اٹھا سکتا ہے۔

سرپ— اس کی آویشکتا نہیں، اس کے لیے کوئی پرشرم نہ ہو گا، وہ سویم سملت ہونے کے لیے تم سے پرارتھنا کرے گا۔ وہ اپنی اِچھا کے دوارا تمھارے وش میں ہوگا۔

حوّا— تب تو ضرور کروں گی۔ لیکن کیسے؟ للس نے اس چمتکار کو کیسے کیا تھا؟

سرپ— اس نے دھیان کیا۔

حوّا— ''دھیان کیا'' کیا وستو ہے؟

سرپ— اس نے مجھ سے ایک ایسی گھٹنا کی چت آکرشک کتھا کا ورنن کیا، جو ایک ایسی للس پر کبھی نہیں بیتی اور جو کبھی نہیں تھی۔ للس کو اس سمے تک یہ نہیں گیات تھا کہ 'یان' اتپن کرنے کا آرمبھ ہوتا ہے۔ تم بھی، جس وستو کی تم کو اِچھا ہو، اس کا دھیان کرو، اس کا سنکلپ کرو، اور انت میں جس وستو کا سنکلپ کرو گی، اسے اتپن کر لوگی۔

حوّا— کیول 'ناستی' سے میں کس پرکار کوئی وستو پیدا کر سکتی ہوں؟

سرپ— پرتیک وستو 'ناستی' ہی سے اتپن ہوئی ہوگی۔ اپنے پٹھوں پر مانس کو دیکھو۔ یہ سدیو وہاں نہیں تھا۔ جب میں نے پرتھم بار تم کو دیکھا تو تم برکش پر نہیں چڑھ سکتی تھی۔ پرنتو تم سنکلپ اور پریتن کرتی رہی، اور تمھارے سنکلپ نے کیول 'ناستی' سے تمھاری بانہوں پر مانس کا ایک لوتھڑا پیدا کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ تمھاری اِچھا پورن ہوگئی اور تم ایک ایک ہاتھ کے بل اپنے کو کھینچ کر برکش کی اس ڈال پر بیٹھ جانے کے یوگیہ ہو گئی جو تمھارے سر سے اونچی تھی۔

حوّا— وہ تو ابھیاس تھا۔

سرپ— ابھیاس سے وستوئیں گھس جاتی ہیں، بڑھتی نہیں۔ تمھارے کیش ہوا میں ترنگیں لے رہیں ہیں جیسے کھینچ کر بڑھ جانے کا پریتن کر رہے ہوں، پرنتو ابھیاس کرنے پر بھی وہ بڑھ نہیں پاتے، کیول اس لیے کہ تم نے سنکلپ نہیں کیا ہے۔ جب للس نے کچھ دھیان کیا تھا، اس کا مون بھاشا میں (کیوں کہ اس سے تک شبد نہیں تھے) مجھ سے ورنن کیا، تو میں نے اسے سمّتی دی کہ اچھا کرو، پھر سنکلپ کرو، اور ہم کو یہ دیکھ کر آشچر یہ ہوا کہ جس وستو کی اس نے اچھا کی تھی، اور سنکلپ کیا تھا، وہ اس کے سنکلپ کی گتی سے اپنے آپ اس کے بھیتر اتپن ہو گئی۔ تب میں نے بھی سنکلپ کیا کہ اپنے کو بدل کر ایک کے بدلے دو بنا لوں۔ اور بہت دنوں بعد یہ چمتکار پرکٹ ہوا۔ میں اپنے پرانے چولے سے باہر نکلا۔ اس روپ میں ایک دوسرا سرپ مجھ سے لپٹا ہوا تھا، اور اب اتپن کرنے کے لیے دو دھیان ہیں، دو اچھائیں ہیں اور دو سنکلپ ہیں۔

حوا— اچھا کرنا، دھیان کرنا، سنکلپ کرنا، اتپن کرنا، یہ تو بڑی لمبی کہانی ہے۔ مجھے اس کے لیے کوئی ایک شبد بتا۔ تو تو شبدوں کا پاردرشی ہے!

سرپ— جننا، اس سے دونوں تاتپریہ ہیں۔ دھیان کر کے آرمبھ کرنا اور اتپتی پر سماپت کر دینا۔

حوا— مجھ کو اس کہانی کے لیے کوئی ایک شبد بتا جس کا للس نے دھیان کیا اور جس کو تجھ سے مون بھاشا میں ورنن کیا، وہ کہانی جو ایسی ادبھت تھی کہ ستیہ نہیں ہو سکتی تھی اور پھر بھی ستیہ ہو گئی۔

سرپ— ایک شیر۔

حوا— للس میری کون تھی؟ اب اس کے لیے کوئی شبد بتا۔

سرپ— وہ تمھاری ماتا تھی۔

حوا— اور آدم کی بھی؟

سرپ— ہاں۔

حوا— (اٹھ کر) میں جاتی ہوں اور آدم سے جننے کے لیے کہتی ہوں۔

سرپ— (ٹھٹھا مار کر ہنستا ہے)

حوا— (ویاکل ہو کر اور چونک کر) کیسی گھرنا پیدا کرنے والا شبد ہے۔ تجھ کو ہو کیا

گیا ہے؟اس سے پہلے کسی کے منہ سے ایسا شبد نہیں نکلا۔

سرپ— آدم نہیں جن سکتا۔

حوا— کیوں؟

سرپ— للس نے اس کو ایسا دھیان نہیں کیا۔ وہ دھیان کر سکتا ہے، سنکلپ کرسکتا ہے، وہ اپنے جیون کو سمیٹ کر ایک نئی رچنا کے لیے سورکھت رکھ سکتا ہے۔ وہ سب کچھ اتپن کر سکتا ہے، سوائے ایک وستو کے، اور وہ ایک وستو اس کی اپنی وستو ہے۔

حوا— للس نے اس کو ونچت کیوں رکھا؟

سرپ— اس لیے کہ یدی وہ ایسا کر سکتا، تو اس کو حوا کی آوشکتا نہ ہوتی۔

حوا— ٹھیک ہے، تو جننا مجھ کو ہوگا۔

سرپ— ہاں، اسی کے دوارا اس کا تم سے سمبندھ ہے۔

حوا— اور میرا اس سے۔

سرپ—ہاں! اس سمے تک، جب تک کہ تم دوسرا آدم نہ اتپن کرلو۔

حوا— مجھے اس کا تو دھیان ہی نہ تھا۔ تو بہت بڑا ہے۔ کنتو یدی میں دوسری حوا پیدا کروں، تو سمبھو ہے کہ وہ اس کی اور جھک جائے اور میرے بنا رہ سکے۔ میں تو کوئی حوا نہیں اتپن کروں گی۔ کیول آدم ہی آدم اتپن کروں گی۔

سرپ— حوا کے بنا آدم اپنے جیون کو نت نیا نہ کرسکیں گے۔ کبھی نہ کبھی تم ہرن کی بچے کی طرح مر جاؤ گی اور بھی نئے آدم بنا حوا کے اتپن کرنے میں اسمرتھ رہیں گے۔ تم ایسے پرینام کا دھیان تو کرسکتیں ہو، کنتو اس کی کامنا نہیں کر سکتیں، اس لیے سنکلپ نہیں کر سکتیں، ات ایو کیول آدم ہی آدم اتپن نہیں کرسکتیں۔

حوا— یدی ہرن کے بالک کے بھانتی مجھ کو مر جانا ہے، تو جو کچھ شیش ہے، وہ بھی کیوں نہ مر جائے؟ مجھے اس کی چنتا نہیں۔

سرپ— جیون کو رکنا نہیں چاہیے۔ یہ سب سے پہلی بات ہے یہ کہنا اگیانتا ہے کہ تم کو چنتا نہیں۔ یہی چنتا ہے۔ جو تم کو اوشیہ چنتا ہے جو تمھارے دھان کو اتیجت کرے گی، تمھاری اِچھا کو بھڑکائے گی۔ تمھارے سنکلپ کو اٹل بنائے گی۔ اور انت میں کیول ناستی سے اتپتی کرے گی۔

حوّا— (سوچتے ہوئے) کیول ناستی جیسی تو کوئی وستو نہیں ہو سکتی۔ باغ بھرا ہوا ہے، رِکت نہیں ہے۔

سرپ— میں نے اس پر بھلی بھانتی دھیان نہیں کیا تھا۔ یہ ایک بلوان وچار ہے۔ ہاں، کیول ناستی جیسی کوئی وستو نہیں۔ نِسند یہہ ایسی وستوئیں ہیں جن کو ہم دیکھتے نہیں۔ گرگٹ بھی ہوا کھاتا ہے۔

حوّا— میں نے ایک اور بات وچاری ہے۔ میں اس کو آدم سے کہوں گی۔(پکارتے ہوئے) آدم! آؤ! آؤ!

آدم کا شبد— او !او!

حوّا— اس سے وہ پرسن ہوگا اور اس کے کمھلائے ہوئے پیڑت چت کی چکتسا ہو جائے گی۔

سرپ— اس سے ابھی کچھ نہ کہو، میں نے تم کو بھاری بھید نہیں بتایا ہے۔

حوّا— اب اور کیا بتانا ہے؟ یہ چمتکار میرا کاریہ ہے۔

سرپ— نہیں، اس کو بھی اِچھا اور سنکلپ کرنا ہے۔ پرنتو اس کو اپنی اِچھا اور سنکلپ تم کو دے دینا ہوگا۔

حوّا— کیسے؟

سرپ— یہی تو بڑا گپت بھید ہے۔ چپ، وہ آ رہا ہے۔

آدم— (لوٹتے ہوئے) کیا واٹیکا میں ہمارے شبد اور اس 'شبد' کے اتیرکت کوئی اور شبد بھی ہے؟ میں نے ابھی ایک نوین شبد سنا تھا۔

حوّا— (اٹھتی ہے اور دوڑ کر اس کے نکٹ جاتی ہے) تنک وچار کرو آدم! ہمارے سرپ نے ہماری باتیں سن سن کر بولنا سیکھ لیا ہے۔

آدم— (پرسن ہو کر) سچ مچ؟ (وہ اس کے نکٹ سے ہو کر پتھر کے پاس جاتا ہے اور سرپ کو پیار کرتا ہے)

سرپ— (پیار سے اُتر دیتا ہے) ہاں، سچ مچ، پریے آدم!

حوّا— مجھ کو اس سے بھی ادھیک آشچریہ جنک باتیں کہنی ہیں۔ آدم، اب ہم کو سدیو رہنے کی آدیشکتا نہیں۔

آدم— (آویش میں سرپ کا سر چھوڑ دیتا ہے) کیا؟ حوّا، اس وشے میں مجھ سے کھیل نہ کرو۔ ایشور کرے، کسی دن ہماری سماپتی ہوجاتی اور اس بھانتی کہ مانو نہیں ہوا۔ ایشور کرے، میں سدیو رہنے کی ورتّی سے چھٹکارا پاؤں۔ ایشور کرے اس واٹیکا کا سنوارنا کسی دوسرے مالی کے سپرد ہو جائے۔ اور جو سنر کچھک اس 'شبد' کی اور سے نیوکت کیا گیا ہے، وہ سوتنتر ہو جائے۔ ایشور کرے کہ سوپن اور شانتی، جو پرتی دن مجھ کو یہ سب کچھ سہن کرنے کے یوگیہ بنائے ہوئے ہے۔ کچھ کال میں اکشیہ ندرا اور شانتی ہو جائے۔ کسی نہ کسی پرکار سے سماپتی ہونی چاہیے۔ مجھ میں اتنی شکتی نہیں کہ 'سدیوتا' کو سہن کرسکوں۔

سرپ— تم کو آگامی گریشم (ग्रीष्म) تک بھی رہنے کی آویشکتا نہیں اور پھر بھی کوئی سماپتی نہیں ہوگی۔

آدم— یہ نہیں ہوسکتا۔

سرپ— ہوسکتا ہے۔

حوّا— اور ہوگا۔

سرپ— ہو چکا ہے۔ مجھ کو مار ڈالو اور کل واٹیکا میں تم دوسرا سرپ دیکھو گے۔ تمھارے ہاتھ میں جتنی انگلیاں ہیں، ان سے بھی ادھک سرپ تم کو ملیں گے۔

حوّا— میں دوسرے آدم اور حوّا اتپن کروں گی۔

آدم— میں نے کہہ دیا کہ کہانیاں نہ گڑھو۔ یہ نہیں ہوسکتا۔

سرپ— مجھے اسمرن ہے، جب تم آپ ہی ایک ایسی وستو تھے جو نہیں ہوسکتی تھی، کنتو پھر بھی تم ہو۔

آدم— (آشچریہ پورن ہوکر) یہ تو سچ ہوگا۔ (پتھر پر بیٹھ جاتا ہے)

سرپ— میں اس بھید کو حوّا سے کہہ دوں گا۔ اور وہ تم کو بتا دے گی۔

آدم— (شیگھرتا سے سرپ کی اور مڑتا ہے اور اس دشا میں اس کا پیر کسی تیکچھن (तीक्ष्ण) وستو پر پڑ جاتا ہے۔) اوہ!

حوّا— کیا ہوا؟

آدم— کانٹا ہے، پرتیک استھان پر کانٹے ہیں۔ واٹیکا کو سہاونی بنانے کے لیے ان کو سدیو صاف کرتے کرتے تھک گیا۔

سرپ— کانٹے شیگھر نہیں بڑھتے۔ ابھی بہت سے تک وانیکا ان سے بھر نہیں سکے گی۔اس سے تک نہیں بھر سکے گی جب تک کہ تم اپنا بوجھ اتار کر سدیو کے لیے سونے نہیں چلے جاؤ گے۔تم اس کے واسطے کیوں دُکھت ہو؟نوین آدم کو اپنے لیے اپنا استھان آپ ہی صاف کرنے دو۔

آدم— یہ ستیہ ہے، تو اپنا بھید ہم کو بتا دے۔ دیکھو حوا! سدیو کے لیے یدی رہنا نہ پڑے۔تو کیسا اُتّم ہو۔

حوا— (ویاکلتا کے ساتھ بھومی پر بیٹھ کر گھاس اکھاڑتے ہوئے۔) پروش کی یہی دشا ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ ہم کو سدیو کے لیے نہیں رہنا ہے۔ اس پرکار باتیں کرنے لگے، مانو آج ہی ہماری سماپتی ہونے والی ہے! تم کو ان بھیانک وستوؤں کو صاف کرنا ہے،نہیں تو جب کبھی اگیانتا میں ہم پیر اٹھائیں گے،تو گھایل ہو جائیں گے۔

آدم— ہاں، صاف تو اوشیہ کرنا ہے۔ پرنتو تھوڑا ہی۔ کل میں ان کو صاف کر ڈالوں گا۔

سرپ (ٹھٹّھا مار کر ہنستا ہے)!!!

آدم— یہ ادبھت کولاہل ہے، مجھے سُہانا لگتا ہے۔

حوا— مجھ کو تو اچھا نہیں لگتا۔تو کس لیے چلّاتا ہے؟

سرپ— آدم نے ایک نئی وستو نکالی ہے۔ ارتھات 'کل'۔ اب جب کہ شیش رہنے کا بوجھ تمھارے سر سے اٹھ گیا ہے،تم نت نئی وستوئیں نکالا کرو گے۔

آدم— شیش رہنا؟ یہ کیا ہے؟

سرپ— یہ میرا شبد ہے جس سے تاتپریہ سدیو کے لیے جیوت رہنا ہے۔

حوا— سرپ نے 'ہونے' کے لیے ایک سندر شبد بنایا ہے۔'جیون'۔

آدم— میرے لیے کوئی ایسا سندر شبد بتادے جس سے '...' کام کرنا ابھپریت ہو، کیوں کہ سمجھوتہ یہ ایک بھاری اور پوتر اوشکار ہے۔

سرپ— ٹالنا۔

آدم— اتینت پریہ شبد ہے۔ ایشور کرے، میں بھی سرپ کی سی بولی پائے ہوتا۔

سرپ— یہ بھی ہو سکتا ہے، پرتیک بات سمجھو ہے۔

آدم— (اچانک بھے سے چونک پڑتا ہے!) ارے!

حوا— میری شانتی ! جیون سے میرا چھٹکارا!

سرپ— 'مرتیو'! اس کے لیے یہ شبد ہے۔

آدم— ٹالنے میں بڑا بھے ہے۔

حوا— کیا بھے ہے؟

آدم -- یدی مرتیو کو کل پر ٹال دوں تو میں کبھی نہیں مروں گا۔'کل' کوئی دن نہیں، اور نہ ہوسکتا ہے۔

سرپ— میں بڑا بدھیمان ہوں، پرنتو منش وچار میں مجھ سے بھی ادھک گمبھیر ہے۔ استری جانتی ہے 'کیول ناستی' کوئی وستو نہیں۔ پروش جانتا ہے کہ 'کل' کوئی دن نہیں۔ میں ان کو پوجتا ہوں ٹھیک کرتا ہوں۔

آدم— یدی مرتیو کو پانا ہے تو مجھ کو کوئی سچا دن نیت کرنا چاہیے، کل نہیں۔ مجھ کو کب مرنا چاہیے؟

حوا— جب میں دوسرا آدم اتپن کرلوں، تو تم مر جانا۔ مگر نہیں، تمھارا جب جی چاہے، مر جاؤ۔(وہ اٹھتی ہے اور آدم کے پیچھے سے نرپکش بھاؤ سے ٹہلتی ہوئی برکش کے پاس جاتی ہے اور اس کے سہارے کھڑی ہوکر سرپ کی گردن کو تھپتھپاتی ہے۔)

آدم— پھر بھی کوئی شیگھرتا نہیں ہے۔

حوا— ودت ہوتا ہے کہ تم اس کو' کل' پر ٹالو گے۔

آدم— اور تم؟ کیا تم دوسری حوا اتپن کرتے ہی مر جاؤ گی؟

حوا— میں کیوں مروں؟ کیا تم مجھ سے چھٹکارا پانا چاہتے ہو۔ ابھی تم چاہتے تھے کہ میں چپ چاپ بیٹھی رہوں اور چلا نہ کروں جس سے کہیں ہرن کے بچے کی بھانتی ٹھوکر کھا کر مر نہ جاؤں اور اب تم کو میری پرواہ نہیں۔

آدم— اب اس میں اتنی ہانی نہیں ہے۔

حوا— (سرپ سے کرودھ میں) یہ مرتیو جس کو وانیکا میں لے آیا ہے، ایک وپتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں مر جاؤں۔

سرپ— (آدم سے) کیا تم چاہتے ہو کہ وہ مر جائے؟

آدم— نہیں، مرنا مجھ کو ہے حوا کو مجھ سے پہلے نہیں مرنا چاہیے، میں اکیلا رہ جاؤں گا۔

حوا— تم دوسری حوا پاؤ گے۔

آدم— یہ تو ٹھیک ہے پرنتو سمبھو ہے کہ وہ ٹھیک تمھاری جیسی نہ ہو۔ اور ہو نہیں سکتی، اس کو تو میں بھلی بھانتی انوبھو کر رہا ہوں۔ اس کی وہ اسمرتیاں نہ ہو گی۔ وہ کیا ہوگی، میں اس کے لیے ایک شبد چاہتا ہوں۔

سرپ— اجنبی۔

آدم— ہاں، یہ ایک اچھا اور ٹھوس شبد ہے۔ ''اجنبی''۔

حوا— جب نوین آدم اور نوین حوا ہوں گی، تو ہم اجنبیوں کی وانیکا میں ہوں گے۔ ہم کو ایک دوسرے کی آویشکتا ہے۔ (پرنتو آدم کے پیچھے آجاتی ہے اور اس کے منھ کو اپنی اور اٹھاتی ہے) آدم اس بات کو کبھی نہ بھولنا، کداپی نہ بھولنا۔)

آدم— میں کیوں بھولوں گا؟ میں نے تو اس کو سوچا ہے۔

حوا— میں نے بھی ایک بات سوچی ہے ہرن کا بچا ٹھوکر کھا کر گر پڑا اور مر گیا، پرنتو تم چپ چاپ میرے پیچھے آ سکتے ہو اور (وہ اچانک اس کے کندھوں کو دھکا دیتی ہے اور اس کو منہ کے بل ڈھکیل دیتی ہے۔) مجھ کو اس پرکار ڈھکیل سکتے ہو کہ میں مر جاؤں۔ یدی میرے پاس یہ ترک نہ ہوتا کہ تم میری مرتیو کی چیشٹا نہیں کرو گے، تو میں سوچنے کا سابس نہ کرتی۔

آدم— (مارے بھے کے ہرکش پر چڑھنے لگتا ہے۔) تمھاری مرتیو کی چیشٹا! کیسا بھیانک وچار ہے!

سرپ— مار ڈالنا، مار ڈالنا! یہ شبد ہے۔

حوا— نوین آدم اور حوا ہم کو مار ڈالیں گے۔ میں ان کو نہیں اتپن کروں گی۔ (وہ چٹان پر بیٹھ جاتی ہے اور آدم کو نیچے کھینچ کر اپنے پارشو (पार्श्व) میں کر لیتی ہے۔ اور اپنے داہنے ہاتھ سے اس کو پکڑے رہتی ہے)۔

سرپ— تم کو اتپن کرنا ہوگا، کیوں کہ یدی نہیں اتپن کروگی تو سماپتی ہو جائیں گی۔

آدم— نہیں وہ ہم کو مار ڈالیں گے۔ وہ ہمارے بھانتی انوبھو کریں گے۔ کوئی وستو

ان کو روکے گی۔ واٹیکا کا شبد جس طرح ہم کو بتاتا ہے، اسی طرح ان کو بھی بتائے گا کہ مار ڈالنا نہیں چاہیے۔

سرپ— باغ کا 'شبد' تمھارا اپنا شبد ہے۔

آدم— ہے بھی اور نہیں بھی۔ وہ مجھ سے بڑا ہے اور میں اس کا ایک بھاگ ہوں۔

حوّا— واٹیکا کا شبد مجھے تو تم کو مار ڈالنے سے نہیں روکتا۔ پھر بھی میں یہ نہیں چاہتی کہ تم مجھ سے پہلے مرو۔ اس کے لیے مجھے کسی شبد کی آویشکتا نہیں۔

آدم— (اس کی گردن میں بانہہ ڈال کر اور پربھاوِت ہو کر) نہیں، بنا کسی شبد کے بھی یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے، کوئی نہ کوئی ایسی وستو ہے جو ہم کو ایک دوسرے سے سمبندھت کیے ہوئے ہے، جس کے لیے کوئی شبد نہیں ہے۔

سرپ۔ پریم !پریم!پریم!

آدم— یہ تو ایک اتنی بڑی وستو کے لیے بہت چھوٹا سا شبد ہے۔

سرپ— (ٹھٹھا مار کر ہنستا ہے)!

حوّا— (ادھیرتا سے سرپ کی اور مڑکر) پھر وہی ہردے کھرچنے والا شبد! اس کو بند کر! تو ایسا کیوں کرتا ہے۔

سرپ— سمبھو ہے، پریم لگ بھگ ایک اتینت چھوٹی وستو کے لیے بہت بڑا شبد ہو جائے، پرنتو جب تک یہ چھوٹا ہے، اس سمے تک وہ اتینت مدھر ہوگا۔

آدم— (دھیان کرتے ہوئے) تو مجھے حیران کر رہا ہے، میری پرانی وِپتی یدھپی بھاری تھی۔ پرنتو سیدھی سادی تھی، جن ادبھُت وستوؤں کا تو وعدہ کر رہا ہے وہ مجھے مرتیو جیسی دِویہ (दिव्य) وبھوتی دینے سے پہلے میرے استِتو کو الجھا سکتی ہے۔ میں اویناشی جیون کے بھار سے ویاکُل تھا پرنتو میرا چِت مَلِن نہیں تھا۔ یدی مجھ کو یہ گیات نہیں تھا کہ میں حوّا سے پریم کرتا ہوں، تو یہ بھی گیات نہ تھا کہ سنبھو ہے، وہ میرا پریم چھوڑ دے اور کسی دوسرے آدم سے پریم کرنے لگے۔ کیا تو اس وِدھا کے لیے کوئی شبد بتا سکتا ہے؟۔

سرپ— ایرشا! ایرشا! ایرشا!

آدم— کیسا بھیانک شبد ہے؟

حوّا— (آدم کو ہلاتے ہوئے) بہت سوچنا نہیں چاہیے تم بہت سوچا کرتے ہو!

آدم— (کرودھ میں) میں سوچنے سے وِرت کیسے رہ سکتا ہوں، جب مجھے سندیہہ ہو گیا ہے؟ سندیہہ سے پرتیک وستو اچھی ہے۔ جیون سندِگدھ ہو گیا ہے، پریم سندِگدھ ہے، کیا اس نوین وپتّی کے لیے تیرے پاس کوئی شبد ہے۔

سرپ— بھے، بھے، بھے۔

آدم اس کی چکتسا بھی تیرے پاس ہے؟

سرپ— آشا، آشا، آشا۔

آدم— آشا کیوں ہے؟

سرپ— جب تک تم کو استھرتا کا گیان نہیں، تم کو یہ گیان بھی نہیں کہ استھر بیتے ہوئے سے ادھک روچیکر نہیں ہوگا۔اسی کو آشا کہتے ہیں۔

آدم— اس سے مجھے دھیرج نہیں ہوتا۔ میرے بھیتر بھے آشا کی اپیکچھا ادھک بلوان ہے۔ مجھے نشچے کی اویشکتا ہے۔(دھمکاتا ہوا اٹھتا ہے) یہ وستو مجھے دے، نہیں تو جب تجھ کو سوتا ہوا پاؤں گا، تو مار ڈالوں گا۔

حوّا— (سرپ کے آس پاس اپنی بانہیں ڈال کر) میرا سندر سرپ! ارے نہیں یہ بھیانک وچار تمھارے وچت میں کیسے آ سکتا ہے؟

آدم— یہ مجھ سے پرتیک کاریہ کرا سکتا ہے۔ سرپ ہی نے مجھ کو بھے دیا، اب اس سے کہہ دو کہ مجھ کو وشواس دے، نہیں تو میری اور سے بھے لے کر جاوے؟

سرپ— بھوشیہ کو اپنے سنکلپ سے باندھ لو اور پرتگیا کر لو۔

آدم— پرتگیا کیا؟

سرپ— اپنی مرتیو کے لیے ایک دن نیت کرو اور اس دن مر جانے کا سنکلپ کر لو۔ پھر مرتیو سندِگدھ نہ رہے گی۔ ورن نشچت ہو جائے گی۔ پھر حوّا یہ سنکلپ کر لے کہ وہ تمھارے مر جانے تک تم سے پریم کرے گی۔ اس پرکار پریم سندِگدھ نہیں رہے گا۔

آدم— ہاں یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔اس سے بھوشیہ بندھ جائے گا۔

حوّا— (اپرسنّ ہو کر اور سرپ کی اور سے منہ پھیر کر) پرنتو اس سے آشا ونشٹ ہو جائے گی۔

آدم— (کرودھ سے) چپ رہو، آشا نکرشٹ وستو ہے پرسنّتا بری وستو ہے۔

وشواس منگلمے وستو ہے۔

سرپ— بری کس کو کہتے ہیں؟ تم نے ایک نیا شبد نکالا ہے۔

آدم— جس وستو سے میں ڈرتا ہوں وہ بری وستو ہے۔ اچھا حوا! سنو، اور سانپ تو بھی سن، جس سے تم دونوں میری پرتگیا کو یاد رکھو، میں چاروں ریتوؤں کے ایک سہستر چکر تک جیوت رہوں گا۔

سرپ— ورش، ورش۔

آدم— میں ایک سہستر ورش تک جیوت رہوں گا۔ اس کے بعد نہیں رہوں گا۔ میں مر جاؤں گا اور شانتی پراپت کروں گا اور اس سمے تک حوّا کو سوائے کسی دوسری استری سے پریم نہیں کروں گا۔

حوّا— اور یدی آدم اپنی پرتگیہ پر دریڑھ رہے گا، تو میں بھی اس کی مرتیو تک کسی دوسرے پروش سے پریم نہیں کروں گی۔

سرپ— تم دونوں نے وواہ کا آوشکار کیا ہے۔ آدم تمھارا پتی ہے جو کسی دوسرے استری کے لیے نہیں ہوسکتا۔ اور تم اس کی پتنی ہو جو کسی دوسرے پروش کے لیے نہیں ہوسکتی۔

آدم— (سوبھاوتہہ حوّا کی اور ہاتھ بڑھاتے ہوئے) پتی اور پتنی!

حوّا— (اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے) پتنی اور پتی!

سرپ— (ٹھٹھا مار کر ہنستا ہے)

حوّا— (آدم کو اپنے سے الگ کر کے) میں نے کہہ دیا کہ یہ منحوس کولاہل نہ کر۔

آدم— اس کی بات نہ سن۔ کولاہل مجھے بھلا لگتا ہے۔ اس سے میرا ہردیہ ہلکا ہوتا ہے۔ تو بڑا پرسن چت سرپ ہے، پر تو نے ابھی کوئی پرتگیا نہیں کی، تو کیا پرتگیا کرتا ہے؟

سرپ —میں کوئی پرتگیا نہیں کرتا۔ میں اوسر سے لابھ اٹھاتا ہوں۔

آدم— اوسر؟ اس کا کیا ارتھ؟

سرپ— اس کا ارتھ یہ ہے کہ مجھ کو وشواس سے اتنا ہی بھے ہے جتنا تم کو سندیہہ سے، ارتھات سوائے سندیہہ کے کوئی وستو وشوسنیہ نہیں۔ یدی میں بھوشیہ کو باندھ لوں، تو اپنے سنکلپ کو باندھ لوں گا۔ اور جب سنکلپ کو باندھ لوں گا، تو اتپتی میں رکاوٹ آرمبھ ہو جائے گی۔

حوّا— اٹپتی میں رکاوٹ نہ ہونی چاہیے۔ میں نے کہہ دیا کہ میں اٹپن کروں گی۔ یدی ایسا کرنے میں مجھے اپنے کو کھنڈ کھنڈ بھی کر دینا پڑے۔

آدم— تم دونوں چپ رہو، میں بھوشیہ کو اوشیہ باندھوں گا۔ میں بھے سے اوشیہ سوتنتر ہووٗں گا۔(حوا سے) ہم اپنی اپنی پرتگیہ کر چکے، یدی تم کو اٹپن کرنا ہے تو تم اس پرتگیہ کی سیما کے بھیتر اٹپن کرو۔ اب سرپ کی باتیں ادھک نہ سنو۔(حوا کے کیش پکڑ کر کھینچتا ہے۔)

حوّا— چھوڑ مورکھ! ابھی اس نے مجھ کو اپنا بھید نہیں بتایا ہے۔

آدم— (اس کو چھوڑ کر) ہاں ٹھیک ہے مورکھ کس کو کہتے ہیں؟

حوّا— میں نہیں جانتی، یہ شبد آپ سے آپ آ گیا۔ جب تم بھول جاتے ہو اور وچار کرنے لگتے ہو اور بھے سے پراجت ہو جاتے ہو، اس سمے تو جو کچھ ہوتے ہو وہی مورکھ ہے۔ آؤ سرپ کی باتیں سنیں۔

آدم— نہیں، مجھے بھے لگتا ہے، جب وہ بولتا ہے، تو ایسا پرتیت ہوتا ہے کہ بھومی میرے پیروں کے نیچے بیٹھ رہی ہو۔ کیا تم اس کی باتیں سننے کے لیے ٹھہرو گی؟

(سرپ ٹھٹھا مار کر ہنستا ہے۔)

آدم— (کھل کر)اس شبد سے بھے دور ہو جاتا ہے۔ کیا کوتوہل ہے، سرپ اور استری آپس میں بھید کی باتیں کرنے جا رہے ہیں۔ (ہنستا ہے اور دھیرے دھیرے چلا جاتا ہے یہ اس کی پہلی ہنسی تھی۔)

حوّا— اب بھید بتا، بھید! (چٹان پر بیٹھ جاتی ہے اور سرپ کے کنٹھ میں بھوجائیں ڈال دیتی ہے سرپ اوٹھ کے نیچے کچھ کہنے لگتا ہے۔ حوّا کا مکھ اتینت روچکتا سے چمکنے لگتا ہے۔ اس کی روچکتا بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ پھر اس کے استھان پر اتیدھک گھرنا کے چنہہ پرکٹ ہو جاتے ہیں اور وہ اپنا مکھ اپنے ہاتھوں سے چھپا لیتی ہے۔)

کچھ شتابدیوں کے پشچات۔ پراتہ کال۔ عراق، عرب میں بھومی کا ایک ہرا بھرا کھنڈ اور وہ بھی لٹھوں سے بنا ہوا ایک بھون ہے جو ایک بائیں واٹیکا پر جا کر سماپت ہوتا ہے۔ آدم مدھیہ واٹیکا میں بھومی کھود رہا ہے اس کے دکھن اور حوّا دوار کے پاس ایک ورکش کی چھاؤں میں تپائی پر بیٹھی ہوئی سوت کات رہی ہے۔ اس کا چرخا جس کو وہ ہاتھ سے چلا رہی ہے، ایک بڑے چکر کی بھانتی ہے جو بھاری لکڑی کا بنا ہوا ہے۔ واٹیکا کی دوسری اور کانٹوں کی

ایک بھیتی ہے، جس میں ٹٹی سے بند ایک مارگ ہے۔

دونوں کفایت اور بے پرواہی کے ساتھ موٹے کپڑوں اور پتوں کو پہنے ہیں۔ دونوں اپنا بالیہ کال اور نرملتا کھو چکے ہیں۔آدم کی داڑھی بڑھی ہوئی ہے اور اس کے کیش بے ڈھنگے کٹے ہوئے ہے۔ پرنتو دونوں اسوستھ ہیں اور ترون اوستھا میں ہیں۔ آدم ایک کرشک کی بھانتی تھکا ہوا درشٹی آتا ہے۔ حوا اپیکشا کرت ادھک پرسن ہے وہ بیٹھی کات رہی ہے اور کچھ وچار کر رہی ہے۔

ایک پروش کا شبد-- آہا، ماتا۔

حوّا— (درشٹی اٹھا کر سمکھ ٹٹی کی اور دیکھتی ہے) قابیل آرہا ہے۔

(آدم گھرنا پردرشت کرتا ہے اور بنا سر اٹھائے ہوئے دھرتی کھودنے میں لگا رہتا ہے۔)

قابیل ٹٹی کو ٹھوکر مار کر مارگ سے الگ کر دیتا ہے اور لمبے لمبے پگوں سے واٹیکا میں پرویش کرتا ہے۔بات چیت اور روپ رنگ سے وہ ایک ہٹیلا سپاہی گیات ہوتا ہے۔ وہ ایک لمبے بلّم اور چرم کی ایک چوڑی ڈھال سے سوسجت ہے۔ ڈھال پر پیتل مڑھا ہوا ہے۔ اس کی لوہے کی ٹوپی سنگھ کے سر سے بنائی گئی ہے۔ اس میں بیل کے سینگھ لگے ہوئے ہیں۔وہ لال کوچ پہنے ہوئے ہے اور ایک پدک لگائے ہوئے ہے۔ پدک سنگھ چرم پر ٹکا ہوا ہے جس میں سنگھ کے نکھ لٹک رہے ہیں۔ پگوں میں کھڑاؤں ہیں جن پر پیتل کا کام بنا ہوا ہے۔ اس کی ٹانگیں پیتل کے آورن سے سورکشت ہیں۔ اس کی سیاہیوں جیسی کھڑی مونچھیں تیل سے چمک رہی ہیں۔ ماتا پتا کے ساتھ اس کا برتاؤ ایسا ہے جس سے اس کی اڈنڈتا اور اوگیا کا پتا چلتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے ڈھنگ پسند نہیں کیے جاتے اور نہ وہ چھما کیا گیا ہے۔

قابیل— (آدم سے) ابھی تک دھرتی کھودنا سماپت نہیں ہوا؟ تم سدا دھرتی کھودتے رہو گے اور سدا اسی پرانی نالی میں لگے رہے ہوگے۔ کوئی انتی نہیں، کوئی نیا وچار نہیں، کوئی کیرتی نہیں! یدی میں بھی اسی بھومی کھودنے میں لگا رہتا، جیسا کہ تم نے مجھے سکھایا تھا، تو آج میں کچھ نہ ہوتا۔

آدم— تم بھالا اور ڈھال لیے ہوئے اس سے کیا ہو، جبکہ تمھارے بھائی کا رکت دھرتی کے بھیتر سے تمھارے وروده کرندن کر رہا ہے!

قابیل— میں پہلا ودھ کرنے والا ہوں تم کیول پہلے منش ہو! پرتیک ویکتی پہلا منش ہو سکتا ہے یہ ایسا ہی سہج ہے جیسا کہ پہلی گو بھی ہونا۔ کنتو پہلا ہتیارا ہونے کے لیے ساہسی منشیہ کی آویشکتا ہے۔

آدم— یہاں سے چلے جاؤ، ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔ ہم کو الگ رکھنے کے لیے سنسار بہت وسترت ہے۔

حوا— تم اس کو کیوں بھگاتے ہو؟ وہ میرا ہے۔ میں نے اس کو اپنے شریر سے بنایا تھا۔ میں اپنی بنائی ہوئی وستو کو کبھی کبھی دیکھنا چاہتی ہوں!

آدم— تم نے تو ہابیل کو بھی بنایا تھا۔ اس نے ہابیل کو مار ڈالا: اس پر بھی کیا تم اس کو دیکھنے کی کامنا کر سکتی ہے۔؟

قابیل— میں نے ہابیل کو مار ڈالا تو یہ کس کا اپرادھ تھا؟ مار ڈالنے کا اوشکار کس نے کیا تھا۔ ؟میں نے ؟نہیں، اسی نے اوشکار کیا تھا۔ میں تو تمھاری شکچھا پر چل رہا تھا۔ میں تو دھرتی کھودا کرتا تھا۔ اور کوڑا کرکٹ صاف کیا کرتا تھا۔ میں پرتھوی کا پھل کھاتا تھا اور تمھاری طرح پرشرم سے جیون نرواہ کرتا تھا۔ میں مورکھ تھا، کنتو ہابیل نئے وچار اور ساہس کا منشیہ تھا۔ وہ کھوجی تھا اور وستوتہہ انتی کرنے والا تھا۔ اس نے رکت کا انوسدھان کیا اور ہتیا کا اوشکار کیا۔ اس نے یہ گیات کیا کہ سوریہ کی اگنی اوس کی بوندوں کے دوارا نیچے لائی جا سکتی ہے۔ اس نے اگنی کو سدیو پرکاشان رکھنے کے لیے ایک بلی کا استھان نرمان کیا۔ جتنے پشوؤں کو مارتا تھا، ان کے مانس کو بلی استھان میں اگنی سے پکاتا تھا۔ وہ اپنے کو مانس کھا کھا کر جیوت رکھتا تھا۔ اس کو اپنا اہار پراپت کرنے کے لیے کیول اس کی آوشکتا تھی کہ اپنا دن آکھیٹ، جیسے سوواستھیہ دایک اور گورو پورن کاریہ میں ویئے کرے اور پھر ایک گھنٹہ اگنی کے ساتھ کھیل کرے۔ تم نے اس سے کچھ بھی نہیں سیکھا۔ تم پرشرم کرتے رہے اور مجھ سے بھی یہی کام کراتے رہے۔ میں ہابیل کے ہرش اور سوادھینتا پر ارشیہ کرتا تھا۔ میں اپنے کو اس لیے تچھ سمجھتا تھا کہ تمھارا انوکرن کرنے کے استھان پر اس کا انوکرن نہیں کرتا تھا۔ وہ ایسا بھاگیہ وان تھا کہ اپنے بھوجن میں اس شبد کو بھی سملت رکھتا تھا، جس نے اس کو انیک نئی باتیں بتائی تھیں۔ وہ کہتا تھا وہ شبد اس اگنی کا شبد ہے جو میرا بھوجن پکاتی ہے اور جو اگنی بھوجن پکا سکتی ہے وہ کھا بھی سکتی ہے۔ یہ سچ تھا کہ میں نے اگنی کو بلی استھان میں بھوجن کو سماپت کر دیتے

ہوئے سوئیم دیکھا، تب میں نے بھی بلی ستھان بنایا اور اس پر بھوجن کی بھینٹ چڑھائی۔انمول اور پھل سب ویرتھ کچھ نہ ہوا۔ ہابیل مجھ پر ہنستا تھا اور تب ایک بڑی بات میں نے سوچی، کیوں نہ ہابیل کو مارڈالیں۔ جس طرح وہ پشوؤں کو مارا کرتا ہے، میں نے وار کیا اور وہ مر گیا، جس پرکار پشو مرا کرتے تھے۔ اس کے بعد میں نے تمھاری مورکھتا اور پرشرم کے جیون کو چھوڑ دیا اور اس کی طرح نرواہ کرنے لگا۔ شکار، رکت بہانا۔ شکار کے دوارا کیا میں تم سے شری شٹ، تم سے ادھک سوادھین نہیں ہوں؟

آدم— تم ادھک بلشٹ نہیں ہو، تم نگنے ہو۔ تمھارا جیون دڑھ ہو سکتا۔ تم نے پشوؤں کو اپنے سے بھے بھیت کر دیا ہے۔سرپ نے اپنے کو تم سے بچانے کے لیے وش اپتن کر لیا ہے۔ میں سوئیم تم سے ڈرتا ہوں۔ یدی تم اپنی ماتا کی اور ایک ایک پگ اور بڑھے تو میں اپنی کدال سے تم کو اسی طرح مار کر گرا دوں گا، جس طرح تم نے ہابیل کو مار کر گرا دیا تھا۔

حوا— وہ مجھ کو مارے گا نہیں، وہ مجھ سے پریم کرتا ہے۔

آدم— وہ ہابیل سے بھی پریم کرتا تھا۔ پرنتو اس کو اس نے مار ڈالا۔

قابیل— میں استریوں کو مارنا نہیں چاہتا، میں اپنی ماں کو نہیں ماروں گا اور اسی کے وچار سے تم کو بھی نہیں ماروں گا۔ یدھپی بنا تمھارے کدال کی دھار میں آئے ہوئے اس بھالے کو تمھارے پار کر سکتا ہوں۔ مجھے یہ دھیان نہ ہوتا، تو میں تمھیں مار ڈالنے کی چیشٹا کیے بنا نہ رہتا، یدھپی ڈرتا ہوں کہ کہیں تم نہ مجھے مار ڈالو۔ میں نے سنگھ اور ونشوکر سے سنگرام کیا ہے، یہ دیکھنے کے لیے کہ کون کس کو مار ڈالتا ہے۔ میں نے منشیہ کے ساتھ بھی یدھ کیا ہے۔ یہ ہے تو بھیانک کام، پر اس سے ادھک آنند بھی کسی اور کام میں نہیں۔ میں اس کو لڑائی کہتا ہوں۔ جو کبھی لڑا نہیں ہے۔ جیون کا آنند وہ نہیں جانتا۔ یہی آوشیکتا مجھ کو ماں کے پاس لے آئی ہے۔

آدم— اب تم کو ایک دوسرے سے کیا پریوجن؟ وہ اتپن کرنے والی ہے اور تم وناش کرنے والے ہو۔

قابیل— میں وناش کیسے کر سکتا ہوں جب تک وہ اتپن نہ کرے؟ میں چاہتا ہوں کہ وہ اور پروش اتپن کرتی رہے اور ہاں استریاں بھی، جس سے وہ سب اپنی اپنی باری سے

اور ادھک پروش اتپن کریں۔ اسنکھیہ پروشوں کی جتنی کہ سہستر برکچھوں میں پتیاں ہوں گی
اُن سے بھی ادھک پروشوں کی ایک بڑی بھاری رچنا کا دھیان میرے مستشک میں ہے۔ میں
ان کو دو بڑے بھاگوں میں وبھاجت کروں گا۔ ایک کا سیناپتی میں ہوں گا، دوسرے کا وہ ویکتی
جس سے میں سب سے ادھک بھے کروں اور جس کو سب سے پہلے مار ڈالنا چاہوں۔ تنک
وچار تو کرو، منش کا یہ سارا دل آپس میں لڑتا مرتا رہے گا۔ جنے کی پکار اُتپنا کے شبد نراشا کا
گان دکھ کی وننے نی سندیہہ انھیں میں جیون ہوگا۔ ایسا جیون جو پورن روپ سے کاریہ میں
لایا گیا ہو۔ ایک پرجولت آگ کا اور آندھی کا جیون، جس نے اس کو نہ دیکھا ہوگا، نہ سنا ہوگا،
نہ انوبھو کیا ہوگا۔ اور نہ پریکچھا کی ہوگی۔ وہ اس آدم کے سمکھ، جس نے یہ سب کچھ کیا ہوگا،
اپنے کو اپدارتھ اور مورکھ سمجھے گا۔

حوّا— اور میں! میں کیول ایک سوگم دوار ہوؤں گی پروشوں کو اتپن کرنے کا، جس سے
تم ان کو مار ڈالو!

آدم— یا وہ تم کو مار ڈالیں!

قابیل— ماتا! پروشوں کا اتپن کرنا تمھارا ادھیکار ہے، تمھارا کام ہے، تمھارے کشٹ
سے تمھارا گورو ہے اور تمھاری وجئے ہے۔ تم میرے پتا کو جیسا کہ تم کہہ رہی ہو اس کے لیے
کیول اپنا ایک دوار بنا لیتی ہو۔ اس کو تمھارے لیے بھومی کھودنی پڑتی ہے۔ پرشرم کرنا پڑتا
ہے، چلنا پڑتا ہے، بالکل اس بیل کی بھانتی جو بھومی کھودنے میں سہایتا دیتا ہے، یا اس گدھے
کی بھانتی جو اس کا بوجھا لادتا ہے۔ کوئی استری مجھ سے میرے پتا کا جیون نہیں ویتت کرا
سکتی۔ میں شکار کروں گا، لڑوں گا اور اپنے نس نس کی شکتی ویئے کروں گا۔ جب اپنے پران
سنکٹ میں ڈال کر جنگلی سور مار کر لاؤں گا۔ تو میں اپنی استری کے سمکھ لا کر ڈال دوں گا کہ
وہ اس کو پکا دے۔ اور اس کے پرشرم کے بدلے میں اس کو بھی ایک کور دے دوں گا۔ اس کو
کوئی دوسرا بھوجن نہیں ملے گا۔ اس سے وہ میری چیری ہو جائے گی اور جو مجھ کو مارڈالے گا
وہ اس استری کو لوٹ کے مال کی طرح لے جائے گا۔ پروش استری کا سوامی ہوگا۔ نہ کہ اس
کا بالک اور مزدور!

(آدم اپنی کدال پھینک دیتا ہے اور دھیان سے حوّا کو دیکھنے لگتا ہے)

حوّا— آدم! کیا تم پریکچھا میں پڑ گئے؟ کیا ہمارے آپس کی پریتی سے تم کو یہ بات

اتّم معلوم ہوتی ہے؟

قابیل— پریت کا حال وہ کیا جانے؟ جب وہ لڑ چکے گا تب بھے اور مرتیو کا سامنا کر لے گا۔ جب اپنی شکتی کا انتم آویش ویئے کر کے آندولن کر چکے گا۔ اس سے اس کو گیات ہوگا کہ واستو میں استری کے آلنگن میں پریم سے شانتی پراپت کرنا کس کو کہتے ہیں۔ اس استری سے پوچھو جس کو تم نے اتپن کیا ہے جو میری پتنی ہے۔ کیا وہ میری پرانی چال پسند کرے گی جب کہ میں آدم کا انوسرن کرتا تھا۔ کرشی اور مزدوری کرتا تھا۔

حوّا— (کرودھ میں چرخا چھوڑ کر) تمھارا منہ کہ تم یہاں آ کر لوا۔ حوّا☆ (وارٹن نے اپنے ناٹک میں قابیل کی استری کا نام آدابتایا تھا۔) پر ابھیمان کرو جو کسی کام کی نہیں جو بے حد بری لڑکی اور سب سے نکمّی پتنی ہے۔ تم اس کے سوامی ہو۔ تم تو آدم کے بیل یا اپنے رکچھک شوان سے بھی کہیں ادھک اس کے داس ہو۔ نی سندیہہ جب تم اپنے پران سنکٹ میں ڈال کر جنگلی سور کا شکار کرو گے۔ تو اس کے پرشرم کے بدلے میں ایک کور اس کے سمکّھ بھی ڈال دو گے۔ آہاہا! دربھاگیہ! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس سے یا اس سے ادھک تم سے پریچت نہیں ہوں؟ کیا تمھارا پران اس سے بھی سنکٹ میں ہوتا ہے جب تم گلہری یا نیلی لومڑی کو مارتے ہو۔ جس سے وہ ان کو اپنے شریر سے لٹکا کر استری سے پشو بن جائے؟ جب تم بے بس اور بَل ہین پنچھیوں کو جال میں پھنساتے ہو تو کیول اس لیے کہ لوا کو سادھارن اور حلال کھاد کھانے میں کشٹ ہوتا ہے تو اس سے کیسے سورما معلوم ہوتے ہو؟ تم سنگھ کو مارنے کے لیے اوشیہ اپنی جان سنکٹ میں ڈالتے ہو کنتو اس کا چرم کس کو ملتا ہے، جس کے لیے تم نے بھے کا سامنا کیا! لوا اس کو اپنا بچھونا بنانے کے لیے لے لیتی ہے اور اس کا سڑا ہوا ماس تمھارے آگے پھینک دیتی ہے، جس کو تم کھا بھی نہیں سکتے۔ تم لڑتے ہو، اس کارن کہ سمجھتے ہو کہ وہ اس سے تمھارا آدر کرتی ہے۔ اور تم کو چاہتی ہے۔ مورکھ! وہ تم کو اس پریوجن سے لڑاتی ہے کہ تم اس کو سکھ بھوگ کے سامان اور مارے ہوئے لوگوں کا مال لا کر دیتے ہو۔ اور وہ لوگ جو تم سے ڈرتے ہیں، اس کو سونا چاندی اور دھن دیتے رہتے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ میں آدم کو کیول ایک مادھیم بنائے ہوئے ہوں! میں تو چرخہ چلاتی ہوں اور گھر کی دیکھ بھال کرتی ہوں، سنتان اتپن کرتی ہوں اور ان کا پالن کرتی ہوں۔ میں تو ایک استری ہوں اور پروشوں کو لبھانے اور ان کا شکار کرنے کے لیے کوئی پالتو پشو نہیں ہوں! تم کیا ہو؟ ایک

ابھاگیہ داس جو منہ پر ملمّع کیے ہو! یا پشوؤں کے بالوں کی ایک گٹھری ہو! جب میں نے اتپن کیا تھا، تو تم ایک منش کے بالک تھے،اور لوا ایک منش کی بالیکا۔ تم لوگوں نے اب اپنے کو کیا بنا ڈالا ہے؟

قابیل— (بلّم کو ڈھال میں پہنا کر مونچھوں کو اینٹھتا ہوا) منش سے اُتّم تر بھی کوئی وستو ہے، 'شؤز' اور وہی ہے منش شیرومنی۔

حوّا— نرشیرومنی! تم تو نرادھم ہو۔ تمھارا انیہ پروشوں کے ساتھ وہی سمبندھ ہے جو سفید لومڑی کا ششک کے ساتھ ہے، اور لُوا کا تمھارے ساتھ وہ سمبندھ ہے، جو جونک کا سفید لومڑی کے ساتھ ہے۔تم اپنے پتا کو تچھ سمجھتے ہو۔ پرنتو جب وہ مرے گا، تو سنسار اس کے کارن ادھک پورن ہو چکا ہوگا۔ جب تم مرو گے، تو لوگ کہیں گے وہ بڑا لڑکا تھا۔ سنسار کے لیے یہ اتم ہوتا کہ وہ اتپن نہ ہوا ہوتا اور لُوا کے وشے میں وہ کچھ نہ کہیں گے۔ ورنہ جب اس کو اسمرن کریں گے تو اس کے نام پر تھوک دیں گے۔

قابیل— وہ سنگ رکھنے کے لیے تم سے اچھی استری ہے یدی وہ بھی مجھ کو اسی پرکار برا کہتی، جس پرکار تم کہہ رہی ہو یا جس پرکار آدم کو برا کہا کرتی ہو، تو میں مارتے مارتے اس کو نیلا کر دیتا۔ میں نے ایسا کیا بھی ہے اور تم کہتی ہو کہ میں داس ہوں۔

حوّا— اس کارن کہ اس نے دوسرے پروش پر درشٹی ڈالی تھی اور تم اس کے پیروں پر گرے۔ اور رو رو کر چھما مانگنے لگے اور پہلے سے دس گنا اس کے داس ہو گئے۔ اور وہ جب بھلی بھانتی کراہ چکی اور اس کی پیڑا کم ہوئی تو اس نے تم کو چھما کر دیا۔ کیوں سچ ہے کہ نہیں؟

قابیل— وہ مجھ سے پہلے سے ادھک پریم کرنے لگی یہی استری کا واستوک سوبھاؤ ہے۔

حوّا— (ماتا کی بھانتی اس پر کرونا کر کے) پریم! تم اس کو پریم کہتے ہو اس کو استری کا سوبھاؤ کہتے ہو۔ میرے پتر! اہا ہا کا نام نہ پروش ہے نہ استری، نہ اس کو پریم کہتے ہیں، نہ جیون۔ تمھاری آنکھوں میں واستوک بل نہیں اور نہ تمھارے شریر میں خون ہے۔

قابیل— ہاہا! (اپنے بلّم کو پکڑ کر پورے بل سے گھماتا ہے)

حوّا— ہاں! تم کو آپ ہی اپنے بل کا انومان کرنے کے لیے چھڑی گھمانے کی

آوشیکتا ہوتی ہے۔تم بنا کڑوا کیے ہوئے اور بنا کھولائے ہوئے جیون کے سواد کا انوبھو نہیں کر سکتے تم لوا کا پریم، جب تک اس کا مکھ رنگا ہوا نہ ہو انوبھو نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ وہ گلہری کے بالوں سے ڈھکی نہ ہو۔تم سوا دکھ کے کچھ نہیں انوبھو کر سکتے اور نہ سوا متھیا کہ کسی وستو کا وشواس کر سکتے ہو۔ تم جیون کے ان درشیوں کے دیکھنے کے لیے مستک بھی نہیں اٹھاؤ گے، جو تمھارے چاروں اور ہے کنتو کوئی لڑائی یا مرتیو دیکھنے کے لیے دس میل دوڑتے چلے جاؤ گے۔

آدم— بس ! بہت کہا جا چکا ہے۔ لڑکے کو چھوڑ دو۔

قابیل— لڑکا! ہا ہا!

حوّا— (آدم سے) تم شاید یہ وچار رہے ہو کہ سمبھو ہے، اس کا جیوکو پائے تمھارے جیوکو پائے سے اتم ہو، تم ابھی تک پریکچھا کرنے میں لگے ہوئے ہو۔ کیا تم بھی میرے ساتھ وہ برتاؤ کرو گے۔ جو وہ اپنی استری کے ساتھ کرتا ہے؟ کیا تم بھی سنگھ اور بھالو کا شکار کرنا چاہتے ہو، جس سے میرے سونے کے لیے چمڑوں کی بہتایت ہو جائے؟ کیا میں بھی اپنا مکھ رنگا کروں اور اپنی بانہوں کو نرم اور کومل بنا کر خراب کر ڈالوں؟ کیا میں بھی پڑکی، بٹیر اور بکری کے بچوں کا ماس کھانے لگوں جن کا دودھ تم میرے لیے چرا کر لے آیا کرو گے؟

آدم— تمھارے ساتھ بسر کرنا یوں ہی ایک پریکچھا ہے۔جیسی ہو، ویسی رہو۔ میں جیسا ہوں، ویسا رہوں گا۔

قابیل— تم میں سے کوئی جیون کو نہیں جانتا تم سیدھے سادھے گرامین منش ہو۔تم ان بیلوں، گدھوں اور کتوں کے داس ہو، جن کو تم نے اپنی آوشیکتاؤں کے لیے پال رکھا ہے۔ میں تم کو ابھار کر اس سے ادھیک اونچائی پر لا سکتا ہوں۔ میں نے ایک اپائے سوچا ہے۔ کیوں نہ ہم اپنی سیوا کے لیے پروش اور استریوں کو پالیں، کیوں نہ بال اویستھا ہی سے ان کا اس ریتی سے پالن کریں کہ ان کو کسی دوسرے پرکار جیون کا گیان نہ ہونے پاوے۔ جس میں وہ سویکار کر لیں کہ ہم دیوتا ہیں اور وہ یہاں کیول اس لیے ہے کہ ہمارے جیون کو گورو شالی بنائے رہیں؟

آدم— (پربھاوت ہو کر) وہ تو نی سندیہہ ایک بہت بڑا وچار ہے۔

حوّا— (گھرنا پوروک) بہت بڑا وچار ہے!

آدم— ہاں، جیسا کہ سانپ کہا کرتا تھا، 'کیوں نہیں'؟

حوّا— کیوں کہ ایسے نیچوں کو میں اپنے گھر میں نہیں رہنے دوں گی، کیوں کہ ایسے پشوؤں سے مجھ کو گھرنا ہے جن کے دو سر ہوں یا جن کے انگ سوکھے ہوں یا جو کروپ، ہٹھی، اور پرکرتی وردھ ہوں میں نے پہلے ہی قابیل سے کہہ دیا کہ وہ پروش نہیں ہے اور نہ لوا استری ہے۔ دونوں راکشس ہیں، اور اب تم ان سے بھی ادھیک پرکرتی کے وردھ راکشس اتپن کرنا چاہتے ہو، جس میں تم کیول ست اور بیکار ہو جاؤ اور تمھارے پالے ہوئے 'مانوی پشو' پرشرم کو ایک جھلنے والی ویادھی سمجھیں۔اچھا سوپن ہے،کیا کہنا!(قابیل سے) تمھارا پتا تو کیول سادھارن ہی مورکھ ہے، کنتو تمھارے روم روم میں مورکھتا ویاپت ہے۔اور تمھاری استری تم سے بھی ادھک مورکھا ہے۔

آدم— میں کیوں مورکھ ہوں؟ میں تم سے ادھیک مورکھ کیسے ہوسکتا ہوں۔

حوّا— تم نے کہا تھا کہ بدھ کبھی نہ ہوگا، اس لیے کہ 'شبد' ہماری سنتان کو اس سے روکے گا۔اس نے قابیل کو کیوں نہیں روکا؟

قابیل— اس نے منع تو کیا تھا کنتو میں کوئی بچہ نہیں ہوں کہ ایک شبد سے ڈر جاؤں۔'شبد' نے سمجھا تھا کہ میں اپنے بھائی کا رکچھک ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوں۔اس کو گیات ہو گیا کہ میں 'میں' ہوں اور ہابیل کو بھی وہی ہونا چاہیے اور اپنی دیکھ بھال آپ کرنی چاہیے۔جس پرکار کہ میں اس کا رکشک تھا، اس سے ادھک وہ میرا رکچھک نہیں تھا، پھر اس نے تجھ کو کیوں نہیں مار ڈالا؟ یدی مجھ کو کوئی روکنے والا نہیں تھا، تو اس کو بھی کوئی روکنے والا نہ تھا۔اور میں جیت گیا۔ میں پہلا وجیتا تھا۔

آدم— جب تم نے یہ سب سوچا تھا تو 'شبد' نے تم سے کیا کہا تھا؟

قابیل— کیوں؟ اس نے مجھ کو ادھیکار دے دیا اور کہا کہ میرا یہ کرتیہ مجھ پر ایک دھبّہ ہے، ایک جلا ہوا دھبّہ،جس میں کوئی مجھ کو ودھ نہ کر سکے، جیسا کہ ہابیل اپنے بھیڑوں پر لگا دیتا تھا۔ میں یہاں ٹھیکم ٹھیک کھڑا ہوں جن کائروں نے کبھی ودھ نہیں کیا، جو اپنے بھائیوں کے رکچھک بننے سے سنتشٹ ہیں، وہ ترسکرت سمجھ کر چھوڑ دیئے جاتے ہیں، اور شششکوں کی طرح مار دیے جاتے ہیں۔ جو قابیل کے گیان پر چلے گا وہ سنسار پر شاسن کرے گا۔ اور وہ یدی ہار کر گر جائے گا،تو اس کا سات گنا بدلا لیا جائے گا۔' شبد' نے یہ کہہ دیا ہے،

اتھہ تم کو اور دوسروں کو مجھ سے وڈّروہ کرتے سمے ساودھان رہنا چاہیے۔

آدم ــــ ڈینگ مارنا اور ڈھٹائی چھوڑو اور سچ سچ بتاؤ، کیا شبد یہ نہیں کہتا کہ یدی کوئی دوسرا تم کو تمھارے بھائی کے ودھ کے لیے مار ڈالنے کا ساہس نہیں کرسکتا تو تم سوئیم اپنے کو مار ڈالو؟

قابیل ــــ نہیں۔

آدم ــــ یدی تم جھوٹ نہیں بولتے، تو پھر ایشوریے نیائے کوئی وستو نہیں۔

قابیل ــــ میں جھوٹ نہیں بولتا، ایشوریہ نیائے اوشیہ ایک وستو ہے، کیوں کہ 'شبد' مجھ سے کہتا ہے کہ میں اپنے کو پرتیک ویکتی کے آگے اوپستھ کروں، جس میں یدی وہ مجھے مارڈال سکے، تو مار ڈالے۔ بنا جوکھم کے میں مہتوشالی نہیں ہوسکتا۔ ہابیل کا خون بہانا میں اسی روپ میں دیکھ رہا ہوں۔ جوکھم اور بھے پگ پگ پر میرے پیچھے ہیں۔ بنا اس کے ساہس کا کوئی ارتھ نہیں ہوتا اور ساہس ہی وہ وستو ہے، جو رکت کو گرما کر لال اور تیج پورن بنا دیتا ہے۔

آدم ــــ (اپنی کدال اٹھا کر پھر کھودنے کی تیاری کرتا ہے) اچھا اب چلے جاؤ۔ تمھارا یہ تیج پورن جیون ایک سہستر ورش تک نہیں رہے گا، اور مجھے ایک سہستر ورش تک رہنا ہے۔ تم سب یدی پرسپر یا ہنسک پشوؤں کے ساتھ لڑنے سے نہیں مروگے تو اس ویادھی سے مر جاؤگے، جو سوئیم تمھارے بھیتر ودھمان ہے۔ تمھارا شریر منش کے شریر کے سدرش نہیں، ورنہ اس 'چھتر پھین'...... کے سدرش پری پالت ہوتا ہے۔ جو ورکچھوں پر انکورت ہوتی ہے۔ سانس لینے کے استھان پر تم چھینکتے ہو اور کھانستے ہو اور انتتہہ مورچھا کر نشٹ ہو جاتے ہو۔ تمھاری آنتیں سڑ جاتی ہیں، تمھارے سر کے کیش جھڑ جاتے ہیں، تمھارے دانت میلے ہو جاتے ہیں اور گر جاتے ہیں اور تم سمے سے پہلے مر جاتے ہو۔ اس لیے نہیں کہ تم مرنا چاہتے ہو، بلکہ اس لیے کہ تم کو مرنا پڑتا ہے۔ میں کھیتی کروں گا اور جیوت رہوں گا۔

قابیل ــــ اور تمھارا یہ سہستر ورش کا جیون تمھارے کس کام کا ہے، تم پرانی گھاس ہو، سو ورش تک دھرتی کھودتے رہنے سے کیا اب تم بڑھیا کھودنے لگے ہو؟ میں اتنے سمے تک نہیں جیوت رہا ہوں، جتنے سمے تک تم جی چکے ہو۔ کنتو کھیتی کی کلا سے سمبندھ رکھنے والی جتنی باتیں ہوسکتیں تھیں، ان کو میں جانتا ہوں اور اب اس کو چھوڑ کر اس سے اُتّم کلاؤں کے

جاننے میں تتپر ہوں۔ میں لڑنا اور شکار کرنا، ارتھات مارڈالنے کی وِدھا جانتا ہوں۔ تم کو اپنے سہستر ورش کا نشچے کیسے ہو سکتا ہے؟ میں ابھی تم دونوں کو مار ڈال سکتا ہوں اور تم دو بھیڑوں سے ادھک اپنی رکشا نہیں کر سکتے۔ میں تم کو چھوڑ دیتا ہوں۔ پرنتو دوسرے تم کو مار ڈال سکتے ہیں۔ کیوں نہ ویرتا کے ساتھ جیون نرواہ کرو اور شیگھر مر کر دوسروں کے لیے استھان رکت کردو؟ میں سوئیم جو تم دونوں کی اپیکشا کہیں ادھک ودھاؤں کو جانتا ہوں، اپنے آپ سے ورکت ہو جاؤں، یدی لڑنا یا شکار کھیلنا نہ ہو۔ ایسے سہستر ورش بتانے سے پہلے ہی میں اپنے کو مارڈالوں، جیسا کہ پرایہ 'شبد' کی اور سے آندولن ہوا کرتا ہے۔

آدم— چھوٹے، ابھی تم کہہ رہے تھے کہ 'شبد' کی ہابیل کی جان کے بدلے تمھاری جان کا سامنا نہیں کرتا۔

قابیل— 'شبد' اس پرکار سنکھ نہیں ہوتا، جس پرکار تم سے ہوا کرتا ہے۔ میں ایک یودا پروش ہوں اور تم ایک بوڑھے بچے۔ کوئی بچے اور یودا سے ایک سی باتیں نہیں کرتا اور یودا سن کر چپ چاپ کانپنے نہیں لگتا ورنہ اتر دیتا اور وہ 'شبد' سے اپنا مان کراتا ہے اور انتہ جو چاہتا ہے اس سے کہلانے لگتا ہے۔

آدم— اس بڑے بول پر تمھاری جیبھ نشٹ ہو!

حوا— اپنی جیبھ کو وش میں رکھو اور میرے بچے کو کوسو مت! للس کی یہ بھول تھی کہ اس نے اتپن کرنے کی پرتی کو استری اور پروش کے بیچ میں اسمان بھاگوں میں وبھاجت کیا۔ قابیل! یدی ہابیل کے اتپن کرنے کی پیڑا تم کو سہن کرنی پڑتی یا اس کے مرجانے پر دوسرا ملش اتپن کرنا پڑتا۔ تو تم اس کا ودھ نہ کرتے۔ ورنہ اس کی جان کو بچانے کے لیے اپنی جان سنکٹ میں ڈالتے۔ یہی کارن ہے کہ ایسی نرمل بات چیت، جس نے ابھی آدم کو بھی لبھا لیا تھا جب کہ وہ اپنی کدال پھینک کر تھوڑی دیر کے لیے تمھاری اور آکرشت ہو گیا تھا، مجھ کو ایک ویتت ہو جانے والی آیو گیات ہوئی، جو کسی شُو پر سے بہہ گئی ہو! یہی کارن ہے کہ اتپن ہونے والی استری اور ناش کرنے والے پروش کے مدھ شترتا ہے میں تم کو جانتی ہوں۔ تم سکھ ابھیلاشی اور اندریوں کے داس ہو۔ جیون کو اتپن کرنا پرشرم اور کٹھنتا کا کام ہے۔ جس کے لیے ادھک سمے کی اوشیکتا ہے۔ دوسروں کے اتپن کیے ہوئے جیون کو چرالے جانا سوگم ہے اور تھوڑی دیر کا کام ہے۔ جب تک تم کرشی کرتے رہے، تم سنسار کو جیوت اور اتپن کرنے

کے یوگیہ بنائے ہوئے تھے، جس پرکار میں جیوت ہوں اور اتپن کرتی ہوں۔ لِلس نے تم کو اسی لیے استریوں کے پرشرم سے سوتنتر رکھا تھا۔ چوری اور ودھ کے لیے نہیں!

قابیل— شیطان اس کا کرتگ ہو، میں اپنے پاؤں تلے کی مٹی کے ساتھ پتی کا کھیل کھیلنے سے ادھک اتم اپنے سمے کا سدوپیوگ نکال سکتا ہوں۔

آدم— 'شیطان' یہ کون سا نیا شبد ہے؟

قابیل— سنو جب کبھی تم نے شبد کی چرچا کی، جو تم کو باتیں بتایا کرتا ہے۔ تو میں نے کبھی چت لگا کر تمھاری بات نہیں سنی ہے۔ دو شبد ہوں گے۔ ایک تو وہ جو تم کو برا کہتا ہے اور تچھ سمجھتا ہے اور دوسرا وہ جو میرا مان کرتا ہے، اور مجھ پر بھروسا رکھتا ہے۔ میں تمھارے شبد کو 'شیطان کا شبد' کہتا ہوں اور اپنے شبد کو 'ایشور کا شبد'۔

آدم— میرا شبد جیون کا شبد ہے اور تمھارا شبد مرتیو کا!

قابیل— اچھا تو یہی سہی، کیوں کہ وہ مجھ سے کہتا ہے کہ مرتیو واستو میں مرتیو نہیں ہے۔ ورن دوسرے جیون کا ایک دوار ہے۔ ایسا جیون جو ادھک شکتی شالی اور تیج پورن ہے، جو کیول آتما کا جیون ہے جس میں مٹی کے ڈھیلے اور بسولے یا بھوک اور تھکان نہیں۔

حوّا— اندریہ ولاس اور آلسیہ کا جیون، قابیل! میں بھلی پرکار جانتی ہوں۔

قابیل— اندریہ ولاس کا جیون! ہاں! کیوں نہیں، ایسا جیون جس میں کوئی اپنے بھائی کی رکچھا نہیں کرتا، اس لیے کہ اس کا بھائی اپنی رکچھا سوئیم کرسکتا ہے۔ پرنتو کیا میں آلسی ہوں، تمھارے پرشرم کے جیون کو چھوڑ کر کیا مجھے ان سنکٹوں اور وپتیوں کا سامنا کرنا نہیں پڑتا ہے۔ جن کا تم کو کوئی انوبھو نہیں؟ تیر ہاتھ میں بسولے سے ہلکا جان پڑتا ہے۔ کنتو جو شکتی تیر کو لڑنے والے کے ہردئے میں اتار دیتی ہے، اور جو شکتی بسولے کو اکھت اور استھولمٹی کے بھیتر پروشٹ کر دیتی ہے، ان دونوں میں اگنی اور جل کا سمبندھ ہے۔ میری شکتی اس کی شکتی کے سمان ہے اس لیے کہ میرا من پوتر ہے۔

آدم— یہ کیا شبد ہے؟ پوتر کا کیا ارتھ؟

قابیل— جو مٹی سے وِمکھ ہو کر اوپر سورج اور سُوچھ آکاش کی اور آکرشت ہو۔

آدم— بچے! آکاش تو شونیہ ہے، کنتو بھومی پھلوں سے پورن ہے۔ بھومی ہم کو بھوجن دیتی ہے اور ہم کو وہ شکتی پردان کرتی ہے اس سے ہم نے تم کو اور سمست منش جاتی کو اتپن کیا۔

آج اس مٹی سے سمبندھ رہت ہو جاؤ جس کو تم تچھ سمجھتے ہو تو تم بری طرح نشٹ ہو جاؤ گے۔

قابیل— مجھ کو مٹی سے گھرنا ہے مجھ کو بھوجن سے گھرنا ہے تم کہتے ہو کہ بھومی ہم کو شکتی پردان کرتی ہے، کنتو کیا یہی بھومی وِشٹا ہو کر ہم کو روگوں کا شکار نہیں بناتی؟ مجھ کو اسے اتپن کرنے سے گھرنا ہے جس پر تم کو اور ماتا کو گرو ہے اور جو ہم کو پچھاڑ کر پشوؤں کے تلیہ کر دیتا ہے۔ پرینام بھی یدی یہی ہوتا ہے جیسا کہ آرمبھ رہا ہے تو منش جاتی کا مٹ جانا اچھا۔ یدی مجھ کو بھالو کی بھانتی اُدر بھرنا ہے، یدی لوا کو بھالو کی بھانتی پلّے جننا ہے تو میں منش کے بدلے بھالو ہی ہونا پسند کروں گا۔ کیوں کہ بھالو اپنے سے لجاتا نہیں، اس کو اپنے سے اتم وستو کا گیان نہیں ہوتا۔ یدی تم بھالو کی بھانتی ترپت ہو تو میں نہیں ہوں۔ تم اس استری کے ساتھ رہو، جو تم کو بچے دے۔ میں اس استری کے پاس جاؤں گا جو مجھے 'سوپن' دے۔ تم اپنے بھوجن کے لیے بھومی ٹٹولتے رہو، میں اپنا بھوجن اپنے تیر کے دوارا یا تو آکاش سے لے آؤں گا۔ یا اس سے اس کو گرا دوں گا جب کہ وہ اپنے جیون کے بل سے بھومی پر چلتی پھرتی ہوگی۔ یدی میرے لیے بس یہی دو اُپائے ہیں کہ بھوجن پراپت کروں یا مر جاؤں، تو اپنے بھوجن کو بھومی سے جہاں تک سمبھو ہو دوری پر سے پراپت کروں گا۔ بیل، اس کے پہلے کہ وہ مجھے ملے، گھاس سے بڑھ کر بھوجن پراپت کرے گا۔ اور چونکہ منش بیل سے ادھک چنا ہوا ہے اس لیے کسی دن میں اپنے شترو کو بیل کھانے کے لیے دوں گا۔ اور پھر اس کو مار کر آپ ہی کھا جاؤں گا۔

آدم— راکچھس! سنتی ہو حوّا؟

حوّا— تو اپنے منہ کو سووچھ نرمل آکاش کی اور آکرشت کرنے سے یہی تاتپریہ ہے! منش بھکچھن! بچوں کو کھا جانا! اس کا تو بالکل یہی پرینام ہوگا کہ جو میمنوں اور بکری کے بچوں کا ہوا تھا، جب کہ ہابیل نے بھیڑ اور بکری سے پرارمبھ کیا تھا۔ انتتہ، تم بیچارے مورکھ ہی رہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے اس باتوں پر وچار نہیں کیا ہے، جس کو بچہ جننے کی پیڑا سہنی پڑتی ہے اور اس کو بھوجن تیار کرنے کا پرشرم کرنا ہوتا ہے؟ مجھے بھی اپنے بچے کے سمبندھ میں یہ وچار تھا کہ شاید میرا شور اور ویر پُتر کسی اُتّم وستو کا دھیان کرے اور اس کی اِچھا کرے اور سمبھو ہے اس کا سنکلپ بھی کرے یہاں تک کہ اس کو اتپن کر لے اور پرینام یہ ہوا کہ وہ بھالو ہونا اور بچوں کو کھا جانا چاہتا ہے۔ ریچھ بھی آدمی کو نہ کھائے یدی اس کو شہد ملتا رہے۔

قابیل— میں ریچھ ہونا نہیں چاہتا اور نہ بچوں کو کھانا چاہتا ہوں۔ میں آپ ہی نہیں جانتا کہ میں کیا چاہتا ہوں، سوائے اس کے کہ اس بوڑھے کرشک سے کچھ اچھا ہونا چاہتا ہوں، جس کو للس نے اس لیے بنایا تھا کہ مجھ کو اتپن کرنے میں تمھاری سہایتا کرے اور جس کو تم اب تچھ سمجھتی ہو، اس لیے کہ وہ تمھاری اوشیکتا پوری کر چکا ہے۔

آدم— (کرودھ سے اُتیجت ہو کر) جی چاہتا ہے کہ تم کو ابھی دکھا دوں کہ میرا کدال تمھارے بلّم کے ہوتے ہوئے تمھارے اوگیا پورن سر کے دو ٹکڑے کر سکتا ہے!

قابیل— اوگیا پورن! ہا ہا! (اپنے بلّم کو گھما کر) آؤ سب کے بوڑھے باپ! پریچھا کر لو۔ لڑائی کا تنک سواد چکھ لو۔

حوّا— بس، سب مورکھوں! بیٹھ جاؤ اور چپ ہو کر میری بات سنو (آدم اداس ہو کر اپنے شستروں کو ہلا کر بسولا پھینک دیتا ہے۔ قابیل بھی ہنستا ہوا بلّم اور ڈھال کو بھومی پر ڈال دیتا ہے۔ دونوں بیٹھ جاتے ہیں) میں نہیں کہہ سکتی کہ تم میں سے کون تنک بھی مجھ کو ترتپ کر رہا ہے۔ تم اپنی کھیتی سے یا وہ اپنی گندی ہنسا سے۔ میں سمجھتی رہوں کہ للس نے تم کو جیون کے ان سوگم اُپائیوں سے کسی کے لیے بھی سوتنتر نہیں کیا تھا (آدم سے) تم ورکشوں کے بھیتر سے انّ نکالتے ہو، آکاش سے کوئی ایشور پردت بھوجن کیوں نہیں اتارتے؟ وہ اپنے بھوجن کے لیے چوری اور ودھ کرتا ہے مرتیو کے پشچات آیو پر ویرتھ کویتا کرتا ہے اور اپنے بھیانک جیون کو سندر شبدوں میں اور اپنے روئیں دار شریر کو اچھے وستروں میں، جس سے لوگ چور اور ہتھیارا سمجھ کر کوسنے کے بدلے اس کی مان پرتشٹھا کریں، چھپائے ہوئے ہے۔ آدم کے سوا تم سب منش میری سنتان اور میری سنتان کی سنتان ہو۔ تم لوگ میرے پاس آتے ہو اور اپنی پردرشنی کرنا چاہتے ہو، پرنتو تمھاری ساری بدّھی اور یوگیتا تمھاری ماتا حوّا کے سمّکھ لپت ہو جاتی ہے۔

کسان آتے ہیں، لڑنے مرنے والے آتے ہیں، کنتو دونوں سے میں، ایک سمان اوب جاتی ہوں، کیوں کہ وہ یا تو پچھلی فصل کی شکایت کرتے ہیں یا اپنی پچھلی لڑائی پر گھمنڈ کرتے ہیں، یدھپی پچھلی فصل بالکل پہلی فصل کے سمان ہی ہوتی ہے اور پچھلی لڑائی کیول پہلی لڑائی کی شتروتا ہوتی ہے۔ میں یہ سب ہزاروں بار سن چکی ہوں۔ کل لوگ آ کر اپنے سب سے چھوٹے بچے کی چرچا کرتے ہیں کہ میرے سب سے سمجھدار اور پیارے بچے نے 'کل' کہا

ہے یا یہ کہ وہ اور بچوں سے ادھک انوکھا اور ہنس مکھ ہے۔ اور مجھ کو آشچریہ پرنتا اور روچی کو پرکٹ کرنا پڑتا ہے۔ یدھپی پچھلا لڑکا بالکل پہلے لڑکے کے سمان ہی ہوتا ہے اور وہ کوئی ایسی نئی بات نہیں کہتا جس کو تمھارے اور ہابیل کے منہ سے سن کر میں نے اور آدم نے آنند نہ اٹھایا ہو، اس لیے کہ تم دونوں سنسار میں سب سے پہلے بچے تھے اور ہم کو اس آشچریہ اور آنند سے پورن کرتے تھے جس کو، جب تک سنسار کی استھتی رہے گی، پھر کوئی دو ویکتی انوبھو نہیں کر سکتے۔ جب میں اتپن کرنے کے یوگیہ نہ رہوں گی، تو اپنے پرانے باغ میں جو کوڑا کرکٹ کا ڈھیر ہو رہا ہے، چلی جاؤں گی اس وچار سے کہ کداچت بات کرنے کے لیے پھر سرپ مل جائے، کنتو سرپ کو تم نے ہمارا شترو بنا دیا ہے۔ اس نے باغ چھوڑ دیا ہے، یا مر گیا ہے، میں اس کو کبھی نہیں دیکھتی۔ اس لیے مجھے لوٹ آنا پڑتا ہے اور آدم کی انھیں باتوں کو سننا پڑتا ہے جو دس ہزار بار سن چکی ہوں۔ پرپوتے کی سیوا شرشُشا (सुश्रूषा) کرنی پڑتی ہے۔ جو اب یوا ہو چکا ہے اور اپنے بڑپن سے مجھ کو بھے بھیت کرنا چاہتا ہے، آہ! کیسا شتھل کر دینے والا جیون ہے اور ابھی اسی پرکار لگ بھگ سات سو ورش کاٹنے ہوں گے۔

قابیل — وین ماتا! دیکھتی ہو، جیون کتنا وشال ہے! منش پرتیک وستو سے تھک جاتا ہے۔ آکاش کے نیچے کوئی نئی وستو نہیں۔

آدم — (ہوا سے گھرنا پورن بھاؤ میں) یدی تم کو شکایت کرنے کے اترکت کوئی کام نہیں ہے تو تم کیوں جی رہی ہو؟

حوا — اس لیے کہ ابھی آشا شیش ہے۔

قابیل — کس بات کی؟

حوا — تمھارے اور میرے سوپن کے ستیہ سدھ ہونے کی، نئی اور اُتّم وستوؤں کے اتپن ہونے کی۔ میری سنتان اور سنتان کی سنتان کرشک ہیں، نہ کہ لڑاکے۔ ان میں سے کچھ لوگ کھیتی کریں گے نہ کہ لڑائی۔ وہ تم دونوں سے ادھک اپیوگی ہیں۔ وہ دربل ہیں، بھیرو ہیں، اور پردرشن کے اِچھک ہیں۔ پھر بھی وہ میلے کچیلے رہتے ہیں اور بال کاٹنے کا کشٹ بھی سہن نہیں کرتے۔ وہ رین لیتے ہیں۔ اور کبھی پریشودھ نہیں کرتے۔ اس پر بھی ان کو جس وستو کی آوشیکتا ہوتی ہے لوگ ان کو دے دیتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ سندر شبدوں میں سندر جھوٹ بولتے ہیں، وہ اپنے سوپن کو اسمرن رکھ سکتے ہیں۔ وہ بنا سوئے ہوئے سوپن دیکھ سکتے ہیں۔

ان کی سنکلپ شکتی ایسی نہیں کہ وہ سوپن دیکھنے کے استھان میں سرجن کر سکیں، کنتو سرپ نے کہا تھا کہ وہ لوگ جو دڑھ وشواس رکھتے ہیں پرتیک سوپن کو اپنے سنکلپ سے اُتپن کر سکتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں، جو بانسری کے کچھ ٹکرے کاٹ کر ان کو پھونکتے ہیں۔ جن سے وایو میں شبد کے منوہر شور اتپن ہوتے ہیں اور کچھ بھانتی بھانتی کے سُوروں کو پرسپر ملا دیتے ہیں اور تین تین ٹکڑوں سے ایک ہی سمے شبد نکلتے ہیں اور میرے پرانوں کو ابھار کر ان وستوؤں تک پہنچا دیتے ہیں جن کے لیے میرے پاس شبد نہیں ہے۔ اور کچھ مٹی کے پشو بناتے ہیں اور پتھر پر آکرتیاں ٹھونک دیتے ہیں۔ اور مجھ سے کہتے ہیں کہ ان آکرتیوں کی استریاں اتپن کرو۔ میں نے اس آکرتیوں پر وچار کیا ہے اور پھر سنکلپ کیا ہے اور لڑکی اتپن بھی کی ہے، جو اب بڑھ کر ان آکرتیوں سے مل گئی ہے۔اور کچھ لوگ ہیں۔ جو بنا انگلیوں پر گنے ہوئے سنکھیا سوچ لیتے ہیں اور راتری کے سمے آکاش کی اوُر دیکھا کرتے ہیں۔ یہ لوگ تاروں کے نام رکھتے ہیں اور پورن ہی سے یہ بتا سکتے ہیں کہ سوریہ کب کالے توے سے ڈھک جائے گا۔ توبال کو دیکھو جس نے اس چرخے کو بنا کر میرے شرموں کو بہت کچھ گھٹا دیا ہے۔ پھر ہنوک کو دیکھو، جو پہاڑیوں پر پھرا کرتا ہے اور برابر شبد کی باتیں سنا کرتا ہے۔ اس نے اپنی اِچھا کو اس شبد کی اِچھا پوری کرنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ سوئیم اس میں بہت کچھ شبد کی مہیما آگئی ہے۔ جب یہ لوگ آتے ہیں تو سدیو کوئی نہ کوئی نئی بات یا نئی آشا اوشیہ ہوتی ہے اور جیوت رہنے کے لیے بہانا مل جاتا ہے۔ وہ کبھی نہیں چاہتے۔ کیوں کہ وہ سدیو سیکھتے رہتے ہیں اور کوئی نہ کوئی انیہ وستو یا وِدھا اتپن کرتے رہتے ہیں۔اور اتپن نہیں کرتے تو کم سے کم ان کے سوپن دیکھتے رہتے ہیں۔ اور اس کے بعد بھی قابیل تم اپنی لڑائی اور ناشکاریتا پر مورکھوں کی بھانتی اتراتے ہوئے آتے ہو اور مجھ سے کہتے ہو کہ یہ سب اتینت پربھاوشالی ہے، میں شور ہوں اور مرتیو یا مرتیو کے بھے کے اتِرکت کوئی دوسری وستو جیون کو پریہ نہیں بنا سکی۔ بس، دشٹ بالک! یہاں سے چلے جاؤ اور تم آدم ! اپنا کام دیکھواور اس کی باتیں سننے میں اپنا سمے نہ نشٹ کرو۔

قابیل— میں کداچت بہت بدھیمان تو نہیں ہوں کنتو......

حوا— (بات کاٹ کر) ہاں کداچت نہیں ہو، پرنتو اس پر ابھیمان نہ کرو۔ یہ کوئی پرشنسا یوگیہ بات نہیں ہے۔

قابیل— تو بھی ماتا ! میرے بھیتر ایک نرووادشکتی ہے جو مجھ کو بتاتی ہے کہ مرتیو جیون میں اپنا بھاگ اوشیہ لیتی ہے۔ اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ مرتیو کا اوشکار کس نے کیا؟

(آدم چونک پڑتا ہے۔ حوا اپنا چرخہ چھوڑ دیتی ہے۔ دونوں اتینت وسمے کا پردرشن کرتے ہیں)

قابیل— تم دونوں کو کیا ہو گیا ہے؟

آدم— لڑکے تم نے ہم سے ایک بھیانک پرشن کیا ہے۔

حوا— تم نے ودھ اوشکار کیا، بس اتنا کہہ دینا پریاپت سمجھو۔

قابیل— ودھ مرتیو نہیں ہے۔ تم میرا ابھی پرائے سمجھتے ہو؟ جن کو میں ودھ کرتا ہوں، یدی ان کو میں چھوڑ دوں، تو بھی وہ مر جائیں گے۔ یدی میں ودھ نہ کیا جاؤں تو بھی مر جاؤں گا۔ مجھ کو اس میں کس نے پھنسایا؟ میں پوچھتا ہوں کہ مرتیو کا کس نے اوشکار کیا؟

آدم— لڑکے! بدھی کی بات کرو، کیا تم سدیو کا جیون سہن کر سکتے تھے؟ تمھارا وچار ہے کہ تم سہن کر سکتے تھے، چونکہ جانتے ہو کہ اپنے وچار کی پریکھا نہیں کر سکتے۔ پرنتو میں جانتا ہوں کہ انت اور اشیشتا کے روپ میں بیٹھ کر اپنے بھاگیہ کو جھینکھنا کیا ارتھ رکھتا ہے۔ تنک وچار تو کرو، کبھی چھٹکارا نہ ہوتا اور تم ندی کے تٹ پر بالو کے جتنے کن ہیں، ان سے ادھک دنوں تک آدم ہی آدم رہتے اور پھر بھی پرینام سے اتنی دور جتنا کہ پہلے تھے۔ میرے بھیتر بہت کچھ ہے جس سے کہ مجھے گھرنا ہے اور جسے میں نکال کر پھینک دینا چاہتا ہوں۔ اپنے ماتا پتا کے کرتگیہ بنو، جنھوں نے تم کو اس یوگیہ بنایا کہ اپنا بوجھ نئے اور اچھے منشیوں کو سونپ دو اور اس پرکار تمھارے لیے پرتیک استھر شانتی کو اپستھت کیا، کیوں کہ ہم ہی نے مرتیو کا بھی اوشکار کیا تھا۔

قابیل— (اٹھ کر) تم نے اچھا کیا میں بھی سدیو جیوت رہنا نہیں چاہتا، کنتو یدی مرتیو کو تم نے اوشکار کیا تو مجھے دوش نہ لگاؤ کیوں کہ میں مرتیو کا پربندھک ہوں۔

آدم— میں تم کو لانچھن نہیں لگاتا۔ وشواس مان کر چلے جاؤ، مجھے کھیتی کے لیے اور اپنی ماں کو چرخہ کاتنے کے لیے چھوڑ دو۔

قابیل— تم کو اس لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ کنتو میں نے تم لوگوں کو ایک اُتم مارگ دکھادیا ہے(ڈھال اور بھالا اٹھا لیتا ہے) میں اپنے شور ویر متروں اور ان کی سندر استریوں

کے پاس چلا جاؤں گا (کانٹوں کی دیوار کی او،ر جاتا ہے) جب آدم دھرتی کھودا کرتا تھا اور حوّا چرخہ چلایا کرتی تھی، اس سمے سبھیہ منش کہاں تھے؟ (ٹھہا کا لگاتا ہوا جاتا ہے اور پھر چپ ہو کر دور سے پکارتا ہے) ماتا! وِدا!

آدم— (بڑبڑاتے ہوئے) پامر سوان! ٹٹی کو پھر بند کر سکتا تھا۔ (وہ سوئیم ٹٹی کو مارگ میں کھڑا کر دیتا ہے) اس کی اور اسی پرکار کے لوگوں کی بدولت مرتیو جیون پر وجے پاتی جاتی ہے۔ اسی سمے دیکھو میرے بہت سے پوتے اور ناتی جیون کو پورن روپ سے جاننے کے پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ کچھ پرواہ نہیں۔(اپنے ہاتھ پر تھوکتا ہے اور اپنی کدال اٹھا لیتا ہے) کھیتی سیکھنے کے لیے جیون ابھی یتھیشٹ وشال ہے یدھپی یہ لوگ سنچھپت بنا رہے ہیں۔

حوّا— (سوچتے ہوئے) ہاں کھیتی کے لیے اورلڑنے کے لیے، کنتو کیا دوسرے اتینت اوشیک کاموں کے لیے بھی جیون یتھیشٹ وشال ہے؟ کیا یہ لوگ اتنے سمے تک جیوت ہوں گے کہ 'من' کھا سکیں؟

آدم— من کیا ہے؟

حوّا— وہ آہار، جو آکاش سے لایا جائے، جو وایو سے بنا ہو اور مَلِن ریتی سے دھرتی کھود کر نہ نکالا گیا ہو۔ کیا لوگ اپنی الپایو میں سمست تاروں کی گتی جان لیں گے۔؟ ہنوک کو تو شبد، کا ارتھانتر سیکھنے میں دو سو برس لگ گئے۔ جب وہ کیول اسی برس کا بچا تھا۔ تو اس کے شبد کو سمجھنے کے بال پریتن قابیل کے پرلینکاری کرودھ سے ادھک بھیانک تھے۔ جب ان کی پرمایو الپ ہو جائے گی تو لوگ کھیتی کریں گے،لڑیں گے، ماریں گے اور مریں گے۔ اور ان کے بچے ہنوک ان سے کہیں گے کہ شبد کی اِچھا یہی ہے کہ وہ سدیو یا تو کھیتی کرتے رہیں یا لڑتے رہیں اور مارتے مرتے رہیں۔

آدم— یدی وہ سوئیم آلسی ہیں اور ان کا سنکلپ یہی ہے کہ مر جائیں تو میں ان کو روک نہیں سکتا۔ میں ایک سہستر ورش تک جیتا رہوں گا۔ یدی ان کو یہ سویکار نہیں تو وہ مر جائیں اور دھگار میں پھنسے رہیں۔

حوّا— دھگار؟ یہ کیا ہے؟۔

آدم— یہ ان لوگوں کی دشا ہے جو مرتیو کو جیون سے اچھا کہتے ہیں۔ تم چرخا چلائے جاؤ، بے کار نہ بیٹھی رہو، جب کہ میں تمھارے لیے روم روم کی شکتی دیے کر رہا ہوں۔

حوّا— (دھیرے سے چرخا گھماتے ہوئے) یدی تم مورکھ ہوتے تو ہم دونوں کے لیے کھیتی اور چرخے سے اُتم جیون کا کوئی دوار نکال لیتے۔!

آدم— اپنا کام کرو، انیتھا بنا روٹی کے رہنا پڑے گا۔

حوّا— منش کیول روٹی سے جیوت نہیں رہے گا، اور بھی کوئی وستو ہے۔ ہم ابھی نہیں جانتے کہ وہ کیا ہے، کنتو کسی دن ہم کو گیات ہو جائے گا اور تب ہم اکیلے اس سے جیون نرواہ کریں گے اور پھر نہ کھیتی رہ جائے گی، نہ چرخا، نہ لڑنا ہوگا، نہ مارنا۔

(وہ وِوَش ہو کر چرخہ چلاتی ہے، آدم اُدھیرتا کے ساتھ بھومی کھودتا ہے۔)

خطوط بنام پریم چند

ڈاکٹر اقبال کا خط

سمجھوتہ : جولائی، 1915

......

آپ نے اس کتاب کی اِشاعت سے اُردو لِٹریچر میں ایک نہایت قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے نتیجہ خیز افسانے جدید لِٹریچر کی اختراع ہے۔ میرے خیال میں آپ پہلے شخص ہیں جس نے اس دقیق راز کو سمجھا ہے اور سمجھ کر اسے اہلِ ملک کو فائدہ پہنچایا ہے۔ ان کہانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف انسانی فطرت کے اسرار سے خوب واقف ہے اور اپنے مشاہدات ایک دلکش زبان میں ادا کر سکتا ہے۔

سیّد جالِب دہلوی کا خط

دی ''ہمدم''، لکھنؤ

22 ستمبر، 1916

محترمی و مکرمی، بندگی!

افسوس ہے کہ ''ہمدرد'' کی اشاعت اور غیر معین زمانے کے لیے ملتوی ہوجانے کے بعد آپ سے بلواسطہ خط و کتابت کا سلسلہ قائم نہ رہ سکا اور مجھے آپ کے جدید مقام تبادلہ کی اطلاع نہیں ہونے پائی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے، آپ کا پہلا مقام، جہاں سے آپ ''ہمدرد'' کے لیے کہانیاں ارسال فرماتے تھے، مہوبا تھا، اور میرے رفیق کار قاضی عبدالغفار صاحب نے وہیں آپ کا آخری افسانے کا نظرانہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ مگر اپریل گزشتہ میں اب دفتر ''صداقت''، کلکتہ سے میں نے افسانے کے لیے آپ کی خدمت میں ایک عرضی ارسال کیا تو کوئی جواب نہیں ملا اور اب لکھنؤ آنے پر بعض احباب کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ آپ وہاں سے تبدیل ہو کر گورکھ پور چلے گئے ہیں، مگر صحیح مقام کسی سے نہ معلوم ہو سکا۔اس لیے میں اپنے دیرینہ کرم فرماں منشی دیا نارائن نگم، مالک و مدیر ''زمانہ''، سے اپنا یہ عارضا آپ کی خدمت میں بھیجنے اور مجھے آپ کا پتہ تحریر کرنے میں مدد لیتا ہوں۔ آپ کو تکلیف دینے کی غائت یہ ہے کہ لکھنؤ سے ایک جدید روزانہ اخبار بہ زبان

اردو میری ایڈیٹری میں جاری ہوتا ہے اور اس کے لیے میں نے اپنے تمام قدیم احباب اور خاص کر معاونین و ہمدرد، جس کی ترتیب و چیف سب ایڈیٹری آخری ڈیڑھ سال میں مجھ سے متعلق رہی، قلمی امداد کی استدعا کی ہے۔ ''ہمدم'' معاونین کی خدمت گزاری میں ''ہمدرد'' کی سی فراخ دلی کا تو اظہار نہیں کر سکتا، کیونکہ اتنا سرمایا بہم نہیں پہنچا ہے اور اس وقت اخبار کا خرچ کی کئی پہلوؤں میں بہ مقابلہ سابق بڑھا ہوا ہے، تاہم وہ خاص خاص معاونین کی خدمت میں کسی قدر نظرانہ پیش کرنا چاہتا ہے، جو اگرچہ ان کی دماغ سوزی کے مقابلے میں نہایت حقیر کہا جائے گا، لیکن قومی امید ہے کہ وہ اصحاب اس کی ابتدائی حالات کا لحاظ کر کے اور ملک و زبان کی خدمت کا خیال مدِنظر رکھ کر منظور فرمائیں گے۔
جن حضرات سے اس قسم کی استدعا کی گئی ہے، انھیں اپنی ذاتی دلچسپی کے لحاظ سے میں نے سب سے پہلے آپ کا نام نامی لکھا ہے۔ اور اگر آپ کا پتہ دریافت طلب نہ ہوتا تو یہ عارض کئی روز قبل آپ کو پہنچ جاتا۔ اب یہ بالواسطہ خدمت عالی میں بھیجا جا رہا ہے۔
اور چونکہ ''ہمدم'' کا ابتدائی پرچہ دوشمبہ یا سہ شنبہ کو شائع ہو جانے کی توقع ہے، اس لیے میں التماس کرتا ہوں کہ آپ اس عاریضے کا جواب جلد تحریر فرمائیں اور اگر کوئی کہانی، جو ''ہمدم'' کے ایک صفحے سے نہ بڑھے، جس کی تقسی و ستر ''ہمدم'' کے مانند ہوگا، آپ کے پاس تیار ہو تو میرے پاس بھیج دیں، ورنہ کوئی مختصر سا افسانہ نیا لکھ کر ارسال فرمائیں اور ساتھ ہی اطلاع دیں کہ آپ ''ہمدم'' کی مشکلات کو مدِنظر رکھتے ہوئے کم سے کم کتنا نظرانہ قبول کرنے کو تیار ہیں۔ ''ہمدم'' کی حالت ذرا تقویت پذیر ہوتے ہی انشا اللہ نذرانے میں اضافہ ہو جائے گا۔

آپ کا قدیم خیر خواہ،
سیّد جالب دہلوی
ایڈیٹر، روزانہ ''ہمدم''، لکھنؤ

بیگم حسرت موہانی کا خط

دفتر ''اردوئے معلیٰ''،
از علی گڈھ
2 اپریل، 1917

مکرمی، تسلیم!

میں نے بذریعہ ایڈیٹر صاحب ''زمانہ'' ایک جلد ''دیوان۔ حسرت'' آپ کی خدمت میں روانہ کی تھی۔ امید ہے، آپ کے ملاحظہ سے ضرور گزری ہوگی۔ کاش، جناب تکلیف فرما کر اس کی رسید سے مجھے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں، تاکہ اطمینان ہو جاوے۔ اس وقت یہ چند سطریں لکھنے پر جس شے نے مجھے مجبور کیا ہے، اس کی تعریف میرے زبانِ قلم سے کسی طرح نہیں ادا ہو سکتی۔ حق یہ ہے کہ ایک معمولی سے معمولی قصّے کو نہایت موثّر اور دلکش پیرائے میں ادا کرنا آپ ہی کا حصّہ ہے۔ پختگی، تحریر اور سلاستِ بیان غرضِ کہ شروع سے آخر تک ایک مختصر افسانے کو اس طرح قلم بند کرنا کہ اس میں تصنع اور بناوٹ کا کہیں شائبہ تک نہ ہو، کمال ہے۔ میں آپ کو اس خداداد قابلیت پر مبارک باد دیتی ہوں۔ آج کے آئے ہوئے زمانے میں یہی شعلۂ حسن بہت خوب ہے۔

کیا میں امید کروں کہ آپ دیوان کی پہنچنے کی رسید سے اطلاع دیں گے اور کیا یہ بھی ممکن ہے کہ آپ بھی دیوان پر اپنے زرّین خیالات کا اظہار فرمائیں؟

منتظر
بیگم حسرت موہانی

چھوی ناتھ پانڈے کا خط

181، ہری سن روڈ، کلکتہ

12-01-1923

پریہ بھائی صاحب، وندے،

ہندی پستک بھون کے سنچالک نے آپ کے پاس ایک پتر لکھا ہے۔ آپ کی کہانیوں کا ایک سنگرہ وہ چاہتے ہیں۔ ''پریم پرسون'' کے لیے ہی انھوں نے لِکھوایا تھا، پر

وہ تو کاکا کا ہوگیا۔ اب بھی وہ مجھے طعنہ ہی دیتے ہیں۔ اگر آپ انھیں اپنی کہانیوں کا ایک سنگرہ ابھی دے دیں تو وہ چھپوا کر پرکاشِت کر دیں گے۔ میں بھی بڑا کرِتگیہ ہوں گا۔

رادھا کرِشن جی اُپنیاس کے بارے میں کئی بار پوچھ چکے ہیں۔ کیا اُتر دوں، لکھیے گا۔ رادھا کرِشن جی کی پتنی کا سورگ واس گت منگل کو ہو گیا۔

آشا ہے، آپ اس بار پُستک بھون کے سنچالک کو ہتاش نہ کریں گے، اور میری بھی بات رکھیں گے۔ مہتاب رائے سے کہہ دیجیے گا کہ ذرا پتر کا اُتر دے دیا کریں۔ جب سے میں آیا، کئی پتر لکھے، پر اُتر ندارد۔

سنیہی، چھوی ناتھ

چھوی ناتھ پانڈے کا خط

کلکتہ،

تتھی نہیں، سمبھوت 1923

پریہ بھائی صاحب، وندے،

کرِپا پتر ملا، حال جانا۔ ٹھیک ہے، کسی سے کوئی وستو مانگنا اگر اس کی ہنسی اڑانا ہے، تو بے شک میں نے آپ کی ہنسی اڑائی۔ ایک بات لکھوں تو شاید اتیوکتی سمجھی جائے گی، پر لِکھ دیتا ہوں۔ لوگ اشوک کے پاس ہی جاتے ہیں ببول کے نہیں۔ اسی سے انھوں نے بھی آپ کو ہی دیکھااور پھر سے لکھوایا۔ تین ماس بعد ہی سہی۔

اب رادھا کرِشن جی کی بات سنیے۔ وہ کہتے ہیں۔ اردو کا سنگرہ جو آپ کر رہے ہیں، وہ تو بڑا بازار کمار سبھا کے نمِت لِکھا ہی جا رہا ہے، اس کی بات یہاں کیوں؟ رہی اپنیاس کی بات تو کمانے کھانے والوں کے لیے سنسار میں انیکانیک اُپنیاس پڑے ہیں۔ ان کے لیے تو پستکوں کی کمی نہیں۔ اگر کمی ہے تو بڑا بازار کمار سبھا سدش پرکاشکوں کو، جنھیں ہر طرف قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے۔ اور چن چن کر رتن نکالنا پڑتا ہے۔ آپ کے اُپنیاسوں کو ہم اُپنیاس سمجھ کر نہیں نکال رہے ہیں بلکہ ساہتیہ کی امولیہ وستو۔ اس لیے اسے آپ کو دینا ہی پڑے گا۔ ہاں، اگر سبھا کو دینے سے آپ کسی طرح کی آرتھِک چھتی سمجھتے ہوں گے، اس کی پُرتی آپ اس سے بھلی پرکار کروا سکتے ہیں، اور پرتشٹھا کے

خیال سے تو شاید بڑا بازار کمار-سبھا کسی انیہ پرکاشک سے گھٹ کر نہ ہوگی۔

اس سے آپ کمانے والوں کا خیال چھوڑ کر ساہتیہ پرچار کرنے والوں پر انوگرہ کر اُپنیاس جلد سماپت کیجیے، اور چھپنے کے لیے دیجیے۔ اگر آپ نے کسی بھی کارن سے یہ پُستک دوسروں کو دینے کا ارادہ کیا ہے، جو واستو میں نہیں ہی ہے، تو اسے کرِپیا چھوڑ دیجیے۔ اور سبھا کی ہی وستو اسے سمجھنے کی کرِپا کیجیے۔ ادھِک کیا لکھیں۔

''اہنکار'' کے پُرسکار کے روپے کے ساتھ ہی ساتھ 15 روپے گلپ کا پُرسکار بھی بھیج دیا تھا۔ مہتاب کو لِکھ بھی دیا تھا۔ پتر میں حساب کا بیورا بھی تھا۔ آشچر یہ ہے کہ انھوں نے آپ سے کچھ نہیں کہا۔ گلپ ابھی تک چھپی نہیں۔

بھوِشیہ میں پتر اگر آپ رادھا کرشن کے نام سے ہی لکھیں گے، تو اچھا ہوگا، کیونکہ اب میں ان کے ساتھ نہیں رہتا۔ شمبھو ہم ساتھ رہتے ہیں۔ ہمیں پتر ایجنسی کے پتے سے ہی دیجیے گا۔

بھودیہ، چھوی ناتھ

نیج ناتھ کیڑیا کا خط

کلکتہ

10-03-1923

شری یُت پریم چند جی،

مہودَیہ،

آپ کا کرِپاپتر ملا۔ یہ تو دو ہزار ہی آچکے ہیں، دیکھنے کی بھول تھی۔ بینک میں روپیے دے دیے گئے ہیں، سب 2051 روپیہ سوا چار آنے اب دینے پڑے ہیں۔ انہی کی در کچھ ٹھیک ہے، اسی سے تھوڑا فائدہ پڑ گیا۔ 1000 روپے آپ اور دے چکے ہیں۔ باقی روپیوں کا حساب پیچھے ہوتا رہے گا۔ روپیوں کے لیے آپ کا کام نہیں اٹکے گا، اس کی کچھ چِنتا نہ کیجیے گا۔ صرف سوُچنا دینا اُچت تھا، اسی لیے لکھا گیا تھا۔ مال چھڑوانے کے لیے بینک کو پہلے لکھا جا چکا ہے۔ بلٹی آنے پر آپ کی سیوا میں بھیج دی جائے گی۔

''سنگرام'' کی کاپیاں آپ کے لکھے اَنُسار سب بھیج دی جائیں گی۔پرُوف کی

اشُدھیاں مجھے بھی کھٹک رہی ہیں، پرنتوُ اس سمے پریس میں اچھے آدمی ہوتے ہوئے بھی ایسا ہوگیا۔

وِدیاپیٹھ میں رسید کی آوشیکتا نہیں۔ 3 ماس کے بعد دوسرے 3 ماس تک 25 روپیہ ماسِک اور دینے کا وِچار ہے۔

آپ کا، بیج ناتھ کیڑیا

یگ نارائن اُپادھیاے کا خط

کاشی وِدّیا پیٹھ،

بنارس

08-04-1923

شری دھنپت رائے جی،

پاٹھ شالا وِبھاگ کے پھٹکر خرچے کے حساب میں آپ کو 8 روپیہ 6 آنا، 30 پھالگن 79 کو دیا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب آپ کا حساب ٹھیک ہو جائے گا۔

آپ کا، یگ نارائن اُپادھیاے

یگ نارائن اُپادھیاے کا خط

کاشی وِدّیا پیٹھ،

بنارس

22-05-1923

شری دھن پت رائے جی،

آپ کے پاس پاٹھ شالا وِبھاگ کے پھٹکر حساب کا 10 روپیہ پڑا تھا۔ اس کے وِشے میں میں نے کئی بار آپ کو لکھا تھا۔ آپ نے اپنے ایک پتر میں لکھا تھا کہ ''میں نے اس کا حساب کس ماس میں لکھا تھا؟'' جس کے اُتّر میں لکھا گیا تھا کہ پھالگون ماس میں 8 روپیہ 6 آنا آپ کو پھُٹ کر ویے کے حساب میں دیا گیا تھا۔ کرِپیا یہ حساب

شیگھر طے کر دیجیے۔

آپ کا، یگ نارائن اوُپادھیائے
سہایک منتری

رادھاکرشن نیوٹیا کا خط

کلکتہ
(سمبھوتہ: 1923)

پریہ پریم چند جی،

کرِپا پتر ملا۔ حال جانا۔ بڑا بازار کمار سبھا ساروجنِک سنستھا ہو کر بھی لیکھکوں کی خاطرداری کرنے میں قدم پیچھے نہیں ہٹانا چاہتی۔ اس کے دو ہی تو اُدیش ہیں۔ سستی پُستکیں لوگوں تک پہنچانا اور لیکھکوں کو سَنتُشٹ کرنا۔ اس لیے اس سمبندھ میں لکھنا اناوشیک تھا، پر بہت وِچار کرنے کے بعد یہی نِشچے ہوا کہ آپ کو اس پُستک کے لیے کشٹ نہیں دیا جائے۔ پنڈت چھوِی ناتھ جی نے مجھ سے سب باتیں کہیں تھیں، پر اس سمے ''مادھوری'' کے پرسکار کا خیال نہ تو چھوِی ناتھ جی کو ہی تھا اور نہ مجھے ہی۔ اسی سے اتنا زور دینا پڑا، پر اب آپ کی آرتھِک ہانی نہیں کرانا چاہتا۔ اس سے سہرس لکھ دیتا ہوں کہ آپ دلارے لال جی کو ہی پُستک دے دیجیے۔

رہی اردو سنگرہ کی بات۔ اس کے سمبندھ میں دو باتیں کہنی ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر رام نریش جی کی پُستک نکل گئی اور آپ نے بعد میں لکھا تو کوئی لابھ نہیں ہوگا۔ ہندی ساہتیہ کی اُور لوگوں کا جتنا کم انوراگ ہے، اسے دیکھتے ہوئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ ایک وِشے پر دو پُستکیں ابھی نہیں چل سکتی۔ دوسرے اس سمے سبھا کے ہاتھ میں دوسری کوئی بھی پُستک نہیں ہے۔ اگر آپ کو سمے ہو اور آپ کر سکیں تو اسے جلدی کر دیجیے، جس میں اس سے پہلے ہم نکال لیں۔ نہیں جیسی آپ کی ایکشا ! اس سے ادھیک اس سمبندھ میں کیا لکھ سکتے ہیں! وِشیش کرِپا، یوگیہ سیوا!

بھَودیہ، رادھاکرشن نیوٹیا

بیج ناتھ کیڑیا کا خط

126، ہریسن روڈ، کلکتہ،

05-07-1923

شری یُت پریم چند جی، کاشی

پریہ ور،

آپ کا کرِپا پتر ملا۔ بابو شمبھو پرساد جی کے پتر کا اُتر میں دے چکا تھا۔ کھید ہے کہ انھوں نے آپ سے نہیں کہا۔

آپ کا جو حساب انھوں نے لکھا تھا، اس میں ابھی قریب 200 روپیے جمع نہیں کیے تھے۔ یہ رقم مشینوں کا جہاز بھاڑا، ڈیوٹی، گاڑی بھاڑا آدی کا خرچ پڑا تھا۔ اس طرح ''پریم پچیسی'' تک کا پُرسکار انومانتہ آپ کے پاس پہنچ چکا ہے۔

اب جیسی آپ کی مرضی ہو لکھیے، اور پربندھ کر دیا جائے گا۔ یدی مالک خرچ کے حساب کچھ کچھ لیتے رہیں تو آپ کا بھی کام چل جائے، ہمیں بھی ایک ساتھ پربندھ نہیں کرنا پڑے، پرنتو یہ سب آپ کی اِکشا پر ہے۔ یہ بڑے آنند کی بات ہے اُپنیاس پرایہہ تیار ہو چکے ہیں، پرنتو کاشی وِدیاپیٹھ سے سمبندھ توڑنے کا کوئی وِشیش کارن ہوگا۔ وہاں کام کرتے ہوئے بھی آپ کو سمے کافی مل جاتا تھا۔ آپ کے پریس کا کام کیسا چل رہا ہے؟ اس وِشئے میں آپ نے کچھ نہیں لکھا۔ آشا ہے اچھی طرح چل نکلا ہوگا۔ کرِپا بنائے رکھیے گا۔

بھودیہ، بیج ناتھ

بیج ناتھ کیڑیا کا خط

126، ہریسن روڈ، کلکتہ،

26-07-1923

پریہ ور،

آپ کا کرِپا پتر ملا، سنتوش ہوا۔ میں نے بھی یہی اندازا لگا لیا تھا کہ آپ نراشا کی

حالت میں ہی وہ پتر لکھے تھے، پرنتو، آپ کے پہلے پتر کا اُتر تو میں دے چکا ہوں۔ ایوَم اس میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ خرچے کے لیے ماسِک کے حساب آپ دکان سے لیتے رہیں اور آپ کو (جہاں تک یاد ہے) خرچے کے لیے ہی ہاتھ میں کچھ تنگی لکھی تھی، پرنتو خیر، اب سب بات ٹھیک ہو گئی۔ انوُاد بھی آپ کو دوسروں کے لیے کیوں کرنا پڑے، جب ایجنسی برابر انوُوادِت پُستک بھی پرکاشِت کر رہی ہے۔ مولِک پُستک آہستہ آہستہ جیسا جی چاہے، لکھتے رہیے، باقی سمے میں دھڑلے کے ساتھ انوُواد کرتے جائیے۔ جو پُستک آپ آوشیک سمجھے، سمیانکول ہو۔ اِوَم آپ کا من لگتا ہو، اسی میں ہاتھ لگا دیجیے۔

دہلی اور گورکھپور میں دُکانیں کھُل گئی ہیں۔ اب بکری اور بھی بڑھنے کا ڈھنگ ہوگیا۔ اس سے پرکاشن بھی آوشیہ ہی بڑھانا ہوگا۔ اس مہینے میں قریب قریب 4 پُستکیں تیار ہو چکی ہیں۔ ''راگنی'' اُپنیاس قریب 750 پرِشٹھ کا، ''شیواجی'' قریب 650-700 پرِشٹھ کا، ''بھارتیہ وِیرتا'' 325 پرِشٹھ کی اِوم ''آکرِتی نِدان''، جو چھوٹی ہونے پر بھی 50-60 چتروں کے کارن انھیں کے برابر ہو جائے گی۔ یہ چاروں تو ایجنسی مالا میں ہیں۔ اس کے سیوا مؤل رامائن چھپ کر تیار ہے جو 42 فرموں کے لگ بھگ ہو گئی ہے۔ سوامی ویویکانند جی کا بھکتی یوگ پرکاشِت ہو گیا ہے۔ آگے کے لیے یہ پربندھ کر دیا گیا ہے، جو اپنے یہاں پرکاشِت ہو، آپ کو اِوم گوڑ جی کو کاشی کی دُکان سے تُرنت مل جایا کرے۔

''پریم پچیسی'' میں ہاتھ لگا دیا گیا ہے۔ وہ بھی شیگھر ہی ختم سمجھیے۔ پرایہ 8-9 فرمیں تو چھپ چکے ہیں۔ پوتھیوں کی مانگ ادھِک رہنے کے کارن بیچ میں ان کو شیگھرتا سے نِکالنا پڑتا ہے۔ دوسرے پریس نمبر 1، سرکار لین سے اٹھا لانے کے کارن پرایہ 15-20 دن کام ایک دم ہی بند سا رہ گیا تھا۔ اب اپنی پہلی اوستھا سے بھی اچھی حالت پر آ گیا ہے۔

آپ کے پریس کا کیا ہوا، کچھ اُتر بھی نہیں ملا۔ آشا ہے، مزے میں چل نکلا ہوگا۔ مشینیں کیسی رہیں؟ سب حال کھول کر لکھیے گا۔

کرِپا بنائیں رکھیے گا۔

بھودیہ، بیج ناتھ

دلارے لال بھارگو کا خط

لکھنؤ

29-07-1923

پریہ ور،

ہم نے نشچے کیا ہے کہ ستالوچنارتھ آئی ہوئی پستکیں باہر کے بجّنوں کے پاس بھیج کر ''پُستک پریچے'' لکھوایا جائے۔ تدنوسار کچھ اپنیاس ہم آپ کے پاس بھیجنا چاہتے ہیں۔ پُرسکار بھی اس سمبندھ میں ''مادھوری'' کاریالہ بھیجا کرے گا۔ اتر شیگھر دیجیے۔ کرِپا بھاؤ رکھیں۔ آشا ہے، آپ پرسنّ ہیں۔

بھودیہ،

دُلارے لال (سمپادک)

رام رکھ سنگھ سہگل، سمپادک ''چاند''، کا خط

الٰہ آباد

25-08-1923

پریہ ور،

میں ہندو سبھا میں گیا تھا۔ میں نے آپ سے ایک بار ملنا بھی چاہا، پر دربھاگیہ وش بھینٹ نہ ہو سکی۔ پریس میں ایک گھنٹہ بیٹھ کر چلا آیا۔ شاید آپ کو میرا کارڈ ملا بھی ہو۔

مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے، وہ یہ کہ ''مادھوری'' کی تلسی سنکھیا میں ''آبھوشن'' شیرشک آپ کی جو کہانی چھپی ہے، اسے یدی وہاں نہ بھیج کر آپ ''چاند'' میں بھیجیں تو اس سے وِشیش پُرسکار کی سمبھاونا تھی۔ یہ سچ ہوگا۔ پرچار کی درِشٹی سے بھی چاند 800 نہیں چھپتا، پر میرا خیال ہے، اُپیوگیتا کی درِشٹی سے، چاہے چاند کی تھوڑی سی پرتیاں ہی چھپتی ہوں، یہ کہانی اس کے لیے بہت موزوں تھی۔ خیر۔

ایک کارڈ پہلے بھی آپ کی سیوا میں بھیج چکا ہوں۔ آشا ہے، ملا ہوگا۔ یدی اگلے انک کے لیے آپ کچھ بھیجیں، تو کرِپیا اس کی سوچنا مجھے ترنت دیں۔ کیونکہ اگلے ماس

میں ''چاند'' دو سنسکرن 15/15 دن میں پرکاشت ہوں گے۔
یوگیہ سیوا سدَیو لکھتے رہیں گے۔

بھودیہ، رام رکھ سنگھ سہگل

ہری شنکر، سمپادک ''آریہ مِتر'' کا خط

''آریہ مِتر''
آگرہ

29-09-1923

شری یُت مانیہ ور مہودیہ،
سادر نمستے،

نئے انک کے لیے ایک گلپ لکھ کر انگر ہیت کیجیے، بڑی دیا ہو گی۔ میں پہلے بھی پرارتھنا کر چکا ہوں۔ اب پُنہہ یاد دلاتا ہوں۔ آشا ہے کہ آپ نِراش نہ کریں گے۔ سمَے بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔

بھودیہ وِنیت،
ہری شنکر

دلارے لال بھارگو کا خط

لکھنو

01-10-1923

پریہ پریم چند جی،

ہندو یونیورسیٹی بنارس، کے شری یت واسو دیو شرن اگروال کا ہمیں ایک پتر ملا ہے۔ اس میں انھوں نے آپ کی پرشنسا کرتے ہوئے ہمارے سمکھ یہ پرستاؤ رکھا ہے کہ پریم چند جی کی آکھیایکائیں دو بھاگوں میں پرکاشت کی جائیں۔ ایک میں سرل اور دوسرے میں گمبھیر کہانیوں کا سنگرہ ہو، جو اسکول اور کالج دونوں میں کام آسکے۔

ہم نے ان کے پتر کا اتر دے دیا ہے اور لکھ دیا ہے کہ شری یت پریم چند جی سے سمّتی لے کر ہم شیگھر ہی اس پر وِچار کریں گے۔ استو، لکھیے، آپ کی کیا سمّتی ہے؟

آپ کی اکھیا یکائیں پرکاشت کرنے کا ہم پربندھ کریں۔ کیا ایسے سنگرہ ٹھیک ہوں گے؟

بھودیہ،

دلارے لال (سمپادک)

دلارے لال بھارگو کا خط

لکھنؤ

01-10-1923

پریہ پریم چند جی، سادر بندے!

کرپا کر کے لکھیے "پریم پرسون" میں کن کن گلپوں کا سنگرہ کیا گیا ہے۔ ہم "مادھوری" کی اس سنکھیا میں اس کا وگیاپن دینا چاہتے ہیں۔

500/- روپے تو آپ کی سیوا میں پہنچ ہی چکے ہیں۔ شیش روپے سیوا میں شیگھر ہی بھیجے جائیں گے۔

بھودیہ، دلارے لال

چھپے ہوئے فارموں کا ایک سیٹ آپ نے ابھی تک نہیں بھیجا۔ کرپیا شیگھر بھیجیے۔ آج کل لکھنؤ میں ابھوت پورو باڑھ آئی ہوئی ہے۔ پریس میں بہت کم آدمی آتے ہیں۔ سب کا دھیان باڑھ کی اور ہے۔ وشن نارائن سے ابھی باتیں نہیں کر سکا ہوں۔ ات ایو آپ کے پتر کا اُتر وشن نارائن سے بات کر کے دوں گا۔

دلارے لال

دلارے لال بھارگو کا خط

گنگا پُستک مالا کاریالہ،

29-30، امین آباد پارک، لکھنؤ

03-10-1923

پریہ مہاشیہ،

کرپیا "پریم پرسون" کے لیے ایک پیج کا وگیاپن "مادھوری" میں چھپنے کے لیے بھیج

دیجیے۔ اتھوا ''پریم پرسون'' کے گلپوں کی سوچی تتھا انیہ آوشیک سوچنائیں بھیج دیں۔ ہم یہاں وِگیاپن بنوا لیں گے۔ کرپیا بنائے رکھیے۔

بھودیہ، سنچالک

پرم چندر شرما، لاہور کا خط

26-10-1923

شیزادہ

بخدمت جناب منشی پریم چند جی،

نمستے!

میں نے آگے بھی ایک عدد کارڈ لاہور سے آپ کی خدمت میں لکھا تھا، لیکن آپ کی طرف سے ابھی تک کوئی جواب نہ پاکر مجھے پھر دوبارہ لکھنے کی جرأت ہوئی ہے۔ میں نے اپنے پہلے کارڈ میں لکھا تھا کہ ''گوشۂ عافیت'' تاحال چھپا ہے یا نہیں۔ اگر چھپ گیا ہو تو ایک کاپی بذریعہ وی۔پی بھیج کر مشکور فرماویں۔ آپ یہ بھی لکھیں کہ وہ کہاں چھپے گی۔اور اندازاً کتنی قیمت ہو گی۔ میں اور میرے دوست بڑی بے چینی سے اس کتاب کا انتظار کر رہے ہیں۔ ''پریم آشریہ'' کی تعریف سنتے سنتے کان اُکتا گئے ہیں۔جواب جلدی۔

الراقم

پریم چندر شرما، نیشنل کالج، لاہور،

ہال ''شیزادہ''، ضلع سیال کورٹ، پنجاب

مینیجر، ہندی پُستک ایجنسی کا خط

181، ہریسن روڈ، کلکتہ

10-11-1923

شری یوت بابو پریم چند جی،

سرسوتی پریس، مدھیہ میشور، کاشی

پریہ مہودیہ،

آپ کی سیوا میں پہلے ایک پتر دیا گیا تھا، کنتو دکھ کی بات یہ ہے کہ اس کا کوئی

اُتر اب تک پراپت نہ ہوا۔ ہمیں شری یُت پنڈت چھوی ناتھ جی پانڈے دوارا معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس کہانیوں کا ایک سنگرہ ہے۔ جو اب تک پرکاشت نہیں ہوا ہے۔ یدی یہ بات ٹھیک ہے تو کرپا کر کے وہ سنگرہ ہمیں بھیج دیجیے گا۔ پرسکار کے لیے جیسا آپ کہیں گے، کر دیا جائے گا۔ پتروتر شیگھر دینے کی کرپا کریں۔

بھودیہ،
گنگا پرساد بھولیچھا، منیجر

دلارے لال بھارگو کا خط

گنگا پُستک مالا کاریالہ،
(مادھوری سمپادن وبھاگ)
لکھنؤ

12-11-1923

پریہ ور،

کرِپیا لوٹتی ڈاک سے لکھیے کہ آپ کی ''رنگ بھومی'' نام کی پُستک اندازاً کتنے پرشٹھ کی ہوگی؟ ہم اس کی نوٹس ''مادھوری'' کی اسی سنکھیا میں دے رہے ہیں۔ اتی شیگھر۔

''مادھوری'' میں ایک نوٹ پرکاشِت ہو رہا ہے جس میں گنگا پُستک مالا میں پرکاشِت گرنتھوں کی سوچی دی جا رہی ہے۔

بھودیہ
دلارے لال (سمپادک)

رام چند ٹنڈن کے خط

16/2 Aminuddowlah Park,
Lucknow

12.11.23

My dear Premchandji,

Many thanks for your kind letter of the 8th instant. I had in

the meantime also received your earlier letter sent along with the book. Thanks for both of them.

I am very sorry to learn of the reappearance of your son's malady. The root of the trouble is there and in my opinion a radical treatment becomes imperative. That treatment can only be an operation of his tonsils and adeoids. At all events the proper man an expert must be consulted; and for expert medical and surgical advice Lucknow is the place.

I can quite understand your wife's nervousness. As to her prejudice, she should be cured of it. In the case of my brother my mother raised similar objections. She actually had it... to me that I should take my brother back home and the operation should not be done. I fead long ignored her wishes and informed her that the operation was imperative, that a date had been fixed for it, that, in short, it must be done. She does not regret my choice now. But what a headlong and obstinate son can do, it may not be given to a loving husband also to do. So try sweet pursuation by all means. Only remember that the continuance of your son's malady is detrimental alike to his physical and mental growth. It will be criminal on your part to neglect his case. You will have to do this same thing sooner or later. The sooner the tendency towards deafness is arrested the better. This operation can only arrest tendency to further deafness; it only rarely restores lost hearing. So you are the judge of the matter now. You know what my own advice is.

If you choose to bring the boy here, as I think you should do without delay, you can put up with us, it will be a pleasure to me if you do so. We have rented a small house here, but it is well situated and quite sanitary. You need not at all bother

about accomodation. We shall be here for at least 3 weeks more. My friend in the medical college and myself will render you what little help we can in the matter of the treatment.

I am glad you are busy with writing a Drama named 'Karbala'. This, I understand from Dularelal Bhargava this morning, was for his Ganga Pustak-Mala. I also understood that you had contributed an article of the same title to the 'Madhuri'.

I confess to not having been able to comprehend your question regarding drama and your difference from what Sanskrit literature makes it out to be. We shall talk it over when you are here.

From two of the latest of Raghupati Sahai's letters I have come to know of his anxiety and devotion for the time being he is making supreme efforts to continue his congress work.

Sincerely yours,
R. C. Tandon

رام رکھ سنگھ سہگل کا خط

''دی چانڈ'' آفس، الہ آباد

19-11-1923

پریہ ور،

اس سے پہلے بھی دو پتر سیوا میں بھیج چکا ہوں۔ آپ نے وِشواس دلایا تھا کہ اکتوبر کے انت تک آپ آوشیہ ایک کہانی ''چاند'' کے لیے بھیجنے کی کرپا کریں گے، کِنتو یہ نومبر کا مدھیہ ہے پر آج تک آپ کی کہانی ملی نہیں۔

''چاند'' کا اگلا انک ایک بڑے وِشیشانک کے روپ نکل رہا ہے جو کہ دسمبر کے پہلے سپتاہ میں پرکاشِت ہو جائے گا۔ آپ سے سادر انورودھ ہے کہ اس نئے سال کے

شروع والے انک میں کچھ آوشیہ بھیجنے کی کرِپا کریں گے۔

آپ کا، رام رکھ سنگھ سہگل

لاجپت رائے اینڈ سنس لاہور کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس، لاہور

19.11.1923

شری مان منشی پریم چند جی،

نمستے!

میں دہلی چلا گیا تھا۔ وہاں جا کر طبیعت خراب ہوگئی۔ میرے پیچھے آدمیوں کو 'بال رامانند'، 'مہابھارت' بھیجنی یاد نہیں رہی۔ دو تین دن ہوئے آپ کو بھجوائی ہے، لیکن حیرانی ہے، آپ نے ناول کا مسودہ نہیں بھیجا، تاکہ اسے لکھنا شروع کیا جاوے۔ چونکہ آپ کی کتاب اچھے کاتبوں کے سپُرد کی جاتی ہیں اور دیر لگتی ہے۔ آپ کرپا کرکے واپسی ڈاک سے بھیجنے کی کرپا کریں۔ ساتھ ہی رائلٹی کی نسبت اپنے آخری فیصلے سے اطلاع بخشیں گے، تاکہ میں آپ کی منظوری کی چٹھی بھیج دوں، اور بچوں کے لیے 'راما نند'، 'مہابھارت' کہانیوں کی کتابیں کی نسبت اپنے حالات سے اطلاع بخش کر مشکور فرما دیں گے۔

آپ کا شوبھ چنتک
لاجپت رائے

نوٹ : 'خواب و خیال' دو ہفتے میں تیار ہو جائے گا۔

بھگوَتی پرساد باجپئی کا خط

پریم مندر، لکھنؤ،

11-12-1923

پریہ پریم چند جی،

پرَنام!

سیوا میں پتر بھیجا تھا۔ کئی دن ہوئے۔ اس میں نے آپ سے کچھ نویدَن کیا تھا۔

اُتر نہیں ملا۔ آشا ہے، آپ تو اوَشیہ مجھ پر کرِپا کریں گے۔

بھودیہ، بھ۔پر۔باجپئی

پریم چندر شرما کا خط

لاہور

13.12.1923

بخدمت جناب منشی پریم چند جی، نمستے!

خط آپ کا بہت عرصہ ہوا ملا تھا۔ یادآوری کا مشکور ہوں۔ میرے خیال سے آپ نے اس پرچے میں ''گوشائے آفیت'' کے چھپوانے کا انتظام کر لیاہوگا۔ ہندی کی کتاب ''رنگ بھومی'' کا آپ نے اردو میں کیا نام رکھا ہے۔ اور آپ کا دوسرا ناول، جس کا آپ نے پہلے خط میں ذکر کیا تھا، کب چھپے گا اور اس کا کیا نام ہوگا؟ ہندی میں تو ''پریم پچیشی'' نکل آئی ہے، مگر اردو میں کہیں ملی ہی نہیں۔ آپ کی ایک کتاب ''سکھ درس'' ہے، وہ بھی نہیں ملی۔ جواب جلدی۔

تابع دار

رام کرشن داس کا خط

18 دسمبر، 1923

F/6، فرسٹ ہاسٹل، ہندو یونیورسیٹی

پوجیہ بھائی صاحب، آپ نے نہیں لکھا کہ دِویدی جی کی پُستک لکھانے کا پربندھ ہو سکا یا نہیں۔میرا وِچار ہے کے جنوری کے پرتھم سپتاہ میں کاغذ خرید کر آپ کے یہاں دے دوں۔ چھپائی کے بارے میں آپ نے اپنے بھائی صاحب سے پوچھ لیا؟

مجھے''مریادا'' کے اس انک کی ضرورت ہے جس میں آپ نے ''جل پری) چھاپی تھی۔ کیا کہیں سے مل سکتا ہے؟

''رنگ بھومی'' کے بارے میں آپ نے نِشچے کر لیا؟ میرے ساتھ کیول یہی صورت نکل سکتی ہے کہ پہلی دو ہزار پستکوں کا تمام منافع آپ لے لیں۔ دو ہزار کا خرچ سجلد کا

(900 کاغذ + 750 چھپائی+ 500 جلد بندھائی+150 وِگیاپن) = 2300 ہوا اور مُولیہ ساڑھ چار روپیہ فی کے حساب سے 900 روپیہ ہوا۔ اَتہ 6700 روپیہ بچے، اس میں انومانتہ پونہ کمیشن کا بھی نکال دیجیے، یعنی کم سے کم ساڑھے چار ہزار روپے آپ کا بچ رہیں گے۔ مجھے اس پُستک کے چھپانے سے جو فائدہ ہوگا وہ لکھ ہی چکا ہوں۔ جیسی آپ کی آگیا ہو، سو کرنے کو تیار ہوں۔ پُستک تتھا اپہار سہت زیادہ سے زیادہ جتنے کی آپ آشا کر سکتے ہیں، اس سے ادھِک اس پرکار آپ پراپت کر سکتے ہیں۔

سیوک، رام کرشن

بھگوَتی پرساد باجپئی کا خط

پریم مندر، لکھنوَ،

19-12-1923

شرَدھیہ پریم چند جی، پرَنام!

کرِپا پتر پا کر انوگرہت ہوا۔ پُستک کلکتے سے آتی ہوئی شیگھر ہی سیوا میں پہنچے گی۔ جس دن پراپت ہو، اسی دن کرِپا کر کے اس کے پراپت ہونے کی سُوچنا دے دیں۔

آپ نے میری پرارتھنا سوِیکار کر لی، آپ کی اس کرپا کا میں ہردیہ سے آبھاری ہوں۔

کرِپا بھاوَ رکھیں۔

بھوَدیہ، بھ۔پر۔باجپئی

منیجر، ہندی پُستک ایجنسی کا خط

181، ہریسن روڈ، کلکتہ

22-12-1923

مانیہ ورمہودیہ،

شری یُت پنڈت بھگوتی پرساد جی واجپئی کے لکھنے سے ہم ان کا ''پریم پتھ'' آپ

کی سیوا میں بھیجتے ہیں۔ پہنچتے ہی سوچت کیجیے گا۔ وِشیش کرِپا رکھیے گا۔ ہمارے یوگیہ سیوا سے سوچِت کیجیے گا۔ اپنی رچنا میں سے ہمیں بھی کچھ دینے کا خیال رکھیے گا۔

بھودیہ، گنگا پرساد بھولیچھا
منیجر

امرناتھ جھا کا خط

29، ایسٹرن کینال روڈ، دہرہ دون

10/جون 1925

پریہ پریم چند جی،

رنگ بھومی کے وشیہ میں آپ کو پتر لکھنے میں جو اچھمیے دیری ہوئی ہے اس کے لیے کرپیا چھما کر دیں۔ میں نے اب اسے سماپت کر لیا ہے۔ میں نے اس کا ایک ایک شبد پڑھا ہے اور اب پہلے سے بھی زیادہ آپ کی اُدبھُت سرجناتمک پرتیبھا کا پرشنسک، بہت بڑا پرشنسک ہوگیا ہوں۔ سورداس کو اپنا نائک بنانا اتینت ساہس کا کام تھا لیکن اس کے چریتر کو آپ نے کتنی سندرتا سے چترت کیا ہے۔ اگر آپ ایک دو سجھاؤں کے لیے مجھے معاف کریں تو وہ یہ ہیں۔ پرشٹھ 785، پنکتی 6 میں 'سیوک جی' اسپشٹ ہی بھول ہے۔ اپنیاس میں دو کتھا پرسنگ کافی کمزور جان پڑتے ہیں۔ ریل گاڑی میں ونے اور صوفیہ والا درشیہ اور ویرپال سنگھ کے گپت اڈے پر ونے کا وہ اتینت جھکا جھکا بلکہ دبا سہما سا بھاؤ۔ انھیں چھوڑ کر میرے خیال میں میرے پاس دوسرا کوئی آلوچنا کا شبد نہیں ہے۔ رنگ بھومی آدھونک ہندی کا ایک گورو بنے گی۔

سمست شبھ کاماناؤں کے ساتھ

آپ کا، امرناتھ جھا

بنارسی داس چترویدی کا خط

وشال بھارت کاریالیہ
120/2 اپر سرکلر روڈ، کلکتہ
15/نومبر 1926

پریہ پریم چند جی

پرنام! گھاس لیٹ ساہتیہ کے ورودھ جو آندولن میں کر رہا تھا اس کی میں نے اب اَتی شری کردی ہے۔ اور انتم لیکھ 'گھاس لیٹ ورودھی آندولن کا اپسنہار' وشال بھارت میں لکھ رہا ہوں۔ اس اوسر پر میں آپ کی سمتی سمرتھن میں ایک چٹھی لکھی تھی۔ کیا اس کی پرتی لپی آپ کے پاس ہے؟ میں نے رکھ چھوڑی تھی پر وہ کھو گئی۔

شری یُت سندرلال جی سے میں ابھی پریاگ میں ملا تھا۔ انھوں نے مجھ سے کہا 'تم نے اس گندے ساہتیہ کے ورودھ آندولن اٹھا کر سچ مچ بہت اچھا کاریہ کیا۔ کسی نہ کسی کو یہ کاریہ کرنا ہی چاہیے تھا۔ یدھپی اس سے پرارنبھ میں گھاس لیٹی لیکھکوں کو کچھ وگیاپن ضرور ملا، پھر بھی یہ کاریہ بہت آویشک تھا۔'

میرا وشواس ہے کہ آپ کی اس آندولن میں میرے ساتھ سہانوبھوتی تھی۔ ساہتیک درشٹی سے چاکلیٹی ساہتیہ سچ مچ اتینت بھینکر ہے۔ مجھے کھید ہے کہ 'پرتاپ' تتھا 'کرم ویر' جیسی راشٹریہ پتروں نے اس آندولن کو بالکل Ignore کیا۔ کرپا وستار پُورک اپنے سمتی اس وشے میں بھیجیے۔ میں اس سے اپنے لیکھ میں ادھرت کروں گا۔

ونیت، بنارسی داس چترویدی

لاجپت رائے اینڈ سنس لاہور کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس،

3.11.1927

شری مان جی،

نمستے!

کرپا پتر ملا۔ 'نواز کھولنے گئے تھے روزے گلے پڑے' کے مصداق۔ میرا نویدن تھا

کہ ناولوں پر 'خواب و خیال' کی طرح روپیہ لے لیویں اور جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ 'خواب و خیال' کو بھی زمرہ میں شامل کریں۔ ہے نا خوبیِ قسمت! عام دن برسے مطلب 'خواب و خیال' کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ جس کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ آئندہ ناولوں کے واسطے اگر آپ میری درخواست کو قبول نہیں کرسکتے، تو مجھے آپ کے کہے انوسار رائلٹی منظور کرنے میں کوئی اُجر نہیں۔ آپ کو سو صفحے کا ناول پہلے بھیج دیجیے۔ اس کے بعد دوسرا دو سو کا چھاپ لوں گا۔ اس کے بعد پھر حکم تعمیل کروں گا۔ ہاں، رائیلٹی بھی دس اور پندرہ فیصدی کے بجائے پندرہ اور بیس کی رکھیں تو مناسب ہوگا۔ آخر میں ناول کا مضمون بھیجتے ہوئے اس کے ساتھ فیصلہ شدہ شرط لکھ دیں۔ میں تعمیل کروں گا۔

'خواب و خیال' کی دس کاپی ڈاک کی ٹرانجکشن میں خراب ہو گئی۔ اب لکھنے کے لیے بھیجی گئی ہیں۔ ٹائٹل چھپ گیا ہے۔ اس ماہ میں کتاب تیار ہوگی۔ اس کتاب کے بذریعہ اشتہار ادھار نقد میں آپ کے کام کو Advertise کروں گا۔ اس لیے بھی اس پر رائلٹی دینے کے ناقابل ہوں۔ سابقہ فیصلہ شدہ شرط پر عمل ہوگا۔ بچوں کی 'رام نرائن' اور 'مہابھارت' بھیجتا ہوں۔ کہانیاں آپ خود بچوں کی لکھ سکتے ہیں۔ وہاں کتنی ہی اردو ہندی کتب اسکولوں میں پڑھائی جانے والی بچوں کے لیے موجود ہوں گی۔ پہلے آپ 'رام نرائن' شروع کیجیے۔ افسوس، میری صحت میرے کام میں سخت حرج ڈال رہی ہے، ورنہ جلدی میں خود کو آپ کی نظر میں اچھا پبلشر ثابت کرنے کی کوشش کرتا۔

میں اگر اپنا کوئی پلاٹ آپ کو دوں تو اس پر آپ ناول لکھ دیں گے، تو اس کا آپ کیا چارج کریں گے؟

آپ کا

لاجپت رائے

جگجیت فلم کمپنی کا خط

Jagjit Film Co.
New Delhi
21st November, 1927

Dhanpat Rai Esq.
Madhuri Office,
Newul Kishore Press
(Book-Depot),
Lucknow

Dear Sir,

Many thanks for your letter dated the 11th instant. It is good of you to have written in connection with our Cinema Enterprise.

Lately we have been busy in the production of a few other stories, and we have not been able to write you in detail.

Our Scenario Department is working at full pressure, and we are afraid we shall have to request you to write scenarios of your own stories for the film production.

We shall be sending a scenario sketch to your address at an early date to explain the different technical points. Also we shall submit a rough idea about the rates etc. for this work.

Thanking you,

we are,

Yours faithfully,
for Jagjit Film Co.
R.B. Mathur
Director

رام رکھ سنگھ سہگل، (مدیر 'چاند') کا خط

'The Chand' Office
Telephone 205
Telegrams 'Chand;
Allahabad, 21.11.1927
Reference No. 4779

My dear Premchand,

I never thought you will raise this question at a time when Marwaries are hot with the 'Chand', you seem to have been bribed by them.

I am amused at your finding. It is a fact the book has occupied much more space than the 'Chand', but I wonder you have deliberately overlooked the fact that it is printed so lavishly in Pica abd double laid have been intentionally used to make the book as bulky as you see. My contention is you should not encroach upon the right of the publisher. So far I have been doing my publications in 22 ems instead of 26, as is usually done by others,. but I now intend doing in 20 ems. This might annoy you all the more. I remember full well your contributions have all along appeared in small Pica. I have got in files to show that you yourself demanded Rs. 3/8/0 per page for the entire copyright of your writings. I do not remember to have requested you to reduce a pie in any case and thus I have been paying so far. Why then raise it now? Is it because the book is neatly printed on thick paper? What else could make you so greedy?

I am extremely surprised to see your calculation. You say 1000/- will be the entire cost of printing and 4000/- profit. I say 1000/- will only cost me binding. My calculation is—

Cost of 42 Reams paper @ 12/-		504-0-0
Cost of Printing 20 forms 2000 copies @ 27/......................................		540-0-0
Full cloth binding and Golding about......		800-0-0
Writing charges..		325-0-0
Interest about..		250-0-0
		....
	Rs.	2419-0-0
Commission 25%.............................		1250-0-0
Advertisement charges		500-0-0
		....
	Rs.	4169-0-0
Profit..		831-0-:-0
		....
	Rs.	5000-0-0

I hope this statement will satisfy you that I don't get even 25%.

I have been paying you the highest rate which I have never paid to anybody and am afraid I cannot do anything further. It is hoping against hopes.

I have so far did not receive your contribution, perhaps it does not now pay you to write on the old rate.

I have nothing heard about the Benares writer who has sent

me Antarang although I requested a very early reply.

Yours as ever

R. Saigal,

23.11.27

Sjt. Dhanpat Rai, B.A.
(Alias Prem Chand)
Editor, 'Madhuri'
Nawal Kishore Press,
Lucknow.

حمید علی، لاہور کا خط

7، ریلوے روڈ، لاہور،

05-01-1928

مخدومی و محترمی، تسلیم،

آپ کے عنایت نامے کے جواب میں لکھ چکا ہوں کہ 14,15,16,17 ابواب کی ضرورت ہے۔ امید ہے، آپ نے مجھ سے دریافت کرنے کے بعد ترجمہ شروع کر دیا ہوگا، اور اب دو چار دن میں بھیج دیں گے۔ چونکہ یہ کام کاتب کے ہاتھ میں ہے۔ میں چاہتا ہوں، اسے ختم کر کے ہی دوسرے کام میں لگے۔

جیسے ایک دفعہ پہلے ناکام کوشش کر چکا ہوں، پھر خیال آ رہا ہے کہ بعض کتُب کو ہندی میں منتقل کیا جائے۔ کیا گنگا پُستک مالا والے یہ کام آپ کی وساطت سے کر سکیں گے؟ جن کتب کے ہندی میں لانے کی اشد ضرورت ہے، ان کی تجویز میاں امتیاز کریں، تصدیق آپ کریں۔ ''گنگا پُستک مالا یہ وعدہ کرے کہ ایک مکررہ میعاد کے اندر شائع کر دیں گے۔ اپنے اخراجات سے شائع کریں۔ ہماری رائلٹی رکھیں اور سالانہ حساب ہو جایا کرے۔ مجھے یقین ہے، آپ اس سلسلے میں امداد کریں گے۔

ایک نیا قصہ ہو گیا ہے۔ آپ کے مختصر افسانوں میں سے یہاں کے ایک پبلیشر نے

''بازیافت'' وغیرہ اپنے مجموعے میں شامل کر لیتے ہیں۔دیوان میں لکھ دیا ہے کہ بہترین افسانے تمام کتب سے لے کر مجموعے میں شامل کیے جاتے ہیں۔ اب شایقین کو بڑی بڑی کتابیں پڑھنے کی زحمت نہ ہوگی۔ میں ان صاحب پر دعویٰ کرنے لگا ہوں۔ آپ کو اس کا کچھ علم ہوتو بہ واپسی ڈاک لکھیے۔

خاکسار، حمید علی

لاجپت رائے اینڈ سنس لاہور کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس

لاہور

11.1.1928

شری مان جی،

نمستے!

کرپا پتر ملا۔ بدقسمتی سے بوجہ کمزوری اور بیماری کے اور پہلی کیشن کا کام زیادہ کرنے کی وجہ سے میں چارپائی پر پڑ گیا۔ اس وجہ سے نہ تو آہپ کا کچھ لکھ سکا اور نہ روپیہ بھیج سکا۔ اب آپ کو جلدی چند دنوں کے اندر روپیہ بھیج دوں گا۔ دس کاپیاں نواب اقبال سے آج بھیجنے کو کہہ دی گئی ہے۔ ٹیکس بک کمیٹی کا کل ہی سرکلر آیا ہے کہ روپے کے پانچ سو صفحے لیتے ہیں، یعنی انھوں نے بذریعہ سرکلر لیٹر آرڈر دیا کہ 500 صفحوں کی ایک روپیہ قیمت ہے۔ اگر ہم اس کو 1000 چھاپیں، جو کہ پہلی دفعہ ایک ہزار پکی چھپنی چاہیے، تو لاگت دس آنے فی کتاب بیٹھتی ہے۔ میں نے حساب کر لیا ہے اور اگر دو ہزار چھاپیں تو آٹھ آنے کے قریب اور تین ہزار چھاپی جاویں تو ساڑھے سات آنے کے قریب۔ تینوں لاگتوں میں صرف پیسہ، ڈیڑھ کا مارجن ہے۔ وہ اس صورت میں اگر ہمیں لکھائی چھپائی میں کچھ رعایت ملے، جو اچھا ہونے کی صورت میں مشکل ہے۔ ان سب پر ٹرالی بلاک ہوں گے۔ دکاندار کا کمیشن زیادہ سے زیادہ ہونا چاہیے، جو آپ مناسب سمجھیں۔ سب واقعات آپ کے سامنے رکھے جاتے ہیں۔ آپ ایک پرانے اور قابل مصنف ہیں، ہر پہلو کو دیکھ لیں گے۔

'رامائن' کے بعد بچوں کے لیے سرل کہانیاں آپ کو لکھنی ہوں گی اور وہ بھی ضرور منظور ہو جاویں گی۔ اور کوئی سیوا؟

لاجپت رائے

دیا نارائن نگم کا خط

کانپور،

29 فروری 1928

بھائی جان، تسلیم!

آپ کا محبت نامہ آیا۔ میں بخار میں مبتلا تھا۔ اس کے جواب میں دیری ہوئی۔ اب اچھا ہونے پر جواب لکھ رہا ہوں۔ بیٹی جی کا بیاہ طے ہو گیا، مجھے اس خوشخبری کو سن کر بڑی مسرت ہوئی۔ ایشور ہزار ہزار شکر ہے جو فکر ایک عرصہ سے دامن گیر تھا، اس سے آپ کو نجات ملی۔ گھر بھی متموّل اور اچھا ہے۔ اس بات کو سن کر اور بھی خوشی ہوئی۔ ایشور اس کو اور اس کے مجوزہ دولہا کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ لڑکے کے تعلیم اور گھرانے کے فارغ البال ہونے کی خبر سے ہمیں بہت مسرت ہوئی ہے۔ ایشور مبارک کرے۔

آپ کا روپے کے لیے لکھنا بالکل ٹھیک ہے۔ مجھے خود بھی آپ کے لکھے بغیر ایسے موقعے پر اس کی فکر کرنا چاہیے۔ پچھلے سال مقدمے میں ہارنے سے انتظامیہ معاملات میں کچھ گربڑ رہی۔ اس وقت بھی حالات ناگفتہ ہیں۔ تاہم جو کچھ مجھ سے تیار ہو سکے گا، تیار کروں گا۔ آپ شادی کی تاریخ سے مطلع کریں۔ غالبًا جون تک ہوگی۔ اس وقت میں حتی الوسع کوشش کروں گا۔ کہ کم سے کم آدھا مطالبہ تو حاضر کر ہی دوں۔ آگے پرمیشور مالک ہے۔ مجھے اس کی ذات پر بھروسہ ہے۔ مجھے اب آپ سے شرمندگی کا موقع نہ ملے گا۔ آپ شادی کے لیے تیاری کریں۔اور میرے لائق جو کام ہو بتلائیں۔ مسودہ بھی تیار کریں اور شادی کا کام بھی کیجیے۔ شادی بنارس سے کرنے میں ہی آپ کو اچھا رہے گا۔ میں ضرور آپ کی خدمت کروں گا۔ مستورات اور دیگر افراد نمسکار۔

کل انتظام ہو جاتے۔ خیر وہاں بھی سب لوگ موجود ہیں۔ ہاتھوں ہاتھ کام ہو جائیں گے۔ حتی الوسع کفایت سے کام لیجیے، آپ کو سکون ملے گا۔ ابھی ''اردو ادب'' کی

تاریخ کے بلاکوں کا حساب بھی پڑا ہوا ہے۔ خیر، دیکھا جائے گا۔ ہاں، فسانۂ آزاد' کے حالات کا ضرور خیال رکھیے گا۔ یا تو آپ اپنی جلد بھیج دیجیے، ورنہ مطبع سے دلوا دیجیے۔ آخر میں قیمت بھی دینی پڑے تب لے لیجیے۔ جو دام آپ کو دینے پڑیں گے وہ میں دوں گا۔ اکیڈمی نے تحریک پر گالسوردی کے تین ڈرامے اردو ہندی کے ترجمے کے لیے مجھ کو اور آپ کو مشترکہ دیے ہیں۔ ڈرامے موجود ہیں، تیسرا اور آ رہا ہے۔ میں نے بہ ضابطہ خط لکھا ہے، آ جائے تو اس کی نکل بھیجوں گا۔ میں لکھنؤ سے ہو کر اگر آیا تو مفصل باتیں ہوں گی، نہیں تو 17 مارچ کو الہٰ آباد میں ملاقات ہوگی۔

بچوں کو بہت بہت دعا۔

آپ کا، نگم

مہادیو پرساد سیٹھ کا خط

کلکتہ

08-03-1928

پریہ بھائی پریم چند جی، بندے!

آشا ہے کہ ہولی انک آپ نے دیکھا ہوگا۔ آپ کی کہانی تو لوگوں نے بہت پسند کی۔ بہتوں نے اس کی چرچہ کی۔ لوگوں کی رائے ہے کہ انتم انش میں تو کمال ہے۔ ''کایا کلپ'' اور ''پریم پرتِکیاں'' کا وِگیاپن آپ کو پسند آیا یا نہیں؟ آرڈر آنے پر پُستکیں کس سے اور کیسے ملیں گی؟ کمیشن کیا ملے گا؟ یدی پُستک آپ کے پاس ہو تو دس دس پرتیاں بھیج دیجیے۔ یدی آپ سویم بیچنا چاہیں تو میں آپ کا ہی پتہ چھاپا کروں۔ جو ہو، نہہ سنکوچ لکھیے گا۔ آپ ''متوالا'' پر جیسی کرِپا کرتے ہیں اس سے میں آپ سے کسی پرکار باہر نہیں۔

کرِپا بنائے رہیے۔

بھودیہ، مہادیو پرساد سیٹھ

اختر، لاہور کا خط

دی مانسرووَر، سادھو اسٹریٹ، لاہور

30 مارچ، 1928

جناب بھائی صاحب، تسلیمات!

نوازش نامہ آیا! شاہ صاحب بھی اسی وقت تشریف رکھتے تھے! وہ خط انھوں نہ دیکھ لیا! کچھ زیادہ دلوانے کی میں کوشش کر رہا ہوں! آپ اپنے خط میں یہی لکھتے رہے ہیں کہ کچھ زائد ملنا چاہیے، میں ٹھیک کر لوں گا۔ رائیلٹی کے لیے میں نے کہا تھا، پر ان کے منہ سے خون لگ چکا ہے۔''نرملا'' کی بابت میں نے کل سویم پرکاش سے بات کی تھی، تو یہ بھی شاہ صاحب ہی کو دے دیجیے۔ بات چیت میں کر رہا ہوں، مگر جو لڑکے ہیں، قطعی نا تجربے کار، دیکھیے آپ کے بقیہ رقم جب ملے گی، بھیجوا دوں گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔

''مان سرووَر'' بھیج رہا ہوں اور بار بار تقاضہ کرتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے۔اقبال ورما صاحب آئے تھے۔''مان سرووَر کے جنوری نمبر میں میری کہانی ''مدن کلا'' آپ نے دیکھی یا نہیں؟ کیسی ہے، آپ اپنا خیال لکھیے۔ میری کہانیوں کا دوسرا مجموعہ تیار ہو رہا ہے۔''ترو تیرتھ'' اس کا پہلا افسانہ ہے۔ کیا آپ اس پر دیباچہ لکھنے کی تکلیف گوارہ کریں گے؟

''مادھوری'' کے لیے ایک مضمون بھیجتا ہوں۔ قامت سے قیمت کا اندازہ نہ کیجیے گا۔ اگر پسند ہو شائع کر دیں، نہ پسند ہو واپس بھیج دیں۔ اپنی رائے لکھیں۔ جن صاحب نے نقل کی ہے وہ نہایت بدخط ہیں۔ جہاں کہیں ترمیم و اضافے کی ضرورت ہو، آپ بہ شوق کر سکتے ہیں۔

جواب سے جلد سرفراز فرمائیے گا۔''سوزِ وطن'' کا کاپی رائٹ کس کے پاس ہے لکھیے؟ سب باتوں کا جواب دیجیے گا۔

بندا، اختر

گھنشیام شرما (پتر پنڈت رادھے شیام کتھا واچک) کا خط

پنڈت رادھے شیام
ڈائرکٹر، دی نیو الفریڈ تھیئٹریکل
کمپنی آف ممبئی، دہلی

12.4.1928

پریہ منشی جی
جے رام جی کی!

آپ کا تاریخ 6.4.28 کا کرپا پتر ملا۔ بریلی میں پلیگ کے ادھیک بڑھ جانے کے کارن سپریوار میں پتا جی کے پاس آگیا ہوں۔ پریس بند نہیں کیا ہے۔ انھی سب کاریوں کے کارن آپ کو پتر بھی نہیں لکھ سکا۔

یہ پڑھ کر پرسنّتا ہوئی کہ آپ نے سوَیم بھی ایک اپنیاس لکھنا آرمبھ کر دیا اور انیہ لیکھکوں سے بھی لکھوانے کا پربندھ کر رہے ہیں۔ سرسوتی پریس کے سمبندھ میں ابھی کچھ نشچیہ نہیں کر سکا ہوں۔ بریلی پہنچ کر ہی کچھ نشچت روپ سے لکھوں گا۔ ابھی تو ہم سب بڑی گڑبڑ میں ہیں۔

پتا جی آپ کو جے رام جی کی لکھواتے ہیں۔ اتر یہیں کے پتے پر دیں۔

آپ کا
گھنشیام شرما

سیتا رام سہارِیا کا خط

دھار،

13-04-1928

مانیہ ور شری پریم چند جی، سادر پرنام۔ بہت دنوں سے پربل اِچھا ہو رہی ہے کہ آپ سے پریچے پراپت کروں۔ سچ مانئے، میرے من میں آپ کے پرتی وہی شردھا اور آدر کے بھاؤں ہیں، جو کسی شیشیہ کے من میں اپنے مانیہ گرو کے پرتی ہو سکتے ہیں۔

کارن یہ ہے کہ میرے من میں ہندی بھاشا اور ساہتیہ کے وِشے میں جو کچھ پریم ہے اس کے پردھا ن کارن آپ ہی ہیں۔ جو کچھ شِکشا اورمنورنجن میں نے آپ کی گلپوں اور اُپنیاسوں کے ادّھین دوارا پراپت کیا ہے۔ وہ کداچت ہندی کے انیہ پُستکوں سے نہیں کیا۔ ''سیوا سدن''، ''رنگ بھومی''، ''کربلا'' آدی کو بار بار پڑھا۔ اور پرتیک بار آدھِکادھِک آنند کا انوبھو کیا۔ سو پیچھے پنچانوے اُپنیاس ایسے ہوتے ہیں۔ جنھیں ایک بار پڑھ لینے سے دوسری بار پڑھنے کا جی نہیں چاہتا۔ پر آپ کو اپنیاسوں کی سوبھاوِکتا اور مولِکتا میں کچھ ایسا وِچتر آکرشن ہوتا ہے کہ کبھی اُبتا ہی نہیں۔ ہاسیہ رس بھی پریاپت ماترا میں ہوا کرتا ہے اور پھر چرتر چترن میں تو آپ منووِگیان کے پورن پنڈت کا پریچے دیتے ہیں۔ اور بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ یہ پرشنسا نہیں ستیہ ہے۔

ایک انگریز مشنری مہلا مجھے بھائی کہتی ہے۔ میں کٹر سناتنی برہمن ہوں (پرانی لکیر کا فقیر نہیں)۔ میری بہن کو بھارت ماتا اور ہندی بھاشا پر اننیہ پریم ہے۔ جس اُتساہ اور پریم سے انھوں نے ہندی کا ادّھین کیا ہے، اس اُتساہ سے میں نے کسی ہندستانی کو بھی ہندی سیکھتے نہیں دیکھا۔ میرا وِشواس ہے کہ اور بھی انیک وِدیشیوں کو ہندی بھاشا اور ساہتیہ سے اس سے بھی ادھِک پریم ہوگا، جتنا میری بہن کو ہے، پر کھید اس بات کا ہے کہ سہستروں بلکہ لاکھوں ہندستانی اور ہندو ہندی کے کٹر وِرودھی ہیں، اور اس کے اُنتی کے مارگ میں وِرودھی ہو رہیں ہیں۔ اس وشے میں مجھے آپ کو بہت کچھ لکھنا ہے اور آپ سریکھے وِدوانوں کی صلاح لینا ہے۔ تتھاپی ابھی بھی کچھ تھوڑا سا کہنا چاہتا ہوں، پر یہ پرکاشِت کرنے کے لیے نہیں ہے کیول آپ کے اور میرے بیچ میں ہے۔ میں یہاں کے استھانیہ ہائی اسکول میں ادھیا پک ہوں۔ اس سال کی وارشِک پریکشا میں وہاں کی ''نائینتھ کلاس'' میں انوواد کے لیے ہندی کا جو ''پیپر'' دیا گیا تھا، وہ آپ کو منورنجنارتھ بھیج رہا ہوں۔ جیوں ہی پیپر وِدیارتھیوں کو دیا گیا، میں نے ہیڈ ماسٹر کو جو ایک بنگالی سجّن ہیں، اس میں لگ بھگ پچاس اشُدھیاں بتائیں اور وِنتی کی کہ اس وِشے کو میں پڑھاتا ہوں، آپ کی آگیاں ہو تو اسے شُدھ کر کے وِدیارتھیوں کو لکھا دوں۔ پر پرکشک مہودیہ نے ان سے کہا کہ اس کی ہندی بالکل شُدھ ہے اور ان کی بات آپ کیوں مانتے ہیں۔ یہ کوئی ہندی کے ''آتھرٹی'' تھوڑے ہیں۔ غرض کے کچھ لابھ نہ ہوا۔ نہ جانے بیچارے وِدیارتھیوں پر کیا

بیتی۔ یہ سب لِکھنے کا کارن یہ ہے کہ اس ہندی کو آپ اس دیشی راجہ کی اسٹینڈرڈ بھاشا سمجھ لیجیے۔ اسٹیٹ کی کاریہ واہی عدالتوں کے لکھا پڑھی میں اسی پرکار کی بھاشا کا پریوگ کیا جاتا ہے۔ یہاں کے کچھ اسکول میں اسی پرکار کی بھاشا سِکھائی جاتی ہے۔ کچھ اِنے گِنے سجّن ان اَستھِتی سے اسنتشٹ ہیں، پر یہ نِشچے نہیں کر سکتے کے کیا کریں ادھیکاریوں سے کوئی آشا نہیں ہے۔ دیون مہودیہ سے جب میں نے اس وِشیہ میں کچھ نیویدن کیا تو انھوں نے اُتر دیا، ''ہماری ہندی یہی ہے، ہمارے پرانت کی یہی بھاشا ہے، ہمیں دوسری ہندی نہیں چاہیے۔'' مہاراجہ صاحب نابالغ ہیں۔ یہ یہاں کی ہی اَستھِتی نہیں ہے۔ ایک پرکار سے دیوان مہودے کا کہنا بھی ستیہ ہے۔ ہندستان کے مراٹھی بھاشا بھاشی پرانتوں میں اسی پرکار کی ہندی بولی اور لکھی جاتی ہے، پر پاٹھشالاؤں میں اس پرکار کی ہندی کی اُنتی کی یہاں کیا آشا کی جائے؟

اس وشے میں اور جو کچھ مجھے کہنا ہے، وہ وِشیش کر کے آپ کی پترِکا میں پرکاشِت کرنے کے ہیتو سے یدی آپ پرکاشِت کریں تو لکھ بھیجوں گا۔ اپنی بہن کی بات میں بالکل بھول گیا۔ ہاں یہ آپ کو دکھا دینا چاہتا ہوں کہ میری بہن اس سے کہیں شُدھ اور اچھی ہندی لکھ سکتی ہے۔ اب کچھ تھوڑا ان کے وشے میں کہتا ہوں۔ ان کا نام مِس ڈی. ایچ. کلپیٹریک ہے۔ انگریزی بھاشا کی تو وہ پوری پوری پنڈت ہیں۔حال ہی میں آپ نے کنیڈا دیش میں بھگوان رام چندر جی کے وشے میں ایک انگریزی پُستک لکھی ہے۔ اس کے پہلے سرسوتی میں آپ کا ایک لیکھ پرکاشِت ہوا ہے۔ اور مجھے آشا ہے کہ یدی آپ کی اِکشا ہو گی تو وے ''مادھوری'' کے لیے بھی بڑے پریم سے لکھیں گی۔کچھ ماہ سے آپ ایک چھوٹی سی پترِکا کی سمپادِکا ہیں۔ پترِکا کا نام ہے''بھانودیہ''۔ اس کا وارِسک چندہ 1 روپے 2 آنے ہیں۔ گراہکوں کی سنکھیاں پانچ سو سے بھی کم ہے۔ پترِکا کا اُدّیش عیسائی دھرم کا پرچار ہرگز نہیں ہے۔ وہ وِشیش کر ہندستانی یووک اور یوتیوں کے لابھارتھ ہے۔ اس سے ابھی تک کوئی واستوِک لابھ ہوا ہے اتھوا نہیں، میں نہیں کہ سکتا۔ تین چار مہینے پہلے میں نے اس پترِکا کا نام بھی نہیں سنا تھا، پرنتو گت فروری سے میری بہن سمپادِکا ہوئی ہیں اور سچّی لگن سے کاریہ کر رہی ہیں۔ پترِکا کے سنچالن کے لیے چندے کی رقم بالکل پریاپت نہیں ہے۔ میری بہن پاس سے بھی بہت کچھ خرچ کرتی ہیں۔ تِس پر بھی لیکھ بہت معمولی

ہے اور ایک دو بھدّے بھی ہیں، پر بہن اُنّتی کے لیے کچھ نہیں اٹھا رکھتیں۔

میری بہن کو آپ کی رچناؤں سے بہت پریم ہے۔ ایک سمَے میں وے گروکل کانگڑی میں آچاریہ رام دیو جی کی اُتّھی تھیں۔ رام دیو جی نے اپنی پُستکوں کی بہت پرشنشا کی۔ جب وے یہاں آئیں تو مجھ سے آپ کی سب پُستکوں کے نام و پتہ لکھ لے گئیں۔ ان کی ہارِدک اِچھا ہے کہ آپ کی رچناؤں کا دیش میں خوب پرچار ہو اور ان کے ادھین سے ہندو سماج لابھ اٹھاویں اور انّتی کریں۔ اسی اُدیش سے انھوں نے ''بھانودیہ'' کے فروری کے انک میں ایک سُوچنا پرکاشِت کی ہے۔ جو لیکھک ''ساہس'' پر سروتّم گلپ لکھ کر ''بھانودیہ'' میں پرکاشِت کرنے بھیجے گا اسے ''رنگ بھومی'' کی ایک پرتی پُرسکار سوروپ دی جائے گی۔ اسی اُدیش سے فروری کے انک میں آپ کے پرسِدھ اُپنیاس ''نرملا'' کی سنکشِپت کہانی پرکاشِت کی گئی ہے۔ یہ لیکھ آپ کے اس شِشیہ نے ہی لکھا ہے۔ اس چھوٹے سے لیکھ میں انیک دوش ہیں، یہ بھی بھلی بھانتی جانتا ہوں۔ جو کچھ کثر میری لیکھنی سے رہ گئی تھی، وہ پریس کی اشُدھیاں نے پوری کی، جیسے سنسکار کے لیے ''سرکار'' چھاپ ڈالا۔ اپریل ماہ کے انک میں ''پرتِگیاں'' کی سنکشِپت کہانی پرکاشِت ہو گی اور کرمانوسار اگامی انکوں میں آپ کے انیہ اُپنیاسوں پر اتیاچار کیا جاوے گا۔ پر میرا اور میری بہن کا ایک ہی اُدّیش ہے وہ یہ کہ آپ کی پُستکوں کا ادھِکادھِک پرچار ہو۔ معلوم نہیں ہم آپ کی سیوا کر رہیں ہیں یا بدنامی۔ پر میں تو آپ کا شِشیہ ہوں اور جو کچھ کر رہا ہوں بھکتی بھاؤ سے۔ آشا ہے، آپ میری دھرِشٹتا کو شما کریں گے؟ کیا آپ اپنی رائے لکھ بھیجنے کی کرِپا کریں گے؟ فروری کا انک آپ کی سیوا میں لکھ بھیج رہا ہوں۔ دیا ''بھانودیہ'' کو آپ کے لیکھوں کا سوبھاگیہ پراپت ہو سکتا ہے؟

آپ کا کرِپا بھلاشی اور آگیاکاری شِشیہ،

سیتا رام سہاریا ''انرُکت'' ایم۔اے۔

ٹیچر، آنند ہائی اسکول، دھار

مدھ پردیش

کرشن مراری نارائن سنگھ کا خط

Krishna Murari Narayan Singh,
Zamindar,
Badalpura Estate,
P.O. Khagoul, Distt. Patna

Badalpura
14th April, 1928

My dear Premchand ji,

It was my desire to write you from a long time about your Novels. You will be glad to learn that almost all your works upto date are available in my library and am pleased to posses them. Your 'Rangbhumi' is the best among them all. But I am sorry to let you know that it is the most pathetic book and requires a strong heart to read it. My mind remained disturbed for a day and I resolved to write you regarding the same. What is the harm if you do not write tragedy? As the book has been named 'Rangbhumi', it has been as it ought to be. But my only request to you is to write a comedy equally sucessful as 'Rangbhumi'. A friend of mine told me that Premchandjee cannot be so successful as he has been found in the above mentioned book, which is a tragedy. I have nothing to do with his opinion, but my only request to you is that you cease writing any tragedic book from henceforth and turn your thought towards writing books ending with happiness. Will you?

I shall be glad if you send me your reply with your opinion, regarding the above and for which I shall be much thankful.

Yours Sincerely,
K.M.N Singh

بنارسی داس چترویدی کا خط

وشال بھارت کاریالیہ

61 اپر سرکلر روڈ، کلکتہ

28 مئی 1928

شریمان پریم چند جی

سادر وندے!

'ماڈرن ریویو' کے جون کے انک میں جو دو تین دن بعد نکل جاوے گا آپ کی کہانی چھپ گئی ہے۔ ہاردک بدھائی دیتا ہوں۔ مجھے اس سے اتنا ہی ہرش ہوا ہے جتنا اپنی ہی کسی رچنا کے پرکاشت ہونے سے ہوتا۔

کہانی کی بھاشا کو ٹھیک کرانے کے لیے مجھے مسٹر اینڈریوز کو کشٹ دینا پڑا تھا یدھپی کریکشن انھیں تھوڑے ہی کرنے پڑے۔ پر انھوں نے اسے سہرش سویکار کرلیا اور بڑی پرسنتاپوروک یہ کاریہ کر دیا۔ شری رامانند بابو سے بھی میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ یدی وہ ٹھیک سمجھیں تو چھاپیں نہیں تو مجھے واپس دے دیں۔ پہلے ان کا سندیش آیا تھا 'پریم چند جی کی سروتم کہانی ہم پہلے چھاپنا چاہتے ہیں اور یہ کہانی چھپنے یوگیہ ہونے پر بھی پریم چند کی کرتی کے پرتی نیائے نہیں کرتی'، اس پر میں نے یہی کہلا بھیجا کہ آپ اسے نہ چھاپیے دوسری میں چن کر بھجوا دوں گا۔ رامانند بابو کے سویگیہ پتر اشوک چٹرجی نے جو کیمبرج کے بی اے ہیں، مجھ سے کہا ہے کہ میں سُوَیم آپ کی گلپ کا انوواد کروں اور وہ (اشوک بابو) اسے ٹھیک کرلیں گے۔ پر مجھے آپ کی کہانیوں کا انوواد کرنے کی ہمت نہیں پرتی کیونکہ جیسی بڑھیا ہندی آپ لکھتے ہیں میں اتنی تو کیا اس کا دسواں حصہ اچھی انگریزی نہیں لکھ سکتا۔

کرپیا ایک کام کیجیے۔ 'نونیدھی' اتیادی کہانیوں کی اپنی سبھی پستکیں مجھے بھیج دیجیے۔ شری راجیشور پرساد سنگھ جی کا پتہ بھی بتلائیے۔

شری رامانند بابو، اشوک بابو، 'پرواسی' کے اُپ سمپادکنتر اتیادی سبھی سجن آپ کی رچناؤں کو پڑھنے کے لیے اتسک ہیں اور میری سمتی میں 'بیسٹ اسٹوریز' کا پہلے انوواد

ہونا چاہیے۔ اس لیے میں نے رامانند بابو سے کہلا بھیجا تھا کہ اسے آپ پہلے نہ چھاپیں پر پھر انھوں نے سوَیم ہی چھاپ دی۔ یہ بھی ایک پرکار سے اچھا ہی ہوا۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ میری سفارش سے آپ کی رچنا چھپے۔ You don't stand in need of my recommendation.

مجھے اتینت کھید ہوتا یدی وہ کیول اسی کارن سے کہ میں کہہ رہا ہوں آپ کی کہانی چھاپتے۔

میں اس دن کا سوپن دیکھ رہا ہوں جب کہ کسی ہندی گلپ لیکھ کی کہانیوں کا انوواد رشین، جرمن، فرنچ، اتیادی میں ہوگا۔ یدی آپ ہی کو یہ گورو پراپت ہو تب تو بات ہی کیا ہے۔ میرے ہردے میں آپ کے پرتی شردھا اس لیے ہے کہ آپ دوسری بھاشاوالوں کو کچھ دے کر ہندی کا ماتھا اونچا کر سکتے ہیں۔ بنگلہ اتیادی سے دان لیتے لیتے ہمارا گورو بڑھ نہیں رہا۔

آشا ہے کہ آپ سَکُشل ہیں۔

بھودیہ

بنارسی داس چترویدی

شری رُدر دت جی کے وشئے میں لکھوں گا۔

اکیلا ہونے سے کام کرتے کرتے تنگ آجاتا ہوں۔

مسٹر اینڈرویوز نے مجھ سے کہا تھا کہ پریم چند جی کو لکھ بھیجنا کہ انگریزی میں ان کی گلپ کے انوواد کے پرکاشت ہونے پر میں ان کا ابھیوادن کرتا ہوں۔ وہ ولایت چلے گئے ہیں۔

آپ سُوَیم اپنی کسی گرامیہ جیون سے سمبدھ رکھنے والی گلپ کا انگریزی انوواد کیوں نہ بھیجیں۔

بنارسی داس چترویدی کا خط

وشال بھارت کاریالیہ
91 اپر سرکلر روڈ، کلکتہ

10 رجون 1928

پریہ پریم چند جی

کرپیا اپنی سب پستکیں میرا مطلب اپنیاسوں اور کہانیوں سے ہے۔ میرے متر

Mr. Tarachand Roy
Professor of Hindi
Berlin University
Hohenzollendamm 161 b
Berlin-Wilmersdorf, Germany

کو بھیج دیں۔

مسٹر رائے کو جرمن بھاشا پر اَدُبھُت ادھیکار ہے۔ یہاں پر میں اتنا اور جوڑ دوں کہ ٹیگور کی سمپُورن جرمنی یاترا میں وہی ان کے دربھاویے تھے۔ مسٹر رائے ہمارے سروشریشٹھ لیکھکوں کی کہانیوں کا انوواد کرنا چاہتے ہیں اور میں ان سے کہہ رہا ہوں کہ آپ ہی سے شروع کریں۔ آپ کی کہانیوں کو جرمن میں دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہوگی گو میں اس بھاشا کا ایک شبد بھی نہیں جانتا۔ مسٹر رائے کو آپ کے ایک سنکچھپت جیون ورتّ کی بھی ضرورت ہوگی۔ پروفیسر گوڑوالا مجھ کو اچھا نہیں لگتا۔ اس میں آتمیتا نہیں ہے۔ کیا آپ مجھے اپنے جیون کے بارے میں کچھ نوٹس دینے کی کرپا کریں گے؟ اپنے مولوی صاحب کے کمرے سے شروع کیجیے۔ وہی مولوی جنھیں آپ اتنا پیار کرتے تھے۔ میں کچھ نجی ڈھنگ کی چھوٹی موٹی گھٹنائیں چاہتا ہوں۔ میں بہت سے لیکھکوں سے زیادہ اچھا اسکیچ لکھ سکتا ہوں کیونکہ مجھے وہ کام پسند ہے۔ آپ کے بارے میں میں نے کچھ باتیں ٹانک رکھی تھیں لیکن کہیں ادھر ادھر ہوگئی ہے۔ اس لیے آپ کو مجھے پورے نوٹس دینے پڑیں گے۔ مسٹر گوڑ نے ودوان آلوچک کی طرح لکھا ہے۔ میرے پاس ان کی ودھتا نہیں ہے۔ میں آپ کو آدمی کے روپ میں جاننا چاہتا ہوں۔ کرپیا مجھے اپنا ایک اچھا چتر بھیج دیں۔ اگر آپ کے پاس

اپنی کہانی پستکوں اور اپنیاسوں کی اتیرکت پرتیاں ہوں تو کرپیا مجھے سب کی ایک ایک پرتی بھیج دیں۔ رنگ بھومی آپ نے مجھے لکھنؤ میں دی تھی۔

میں 1916 سے ہی آپ کی کہانیوں کا ایک تچھ پرشنسک رہا ہوں۔ اس سے میں چیفس کالج اندرو میں چھ سال سے ادھیاپک تھا۔ اور میں نے آپ کی ایک پستک 'نوندِھی' پاٹھیہ کرم میں رکھی تھی۔ مسٹر رائے نے مجھ کو لکھا ہے کہ اب تک کسی ہندی پستک کا انوواد جرمن بھاشا میں نہیں ہوا۔ لہٰذا آپ کی کہانیاں پہلی چیز ہوں گی۔ ہے نہ زور کی بات؟ میں آپ کی کہانیوں کو جرمن میں دیکھنے کے لیے ادھیر ہو رہا ہوں۔ انھیں دیکھ کر کسی کو اتنی خوشی نہ ہوگی جتنی کہ مجھے۔

آپ کا

بنارسی داس چترویدی

بنارسی داس چترویدی کا خط

The Vishal Bharat Office
91/Upper Circular Road, Calcutta
Dated the 10.6.1928

My dear Premchand ji,

Will you please send all your books-- I mean novels and short stories-to my friend- ,

Mr. Tara Chand Roy
Professor of Hindi, Berlin University
Hohenzollerndamm 161 b
Berlin- Wilmersdorf
Germany..

Mr. Roy has got a wonderful command over the German language. I may add here that he was Tagore's interpreter in

Germany throughout his tour. Mr. Roy wants to translate the short stories of the best of our writers and I am asking him to begin with you. What a great delight it would give me to see your stories in German, though I do not understand a word of that language! Mr. Roy will also require a brief life-sketch of yourself. I o not like Professor Gaur's. There is no personal touch behind it. Will you please give me some notes about your life? Begin from your Maulvi Saheb's room-the Maulvi whom you loved so much. I want some personal anecdotes. I can write the sketch better than many of our writers for I have a liking for that work. I had my notes about you but I have misplaced them. You will therefore have to give me full notes. Mr. Gaur wrote as a learned critic. I haven't got his learning. I want to know you as a man. Please send me a good photograph of yourself. If you have spare copies of your story books and novels please send me one of each- Rangbhumi you gave me at Lucknow.

I have been an humble admirer of your stories since 1916 when I put one of your books Navnidhi as a textbook in Chief's College Indore where I was a teacher for six years. Mr. Roy writes to me that no Hindi book has yet been translated into German language. So your stories will be the first thing! Isn't it a splendid thing? I am impatient to see your stories in German. None will be more delighted to see them than.

Your humble admirer,

Benarsi Das Chaturvedi

Did you receive my last letter? Mohan Singh's article has not yet come out.

ایڈیٹر ''ریاست''، دلّی کا خط

دی ریاست، پوسٹ باکس 82، دلّی

27-07-1928

مکرمی، تسلیم!

یاد فرمائی کا شکریہ قبول فرمائیں۔ ''ریاست'' کے مضامین کی اُجرت کی انتہائی شرح تین روپے فی صفحہ ہے، مگر آپ کو بالفعل چار روپیے فی صفحہ نذر کر دیے جائیں گے۔ آپ اردو اخبارات و رسائل کی حالت سے اچھی طرح واقف ہیں اور امید ہے کہ اس کا لحاظ کرتے ہوئے آپ چار روپیہ فی صفحے اُجرت منظور فرمائیں گے۔ آپ مہینے میں دو دو صفحے کے کم سے کم دو افسانے ارسال فرمانے کی تکلیف گوارہ کریں۔ مطبوعہ مضامین کی اجرت ماہ بہ ماہ اِرسال ہوتی رہے گی۔ پرچہ آپ کے نام پر بہ قاعدہ جاری کر دیا گیاہے۔ امید ہے کہ آپ ضروری شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

خادم،

ڈی۔ڈبلو،ایم

پرواسی لال ورما (مینیجر، سرسوتی پریس) کا خط

55/6، بارا مندر، بُولا نالا، بنارس سیٹی،

02-08-1928

شردھاسپد بندھووَر،

سپریم بندے!

آپ کا کرِپا پتر یَتھا سَمے پراپت ہوا، میں نے پریس میں جا کر حالت دیکھی۔ اِدھر بہت خراب حالت ہے۔ میں سمجھتا ہوں، اگر ستت پریَتن کیا جائے، تو دو تین مہینوں کے بعد، حالت سُدھر سکتی ہے۔ کام کاشی سے ادھِک نہیں مل سکتا، باہر کا کام منگانے کی کوشش کرنی ہو گی۔ کوشش میں کیوَل پَرِشرم اور بُدھی کا ہی وِیَے نہیں ہوگا: سو پچاس وِگیاپن بازی میں بھی خرچ کرنے ہوں گے۔ پُستکوں کی نِکاسی کا ابھی تک کوئی پربندھ نہیں ہے۔ میں

چاہتا ہوں، ایک فرم کا سوچی پتر چھپوا کر وِترن کرایا جائے۔ باہر کی پُستکیں دینے کا بھی ہم پربندھ کریں گے۔ اس پرکار کے اُدھوگ سے لابھ اٹھایا جا سکتا ہے۔ آپ کی سب شرطیں لگ بھگ مجھے سوِکار ہیں۔ ایک نویدن مجھے کرنا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے خرچ بھر کے لائق ایک اِلاؤنس نِشچت کر دیا جائے، اور وہ مجھے پرَتی ماس ملے؛ کیونکہ جب میں سب کام چھوڑ کر اس میں لگ جاؤں، تو مجھے خرچ بھر کے لیے ملنا ہی چاہیے۔ یہ اِلاؤنس حصّے داری میں شُمار نہ ہو۔ ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ، اِلاؤنس دے کر آپ حصّہ مجھے آدھا نہ دیجیے، کم کر دیجیے، یا اِلاؤنس پریس کے ذمّے رکھیے اور حصّے داری پُستکوں میں بھر کر دیجیے، کیونکہ جب آپ بیاج اور ٹائپ گھسائی وغیرہ سب کچھ لگا رہے ہیں، تو میرا خرچ بھر بھی اسی میں جوڑ دیا جائے۔ اس میں نہ آپ کی ہانی اور نہ میرا ہی کوئی وِشیش سوارتھ۔ خرچہ دینا، تو فی الحال آپ نے سوِیکار کیا ہی ہے؛ میں اس جھمیلے میں نہیں پڑنا چاہتا کہ میں اِدھر جو کچھ لوں، وہ آگے حساب میں مُجرا...... لیا جائے۔ یہ ٹھیک نہیں۔ مجھے اپنے پر وِشواس ہے، یَدی پرَیتن کیا تو دو تین ماس میں بہت کچھ کام جم جائے گا۔ میں باہر کا کام مانگنے کی ہی ادھِک چیشٹا کروں گا۔ یَدی آپ کو میرا منتویہ سوِیکار ہو، تو پریس کو لِکھ دیجیے کہ وہ مُدرَک کی جگہ میرا نام دینے کی درخواست دے دیں۔ آپ سب کچھ باقائدہ سمجھا دیں۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا میرے رہتے شری گُرو پرساد بھی پریس میں کام کریں گے؟ کریں گے تو کون سا کام ان کے ذمّے ہوگا؟

میں ابھی ایک جھگڑے میں پڑ چکا ہوں؛ اَت ایو یہ نہیں چاہتا کہ آگے پھر میرے سامنے کوئی جھمیلا کھڑا ہو۔ اس لیے میں سب باتیں پہلے طے کر لینا چاہتا ہوں۔ وِلمب ہو جائے تو چِنتا نہیں۔ یہ اچھا نہیں کہ بار بار اِدھر اُدھر کے کام ہاتھ میں لے کر جلدی جلدی بدلنے پڑیں۔ میں اب یہ چاہتا ہوں کہ جس کام کو بھی ہاتھ میں لوں، جی لگا کر کروں اور کچھ کر کے دِکھلاؤں۔ اب ایسے کام میں میں نہیں پڑنا چاہتا، جو اَستھائی ہو۔ میں نے خوب سوچ سمجھ کر آپ کو پتر لکھا ہے۔ آپ بھی وِچار کر لیجیے اور اُوچت اُتر دیجیے۔ بہتر تو یہ ہے کہ آپ دو روز کے لیے کسی پرکار آ جائیں، یا مجھے ہی وہاں بُلا لیں تو معاملہ طے ہو جائے۔ پتر وِیوہار میں کچھ وِلمب ہو جائے گا۔ میری باتیں سوِیکار ہوں، تو لگ بھگ سو پچاس روپیے کا وِگیاپن کے لیے بھی پربندھ کر دیجیے گا۔ پُستکوں کے آورن کے لیے کچھ

بلاک بھی بنواؤں گا۔ سوچی پتر چھپواؤں گا، اور بھی جو جو اُپائے آوشیک سمجھوں گا، کام میں لاؤں گا۔ ابھی یہ ہی باتیں ہیں۔ آگے جو دھیان میں آئے گا، لکھوں گا۔ اِتی۔

آپ کا، پرواسی لال ورما

کیشورام سبّروال کا خط

The Japan Times & Mail,
Tokyo
August 2, 1928

My dear Premchand ji,

I have been too slow in acknowledging receipt of your kind letter and friendly note of May 18, written on the very date. I was born 34 years ago, and 13 years that I left the land of my birth. This is the only letter I have been favoured with from you, for which please accept my hearty thanks.

The first short-story of yours that I translated was 'मर्यादा की वेदी' much against my expectations it has been a complete failure. None of the first rate magazines in Japan would like to accept it. It deals a great deal with Indian history and national sentiment in which the Japanese reading public is not interested. The expenses that I had to undergo in translating it amount to some thing like of 50/- (Rs. 70/-). It is not going to be a complete waste of money. I hope to be able to make use of this translation when I am going to put your stories in a book form.

I next tried my luck on 'मुक्ति-मार्ग' has proud to be the literary sensation in Tokyo during the month of June, when it was published in Kaizo (Reconstruction) of Tokyo. Kaizo is the

greatest magazine not only in Japan, but it is considered to be one of the best magazines in the world. It is an honour and a great honona, in this country if one's work is accepted by Kaizo. Kaizo, by the ways, is sold to the extent of one lakh copies every month.

A copy of the Kaizo in which my translation of 'मुक्ति-मार्ग' appears is being sent under separate cover. It appears on page 110 under the title of 'Seido no michi'. Then comes your name as the author of the story, to be followed by my name as the translator. There is an introduction to it by me. Sato Harno, who while introducing me to the readers gives a few details about my personality and my circle of friends, as well as my past antecedents.

Mr. Sato (the Japanese use their family name first) is one of the five great novelists in Modern Japan, and is one of my dearest friends. He it was who, among all my literary friends, was more enthusiastic in prevailing upon me to take up this work of translating Indian literary pieces into Japanese.

The story itself has been very well received and favourably commented upon by the critics. Japanese are fond of Tcehoff and Tolistoy, and this little tiff between the farmers which ends so beautifully has, therefore, interested them a great deal. It gives them besides a little insight into rural life and the Indian character as well. Your language is too flowery sometimes which modern writers seem to avoid, and one of my friends complained of it. I think he is right, although you are not to be blamed for it as everybody is doing that in India.

Zamana's jubilee number has one of your best stories. I have working on 'मन्त्र' a couple of days after I received the

Zamana, and while the work of translation was still proceeding, came the 'Vishala Bharata' bearing the same story with a few changes here and there.

I have followed the Urdu text except for these few words: यहाँ तो भगत की चारों ओर तलाश होने लगी, और भगत लपका हुआ चला जा रहा था कि बुढ़िया के उठने से पहले घर पहुंच जाऊँ. The words that I have underlined have added some thing like magic to the entire plot. But excuse me for telling you frankly that I do not like the last three paragraphs of the Vishala Bharata version, from 'जब मेहमान लोग चले गए ...... to मेरे सामने रहेगा. My Japanese collaborator who is a writer of no mean abilities also opines that these three paragraphs simply spoil the beauty and exquisitiveness with which the idea expressed in the words underlined above, has been carved. Why not be a bit mystic, and why be so explicit and clear in the end and make it a common place thing? Excuse me for this criticism. I do it as your younger brother and sincerely.

'मन्त्र' is still lying with my friend Mr. Sato. He has gone through it and perhaps will find room for it in one of the prominent literary magazines of Tokyo soon. He did not find much of mistakes, he told me, when we had dinner last week, and was further more of the opinion that it was a literary masterpiece. I shall send you a copy of the magazine when it is published.

Some of your stories are good for Indian readers, but the Japanese would not be interested in them, as they deal mostly with social evils or historical facts from which Indians alone can derive the desired inspiration or drink deep from their cup of beauty.

As I wrote to you, I have only three of your books with me. Your publishers have not yet sent me the rest of your works which I had been anxiously waiting for all these days. Will you be good enough to ask them to expedite this affair, as I am in a hurry to translate some more of your stories soon, and strike while the iron is hot. If once the public begins to take interest in your works, it would be the height of foolishness not to go forward and convince them of your superiority as the master artist of our great but undone Hindustan. I am quite prepared to stand all the expenses.

I have received only one copy of 'Madhuri' and found it to be the best of all the half a dozen Hindi magazines that I am receiving regularly through the generosity of Shri Prasad ji Guptaji of Benares. Uufortunately, the subsequent issues have failed to turn up. The one I have received is for चैत्र ३०४ तुलसी संवत. I shall be obliged if you will make arrangements to have not only the subsequent numbers sent to me soon, but also a copy of it regularly every month.

A Panjabi artist Mr. M.A. Rahman Chughtai of Lahore, who was introduced to me by Dr. James cousins of Madras, asked me to send him some artist brushes from Japan which I did. He owes of Rs. 15/- and I have asked him to remit this sum to you. Kindly be good enough to payout of it Rs. 9/- as my subscription to 'Madhuri' and hand the balance over to your publishers. I shall gladly send your publishers the rest of the money on receipt of their bill. But they should not delay sending the books to me.

Along with Kaizo, I am sending you a copy of 'A spring case', this is the English translation of my friend and brother

Tanizaki Junichiro's novel. It is autographed by him for your sake, as he appreciates your 'मुक्ति-मार्ग' more than all other novelists. He is most enthusiastic of them all. The book itself is a humble present to you from me. I need not say anything about Zanizaki, the translator's note will speak for itself.

I thank you sincerely for all the kind and sympathetic words you have spoken about me, which I appreciate from the core of my heart; and I appreciate moreover the friendship that you have not hesitated to offer me along with permission to translate your works.

Excuse me please for this hastily scribbled letter after a hard days work. I have to work at night also for my livelihood, extra work of course, to keep the wolf away from the door. It is exactly midnight now. नमस्ते।

Very Sincerely yours,
K.R. Sabarwal

لاجپت رائے اینڈ سنس لاہور کا خط

لاہور

24.9.1928

شریوتی منشی پریم چند جی،

نمستے!

خط ملا۔ بلاک کے لیے گنگا آرٹ کو دکھا دیا گیا ہے۔ ہو سکے تو آپ بھی ذرا دریافت کرنے کی تکلیف گوارہ کریں۔ 'رام چرچا' کی کتاب صرف تین کاپیاں رہ گئیں ہیں۔ امید کرتا ہوں کہ پچھلی تاریخ کو ارسال کر دوں گا۔ ستر کاپیاں 'خاکِ پروانہ' موصول ہوئیں۔ قیمت زیادہ ہی ہے یا کہ اس طرف رواج ہوتی ہے کہ اوپر جو قیمت لکھی ہوتی ہے، اس سے آدھی قیمت چارج کرتے ہیں۔ مطلع کریں کہ 100 کاپیوں کی فروخت پر کیا کمیشن دیں گے؟ 'خواب و خیال' کی قیمت— اس کی لکھائی چھپائی بالکل معمولی اور قیمت

بہت زیادہ ہے۔ کم سے کم پنجاب میں تو قیمتیں کم رکھی جاتی ہیں۔

آج اشتہار دے دیا گیا ہے۔ مفصل کمیشن وغیرہ سے مطلع کریں گے، تاکہ اس کی فروخت کا اچھا انتظام کرسکوں۔ قیمت اس کی واقعی بہت زیادہ رکھی گئی ہے۔ جواب سے جلد مطلع کریں۔ باقی خیریت، زیادہ آداب۔

سوم پرکاش ساہنی

مولوی عبدالماجد دریابادی کا خط

دریا آباد، بارہ بنکی

28رستمبر، 1928

بندہ نواز تسلیم،

آپ کی 'چوگان ہستی' کو ختم کیے کئی ہفتے ہو چکے۔ جی بہت تھا کہ 'ہمدرد' کے لیے خود ہی ریویو لکھوں گا، لیکن جس تفصیل سے لکھنے کو جی چاہتا تھا اس کی فرصت نہ ملنا تھی نہ ملی۔ آخر آج ہار کر ایک دوست کے پاس بھیج دیتا ہوں کہ وہ میری مرضی کے موافق ریویو کر دیں۔

'بازارحسن' کی سیر البتہ ابھی تک نہیں کی۔ آپ سے یہ دریافت کرنا بھول گیا تھا کہ وہ ملے گی کہاں؟

ایک ڈرامے کا مُجمل پلاٹ عرصے سے ذہن میں ہے۔ آپ سے بہتر اسے کون لکھے گا۔ ایسا ہو کہ اسٹیج پر ضرور آسکے۔ آپ نام ہی سے سارے پلاٹ کو سمجھ لیں گے۔ 'طلسم فرنگ' یا زیادہ سادہ و عام فہم نام 'گوری بلا' بس وہی جان سیوک والا کیریکٹر ذرا خوب کھول کر دکھا دیا جائے۔ نہرو رپورٹ اور لکھنؤ کانفرنس کے سلسلے میں مجھے پوری طرح اندازہ ہوا کہ ہمارے یہاں کے بڑے بڑے آزاد خیال بھی اپنی ساری جنگ 'انگریز' کے خلاف محدود رکھنا چاہتے ہیں، نہ کہ 'انگریزیت' کے خلاف۔ انگریز کو نکال کر خود انگریزیت کے رنگ میں غرق ہوجانا چاہتے ہیں۔ انگریزیت کے سسٹم کی برائی اب تک ہماری سمجھ میں نہیں آئی ہے۔ پانڈے پور والی ترکیبوں اور جان سیوک والے اصول زندگی سارے ہندستان میں ہندستانیوں کے ہاتھوں پھیلانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اس ذہنیت کو

پوری طرح Expose کرنا ہے۔

اس رنگ کے ڈرامے کو آپ سے بہتر کون لکھ سکتا ہے اور آپ چاہیں تو بہت جلد لکھ ڈال سکتے ہیں۔ زیادہ تسلیم۔

عبدالماجد

جگت نرائن ایڈوکیٹ کا خط

Fategarh, 3-10-1928

Jagat Narain
B.A., LL.B., M.R.A.S.
Advocate

My dear Premchandji,

Having read most of your Urdu books the other day I had an occasion to read your 'Rang Bhoomi'. I read it once, twice and over again in order to appreciate in my own humble way the greatness of your writings. I do not know, if it will be quite proper for me to make any suggestion to you. The book has acquired a popularity in Hindi which is second to none. But I am of opinion that like the 'Gora' of Rabindra Nath Tagore, it should be translated into English. If only the English translation is published in a periodical like the 'Modern Review', the book will acquire a popularity outside the circle of Hindi reading public also, a popularity acquired by 'Gora' itself. If you permit I might undertake the translation and the publication of the said translation.

With best regards,

Yours as ever,
Jagat Narain

P.S.

With the greatest hesitation I beg to offer a criticism of the book. In the concluding portion of the wonderful masterpiece, the death of Vinai Singh makes the book unnecessarily tragic. It would be presumptuous on may part to remind you that the aim of a true poetry or prose-poetry is to translate into words the infinite of human experiences, feelings, desires and ideals. Life appears as a play thing to the child, to the grown up man as a place of work, where he occupies himself with the 'matter of fact' and sees only the material realities of existence. A time however comes when this 'busy little man' begins to hear the voices from within, and begins to think that what he has been accustomed to regard as the only reality is not really so, and that there are more things in heaven and earth than his narrow philosophy dreamt of. This is the period in which the man, not yet having known the reality, and at the same time burning with an intense longing to search it, and to obtain it, grows gloomy. He begins to doubt himself, his surroundings, his capacities and powers, as also his ultimate destiny. He doubts the existence of the Supreme and ultimate goodness of the universe. He can hardly realise that God is bliss and that there can be no ultimate sorrow. This is the state of extreme restlessness where a man feels that the life is a misery. Tragedy occupies this third stage of a thinker's life. But this is not the condition of a master. This is unreal and is not the work of a man, who has known himself and his latent powers and who has realised that the culmination of life is not misery, but bliss and that the end is not failure but victory.

It is impossible for a really good man ever to perish.

Tragedy is, as you have rightly shown, the outcome of the play of various warring elements in the complex human life, all of which may be working with the best of intentions. But the Supreme power that guides human destiny will no let the really good perish, even in one life time.

Your book at its close leaves such a feeling behind. It leaves an impression of dismay. If only Vinai had been wounded and lived after a prolonged illness to get married to Sophia, I venture to suggest that the effect of the book would have been better and it would be in keeping with the reality and the eternal laws of God. Both could then have been employed with Ranis Janhvi and Indu to do the Seva work, so rightly cherished by you as the ideal of the book.

A friend points out to me that the death of Vinai is necessary to bring home to the Indian Reader the utter misery and helplessness of Indians under the British Raj. I can not agree to this. Your book is a book not for the guidance and inspiration of contemporary political parties and workers, but comes out of the depths of human heart, exploring every avenue of human experience and feeling, and translating them into words, and thus making it a sourse of delight and inspiration for all time to come. It has to remain a true picture of what is human and what is the ideal of humanity, through the varying circumstances and conditions of future generations. Considerations like this can have therefore no place in a book like yours.

Jagat Narain

کیشو دیو شرما کا خط

’بھارت‘ سپتاہک پتر
لیڈر پریس، پریاگ
8-10-1928

مانیہ ورمہودیہ

آپ کا بھیجی ہوئی ’بھنوی‘ کے لے انیک دھنیہ واد۔ آشا ہے، آپ آگے بھی کرپا کرتے رہیں گے۔ کرپا اپنا فوٹو بھی بلاک بنوانے کے لیے بھیج دیجیے۔ نوجات ’بھارت‘ کی ابھی یہ تو سامرتھیہ نہیں ہے کہ وہ آپ کو پُرسکار دے سکے۔ پھر بھی وہ اپنی شکتی کے انوسار سوداما کے چاول کی طرح آپ کی سیوا کرنے میں اپنا گرو سمجھے گا۔ یدی یہ لکھ بھیجیں کہ یہ مجھ بھینٹ پرتی کالم کتنی ہونی چاہیے، تو بڑی کرپا ہوگی۔

بھودیہ
کیشو دیو شرما
(سہایک سمپادک)

دیانرائن نگم کا خط

کانپور
9 اکتوبر، 1928

بھائی صاحب، کارڈ آیا ہے۔

اس درمیان میں اکثر غیر موزوں رہا، مگر اب اچھا ہوں؛ حالانکہ اب کچھ اور غیر درست رہوں گا۔ مگر خیر، یہ تو دنیا کا کارخانہ ہے۔ آپ اشتہار بھیج دیجیے، میں ریڈنگ میٹر میں دے دوں گا، دوسرے پرچوں میں بھی بھیج دوں گا، جو اس وقت کسی ایک طرف پوری ایک طرح سے کام نہیں ہوگا۔ تھوڑا تھوڑا بہت کچھ کرنا ہوتا ہے۔ ’’اکبر‘‘ نمبر اور رانا پرتاپ کی جلد کا ذکر کرتا ہوں۔ کورٹ میں ممبری بھی مفت قائم رہی، حالانکہ بابو رام پرساد اور بعض دیگر احباب رہ گئے ممبر، اس کے بابت کچھ خیال نہیں رہا، معاف کیجیے گا۔ آج کی

مبارکباد کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کو محبت سے جو اطمینان قلب جو مجھے رہتا ہے، اس کا اظہار زبان سے نہیں ہو سکتا۔ پرسوں 7 اکتوبر کی صبح برخوردار کے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ مجھ سے کہا ہے کہ میں اس کی خبر ضرور لکھ دوں۔ یہ اطلاع دے رہا ہوں۔ والد کے بعد ہم میں ایک نسل آگے بڑھ گیا تھا، مگر میرا شمار اب back میں ہو گیا۔ کل ایک کام کے لیے الہٰ آباد جا رہا ہوں۔ کسی روز لکھنؤ آنے کا ارادہ ہے۔ اپنا نیا پتہ لکھیں، تاکہ تلاش میں زحمت نہ ہو۔ آپ جب چاہیں، آئیں۔ خوشی ہو گی۔

بچوں کو بہت بہت دعا۔

آپ کا، دیانارائن

گھنشیام شرما (پُتر پنڈت رادھے شیام کتھا واچک) کا خط

شری رادھے شیام شرما پریس
بریلی

9.10.1928

شریوتی پریم چند جی
25 مارواڑی گلی، لکھنؤ

شری مان با. پریم چند جی
جے رام جی کی۔

آشا ہے کہ آپ پرسنّا سے ہوں گے۔ بہت دنوں سے آپ کا کوئی کرپا پتر نہیں ملا۔ کئی ماس ہوئے۔ پتا جی نے آپ کو ایک پتر لکھا تھا۔ اس کا اُتّر بھی آپ نے نہیں دیا۔ کیا کارن ہے؟ ایسی رُشٹتا کیوں؟

بریلی جب آپ پدھارے تھے، اس سمے جو اسکیم پاس ہوئی تھی، اس کا کاریہ ابھی تک کچھ نہیں ہوا ہے۔ شیگھرتا کرنا چاہیے۔

یوگیہ سیوا سے سدَیو رکھیے گا۔

کرپا بھاؤ بنائے رہیے گا۔

آپ کا، گھنشیام شرما

بنارسی داس چترویدی کا خط

Vishal Bharat Office,
91 Upper Circular Road, Calcutta,
Dated 10.10.1928

My dear Prem Chand ji,

I am getting rather impatient. You have not yet sent two copies of your photograph. Nor have you sent me some short story books. You promised to write notes on yourself but you haven't yet sent them! Now please do all these things. I didn't very much like Prof. Gaur's sketch of yourself. There was no personal touch in it. I want the notes full of personal touches- with anecdotes and stories. I would like to know about your Maulvi Saheb and about your first attempts, about the people who encouraged you, about your conversion from Urdu to Hindi and so many other things. Please note down these things in the way of a letter to me in English so that I may make use of them for Tara Chand Roy also. Do sit down for a couple of hours for me. Surely I deserve as much time from you as Mote Ram Shastri!

By the way I would like to kill Mote Ram as early as possible- I do not believe in killing by violence. I would like to leave him to oblivion and wouldn't advertise him any more.

Please give an early reply with two photographs. I shall go home on 20th Oct. in Durga Puja vacations. Before that I want the material, notes, photographs etc. I wish we could meet. Can you come to Firozabad just for a day? It is only 7 hours journey

from Lucknow. I wish, I could come to Lucknow, but if I cannot then you should. We shall spend a happy day together.

Yours Sincerely,

B.Das

Anand Rao Joshi wants a sketch of yourself. I wish to give a good sketch. There is no use giving Gaur's, though I am sending it to him.

بنارسی داس چترویدی کا خط

وشال بھارت کاریالیہ

91 اپر سرکلر روڈ، کلکتہ

17اکتوبر 1928

پریہ پریم چند جی،

پتر کے لیے انیک دھنیہ واد۔ میں بیس تاریخ کو گھر جارہا ہوں اور آپ کو سوچنا دوں گا کہ ہماری ملاقات کا سب سے اچھا طریقہ کیا ہوگا۔ لوٹتے وقت میں الہ آباد میں رکنے کا ارادہ رکھتا ہوں، اس لیے شاید میرا لکھنؤ آنا ممکن نہ ہو پر میں کوشش کروں گا۔

میں سندرلال جی کو ایک دن کے لیے فیروزآباد آنے کو کہہ رہا ہوں۔ وہ آپ کی رچناؤں کے بہت بڑے پرشنسک ہیں اور آپ کے اسامپردائک وچاروں کو وشیش روپ سے پسند کرتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ میں نے اپنے پتر میں ایک بھی چیز سامپردائکتا کے سمرتھن میں نہیں چھاپی۔ اتنا ہی نہیں میں بہت بار اس کی ترو آلوچنا کر چکا ہوں۔ پہلے انک میں ہی میں نے لکھا تھا کہ سامپردائکتا ایک ایسا پاپ ہے جس کا کوئی پراشچت نہیں ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ اس پرشن پر ہم دونوں بالکل سہمت ہیں۔ سندرلال جی کے وچار تو اس پرشن پر اور بھی دررڑھ ہیں۔ اگر وہ فیروزآباد آنا منظور کرلیتے ہیں تو میں آپ سے بھی آنے کی پرارتھنا کروں گا اور اگر آپ نہیں آسکتے تو پھر میں لکھنؤ آنے کی کوشش کروں گا۔

ہمارے جنوری کے سوراجیہ انک کے لیے آپ کو ایک کہانی لکھنی ہوگی۔ کرپیا اسے مہینے بھر کے اندر بھیج دیں۔ پریم آشرم کے ڈھنگ کی کوئی چیز بہت اچھی رہے گی۔ لیکن میں اپنی بات آپ کے اوپر لادنا نہیں چاہتا۔ آپ کلاکار ہیں اور جو من چاہے لکھنے کے لیے آپ کو سوتنتر چھوڑنا ہی ٹھیک ہے۔ تاراچند رائے کو آپ کی کہانی 'منتر' بہت اچھی لگی پر ان کا خیال ہے کہ کہانی 'ایک چلم تمباکو کا بھی روادار نہ ہوا' کے ساتھ ختم ہوجانا چاہیے تھی اور میں ان سے سہمت ہوں۔ آپ کیا چیخوف یا دوسرے کسی لیکھک کی کچھ کہانیاں انوواد کے لیے سجھائیں گے۔ ترگنیف کا 'مُومُو' ہم لوگ اس انک میں چھاپ رہے ہیں۔

آپ کا

بنارسی داس

گپت جی پر نگم کا لیکھ، جس کی آپ نے سفارش کی تھی، سچ مچ بہت سندر ہے۔ جتنے لیکھ ان کے بارے میں لکھے گئے ہیں سب سے اچھا ہے۔

کیا آپ کچھ اردو یا ہندی لیکھکوں یا کویوں کے سنسمرن لکھنے کی کرپا کریں گے؟

بنارسی داس چتر ویدی کا خط

The Modern Review
91 Upper Circular Road, Calcutta
17.10.1928

My dear Prem Chandji,

Many thanks for your letter. I am going home on 20th and will let you know what arrangement would be best for our meeting. I intend to break my journey at Allahabad on my return journey and so it may not be possible for me to come to Lucknow but I shall try.

I am asking Sunderlalji to come to Firozabad for a day. He is a great admirer of your writings and specially likes your non-communal views. You may have noticed that I have not published a single thing in favour of communalism in my paper.

Not only that, I have condemned it many a time. In the first number I wrote that communalism is a sin for which there is no प्रायश्चित. I am so glad that we are quite agreed here. Sunderlalji is even stronger on this question. If he agrees to come to Firozabad, I shall request you to come, if not then I shall try to come to Lucknow.

You will have to write one short story for our 'स्वराज्याँक' of January. Please send it within one month. Something in the line of प्रेमाश्रम' will be very welcome. But I shall not dictate to you. You are an artist and must be left free to write as you like. Tará Chand Roy liked your story मंत्र very much but he is of opinion that the story should have ended with एक चिलम तमाकू का भी रवादार न हुआ, and I agree with him. Would you recommend some stories of Chehkow or some other writer for translation. We are publishing Mumu of Turgenev in this issue.

Yours Sincerely.

B. Das

Nigam's article on Guptaji, which was recommended by you, is really excellent-the best that has been written about him.

Can you kindly write reminiscences about some Urdu or Hindi writers or poets?

Address-Firozabad, Dt. Agra

مولوی عبدالماجد دریاآبادی کا خط

25/اکتوبر 1928

کرم گستر

'خاک پروانہ' پہنچ گئی تھی۔ شکریہ ادا کرنا الگ رہا آج کے قبل رسید تک لکھنے کی توفیق نہ ہوئی۔ بہرحال رسید و شکریہ آج دونوں عرض ہے۔ ریویو بھی اگر خدا کو منظور ہے

کچھ روز میں نکل جائے گا۔

'چوگان ہستی' میں نے ایک مسلمان نوجوان دوست کو دے دی تھی جو کلکتہ یونیورسٹی کے تازہ ایم اے (ہسٹری) ہیں اور اردو ادب کا بھی اچھا خاصا مذاق رکھتے ہیں۔ ان سے اور کئی کتابوں پر بھی ریویو لکھوا چکا ہوں۔ آپ کی کتاب جب ان کے پاس بھیجی تو مختصراً بعض Points لکھ دیے تھے کہ ان پہلوؤں کو ریویو میں دکھائیں۔ بدقسمتی سے انھوں نے کتاب کے متعلق ایک بالکل دوسری رائے قائم کی اور آج خدا خدا کرکے ریویو لکھ کر بھیجا۔ میں اس ریویو کو بہ جنس ہی آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ میں اس سے متفق نہیں اور اس لیے اسے شائع بھی نہ کراؤں گا۔ تاہم میں چاہتا ہوں کہ آپ کے نوٹس میں یہ بات آجائے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ اس کتاب کو اس پہلو سے بھی دیکھ رہا ہے۔ میں ریویو نگار کے دعوے کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا۔ مجھے کہیں بھی Anti-Islmism قسم کی ہندوئیت نظر نہیں آئی (حالانکہ میں ریویو نگار صاحب سے کہیں زیادہ Aggressive قسم کا مسلمان ہوں)۔ تاہم آپ کے علم میں یہ ضرور آجانا چاہیے کہ ایک Fanatic جماعت کے نزدیک آپ کی عبارت سے ایسا مفہوم بھی نکلتا ہے۔

بعد ملاحظہ یہ ریویو واپس فرما دیا جائے۔ میں ان صاحب کو واپس کرکے کسی دوسرے صاحب سے لکھواؤں گا۔ خود لکھنے کی فرصت کہاں سے نکالوں۔ زیادہ تسلیم۔

عبدالماجد

ایڈیٹر ''ریاست''، دلّی کا خط

آنند موہن باجپئی کا پتر

213، دوسرا ہاسٹل، ہندو وشوودیالیہ، شری کاشی

10-11-28

شری مان!

''رنگ بھومی'' کی سپھلتا کے اپلکش میں آپ کو بدھائی دینے میں شاید دیر کی، پرنتو یہ کیول اس لیے کہ بدھائیوں کی بھیڑ میں ان پنکتیوں پر آپ کی درشٹی نہ جاتی۔ استو... آشا ہے کہ ایک اپرچت کی اوُر سے ہاردِک بدھائی آپ اب سویکرت کریں گے۔

میں نے تو ''رنگ بھومی'' کو پہلی ہی بار پڑھ کر اس سمّان کی کلپنا کر لی تھی، یدھپی اس سمَے ہندستانی اکادمی کا استِتوَ ہی نہیں تھا۔ ہاں میری کلپنا ہندی کے اس اندھادھندھی کے یگ میں اتنا شِگھر واستوِکتا کا روپ لے سکے گی ایسی مجھے آشا نہ تھی۔ کیونکہ ہندی کے سمالوچکوں کو تو ''بنگ بھاشا پانڈِتیہ پردرشن'' سے اوکاش کم ملتا ہے نہ؟

ہندی لیکھکوں کی پرشنسا میں وے یدی اپنے امولیہ تتھا پوتر سمَے کا کوئی چھن دِیئے کر ڈالے، تو لوگ یہ نہ سمجھے گے انھوں نے وِدیشی ساہتیہ دیکھا تک نہیں؟

رئیسی کا دم بھرنے والا یدی بڑھیا سے بڑھیا عطر کو سونگھ کر بھی ناک نہ سکوڑے، تو لوگ اس کی ولاسانوبھوتی پر سندیہہ نہ کرنے لگیں؟

اِدھر کچھ بھاری بھرکم کِتنیہ ''رنگ بھومی'' اور ''وَینِٹی فیَر'' میں سمبندھ استھاپت کرنے کے پریاس میں اپنی پرتبھا کا سد اُپیوگ کیا کریں، مانو چرتر کی جٹلتا کو سمیکرنوں کی سہایتا کے سُلجھانے کی کسرت کرتے رہے، کرنے دیجیے، منو وِنود کی یہ بھی اچھی سامگری رہے گی۔

بڑے بڑے براشا وادی کلاوِد ساہتِیک آلپس کی چوٹی پر چڑھ کر کلا بازی کیا کریں، ہرش ہے، ''رنگ بھومی'' کو تو اپنا استھان ملنا ہی تھا۔ اب نہیں تو سمَے آنے پر۔

ہرش ہے کہ اکادمی نے اپنا کرتبیہ پالن کر کے اپنی پرِمارجت روچی کا پریچے دیا ہے۔

دھرِشٹتا کو شما کر کے یہ بھینٹ سوِیکرت کیجیے گا۔

سوِنَے

آنندموہن باجپئی

خواجہ غلام السیدین کا خط

علی گڑھ

12 رنومبر 1928

مکرمی، تسلیم!

مجھے آپ سے ذاتی طور پر شرف نیاز حاصل نہیں ہے لیکن میں بہت عرصے سے آپ کی دلنشیں تصانیف اور افسانوں کو شوق سے پڑھتا رہا ہوں اور آپ کے ادبی ذق اور

قابلیت کا مداح ہوں۔ میں نے ابھی حال میں اپنے محترم دوست سید سجاد حیدر صاحب کے توسط سے آپ کا نیا ناول 'چوگان ہستی' پڑھا۔ میں اس تصنیف پر آپ کو نہایت خلوص اور گرم جوشی سے مبارک باد دیتا ہوں۔ میں نے انگریزی اور دوسرے یورپی ممالک کے افسانے بہت بڑی تعداد میں پڑھے ہیں اور میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آپ کا یہ ناول ان سے صف اول کے ناولوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ گزشتہ چند ماہ میں ہندستان کی Creative Genius نے دو زبردست چیزیں پیدا کی ہیں۔ایک نہرو رپورٹ اور دوسری چوگان ہستی۔ میری خواہش اور استدعا ہے کہ آپ اردو ادب کی خدمت اور سرپرستی کو جاری رکھیں۔ اگر آپ نے اس طرف سے اپنی توجہ کو ہٹا لیا تو یہ نہ صرف اردو ادب پر ظلم ہوگا بلکہ خود اپنی غیرمعمولی ادبی قابلیت کے ساتھ ناشکری ہوگی۔

امید ہے کہ آپ اس پرخلوص اور دلی ہدیہ تہنیت کو قبول کریں گے۔

نیازمند

خواجہ غلام السیدین

یوسُف حسین کا خط

گوال منڈی،

لاہور

20-11-1928

مکرمی محترمی، تسلیم!

آپ کے خط کا جواب دیر سے دے رہا ہوں۔ مصروفیت زیادہ رہی ہے۔ آپ پچاس جلدیں بھیج دیجیے۔ بعد وضع کمیشن کتابیں فروخت کر کے رقم بھیج دی جائے گی۔ کوئی اور بھی آپ کی اردو کتاب ہو تو وہ بھی ساتھ بھیج دیجیے۔ میں ہر خدمت کے لیے تیار ہوں۔

یوسُف حسین

رجسٹرار، علی گڑھ وشووِدیالہ کا پتر

رجسٹرار آفس، مسلم یونیورسیٹی، علی گڑھ

21-11-1928

مکرمی، سلام!

آپ کا خط ملا۔ یادآوری کے لیے شکرگزار ہوں۔ میں نے آپ کا افسانہ ''چوگانِ ہستی'' پڑھا۔ میں آپ کو ایک ایسی عظیم الشان تصنیف پر سچے دل سے نہایت مودبانہ مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ آپ کی تصنیف کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ یہ اردو کا ایک بہترین ناول ہے۔ اگرچہ ''بازارِ حسن'' بھی آپ کی ایک مارکہ اعلیٰ تصنیف ہے، لیکن ''چوگان ہستی'' سے میں اس سے بہتر تصور نہیں کرتا۔ اگر ''بازارِ حسن'' ایک مخصوص طبقہ ایک محدود جماعت ''سیمِت ورگ'' کی اصلاح اور مفاد کے لیے ایک کامیاب سعی ہے، تو ''چوگان ہستی'' ایک قوم کی بہبود اور بہتری کے لیے بہترین کتاب ہے۔ اس سلسلے میں لگی لپٹی کوئی چیز نظر نہیں آتی، یہی آپ کی قلم کی خوبی ہے۔ آپ نے عام زندگی اور طرزِ معاشرت اور اس کی اصلاح پر بہترین خیالات پیش کیے ہیں۔ اس کے بعد کوئی گنجائش اس سلسلے میں لکھنے کے لیے نہیں چھوڑی۔ پھر ایک مرتبہ مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

آپ نے اس ناول کو لکھ کر قوم پر ایک بڑا احسان کیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں اس کی تعریف لکھنے میں حق بجانب ہوں یا غلط۔ آپ کے تمام افسانے، جو نظر سے گزرتے رہے ہیں، آپ کی قلم کو چوم لینے کو جی چاہتا رہا۔ خدا آپ کی عمر دراز کرے۔

خاکسار، جاوید

سمھوتہ رجسٹرار

مہتاب رائے کا خط

از دارا پور

23 نومبر 1928

جناب بھائی صاحب، قبلہ آداب!

میں بابو خیرالدین کے یہاں اس موقعے پر تو نہ جا سکا، پر دیوالی کی چھٹی میں گیا تھا

اور اس لڑکے کی بابت سب باتیں دریافت کیں۔ لڑکا بہت ہونہار اور خوبصورت اور تندرُست ہے۔ بی۔اے۔ میں تعلیم پاتا ہے، مگر ماں باپ نہیں ہیں۔ خاندان بڑا ہے، چچا اور کئی بھائی اچھی جگہ پر کام کرتے ہیں۔ چچا وکیل ہیں۔ اس شادی کے طے ہو جانے میں کوئی دقّت نہیں ہے۔ دوسرے لڑکے اور ہیں۔ بلیا ضلع میں ہیں اور وہ سب جج کے لڑکے ہیں اور تعلیم پاتے ہیں۔ ان کی بابت میں خیرالدین سے کہہ آیا ہوں کہ وہاں جا کر ان سے دریافت کریں۔ اور ایک چکّر گورکھپور کا لگا لیں۔ اگر بڑے دن کی چھٹی میں ہو سکا تو میں ہی ان کے ہمراہ گورکھپور جاؤں گا۔ والدہ صاحبہ ہوئی میں ہی ہیں اور ان کا للن وغیرہ بنارس میں۔ اگر ہو سکا تو ایک آدھ مہینہ میں ان کو یہاں لانے کی کوشش کروں گا۔ بھاوجہ صاحبہ کی طبعیت کا حال کچھ نہیں معلوم ہوا کہ اب کیا حال ہے، اور کوئی تازہ حال نہیں ہے۔

بچوں کو دعا اور پیار!

خادم، مہتاب رائے

رام چند ٹنڈن کے خط

29, Muir Hostel,
Allahabad
26.11.28

My dear Prem Chandji,

It is really long since I heard anything from you. Perhaps you will let me have a line from you now and then. I am sending herewith translation of a story of Chirikov, the famous Russian realist. The original is a veritable gem. I wonder if I have been able to render it properly. Will you please publish it as early as it may be possible? My next story would be Turgenev's 'Dream'.

I am yet unaware of the fate of my story 'Kasauti' translated

from Stevenson. I have long waited for its publication. I like that story very much and perhaps I will revise or rewrite it. So, may I have the MS. along with some other translations of mine from Stevension, which are with you?

I trust you are doing quite well. Are you not coming to Alahabad recently? When you were here last you didn't come to see me. Remember me to Sri Krishna Behari Misra.

Very sincerely yours,
R.C. Tandon

پروفیسر تارا چند رائے کا خط

Prof. Tarachand Roy (Lahore)
27. 11.1928

Berlin- Wilmersdorf, den
Hohenzollerndamm 161 BIII r.

Dear Premchand ji,

Pandit Benarasi Das Chaturvedi wrote to me once that he had requested you to favour me with a copy of each of your works. I am sorry to say that I have not heard from you as yet. I have been reading your excellent प्रेम-प्रमोद' with my students and they have all enjoyed the wonderful Short-stories in this collection. I shall be highly obliged to you, if you would kindly let me know what the word 'पौरा' on page 144, line 20 means, and how you construe the sentence in the context. I am sorry that I have not been able to find that word anywhere. Swami Satya Deva and Muni Jina Vijaya, whom I have consulted here, have not made out anything either. It is presumably a word current in your province.

I read sometime back in a *journal that your works* were going to be translated into English. Have the translations been published? If so, where and by whom?

I need not emphasize the fact that you are the greatest Hindi writer of modern times. You have interpreted India as she lives, moves and has her being in our days. You have brought your master mind to bear upon the life-and-death problems of our 'Mother country'. May I request you to give us in the near future the story of your own life cast in the mould of artistic expression and apparelled in the robes of poetic brilliance?

I have been receiving the 'Madhuri' regularly like other Hindi monthlies, but I am sorry, I have not got the 'विशेषांक' up to now. Will you please see to it that the 'Madhuri' is sent to me without break. I am the only pioneer of Hindi and Indian culture in Berlin and will always be thankful for every sort of help I receive_from home in this connection.

I have just returned from wiesbaden, one of the most famous sp as of Germany, where I had been invited to address a gathering of 1500 people in a big-hall on Indian culture. I am glad to inform you that the lecture was a great success. In December I have been invited to speak in the Rhineland. I am trying to contribute my mite to the service of our mother land in foreign countries.

Wishing you best health and success and hoping to hear from you soon.

Sincerely yours.
Tarachand Roy

دشرتھ لال کا خط

(سمبھوتہہ دسمبر، 1928)

مہودیہ،

آپ کا پتر ملا۔ ایسا پتر تو سوبھاگیہ اُدیہ سے ہی پراپت ہوتا ہے۔ آپ نے اپنا پورا پریچے نہیں دیا ہے، پر مجھے پتہ چل چکا ہے۔ سورج کو چراغ لے کر نہیں دیکھا جا تا۔ آپ کی طرح مجھ پر ایک مہان اُتر دایتیو ہے اور اس سے مجھے ابار لینے کے لیے آپ کا سہیوگ بھی اتنا ہی آوشیک ہے۔

یہ آوشیہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ دیہات ہے، ساجِک کُریتیوں کا ابھاؤ یہاں بھی نہیں ہے، یدی مجھے اور انومانتہہ میری ساس صاحبہ کو بھی اس کی زیادہ پرواہ نہیں ہے۔ تو بھی اس گھر کے ایتہاس، اس کی پرتشٹھا اور مریادہ کے پرکاش میں، میرے کرتبیہ پالن میں کچھ وِشیشتائیں رہیں گی اور مجھے آشا ہے کہ آپ اس کی سووِدھا مجھے دیں گے۔ اَتہ مجھے پہلے سے معلوم ہو جانا چاہیے کہ شادی میں آپ کتنا خرچ کرنا چاہتے ہیں اور اس خرچ کا کتنا حصہ ایسا ہوگا جس سے مجھے ویوہارِک سہایتا مل سکے گی، اور یہ بھی اسپشٹھ کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ کسی رئیس کا گھر نہیں ہے۔ سادھارن زمینداری پریوار ہے، اور لڑکا اپنے گھر کا آپ مالک ہے۔ ہاں، دال روٹی کا سکھ اسے آوشیہ پراپت ہے۔

آپ کا، دشرتھ لال

آنند موہن باجپئی کا خط

213 دوسرا ہاسٹل

ہندو وشو وِدھالیہ

شری کاشی،

10.12.28

شری مان!

'رنگ بھومی' کی سپھلتا کے اُپلکچھیہ میں آپ کو بدھائی دینے میں شاید دیر کی، پرنتو یہ کیول اس لیے کہ بدھائیوں کی بھیڑ میں ان پنکتیوں پر آپ کی درشٹی نہ جاتی۔ استو...

آشا ہے کہ ایک اُپریکت کی اُور سے یہ ہارِدک بدھائی آپ اب سوِکرتی کریں گے۔

میں نے تو 'رنگ بھومی' کو پہلی بار ہی پڑھ کر اس سمان کی کلپنا کر لی تھی۔ یدھپی اس سمے ہندوستانی اکادمی کا اَستِتو ہی نہ تھا۔ ہاں، میری کلپنا ہندی کے اس اندھا دھندھی کے یوگ میں— اتنا شیگھر واستوِکتا کا روپ لے سکے گی، ایسی مجھے آشا نہ تھی، کیوں کہ ہندی کے سمالوچکوں کو تو 'بنگ بھاشا پانڈتیہ۔ پردرشن' میں اوکاش کم ملتا ہے نہ؟

ہندی لیکھکوں کی پرشنسا میں وہ یدی اپنے امولیہ تتھا پوتر سمے کا کوئی شن دَے کر ڈالیں، تو لوگ یہ نہ سمجھیں گے کہ انھوں نے وِدیشی ساہتیہ دیکھا تک نہیں؟

رئیسی کا دم بھرنے والا یدی بڑھیا سے بڑھیا عطر کو سونگھ کر بھی ناک نہ سکوڑے، تو لوگ اس کی ولاسا نبھوتی پر سندیہہ نہ کرنے لگیں گے؟

ادھر کچھ بھاری بھرکم گڑی تکیہ 'رنگھ بھومی' اور 'وَینیٹی فیئر' میں سمبندھ استھاپت کرنے کے پریاس میں اپنی پرتیبھا کا سدوپیوگ کیا کریں، مانو چرِتر کی جٹلتا کو سمیکرنوں کی سہایتا سے سلجھانے کی کسرت کرتے رہیں، کرنے دیجیے— مَنو ونود کی یہ بھی اچھی ساگری رہے گی۔

بڑے بڑے نراشاوادی کلاوِد، ساہتیک آلپس کی چوٹی پر چڑھ کر کلا باجی کیا کریں— ہرش ہے 'رنگ بھومی' پر انھوں نے کلا باجی نہیں دکھائی، انیتھا درشکوں کا خاصا منورنجن ہو سکتا— پرنتو 'رنگ بھومی' کو تو اپنا استھان ملنا ہی تھا۔ اب نہیں تو سمے آنے پر—

ہرش ہے کہ اکادمی نے اپنا کرتویہ پالن کر کے اپنی پریجت روچی کا پریچیہ دیا ہے۔ گھرشٹتا کو چھما کر کے یہ بھینٹ سوِکرتی کیجیے گا۔

سوِنیہ
آنند موہن واجپئی

آنند راؤ جوشی کا خط

आनन्द राव जोशी
फडणीसपुरा, नागपुर सिटी

25th Dec. 1928

Dear Premchandji,

I acknowledge the receipt of your kind letter of the 15th inst. I was exceedingly glad to receive the information I asked for in my previous letters. Be it under strong protest or anything else, I think myself fortunate in that I could exact the necessary information from you for a purpose, the utility and value of which can not be questioned. I am prepared to bear any wrath or displeasure for such a sacred purpose.

You must have received by Book-post a copy of the printed article, I mean 'सुप्रसिद्ध हिन्दी कथालेखक श्री प्रेमचन्द यांचा परिचय' published in the 'महाराष्ट्र' of Nagpur. I wish you could have sent your information when you received my first letter, so that I would have been able to include the same in this 'परिचय'. However I am going to do so in the article 'श्री प्रेमचन्द यांचे चरित्र' which I am going to publish along with the stories. I wish you could oblige me with a copy of your recent photographs to be published along with this 'चरित्र'. How I wish that you could send a copy for my personal use — a copy that I would keep with me as a token of personal appreciation and respect for a distinguished novelist of your type.

I do not know exactly whether your collection of stories entitled 'मोटेराम शास्त्री' has been published or not. I am eager to translate the same before I take-up 'निर्मला'. I wish you could advise me in this connection.

I admit I am not so well versed in Hindi and that I shall be more careful in studying this language. I would like to assure

you that I was not sorry to receive your kind suggestion and that I am trying my level best to improve the same. As regards the article 'पूना के आन्दोलन', I would like to say that it was written probably in August, 1927 and since then, I think, I have made a considerable progress in this direction. Please see that all words written in English with in the brackets are omitted and that this article is duly improved. May I know when would it be published.

I am,
Yours Sincerely,
Anand Rao Joshi

تارا چند رائے کا خط

Hohenzollerndamm
Berlin, Wilmersdorf
Germany

(سمبھوتہ: 1929 کا آرمبھ)

پریم چند جی،

میرا پتر آپ کو پہنچ گیا ہوگا، پرنتو مجھے اس کا اُتر ابھی تک پراپت نہیں ہوا۔ بنارس کاریالیہ سے 'ہنس' بھی نہیں آیا۔ میں نے آپ سے پرارتھنا کی تھی کہ آپ مجھے 'ہنس' برابر بجھواتے رہیے گا۔ بنارس کاریالیہ سے بھی میں نے یہی ونتی کی تھی، پرنتو ابھی تک کوئی اُتر نہیں ملا۔ آپ مجھے 'ہنس' کے سب انک روانہ کروا دیجیے۔ میں ان کو دیکھ کر 'ہنس' کے لیے کوئی نہ کوئی لیکھ بھیجوں گا۔ آپ کا نیا اُپنیاس 'پرتیگیا' ایک بڑی اُتّم رچنا ہے۔ پڑھتے پڑھتے ہردیہ آنند سے پلاوِت ہو گیا تھا۔

اب میں نے 'کایا کلپ' پڑھنا شروع کیا ہے۔ Please favour me with a short autobiography. 'مادھوری' کے لیے بھی میں نے لکھ بھیجوں گا۔

بھودِیہ، تارا چند رائے

بنارسی داس چترویدی کا خط

Vishal Bharat,
91, Upper Circular Road,
Calcutta.
(सम्भवत: नवम्बर 1929)

My dear Prem Chandji,

Do come to stay with me. We shall be quite happy. The Editor of the 'Vishal Bharat' will cook for you. Though you may not relish his very simple dishes, there will be real श्रद्धा behind them which cannot be found in hotels or public kitchens. I am staying here at the office. Please inform me of your arrival.

I can easily arrange for your ticket. Do not bother about it please. It has almost been arranged.

I have so many things to talk about. I read a letter in the 'Bharat' in my defence. Is it yours?

Hoping you are quite well.

Please send me a story if you can. We want one story for December and one for January.

Yours Sincerely,
B. Das

پروفیسر تارا چند رائے کا خط

Prof. Tarachand Roy (Lahore)
Berlin Korrespondents 'Vishal Bharat'
Kalkutta Europaischer Korrespondent der
'Tribune', Lahore'

Lektor am Indogermanischen Seminar
der Universitai Berlin

Berlin- Wilmersdorf, den
Hohenzollerndamm 161B
29 January, 1929

My dear Premchand ji.

My heartiest thanks for your very kind letter and a number of books that I have just received from the Saraswati Press, Benares City. It would be very kind of you if yon would request the publishers of your other works to send me a copy of these at their earliest convenience.

I am highly thankful to you for 'the explanation of the word 'पौरा'. I have noted a few more points in some of your works, but I shall write you about them another time. Since I am in a great hurry at this moment, I am leaving for a town in Eastern Germany within half an hour. I have been invited there to deliver a lecture on my beloved motherland.

May I request you to instruct the office of your paper 'Hans' to send me the journal regularly. I shall be glad to send you something for publication, after I have gone through the issues that have been published up to now.

You will hear from me again a fortnight hence.

With best wishes and kindest regards,

Yours Sincerely,
Tarachand Roy

P.S.

I shall be highly obliged to you, if you would request all the editors and publishers of Hindi magazines and books that you know personally to favour me with their journals and new publications regularly. I may remain in constant touch with...... done in this direction at home.

حنیف ہاشمی، لاہور کا خط

13، بیڈن روڈ، لاہور،

30 جنوری، 1929

مکرمی منشی صاحب، ہدیۂ نیاز!

مولانا تاظر نجیب آبادی کا مکتوب آپ کی خدمت میں پہنچ چکا ہے۔ یہ عرضی محض یاد دہانی کے لیے تحریر کیا جاتا ہے۔ ''ادبی دنیا'' کا پہلا پرچہ 15 مارچ کو شائع ہوگا۔ بارِ ادارت نیاز مند کے دوش پر ہی ہے۔ انتظام یہ کیا گیا ہے کہ اہل وطن کے سامنے مشرق اور مغرب کا جدید و قدیم لٹریچر پیش کیا جائے۔

آپ سے بھی اس قدر عرض کیا چاہتا ہوں کہ للّٰہ ''ادبی دنیا'' کے لیے عیانت میں فرمائش کو مدنظر نہ رکھیے، کیونکہ فرمائشی مضامین قارئین کی طبیعت پر ہی بار نہیں ہوتے بلکہ ان سے مصنف کی شہرت پر بھی اثر پڑتا ہے۔ انکار جو اخلاص پر مبنی ہو، ہمارے لیے زیادہ عزت افزا ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ مجبوراً کچھ لکھ کر ارسال فرمائیں۔

بہ السلام،

جواب خط کا متمنی

نیاز آئند، حنیف ہاشمی

ڈاکٹر تارا چند کا خط

Dr. Tara Chand
M.A., D. Phil. (Oxon)
The General Secretary
Hindustani Academy
United Provinces,
Allahabad

Allahabad
Dated Feb. 6, 1929

To,
B. Dhanpat Rai
Naval Kishore Press,
Lucknow

Sir,

I have the honour to inform you that the Council of the Academy has elected the following committee of Judges for the award of prizes on the best work in Urdu-on general literature. I hope you will kindly accept the membership of the said committee and send me an early intimation of your acceptance.

A copy of the suggestion regarding the award of prizes is here with enclosed.

Members—

I. B. Dhanpat Rai
2. M. Syed Sajjad Haider
3. M. Rashid Ahmad Siddiqi (convener)
4. M. Norrul Hasan'Nayyar'
5. M. Niaz Ahmad Khan, Fatehpuri

I have the honour to be,
Sir,
your most obediant servant .
Tara Chand

سیّد عنایت حسین ''زمانی'' کا خط

24-02-1929

مکرمی، تسلیم!

پریم بھولنے والی چیز نہیں۔ میرا بہت عرصے سے بازو اتر گیاہے۔ سخت چوٹ آئی تھی، جس کے باعث پابندِ بستر بنا ہوا ہوں۔ دایاں بازوں اترا تھا، جس کے سبب خط و کتابت کرنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ خط نہ بھیجنے کی یہی وجہ تھی۔

''سوزِ وطن'' مجھے اختر صاحب سے مل گیا تھا۔ ''کربلا'' کا مسودہ ''زمانہ'' نے نہیں بھیجا۔ ایڈیٹر ''زمانہ'' صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ''کربلا'' کے پورے نمبر ان کے پاس محفوظ نہیں ہیں۔ وہ ارسال کیے جائیں گے۔ اگر آپ مکمل کا انتظام کر دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ ''کربلا'' کتابت کے لیے دے دیا گیا ہے۔ قصّے ''خواب و خیال'' میں 14 آئے ہیں۔ ایسا ''خاکِ پروانہ میں اگر افسانے تعدادی 15-14 ہو جائیں تو ارسال فرماویں۔ فروری ''زمانہ'' نمبر میں اسی طرح دیکھ سکتا ہوں کہ آپ مجھے ارسال فرماویں۔ ''کِشنا'' کہ بابت آپ نے نہیں لکھا کہ وہ ملا یا نہیں۔ اگر ہو سکے تو وہ بھی روانہ فرماویں، یعنی نئے قصے، مضمون ''کربلا'' والا مکمل فائل۔ ''کِشنا'' ناول، شادی کی بابت جو آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

بفضلِ تعالیٰ امداد میں کوتاہی نہ ہوگی۔ میں چلنے پھرنے کے لائق اور ہاتھ قلم پکڑنے کے لائق ہو گیا تو ان کی اشاعت کا بندوبست ہوگا۔ التوا کا باعث بس یہی شکایت ہے فی الحال زیادہ زیادہ۔ امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔

سیّد عنایت حسین ''زمانی''
حضرت سیّد مبارک علی صاحب
میرِ کا، 24 فروری، 1929

ہندستانی اکیڈمی کا خط

The Hindustani Academy
United Provinces
Allahabad

Feb. 28.1929

Dear Sir,

I herewith send you under a separate cover a copy of 'Justice' by Galsworthy. The book is to be translated into Hindi. I hope you will be able to send the MSS. of translation by the end of March next.

The Committee has sanctioned a remuneration of Rs. 2/- per page Royal octave size in English plus 10% royalty on the book sold. A copy of 'strife' and 'Silver Box' by the same author will be sent to you for translation as soon as they are received from the book-sellers.

Yours faithfully,
Satya Jiwan Verma
Superintendent

B. Dhanpat Rai B.A.
Naval Kishore Press,
Lucknow

درشتھ لال کا خط

اُجین

07-03-1929

شری مان بابو جی، نمستے!

آپ کا کرپا پتر و فوٹو پہلی تاریخ کو ہی یہاں آکر ملے تھے، پر میں ایک سپتاہ کے

لیے بروده و سورت چلا گیا تھا۔ آج ہی واپس آیا ہوں۔ یہی کارن ہے کہ اُتر شیگھر نہ بھیج سکا۔ مجھے کھید ہے کہ آپ کو کچھ سمے تک وِیَرتھ پرتکشا کرنی پڑی۔

کداچت یہ کہنے کی آوشیکتا نہیں کہ میں نے یہ چتر آپ کے سنتوش کے لیے نہیں کِنتو واسودیو کے لیے منگایا تھا۔ لکھنؤ میں آپ کے بات چیت کے پرسنگ میں کچھ ایسی سمسیایوں اور گھٹناؤں کا اُلیکھ سنا تھا جن پر ور پکچھ کا دھیان بہودہ بہت کم رہتا ہے، پرنتو یہ سمجھ کر کے آپ جیسے مہانو بھووں کے شری مکھ سے نکلا ہوا ایک شبد بھی نِرارتھ نہیں ہو سکتا، مجھے اپنے اتردایتو کا بوجھ اور بھی ادھِک جان پڑنے لگا ہے۔ اس لیے میں نے آپ سے دوسری فوٹو کے لیے آگرہ کیا تھا۔

دیوری سے آئے ہوئے پتروں سے وِدِت ہوتا ہے کہ میرے مِتر کی ودھو نے آپ کی کنیا کے ساتھ کچھ سمے ایکانت میں بھی ویَتیت کیا ہے اور پرایہہ سَم ویسک ہونے کے کارن ایک دوسرے کے بھاوؤں کو بھلی پرکار سمجھ بھی سکیں ہیں۔ مِتر ودھو کا انومان ہے کہ یدی کسی کارن سے یہ پرستاو استھِر نہ رہ سکا تو کنیا کو اکتھنیے کشٹھ ہوگا۔ میں بڑے دھرم سنکٹ میں پڑ گیا ہوں۔ میں نہ تو کنیا کو نِراش کرنا چاہتا ہوں، نہ ورکو۔ میں انھیں اس دامپتیہ پریم سے پری پورن دیکھنا چاہتا ہوں، جو پرتیک یووک کا یوتی کا جنم سِدھ ادھیکار ہے۔ آپ میری پرِستھِتی پر وِچار کر لیں اور ایسی یُکتی نکالیں جس میں ور ودھو دونوں سکھی ہوں (جو ویواہ کا مکھیہ ہیتو ہے) اور آپ کو شانتی ملے۔

یدی آپ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ سمبندھ پکا ہو چکا تو میری اور سے بھی پکا سمجھیے۔ کیول میری ایک بات آپ کو نِبھانی ہوگی، جو میں یہاں اسپشٹ کر لینا چاہتا ہوں۔ آشا ہے کہ میرے سنکیتانوسار آپ نے -/4000 کا جو سنکلپ کیا ہے، آپ اس پر استھِر ہوں گے۔ دیوری سے آئے پتروں کو دیکھ کر آپ کو لکھنا پڑتا ہے کہ آپ تِلک میں -/2000 دو ہزار نقد بھیجیں و -/500 کا دروازہ اور -/500 وِدائی کے نِمِت رکھیں، ارتھات باقی -/1000 میں دوسرے خرچوں سے نپٹ لیں۔ بات یہ ہے کہ ایک بار -/2000 کا تِلک اسویکار کیا جا چکا ہے، اس لیے یدیپی اماں یہ نہیں چاہتیں کہ آپ حیثیت سے زیادہ خرچ کریں، تتھا پی وے یہ آوشیہ چاہتی ہیں کہ آپ اسے اس پرکار کیوں نہ خرچ کریں کہ جس سے ادھِک سے ادھِک شوبھا، سنتوش اور شریہ پراپت ہو۔ آپ کی آرتھِک سووِدھاؤں کا پرچے میں

پہلے ہی لے چکا ہوں۔ اوپر لکھے انو-سار ویئے کرنے میں بھی آپ کو وِشیش آپتی نہیں ہو سکتی۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کو زیور کچھ نہ بنوانا پڑے گا، صرف نتھنی بنوانا پڑے گی، باقی زیور تو آپ کے عزیز و اقارب اگر دینا چاہیں تو پَے پوجنی یا وِدا کے وقت دے سکتے ہیں اور نہ دیں تو کوئی تقاضا نہیں ہے۔ آپ کی ایک ہی لڑکی ہے اور وہ نِردھارِت سیما کے اندر ہی ارتھ ویئے کرنے سے یدی اسے منوانچھت ور ملتا ہے، تو میری سمجھ میں آپ کو اس پوِتر کاریہ سے کرِت کرتیہ ہو جانا چاہیے۔ شیش بھوشیہ کے ہاتھ میں ہے۔

میں بہت جلدی دیوری پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ یدی اوپر لکھی ویوستھا آپ کو سویکار ہے(اسویکار کرنے کا مجھے کوئی کارن نہیں جان پڑتا) تو آپ پوروَ نشچت 17 یا 18 مارچ تک دیوری آ جاویں۔ میں اس کے پوروَ ہی دیوری پہنچ جاؤں گا۔ آپ اس پتر کا اُتر دیوری بھیجیں اور 17 یا 18 مارچ تک یا تو جھانسی بِنیا ساگر ہوتے ہوئے دیوری آ کر رسم ادا کر دیں، اور جبل پور سے واسودیو کو دیکھتے ہوئے الہٰ آباد ہوتے ہوئے لکھنوَ پہنچ جاویں، اتھوا الہٰ آباد ہوتے ہوئے جبل پور آیئے اور واسودیو کو دیکھ کر کَریلی اسٹیشن کی راہ دیوری آیے اور رسم ادا کر کے ساگر بِنیا جھانسی ہوتے ہوئے لکھنوَ پہنچ جایئے۔ میری سمجھ میں پہلے آپ کو جبل پور ہو کر پھر دیوری آنا چاہیے، جس سے آپ کو کسی پرکار کی دُوِیدھا یا شنکا نہ رہ جاوے۔ آپ لڑکے کو دیکھ کر اپنا جی بھر لیں۔

پھلدان کے لیے یہاں چاندی کے کٹورے وغیرہ کا رِواج نہیں ہے۔ صرف ایک ناریل اور جو کچھ نقد آپ دینا چاہیں، اس کی ضرورت ہو گی۔ آپ چاہیں تو -/111 دیجیے، نہیں تو پانچ اشرفیاں ٹھیک ہوں گی۔ اشرفیوں کا پربندھ نہ ہو سکے تو 5 گِنّیوں سے بھی کام نکل سکتا ہے۔ یوں تو پھلدان 5 سے بھی ہوتا ہے، پر ایسا کرنا آپ کی شان کے باہر ہوگا۔ آپ جب آویں تو لڑکی کے ہاتھ کی چوڑی آوشیہ لیتے آیئے یا ہاتھ کا کوئی زیور جو ٹھیک بیٹھتا ہو۔ شیش شُبھ۔ ماں جی کو پرنام و بچوں کو پیار کہیے گا۔

منگلا کانشی،

دشرتھ لال

دشرتھ لال کا خط

اجین

07-03-1929

شری مان بابو جی، سادر نمستے،

آج ہی آپ کو ایک پتر اس کے پہلے لکھ چکا ہوں۔ اس میں مکھیتا دو ہی سمسیاوں پر سویکرتی نردھارِت کی گئی ہے، ایک تو اسپشٹ ہی ہے۔ ارتھات یہ کہ آپ پوروَ نِشچِت -/4000 کے بیَے سنکلپ کو اس پرکار وِبھاجِت کریں کہ -/2000 نقد تِلک میں دیویں و دروازے میں -/500 اور وِدائی میں -/500، شیش -/1000 میں کھلانے پلانے اور دوسروں خرچوں کو نِپٹا لیں۔دوسری سمسیا تھی واسو دیو کولڑکی کے وِشے میں سنتوش کرنا۔ آپ کو پتر بھیجنے کے بعد اس کا پتر ملا۔ اس کے پتر سے مجھے بڑا ساہس ملا جس اُتر دایتو کے بوجھ سے میں گھبرا رہا تھا، وہ ہلکا جان پڑنے لگا، مانو ٹیک مل گئی۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی بہن لکھنؤں جا کر لڑکی کو دیکھ لے۔ آشا ہے کہ اس سے آپ کوکچھ آپتّی نہ ہوگی۔لکھنؤ میں تو آپ نے تو سویم کہا تھا کہ ماں جی چاہتی ہیں کہ واسو دیو کی ماں خود آ کر لڑکی کو دیکھ لے، اور پھر سب لوگ بنارس جائیں و گنگا اسنان کریں، اِتیادی۔ ات ایو یدی باسو دیو کی ماں کے استھان میں بہن آوے تو میری سمجھ میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ آگے جیسا آپ سمجھیں۔ شاید ماں جی نے بھی راجا رام جی کی مامی سے کہا ہے کہ جو چاہے سو لڑکی کو دیکھ لیں، مجھے کچھ عذر نہیں ہے۔

بس یہ دو شرطیں ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو آپ کی سووِدھا اتھوا سامرتھیہ کے باہر ہو۔ میری سمجھ میں تو اب آپ کی اور سے سمبندھ پکا ہو چکا ہے، اور یدی میری مِتر ودھو کا انومان غلط نہیں ہے، تو کنیا نے بھی ایسا ہی سمجھ رکھا ہے، تو ہم لوگوں کو ایک بار سیوا میں پھر آنے کی آگیا دیجیے۔ اس کے بعد آپ آسکتے ہیں اور رسم ادا کر سکتے ہیں یا آپ ہی پہلے لڑکے کو دیکھ لیجیے۔ ایک دن کے لیے دیوری بھی پدھاریے۔ اس کے بعد نِشچِت سمجھ کر ہماری شرطیں سوکرِت کیجیے اور لکھنؤ آنے کی آگیاں دیجیے۔ جیسا آپ سمجھیں کریں، مجھے اس میں ادھِک بھید نہیں معلوم ہوتا۔ پھل دان جیسا دیوری میں ہو سکتا

ہے، ویسا ہی لکھنؤ میں بھی ہوسکتا ہے۔

کرِپیا اس پتر کا اُتر شیگھر ہی دیوری بھیج دیجیے گا۔ نشچے آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میں کیول اپنے اُتردائتو کا سمپادن اس پرکار کرنا چاہتا ہوں کہ ور اور کنیا دونوں سکھی رہیں اور میرا اور آپ کا ادھیوگ پورن روپ سے سپھل ہو۔

منگلا کانشی،

دشرتھ لال

مبارک علی شاہ گیلانی، لاہور کا خط

'نیرنگ'' ہیلی روڈ، لاہور

20-03-1929

مکرمی مشفقی، سلامت!

آج ایک ڈرافٹ 400 روپیہ آپ کو روانہ کیا ہے۔ امید ہے، وصول پا کر رسیدگی ارسال بخشیں گے۔ آج بہ فضل اللہ تعالیٰ ڈیڑھ ماہ سے بیمار تھا، باہر نکلا ہوں، اور اپنے ہاتھ سے یہ کارڈ لکھ رہا ہوں۔ اگرچہ ہاتھ پورا پورا کام نہیں کر رہا، لیکن اتنا بھی غنیمت ہے۔ ''زمانہ'' کی طرف سے 23 جنوری، 1929 کا کارڈ برائے اطلاع جلد کرنے نمبر ''زمانہ'' کے آیا ہوا ہے۔ میں اپنے فرض سے باخبر ہوں۔ میں بھی ایک آدمی ہوں۔ اتنے دنوں تک پابندِ بستر رہا تھا، بازو اترنے کا بہانا ہوگیا۔ فی الحال زیادہ زیادہ۔

دعا گو

سیّد مبارک علی شاہ گیلانی

مبارک علی شاہ گیلانی کا خط

محترم و مکرم جناب، تسلیم!

مزاج شریف! آپ کے مرسلائے ''قصص و کربلا'' مجھے مل گئی، لیکن جتنے قصص آپ نے مجھے بطور یاداشت لکھ کر دیے تھے، ان میں یہ قصص مجھے آپ نے نہیں روانہ فرمائے۔ ''انتقام''، ''خونی''، ''مندر و مسجد''، ''الزام''۔ ہاں، ان کے علاوہ میں نے دو قصے ''توبہ'' اور

''راہِ نجات'' ''ریاست'' میں دیکھیں جو مجھے نہایت پسند ہیں۔ دوسرا آپ نے فرمایا تھا کہ ایک قصہ ''زمانہ'' فروری نمبر میں عمدہ نکلا ہے۔ جس کی بابت میں نے لکھا تھا کہ وہ مجھے آپ ہی دلوا سکتے ہیں۔ وہ بھی ارسال نہ فرمایا۔ اگر یہ قصص مجھے مل جائے تو میں مہربانی کا نہایت ہی بہ حدِّ مبالغہ مشکور ہوؤں گا۔ نیز ''کربلا'' کے متعلق تبادلۂ خیال مطلوب ہے۔ اگر آپ ایک آدھ دن کی فرصت میرے لیے نکال سکیں تو میں حاضر خدمت ہو کر تسلّی کرنا چاہتا ہوں۔ میں بوڑھا بیمار آدمی، اگر میرے حسبِ منشا آپ مجھے 20 قصے بھی مرحمت فرما دیں گے تو دعاگو کو نہایت مسرور فرمائیں گے۔ میں زیادہ تاکید سے احساس والے وجودِ مسعود کو فضول سمجھتا ہوں۔

اتنا عرض کرنا شاید باعث تکلیف نہ ہوگا کہ ''توبہ''، ''راہِ نجات'' کی بابت صرف اجازت کافی ہوگی۔ ان کے روانہ کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ میرے لڑکے کے پاس ہے۔

فقط دعاگو، مبارک علی شاہ گیلانی

ونود شنکر وِیاس کا خط

کاشی

16-09-1929

شری مان، وندے!

آپ کے دونوں پتر ملے۔ ''دھوکری'' پر دو طرح کی سمّتیوں کے لیے دھنیہ واد۔

''میرے آپ کے ساہتیہ آدرشوں میں کِنچت انتر ہے'' یہ کچھ سمجھ نہ پڑا۔

آلوچنا کی کون سی دو ایک باتوں سے آپ سہمت نہیں ہیں؟ اُتّر کی پرتِکشا میں ہوں۔ وِشیش کرِپا۔

سدَیو آپ کا، وِنود شنکر وِیاس

برج راج کا خط

مایا کاریالیہ، کیسری بھون

34، جارج ٹاؤن، الہٰ آباد

10-10-1929

مہودیہ،

آپ نے پترِکا کے سنچالک کے بارے میں پوچھا ہے۔ کیا لکھوں؟ شری شتیندرموہن جی ہی اس کے سنچالک ہیں۔وہ دھنی آدمی ہیں۔ ''مایا'' میں کتنے روپے لگانا چاہتے ہیں، کس پرکار سنچالن کرنا چاہتے ہیں، ابھی کچھ ٹھیک پتا نہیں۔ کیا آپ کو جو پتر لکھا تھا اس میں یہ لکھنا رہ گیا تھا کہ ''مایا'' سے جو کچھ ہو سکے گا، وہ اسے آپ جیسے شریشٹھ لیکھک کو آوشیہ دے گی۔ کنتو اسے اس سمے آپ لوگوں کے آشریہ دینے کی شکتی ان میں نہیں۔ ابھی تو ''وشو'' کی جیسی سیوا کی جاتی ہے، ویسی اس کی سنیہہ کے ساتھ کرنی ہو گی۔ آشا ہے کہ سمرتھ ہونے پر وہ بھی کچھ سیوا کر لے گی۔ مجھے وِشواس ہے کہ وہ کرتگیا کے پاس میں بندھی رہ کر بدلے میں کچھ نہ کچھ سیوا آوشیہ کرے گی۔

میرا پترِکا سے کیا سمبندھ ہے؟ اس کے سنچالک نے مجھے پتریکا کا ''پردھان صلاح کار'' بنانا چاہا اور شری بخشی جی کو ''وِشیش صلاح کار''۔ پرارمبھ سے ہی انھوں نے مجھ سے کام لینا شروع کر دیا۔ ہم لوگوں کا وِشیشتھہ میرا اور بخشی جی کا یہ وِشواس ہے کہ ہندی کے شیتر میں آپ نہ سندیہہ ''گلپ سمراٹ'' ہیں۔ آپ کی کہانیاں اچھے سے اچھے لیکھکوں کے مقابلے میں رکھی جا سکتی ہیں۔ ''مایا'' کا پرتھم انک بنا آپ کی کرِپا درِشٹی کے نِکل نہ سکے گا۔ آپ کو ایک کہانی بھیجنی ہی ہو گی۔ پریم پرسُون کے پرارمبھ میں آپ نے کہانیوں کے سمبندھ میں جو وِچار پرکٹ کیے ہیں۔ میں ان سے سہمت ہوں۔ کہانی نہ بھیج سکیے تو کہانی کے سمبندھ میں ایک لیکھ ہی بھیج دیجیے۔ سب سے پہلے میں آپ کی ہی کہانی رکھنا چاہتا ہوں اس لیے واپسی ڈاک کی بات لکھی تھی۔ یدی اتنی جلدی سمبھو نہیں، تو کچھ دیر سے ہی سہی، کنتو مایا پر ''مایا'' کرنی ہو گی۔ اس کے پرتھم انک میں آپ کا کچھ نہ کچھ لکھا ہوا ضرور رہے گا۔

آپ کی سب پُستکوں کا وِگیاپن بھی دینا چاہتا ہوں۔ کیا وے سب ''سرسوَتی پریس'' سے نکل سکتی ہیں؟

نول کِشور پریس کا کچھ وِگیاپن مل جاتا تو اچھا تھا، آج پتر بھیجوا رہا ہوں۔ وِشیس کرِپا۔ یوگ سیوا لِکھتے رہیے۔

بھودیہ، برج راج

کیشورام سبّروال کا خط

P. O. Box 104
Tokyo
December 5, 1929

My dear Dhanpat Rai ji,

Letter writing was never a strong point with me, and inspite of all the pious resolutions I make every now and then, I find, to my utter regret that I am becoming too old now to get rid of this bad habit of mine. I am simply ashamed to realize that I have not written to you for almost a year and a half not withstanding that you have been good enough to favour me with two affectionate notes during the interval. Please do not think of me as ungrateful although I am fully conscious of my lack of courtesy towards you for which I beg to offer my sincere apologies.

I thank you for the complementary copies of the 'Madhuri' which through your kindness have been reaching me quite regularly. This year's special number has not yet come. I am expecting it every moment with fond expectations. I find 'Madhuri' to be one of the best magazines in India. It is excellently edited and I assure you that it is not below the standard of any first rate magazine in the world. I find an

exceptional pleasure in going through its pages month by month as it is not only instructive but helps me to keep in touch with some of the literary gems of my own mother tongue as well. I have one criticism to make about the make-up of the 'Madhuri' and I trust you will not be angry with me as I am doing it with the best of motives. It is about the artistic side of 'Madhuri' which I believe is in the hands of rather an amateur. This criticism of mine, I am sorry to state, can be applied equally to all the Hindi magazines in the united provinces. The artists who point for 'Madhuri' are with certain exceptions not upto the standard which Indian art has been reached during the last few decades. Further more they got seem to derive inspiration for their works from Hindu mythology only which makes 'Madhuri' merely a Hindu magazine although it ought to be our earnest endeavour to make Hindi the linguafranca of India, a high class magazine like 'Madhuri' ought to acquire an all India popularity and not cater only to certain colours or creeds.

I am glad you appreciate the 'Japan Times'. I edited the coronation Number with a Japanese friend and am proud to realize that it was appreciated practically every where. The Company made quite a heap of money from this special number, but did not give me or my Japanese colleague even a cent out of their profits. Later on I was working as the Sunday and the Overseas Editor but felt disappointed in a number of ways. There were differences of opinions also and I resigned finally some three months ago. At present I am a free lance journalist, and although I find every now and then that things are not moving very smoothly, I can find enough of work to keep the wolf away from the door. I shall continue sending the

overseas edition to you as I have many friends at the Times, who are very kind and send me as many copies as I care to have of the overseas or other editions.

I am sorry to tell you that the translation of 'Mantra' has not yet been published in any magazine. In view of the high quality of your work, I am not prepared to have it published in any but the fitst rate magazines. Me-Sato and other friends also are of the same opinion. 'Kaizo' in which the translation of 'Mukati Marg' was published is not only the greatest magazine in Japan, but is also one of the greatest in the world. I saw the President of Kaizo at the beginning of this year and he promised to find room for the translation of 'Mantra' at his earliest possible convenience. But very soon after our meeting he sent one of his staff members asking me to write an article on Mrs. Sarojini Naidu who was expected here in those days. I did write the article and strange to say it was published when the Newspapers had just given publicity to the news that she had postponed her trip to this country.

In Japan it is almost an honour and privilege for a writer to have his stuff published in any of the two or three first rate magazines. The result is that there is always a sort of struggle between the writers to have their compositions go into print. The magazines on their part have made it a point to have one or two compositions only from one writer in the course of a year. They make exceptions of course, but in the case of very very well-known writers or specialists. As I had publicity in the middle of this year the Kaizo people have promised to find room for the translation in the beginning of 1930. I shall send you a copy as soon as it is published.

Now as I have enough time to do the work, I would like very much to translate some seven or eight more of your stories and then bring all the translations out in book form. But the curse of the situation is that my financial Position is not very encouraging now and it requires a great deal of money to pay for the wages of the Japanese gentleman who takes the dictation and polishes the language. Nevertheless, I am now making plans to get rid of this financial difficulty of mine, but, what I lack is material.

In your last year's letter you were good enough to assure me that you had instructed your publishers to send me a number of your works. I am sorry to note that none of them ever reached me. I shall be obliged now if you will kindly look into this matter personally and see to it that a complete set of your works autographed by you is sent to me by Registered Post at the earliest possible opportunity. I have with me a copy each of

1. Sapta Saroj
2. Nava Nidhi
3. Prem Dvadashi

and I would like to have all the other books except these three. Last year I asked my friend Mr. Chughtai of Lahore to send you the few rupees which he owed me and he told me that he did. I shall send you some more money within this month to cover the expenses of all these books.

People in Japan have very high opinion of your writings. It is pity that they have not enough of it to read in their own language and it is my earnest desire to remove their handicap if I can.

Dr. Tagore visited us twice this year, while he was on his

way to America and then when he was on his way back home. I was with him practically every day as he has always been exceptionally kind to me. But, in my humble opinion, your books are sure to find more appreciation in Japan than those of Dr. Tagore. In the first place, the Japanese have read too much of Gurudev and they want to know something different from his line, and then you have a peculiar touch which no other writer in India possesses and which appeals to Japanese nature. Gurudev has a world-wide reputation and people buy his books out of curiosity also. Your works if translated may not command a widen sale but they are sure to be commended on will and reach appreciative hands mostly. If there is any income from the sale of your translation I would like very much to send you in the near future.

I read your stories in the 'Vishal Bharat'. In fact I am subscribing for that magazine because of your stories only and am renewing my subscription for the coming year also. Vishal Bharat, I find, is more or less a replica of the Modern Review. It has pained me to learn that your writings though highly praised throughout the length and breadth of our motherland are not so well patronized by the reading public. As you know well one of the saddest features of our life is that there is practically No appreciation of true art. On the one hand there is the quite spectre of poverty, on the other hand there is the intelligentsia which has been fed on a very spurious education and is thus inclined to patronize spurious writings. Our people, further more, do not yet know how to create a taste and how to educate the reading public to spend its hard earned money on worth reading book. It is the paramount duty of our publishers to do

this as they do in Japan or America.

I have been in the journalistic world for almost fifteen years now and have learnt a great deal from the many vicissitudes of life I have had to pass through. I wish I could be in India to co-operate with you and popularise not only your writings, but those of other high-class writers of our mother tongue as well of the Indian publishers. The proprietors of 'Chand' magazine only so far as I can judge, are making use of modern methods of publicity to push the sole of their publications, no matter whether they are worth their price or not.

The Japanese public is not so indifferent towards India as you could have inferred from the Japan Times. There is a whole lot appearing in the vernacular press on India always and it is the vernacular press which counts in this country. The English language newspapers are published for the foreign residents only and they enjoy a very limited circulation because the Japanese do not care a fig for them. The vernacular press in Japan is very powerful and some of the newspapers compare favourably with many of the best in any part of the world. Everyone subscribes for one or two daily newspapers no matter whether he is a policeman or a street scavenger. The name of Mahatma Gandhi is quite a house hold term in Japan. He commands more respect than any other Indian, or perhaps European figure in the world today. If he ever cared to come to Japan, the general public with grow crazy to have his 'Darshan' or autograph. It is a pity that the Indian leaders do not come to Japan; they go always to Europe and America, and, it is very difficult for the Japanese to know Indian unless our people care

to come and have heart-to-heart talks with them. A few of us, who live here do all we can to make India known to the Japanese, but our means are more than limited, most especially as we have to eke out a precarious existence also by bone breaking exertions.

The recent floods in India seem to have created quite a havoc in the north. I learn that my people also suffered a great deal. Had it been in Japan the entire nation would have stood by the sufferers and the governmental machinary as well as coffers would have been taxed to their limits to alleviate not only the sufferings of the populace but to restore their homes and re-establish them in their former lives.

Poor Punjab, which has suffered so much from the onslaughts of nature, now finds itself in a reign of terror created by the police persecutions. It is in Punjab only. I should say in India only that you can beat the undertrial prisoners so as to bring blood out of their bodies and let the police go scot free. In view of the atmosphere, which the police has created, one can only infer that the Viceroy's announcement and the hopes held out by the labour government for a Dominion government in India are the latest effort to throw dust into the eyes of the people and furthermore drive a monkey wrench among the ranks of nationalist workers. It is a great pity that while there is an awakening in the Muslims world everywhere, the Indian Muslims only allow themselves to be made tools of by the foreign rulers of their country and block the progress of their common motherland towards Swaraj.

I would, by the way, request you to write a few short stories on patriotic themes by driving inspiration from the

recent struggles which our youngmen have made to emancipate their down-trodden motherland. The Japanese will be very eager to read their translations which I promise to make as soon as I receive the original stories.

Please be good enough to favour me with one of your latest photographs with your autograph (on the photo itself) and also a short sketch of your life. I would like to write something about you in Japanese.

With best wishes,

Most Sincerely yours,
Keshoram Sabarwal

عبدالحق کا خط

انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد (دکن)

20 دسمبر، 1929

مکرمی و معظمی، تسلیم!

ایک زحمت دیتا ہوں، امید ہے کہ آپ ازراہِ کرم اسے گوارہ فرمائیں گے۔ مجھے مڈل کی ریڈر کے لیے بنارس پر ایک سبق کی ضرورت ہے۔ ہر چند میں نے کوشش کی، کوئی ایسا شخص تلاش کیا جائے جو بنارس شہر سے واقف ہو اور سبق لکھ دے۔ مگر میرے جاننے والوں میں کوئی نہ ملا۔ لاچار مجھے آپ کی خدمت درخواست کرنی پڑی۔ آپ سے بہتر کوئی نہیں لکھ سکتا۔ صرف ریڈر کے چھ صفحے ہوں گے۔ اگر آپ یہ سب لکھ دیں تو میں بہت ممنون ہوں گا۔

اگر آپ کو فرصت نہ ہو تو کسی دوسرے صاحب سے لکھوا دیجیے گا۔ میں اس کا معاوضہ دینے کے لیے بہ خوشی آمادہ ہوں۔ مجھے امید ہے، آپ میری درخواست ضرور قبول فرمائیں گے۔ میں بے حد مجبوری میں آپ کو یہ تکلیف دے رہا ہوں، ورنہ میں ایسے کام کے لیے آپ کو کبھی تکلیف نہ دیتا۔ کیوں کہ اس کی جلدی ہے، اس لیے امید ہے کہ جلد

جواب سے عنایت فرمایا جائے گا۔

آپ کا نیاز مند،
عبد الحق

پرواسی لال (مینیجر، سرسوتی پریس) کا خط

سرسوَتی پریس، بنارس سیٹی،

30-12-1929

شردھا سپد بھائی صاحب،

بندے!

آپ کے پتر یَتھاسَمے پراپت ہو گئے۔ ورت وِدِت ہوا۔ ''ہنس'' کے گراہک بن رہے ہیں؛ پر ابھی معمولی طور پر ہی۔ شاید ''پرتاپ'' وغیرہ سے کچھ لابھ ہو۔ میں ایک کروڑ پتر '' پرتاپ'' میں بٹوانے کی چیشٹا میں ہوں؛ کیونکہ وِگیاپن میں دام بھی ادھِک لگ جاتا ہے، اور پورا وِگیاپن بھی نہیں ہو پاتا۔ کروڑ پتر سے ادھِک لابھ ہونے کی سمبھاونا ہے۔

دِیاس جی نے ابھی تک کوئی اُتر نہیں دیا ہے۔ میں نے تار دیا تھا۔ معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ لگ بھگ 150 روپیہ نکلے گا۔ بِل ان کے پاس گیاہے۔ بہت پہلے۔

''ہنس'' کا وِگیاپن جب ہم کر چکے تو اب ڈرنے سے کام نہ چلے گا؛ پر میں آپ کو وِشواس دِلاتا ہوں کہ ہانی نہ ہوپائے گی۔ میں شتشَہ پرَیتن کر کے گراہک بناؤں گااور نقصان نہیں ہونے دوں گا۔ پرتھم ماس میں ہمیں 200 گراہک اوَشیہ مل جائیں گے؛ ارتھاتھ دو سو گراہکوں کا چندہ پراپت ہو جائے گا۔ اسی پرکار چھ انکوں تک 500 گراہک ہوئے سمجھ لینا چاہیے۔ نقصان سے جس پرکار آپ ڈرتے ہیں؛ اسی پرکار، بلکہ اس سے بھی ادھِک میں بھی ڈرتا ہوں؛ پر کسی وِیوَسائے کو ساہس چھوڑ کر کرنا پسند نہیں کرتا۔ وِیوسائے تو ساہس کا ہی ہے۔ یہ آپ نے بہت ہی شُبھ کیا کہ وِیوپار کا حصّے دار کھوج لیا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوتا؟ پر حصّے دار کا کیا کیا رہے گا، ذرا یہ مجھے سمجھا دیجیے۔ آج اس حصّے داری کی بات پڑھ کر مجھے بھی ایک بات یاد آ گئی۔ کچھ سمَے ہوا، رائے کرِشن داس جی تتھا پرساد جی وغیرہ نے بھی پریس کی پرگتی دیکھ کر یہ اکشا بڑے پربل روپ سے پرکٹ کی تھی

کہ ''اگر سرسوتی پریس کو لمیٹیڈ کر دیا جائے، تو بڑا شُبھ ہو۔ ہم اپنی سیریز بھی اسی میں شامل کر دیں، مکان بھی اسی میں ملا دیں اور 20-15 ہزار نقد خرچ کر کے پریس کا برہد روپ کر دیں۔ پریم چند جی لکھیں، پرساد جی لکھیں، ہم لکھیں، آپ لکھیں، اور ہماری پُستکوں کا پرکاشن اپنے ہی یہاں سے ہمیشہ ہو۔ ایک فونڈری بھی کر لی جائے۔'' آدی، پر میں نے کوئی وِشیش دھیان نہیں دیا۔ بہت سمے ہوا، بھائی صاحب سے بھی ذکر کیا تھا؛ پر یہ سوچا گیا تھا کہ کبھی یہاں آئیں گے، تو چرچا کیا جائے گا۔ پر ابھی تک اوسر نہیں ملا۔ اِدھر بھی، باتوں میں ان لوگوں نے اشارہ کیا؛ پر لِکھنے کا مجھے اوسر نہیں ملا۔ رائے کرِشن داس جی کا کتھن تھا کہ لمیٹیڈ کر کے ''ہنس'' کو اُچ کوٹی کا پتر بنایا جائے۔ چتروں کا تتھا کلاتمک ساہتیہ کا ان کے پاس اکھنڈ بھنڈار ہے، وہ سب وہ اس میں پرکاشِت کرنے کے لیے دینے کو کہتے ہیں۔ اگر آپ کی سمجھ میں یہ بات آئے، تو لکھیے گا۔ ان سے وِچار کیا جائے گا۔ جلدی نہیں ہے، نہ آوشیک ہی ہے، اگر اُچت سمجھیں تو وچار کریں۔ بینک والی بات پر وِچار کر کے میں اسی نتیجے پر پہنچا کہ آپ ایک چیک بُک پر ہستاکشر کر کے تُرنت بھیج دیں۔ میں روپیہ جمع کر کے اتنا ہی آوشیکتانوسار لیتا رہوں گا۔ اس پرکار کچھ جمع ہوتا رہے گا۔ آپ کے پاس جو جمع ہے، انھیں میں وِیوہار نہ کروں گا۔ اس پرکار چیک کے وِیوہار سے پریس کی پوزیشن بڑھے گی۔ استو، مجھے پہلے بھی وِشواس تھا، اب بھی ہے؛ پر میں یا آپ ہی نے میری جیسی اِستھتی بنا دی ہے، اس کے لیے اس پرکار کا بینک کا حساب آوشیک تھا، اب یہی وِدھی اُتم ہے؛ نہ آپ کو چنتا، نہ مجھے۔ اپنے بھائی صاحب کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، سو ٹھیک ہی ہے۔ میرے ابھی تک کے کاریہ کال میں میں نے کوئی بات ایسی نہ کی جو انھیں معلوم نہ ہو۔ میں نے تو ایک ایک بات خوب وِچار کر کے، تب آگے بڑھاتا ہوں اور ان کے ساتوِک سادھو وِیوہاروں کے پرتی آپ سے ادھِک شردھا بھکتی رکھتا ہوں۔ میں اپنا بزرگ ہی انھیں سمجھتا ہوں سچے دل سے۔ اسے میرے ہردیہ میں بیٹھ کر ہی کوئی دیکھ سکتا ہے۔ استو۔

ہاں ایک بات کی آپ کو یاد دِلاتا ہوں۔ جس سمے آپ نے یہ پریس مجھے سونپا اور آپ کے میرے بیچ جو خط کتابت ہوا تھا، اس میں آپ نے یہ طے کیا تھا کہ 50 روپیہ بیاج، 50 روپیہ لابھ ہانی وغیرہ تتھا ماسِک وِطن خرچ اور میرا اِلاؤنس 50 روپیہ ماسِک ویتن

وغیرہ نِکال کر تین حصّے ہوں گے، جن میں ایک میرا، ایک آپ کا، ایک بھائی صاحب کا۔ پر اس سَمے کے پتر میں آپ نے حصّے داروں کی سنکھیا چار کر دی؛ ارتھات شری مہتاب رائے جی تتھا رگھوپتی سہائے جی کی سنکھیا بڑھ گئی۔ پہلے بھائی صاحب اور آپ ہی مُکھیہ پریس کے حصے دار تھے۔ مجھے اپنے لابھ میں ترِتیانش دینے کا وچن دیا تھا، کیا آپ اس بات کو بھول گیے یا اس سَمے آپ کو دھیان نہیں رہا؟ ذرا اسپشٹ کر دیں۔ حصے دار آپ کے ساتھ ہوں، مجھے اعتراض نہیں، میں تو انتم لابھ میں ترِتیانش چاہتا ہوں، گو کہ ابھی لابھ رکھا ہی کیا ہے، پھر بھی کچھ نہ کچھ ہونے کی آشا ہے ہی۔ آج نہیں، تو کل ہوگا۔ پُستک ویوسائے میں کیونکہ ہمارا ساجھا ہے ہی نہیں؛ ات ایو اس وِشیہ میں کچھ کہنا نہیں ہے۔ سالانہ حِساب اب 10-8روز میں بنائے لیتا ہوں۔ آپ کے پاس بھیجوں گا۔ سردی یہاں ابھی تک کافی پڑ رہی ہے۔ دو ایک روز میں کچھ کم ہے۔

پیڈ پرسوں یا چوتھے روز روانہ کروں گا۔ اِدھر کاریادِھک سے چھپ نہیں سکا۔ کل چھپے گا۔ وِنود شنکر نے بھی ایک سِیُوانِی وِنود پُستک مالا'' کا آرمبھ کر دیا۔ یہ اچھی پدّھتی سے کام کرنا چاہتا ہے۔ دو پُستکیں۔ (1) ''ایک گھونگھٹ'' (پرساد)، (2) ''بھولی بات (وِنود)'' اپنے یہاں سے چھپی ہے۔ 40 پونڈ اینٹِک پر۔ چھوٹی چھوٹی ہے، پر گیٹ اپ غضب کا ہے۔ اور کتابیں لکھوا رہا ہوں۔ آپ سے ایک آدھ کتاب لینے کی فکر میں ہیں۔

آپ نے جس پرکار کا وِگیاپن بنا کر بھیجا تھا۔اتنی ہی باتوں کو رکھنے کا وِچار ٹھیک ہوگا۔ کہانیاں تو مکھیہ ہوں گی ہی؛ انیہ وِشیوں کو بھی چھوڑنا نہ چاہیے۔ اس سے ہمیں سب پرکار کے گراہک جُٹانے میں سووِدھا ہو گی۔ پرتھانک کے لیے گنیش جی کا لیکھ اگر نہ ملے، تو چِنتا نہیں۔ ''ہنس'' راج نیتِک پتر ہی نہ ہوگا یہ ٹھیک ہے؛ پر جہاں تک کے لیے آپ وِچار کر چکے ہیں، وہاں تک تو کچھ نہ کچھ نِباہنا ہی چاہیے۔ کسی پرکار یوَک دل کا ساتھ رہنا آوشیک ہی ہے۔ Sexual وِشیہ بھی لوک پر یہ ہو سکتا ہے۔

شیو پوجن جی باہر، لہریا سرائے، چلے گئے ہیں۔ پھر بھی ان سے کچھ مل جائے گا۔ وہ جلدی ہی آئیں گے شاید۔ باقی یہاں کے سبھی لیکھکوں سے میں اوشیہ ہی کچھ نہ کچھ لیتا رہوں گا۔ کچھ لوگوں سے بھینٹ ہو گئی ہے، کچھ شیش ہیں۔ ان سے مل کر کچھ لینے کی بھی چیشٹا کروں گا۔ آپ دِرڑھ ہو کر شروعات کیجیے، ہچکنے کی آوشیکتا نہیں۔

ہاں، آپ نے جو رنگین چتر بنوایا ہے، کیا اسے میں بھی دیکھ سکوں گا؟ کوَر پر رنگین چتر رہا کرے گا؟ اگر اندر بھی ایک دو سادے چتروں کا پربندھ ہو جائے تو اچتر ہونے کا کلنک مِٹ جائے گا۔

رمیش پرساد مِشر بھی تو ویگیانِک وِشیہ پر اچھا لکھا کرتے ہیں، آپ سے تو پرچیہ ہوگا، ان سے بھی کچھ لینے کا پربندھ ہو۔

اِدھر جنوری ماس آ رہا ہے۔ پریس کے کرمچاری گن کب سے جان کھائے ہوئے ہیں کہ ویتن بڑھی ہونی چاہیے۔ گو کہ ابھی سنتوش جنک استیتھی نہیں ہے؛ پر جو کچھ بھی ہے، اس کے انوسار ان کی بات پر دھیان دینا آوشیک ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں؟ کیا سمّتی ہے؟

مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے بھائی صاحب کو 125 روپیہ مارگ بیہ کے روپ میں دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں، اِدھر بھی کچھ دیا جائے۔ استھتی تو آپ کے سَمے سے اچھی ہے۔ ابھی ایک دم دینے کی پرستھتی تو نہیں ہے؛ پر سَمے سَمے پر کسی پرکار پورتی کر دی جائے۔ گرو رام جی سے مجھے معلوم ہوا۔ بھائی صاحب تو کبھی کہنے والے نہیں، ان سے مجھے تو کبھی معلوم ہی نہیں ہوتا۔ سب باتوں کا اُتّر شیگھر دیجیے گا۔

آپ کا، پرواسی

کمبھ کے میلے میں دُکان رکھا تو جھنجھٹ ہوگا۔ اس لیے یہ وِچار کیا ہے کہ کچھ تو نوٹس بنٹوا دیے جائیں گے اور سب دُکانوں پر کتابیں بِکنے کا پربندھ کر دیا جائے گا۔ یہی کروں گا۔

مہاراج بہادر ''برق'' دہلوی کا خط

گلی بتاشان، دہلی

19-01-1930

برادرِ محترم، آداب و نیاز!

اپنے مجموعۂ کلام موسومہ ''مطلعِ انوار'' کی ایک جلد آپ کی خدمت بابرکت میں

بسبیلِ رجسٹرڈ بک پوسٹ ارسال کرتا ہوں۔ امید ہے، آپ اس کی مطالع سے بغایت لطف اندوز ہوں گے۔ براہِ کرم ''مادھوری'' کی کسی قریبی اشاعت میں اس پر ایک برجستہ اور پرزور ریوو فرمایئے۔ آپ کو بخوبی یاد ہوگا، اس کتاب کا دیباچہ لکھنے کے لیے سالِ گزشتہ میں نے آپ سے درخواست کی تھی، لیکن بہ سبب مصروفیت اور عدمِ فرصتی آپ نے اسے قابل التفات تصور نہ فرمایا۔ یہ فرضِ مکرمی خان صاحب اور اصغر صاحب نے ادا کر دیا۔ اب مجھے یقین واثق ہے کہ آپ ''مطلعِ انوار'' پر ایک بسیط اور مدلل تنقید فرمانے سے پہلوتہی نہ فرمائیں گے۔ کئی رسالوں اور اخباروں میں نثر و نظم پر ریوو آپ کی نظر سے گزرے ہوں گے، لیکن کسی ہندی رسالے میں کوئی تنقید تا ہنوز شائع نہیں ہوئی۔ اس لیے آپ اس کمی کو ضرور پورا فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔ رسیدِ کتاب سے ممنون فرمایئے۔ اگر آپ ضروری اور درست خیال فرمائیں تو میں اپنی تصویر کا بلاک بھی، جو میرے پاس موجود ہے، ارسالِ خدمت کر سکتا ہوں۔

خاکسار،

مہاراج بہادر ''برق'' دہلوی

مولوی عبدالحق کا خط

سلطنت منزل، صیف آباد، حیدرآباد (دکن)

21رجنوری 1930

میرے عنایت فرما،

تسلیم!

آپ نے از راہ کرم ایک ہفتے میں بنارس پر مضمون لکھ دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ میں اب تک اس کا منتظر رہا۔ اب یاد دہانی کرتا ہوں۔ مجھے اس کی بہت شدید ضرورت ہے۔ عنایت فرماکر جہاں تک جلد ممکن ہو، روانہ فرمایئے۔ بہت ممنون ہوں گا۔

نیازمند

عبدالحق

مولوی عبد الحق کا خط

معرفت مولوی سید ہاشمی صاحب
لال ٹیکری، حیدرآباد (دکن)
محترم بندہ تسلیم!

آپ نے اپنے عنایت نامے مورخہ 2رجنوری میں وعدہ فرمایا تھا کہ ایک ہفتے کے اندر کاشی پر سبق لکھ کر بھیج دوں گا۔ اس وقت سے مجھے اس کا انتظار رہا۔ اس کے بعد میں نے یہاں سے بذریعہ تار آپ کی خدمت میں یاد دہانی کی۔ اس کا جواب بھی نہیں ملا جس سے مجھے بے حد تشویش ہے۔ اس سبق کی وجہ سے کام رکا پڑا ہے۔ میں آپ کا نہایت ممنون ہوں گا اگر آپ ازراہ کرم جہاں تک جلد ممکن ہو لکھ کر بھیج دیں گے۔ اب زیادہ دیر نہ لگائیے گا۔ اس سے بڑا ہرج ہو رہا ہے۔

الٰہ آباد میں آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی لیکن اس سرسری ملاقات میں سیری نہ ہوئی۔ اگر لکھنؤ آنا ہو تو ضرور حاضر خدمت ہوں گا۔

اس کا جواب جلد عنایت فرمائیے۔

نیاز مند
عبدالحق

گنگاناتھ جھا کا خط

University of Allahabad,
Senate House, Allahabad
January 23, 1930

D.O. No. 24/VC. 30

Dear Sir,

Your letter of the 21st.

Much as I sympathize with the cause that you have taken up, I think that the only remedy lies in some practical steps that might be devised for bringing home to our young men the futilities of fashionable life. Articles either in newspapers or in

magazines are in the first place read by very few people and even those who read them ridicule them and do not derive any benefit. Fashion, to my mind, has to be combatted by fashion and not by any theoretical disquisitions.

As for contributing an article to your magazine, I am afraid that until the summer vacation I shall be unable to do anything serious. Now-a-days I am spending my days on the banks of the Sangam; after that we shall have the rush of the University meetings and of the University-examinations. I hope you will kindly excuse me.

Premchand, Esq.
Sarasvati Press,
Kashi, Benares.

Yours faithfully,
Ganganath Jha
Vice-Chancellor

چندر گپت ودھا لنکار کا خط

گروُ کانگڑی (ضلع سہارن پور)

3 فروری، 1930

مانیہ ور پریم چند جی، وندے!

آپ کا کرِپا پتر ملا ہے۔ اس سے پوروَ بھی آپ کی ''حماقت'' کا سماچار، یعنی نوٹس، کسی اخبار میں پڑھ کر مجھے بہت ادھِک پرسنّتا ہوئی تھی۔ ''ہنس'' کے لیے یتھا سمبھوَ مجھ سے جو کچھ بن پڑے گا، کرنے کا پریتن کروں گا۔

کہانیاں میں بہت تھوڑی لکھتا ہوں، ان پر بھی ''وِشال بھارت'' نے ایک آدھِکار کر رکھا ہے۔ اپنے نِجی کے انوبھوَ پر، چترویدی جی نے ایک طرح سے مجھے 'شرط بندی کلی پرتھا'' میں باندھ لیا ہے۔ اس سے ٹوٹنے کی میعاد بھی کافی لمبی ہے۔ اس لیے ''ہنس'' میں نِیمت روپ سے کہانیاں دینے کا وعدہ تو میں نہیں کر سکتا۔ ہاں، یدی آپ آگیاں دیں گے تو، اس کے انیہ کالموں کی خانہ پوری میں اوشیہ کر سکوں گا۔ سامیک ساہتیہ کی آلوچنا کرنا

میں بہت پسند کروں گا۔ ساتھ ہی ادھر ادھر کا انفارمیٹیو اور منورنجن مسالہ بھی بھیج سکوں گا۔ راجنِتک ٹِپنیاں کرنا بھی مجھے پسند ہیں۔ کہیئے، ان میں سے مجھے آپ کیا کرنے کا آدیش دیتے ہیں۔ سمجھوَ ہوا تو کبھی کبھی کوئی کہانی بھی بھیجتا رہوں گا۔

پروفیسر رام داس جی گوڑ یہاں ہیں اور صحیح سلامت ہیں۔

یوگیہ سیوا۔

وِنیت،

چندر گپت ودھالنکار

رگھوپت سہائے 'فراق' کا خط

تلک محل، کانپور

10 رفروری 1930

بھائی جان، تسلیم!

آپ کے کارڈ اور اصرار کے جواب میں ایک ادھورا مضمون مشہور اردو شاعر 'فانی' پر بھیج رہا ہوں۔ کئی ماہ گزر گئے جب اسے شروع کیا تھا۔ تکمیل اس کی اب تک نہ ہوئی تھی۔ مگر کسی کام کا ہو تو پہلے نمبر میں اسے مضمون کی پہلی قسط کر کے آپ شائع کردیں۔ بقیہ آخر اپریل تک بھیج سکوں گا۔ اس کے پہلے کیسے بھیج سکوں گا؟

جو غزل میں نے بھیجی ہے، اس کا ایک شعر شاید چھوٹ گیا ہے۔ ممکن ہے آپ کے کام کا ہو۔ وہ یہ ہے:

ہے چوٹ سی چوٹ محبت کی ہے درد سا درد محبت کا
آنکھیں بھی نہ پڑنے پائی تھیں اور منھ پہ ہوائی چھوٹ گئی

وِویک جس کا میں ایڈیٹر تھا اور جو چند ہفتے کے بعد بند ہوگیا اس میں میرے کچھ مضامین ہیں۔ انھیں غیر مطبوعہ ہی سمجھنا چاہیے۔ اول تو اس کو بند ہوئے تین سال ہوگئے دوسرے اس کی اشاعت بھی نام کو تھی۔ چلتا یا چلایا جاتا تو اچھی خاصی اشاعت ہوجاتی۔ ان میں سے کہیے تو کچھ مضامین بھیج دوں۔ دوسروں کے لکھے کچھ دلچسپ افسانے اور نظمیں بھی ہیں جو آپ کے کام آسکتی ہیں۔

'ہنس' کا پہلا نمبر کب تک نکل جائے گا؟ میرا خیال ہے کہ کوشش قائم رہی تو جلد 'ہنس' کامیاب اور منفعت رساں ثابت ہوگا۔ امتحان بہت قریب ہے۔ اور کیا عرض کروں۔ جواب سے ممنون فرمایئے گا۔

آپ کا

رگھوپت سہائے

مولوی عبدالحق کا خط

بنجارہ روڈ کریم آباد

حیدرآباد (دکن)

14رفروری 1930

برادر محترم، تسلیم!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ 21رجنوری مجھے کل ملا۔ پر یہ اورنگ آباد سے ہوتا ہوا یہاں پہنچا۔ آپ کی اس عنایت اور شفقت کا میں تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔ کاشی کا سبق آپ نے بہت خوب لکھا ہے۔ اسے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اور آج ہی میں نے لکھنے کے لیے دے دیا ہے۔ البتہ معینہ صفحات سے کسی قدر بڑا ہوگیا تھا اس لیے کہیں کہیں سے چند سطریں کم کردی ہیں لیکن اس سے اس کی شان میں فرق نہیں آنے پایا۔

نیاز مند

عبدالحق

جینندر کمار کا خط

پہاڑی دھیرج، دہلی

20رفروری 1930

بابوجی،

آپ کا پتر ملا۔ وہ کوچہ پاتو رام والا بھی بس ایک Delivery دیر سے مجھے مل گیا۔ کہانی میں نے 14 کو شروع کی تھی، پر ختم اب بھی نہیں ہوئی۔ شروع کرنے کے بعد ہی

میں تو الجھن میں پڑ گیا۔ ادھر آپ کے الاہنے کے بعد بھی دیر لگانا پاپ جان پڑا۔ یہ دو کہانیاں بھیج رہا ہوں۔ ناتھورام جی پریمی (بمبئی) سے واپس مانگ لی ہیں۔ 'دلی میں' آپ کے لیے اور 'فوٹوگرافی' 'مادھوری' کے لیے۔ اسی سے ابھی تو سنتوش مان لیں، ایسی پرارتھنا ہے۔ اچھا تو تھی کوئی اَپورو چیز بھیجوں پر اچھا پوری نہ ہوئی۔ خیر، آگے دیکھوں گا۔ یہ بھی اگرچہ پورے من کی نہیں ہے پھر بھی امید ہے بری نہیں ہے۔ انتم (والا) پیراگراف یہی آپ سہمت ہوں تو کاٹ دیجیے۔ بالکل ویرتھ ہے۔ واستو میں جوڑا بھی بعد میں گیا ہے۔ آپ یدی خاص طور پر اسے رکھنا چاہیں تو بات دوسری، نہیں تو اڑا ہی دیں۔ اس میں ایسا لگتا ہے جیسے لیکھک جل بھن رہا ہے۔ لیکھک کی یہ Mentality ہتھات کیوں پرکٹ ہو؟

'فوٹوگرافی' میری پہلی کہانی ہے۔ تو بھی 'مادھوری' کے لیے کافی سے زیادہ ہی اچھی ہے، ایسا وشواس ہے۔ نہ بھی پسند آئے تو کھید نہ ہوگا۔

'میری میگڈلین' کی آپ نے سفارش ہی کی۔ مجھے بھی ایسی ہی آشا تھی۔ نرنے کا کب تک پتا چلے گا۔

کیا آپ سمیلن میں جائیں گے؟ اور کیا مجھے وہاں جانے کی صلاح دیں گے؟ پریچے کا لابھ ہی یدی لابھ سمجھا جائے تو بات دوسری، نہیں تو سمیلن میں میرے لیے کیا ہے؟ ان (سمیلنی) لوگوں میں سے کسی کے درشن کی اُتکٹ چاہ ہو سو بھی بات نہیں ہے۔ صلاح دیں گے۔

آپ کا اپنیاس کیسا چل رہا ہے؟ مجھے بھی بہت اور برابر لکھنے کا منتر بتایئے نہ؟ جب سے آیا ہوں، کیا کہوں، ایک کہانی بھی نہ کی۔ شروع ہی نہ ہوئی۔ طبیعت نہیں حاضر ہوئی۔ کوئی علاج اوشے بتایئے۔ وشیش میرے یوگیہ سیوا لکھیے۔

آپ کا ہی
جینندر

سدرشن کا خط

لاٹوش روڈ، کانپور،

11 مارچ، 1930

بھائی جان، نمستے،

کتاب کا مسودہ مل گیا، شکریہ۔ ایک دو دن میں کاتب کو بھیج دوں گا۔ کاپیاں آپ پڑھیں گے یا میں ہی پڑھ لوں گا۔ میرے خیال میں آپ ہی پڑھیں تو ٹھیک رہے گا۔ کتاب کی خوبصورتی دیکھ کرآپ یقیناً خوش ہوں گے۔ اب ''شیر و بکری'' تیار کرنی چاہیے۔ یہ کتاب نہ صرف خوب بکے گی، بلکہ ہم دونوں کے دوسری کتابوں کے لیے بھی مفید ثابت ہوگی، کیونکہ اس میں یہ اعلان کرنے جا رہا ہوں کہ جو صاحب ٹھیک ٹھیک بتائیں گے کہ کون سی کہانی کہاں تک کس کی تحریر کردہ ہے، اسے سو یا، ڈیڑھ سو روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اس انعامی مقابلے میں جو شریک ہونا چاہیں گے، ان کو ہماری کتابیں پڑھنی پڑیں گی، ورنہ Style کیسے جانے گیں؟ کیا خیال ہے؟ میں کسی دن آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کب ملوں؟

سدرشن

بنارسی داس چترویدی کا خط

وشال بھارت کاریالیہ

120/2 اپر سرکلر روڈ، کلکتہ

11 مئی 1930

پریہ پریم چند جی،

پرنام! کرپاپتر ابھی ملا۔ میں آپ کی کٹھنائیوں سے بھلی بھانتی پریچت ہوں۔ اس لیے برا نہیں مانتا۔ جب کبھی آپ کو اوکاش ملے، وشال بھارت کے لیے کوئی کہانی لکھیے۔

سندرلال جی والا اسکیچ آپ کو پسند آیا، یہ پڑھ کر مجھے ہرش ہوا۔ میرا ان کا ساگیات پریچے تو سنہ 1918 میں ہوا تھا پر ویسے اپنے ودیارتھی جیون میں میں نے ان

کے 'کرم یوگی' سے بہت لابھ اٹھایا تھا۔ میرے اوپر ان کی بڑی کرپا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ انھیں کا بھیجا ہوا میں آج یہاں 'وشال بھارت' میں کام کر رہا ہوں۔

آپ کے پتر کے وشے میں کیا لکھوں۔ انک آتے ہی آفس کے انیہ متر پڑھنے کے لیے لے گئے اور مجھے ابھی تک نہیں ملا۔ اب پڑھ کر اوشیہ لکھوں گا۔

'ہنس' کے لیے اوکاش ملنے پر ضرور کچھ لکھنا چاہتا ہوں لیکن ایک شرط پر، وہ یہ کہ آپ اپنا چتر مجھے بھیج دیں اور کسی سے Biographical Notes بھجوا دیں۔ ساتھ ہی ان پرشنوں کے اتر بھی دیں۔ میں کسی انگریزی پتر (سمبھوتہ:لیڈر) میں آپ پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔

1۔ آپ نے گلپ لکھنا کب پرارنبھ کیا؟
2۔ اپنی کون کون سی گلپ آپ کو سرووتم لگتی ہے؟
3۔ آپ کی لیکھ شیلی پر دیشی یا ودیشی کن کن گلپ لیکھکون کی رچنا کا پربھاؤ پڑا ہے؟
4۔ آپ کو اپنے گرنتھوں سے رچناؤں سے کیا ماسک آے ہوجاتی ہے؟
5۔ ہندی میں گلپ ساہتیہ کی ورتمان پرگتی کے وشے میں آپ کے کیا وچار ہیں؟
6۔ آپ کی رچناؤں کا انوواد کن کن بھاشاؤں میں ہوا ہے؟
7۔ آپ کی آکانچھائیں کیا کیا ہیں؟

میں ایک بار آپ کی گلپ پڑھ جانا چاہتا ہوں اور پھر اس کے وشے میں اپنی اُور سے کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ ان پرشنوں کا اتر کرپا وستار پُورک چٹھی کے روپ میں مجھے دیجیے۔ میں پرتیکچھا کروں گا۔ اتر آنے پر میں 'ہنس' کے لیے کوئی لیکھ آپ کی سیوا میں بھیجنے کا پریتن کروں گا۔ شرط میں نے اس لیے رکھی ہے کہ آپ سے چتر مانگتے مانگتے برسوں بیت گئے پر آپ نے ابھی تک نہ بھیجا، اس لیے ہتاش ہوکر دکانداری پر اتر آیا ہوں۔

کرپابنی رہے۔

وینت

بنارسی داس چترویدی

پنشچ: ایک اپنا اچھا چتر آپ 'وشال بھارت' کے لیے Specially کھنچوا دیجیے اور اس

کا بل میرے نام بھیج دیجیے۔ چتر کی تین پرتیاں بھیجیے۔ یہ Arrangement ٹھیک رہے گا
'کوچ' کے 26 روپے وی پی سے بھجواؤں گا۔ تقاضہ کر رہا ہوں۔

آنند راؤ جوشی کا خط

Temporary address for 15 days
Anand Rao Joshi
Fadnis Pura,
Nagpur City

C/o. भय्याजी सोनटक्के
पोस्ट — उमरेड
ज़िला — नागपुर C.P.
14.5.30

Dear Premchandji,

Yours of the 2nd inst. reached me in due time. In it you have asked me to send my quota by the 15th of every month at the latest. But then I received another card from you to the affect that I should hurry up in sending my material for the Marathi section of the 'मुक्ता-मंजूषा'. Accordingly I have sent you yesterday my quota by Regd. B.P. and I hope it shall reach you in good time. I think, I am not too late in sending my quota.

I came here to attend a thread-ceremony of one of my relatives, and hence this delay in supplying my material. I hope, I shall be able to send it henceforth by the 10th of every month. That would facilitate your work also.

I am in due receipt of the 2nd number of 'हंस'. I am pleased to find that it is getting a hearty support from all quarters.

I don't receive 'माधुरी' every month. It is only when it contains my article that I get it. I am, thankful to you for suggesting me some stories for the II part. I am sorry I have not got your recent publications 'पाँच फूल' व 'प्रेमकुंज'. I have got 'नवनिधि', प्रेम-पूर्णिमा', प्रेमद्वादशी' and प्रेमपचीसी'. You remember that

you had suggested some stories for the part 1 of my Marathi book. Some of them are yet to be translated by me. I wish to include them in the II part. But then their sources are not available to me. . Would you let me know the sources of the following :

(१) कामना-तरु, (२) सती, (३) लैला, (४) सौत, (५) नमक का दारोग़ा, (६) लांछन, (७) मन्त्र।

I have already translated 'पश्चाताप' and 'पाप का अग्निकुण्ड' from 'नवनिधि'. I also wish to include two stories meant for children 'रक्षा में हत्या' and 'सच्चाई का उपहार'. The first one was already published in 'आलाप' अंक, but it could not be included in part 1 for want of space.

I have read 'घासवाली'. It is the best of your recent stories. I intend to include all these stories by you. If possible, please send 'पाँच फूल' & 'प्रमकुंज' on the above temporary address.

Yours Sincerely,
Anand Rao Joshi

دیانرائن نگم کا خط

کانپور

9 جون، 1930

بھائی صاحب، تسلیم!

میرا خیال تھا کہ آپ بنارس چلے گئے ہیں، ورنہ میں آپ سے کل ہی ملتا، کیونکہ 4 جون کو گونڈا گیا ہوا تھا اور آتے جاتے دونوں دفعہ لکھنؤ ٹھہرنے کو جی چاہتا تھا، بلکہ جاتے وقت بابو انت پرساد صاحب کے یہاں گیا بھی تھا، لیکن وہ کسی بارات میں گئے ہوئے تھے۔ ناچار اسٹیشن لوٹ آیا۔ آپ کے قیام کا حال معلوم ہوتا تو ضرور آپ سے ملتا۔ گؤنا ہو رہا ہے، آپ اس فرض سے بھی سبکدوش) ہو جاتے۔ مجھے افسوس یہ ہے کہ آپ پیشتر

سے بالکل اطلاع نہیں دیتے، جس سے مجھے خفت کا موقع ملتا ہے۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ ہم نے ایک پرانا حساب پنجاب نیشنل بینک کا صاف کر دیا ہے، اور دوسرا پرانا حساب اودھ کمرشیل بینک کا بھی قریب قریب صاف ہو گیا ہے۔ بس، اس ماہ مجھے اس کو ایک سو پچھتر روپیہ اور دینا ہے، ورنہ جو رعایت مجھ سے ہوئی ہے، ہو سکا اس کا مستحق بنا رہوں گا۔ اس رقم کے لیے میں نے سو روپے لیے تھے، ختم ہو گیے۔ اب آپ کا حکم پاتے ہی اس لیے خدمت کر رہا ہوں۔ زیادہ کیا لکھوں، یہی بندوبست ہے۔ حساب جو کچھ لکھا ہے، وہ مجھے منظور ہے، دیکھ کر لکھوں گا، لیکن آپ نے ہمیشہ سے میرے ساتھ جو محبت آمیز برتاؤ کیا ہے، اس کے دیکھتے ہوئے حساب کا نام لیتے ہوئے بھی مجھے شرم کرنی چاہیے، خصوصاً جب کہ میں ایسا نا دہندہ رہا ہوں۔آپ بنارس کب تک جا سکیں گے، اور کب واپسی ہو گی؟ لکھنؤ کا حال پڑھ کر دل خون ہو رہا ہے۔ کیا آپ بھی اس موقع پر موجود تھے؟

آپ کے اور آپ کے بچوں کی سلامتی کے لیے ہمیشہ دست بہ دعا رہتا ہوں۔ آپ تصانیف کی بدولت زندہ جاوید رہیں گے۔ آپ کو جام شہادت پینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایشور کا فضل و کرم آپ کے ساتھ رہے گا۔ میں اس سال پی۔سی۔ایس۔ کے امتحان میں بیٹھا تھا، پر چار نمبر سے رہ گیا۔ آئندہ پھر جا رہا ہوں، دیکھیے، کیا نتیجہ ہوتا ہے۔

رگھوپتی سہائے صاحب حال میں کانپور آئے تھے۔ اب معلوم نہیں، گورکھ پور میں ہیں یا نہیں۔

آپ کا، دیا نارائن نگم

جگت رام، سمپادک ''رہنمائے تعلیم''، لاہور کا خط

رام گلی، لاہور،

07.07.1930

بخدمتِ گرامی جناب منشی پریم چند جی،

آداب عرض!

گرامی نامہ 4 جولائی 1930 کو لکھا ہوا ملا۔ کارڈ سے قبل ایک مطبوعہ سرکلر لیٹر

جناب کی خدمت میں بنارس کے پتے سے بھیجی گئی تھی۔ شاید وہ جناب کو نہیں ملی۔ خیر غرض تو جناب کی نیم ملاقات کی تھی، سو ہو گئی۔ عرض یہ ہے کہ میرا رسالہ تعلیمی ہے۔ 25 سال سے بھلی بری تعلیمی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ جس محکمہ کا یہ اخبار یا رسالہ ہے، آپ اس کی ہستی سے بے خبر نہ ہوں گے۔ مدرسین بیچارے، جو اس کے خریدار ہوتے ہیں، وہ بہت کم تنخواہ دار ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کی قدردانی ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہ رسالہ ان لوگوں کا وکیل ہے، جن کی حالت بہت ہی قابل رحم ہے۔ بس اس رسالہ کی مالی حالت نمایاں حیثیت نہیں رکھتی۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اِن دنوں خاص قربانی اور اسرار سے کام لے رہا ہوں۔ لہٰذا بڑے ادب سے گزارش ہے کہ آپ بھی اس کے حال زار پر رحم فرمائیں اور خاص رعایت اور اسپیشل عنایت کے مدنظر ممنون فرمائیں۔ رقم جو آپ عام طور پر لے رہے ہیں، یہ آپ کے دماغ کی قدر و قیمت تھوڑی ہے۔ آپ کے دماغ کے قدر و قیمت تو جناب، کسی طرح سے پڑ ہی نہیں سکتی۔ ہم لوگ جو حاضر کرتے ہیں وہ محض...... دودھ مٹھائی ہو سکتا ہے، معاوضہ محنت کا نام اسے نہیں دے سکتے۔ اس لیے بڑے ادب سے گذارش ہے کہ آپ غریب ''رہنمائے تعلیم'' کم از کم نذر کو قبول فرمائیں اور مجھے سرفراز کریں۔ قبل ازیں کبھی جناب کو اس بارے میں تکلیف نہیں دی گئی، نہ تعارف ہوا تھا۔ پرماتما نے چاہا تو یہ تعلق مثلِ زمانہ پختہ و مستقل قائم رہے گا اور میں جناب کی کچھ سیوا متواتر کرتا رہوں گا۔

مجھے امید ہے کہ جناب بھی اس لجاجت بھری حقیقی بنتی کو قبول کریں گے۔ مجھے اپنی نوازشات سے بہر اندوز ہونے کا فخر بخشتے رہیں گے۔ مہربانی فرما کر جُبلی نمبر کے لیے جو افسانہ آپ تحریر فرمائیں گے، وہ اس مطبوعہ رسالے کا اخلاقی اور تعلیمی افسانہ ہوگا، جس میں تعلیمی حقوق ثابت کیا گیا ہو، اور شوقِ تعلیمی کے جذبات موجود ہوں، اور قصہ بچوں کا ہو۔ ایک افسانہ اس طرح کا ہو کہ ایک ادنیٰ طبقہ کا آدمی تعلیم کے ذریعے کیوں کر اعلیٰ درجے پر فائز ہو سکتا ہے۔ افسانہ کی طرز عبارت کے پڑھنے والے کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور بار بار اس کے پڑھنے کا جوش مقرر ہو۔ آپ دانا ہیں، بھلا احمق کی کیا ہستی کہ ایک ماہرِ فن کے سامنے کچھ ظاہر کر سکوں، مگر حکم تھا، مگر حکم تھا۔ اس لیے شدید خیالات

پیش کر دیے گئے ہیں۔ امید ہے کہ جناب ہر دو افسانہ کے ساتھ اپنی فوٹو بھی مرحمت فرمائیں گے، جو جُبلی نمبر کی شان کو دوبالا کرنے کی مجیب ہوگی اور میرے لیے باعث فخر۔ یہ نمبر کوئی 64 صفحوں کے مصوّر رسالہ کا ہوگا 20x30/8 کا سائیز ہے۔ نوازش کوئی خدمت؟

خادم، جگت رام

افسانوں کی مقدار 20x30/8 کے کوٹ 12-12,10-10 صفحے ہو جائیں اور اس کے کم و بیش آپ مختار کل ہیں۔ یہ دونوں افسانے آخر مہینے تک مرحمت کر دیے جائیں۔ رسالہ ارسال خدمت ہے۔ کوئی سیوا! اس خط کی رسید اور خوش نوازیے مزاج کے ایما سے واپس شادرین۔

داس، جگت رام

جگدیش پرساد، چیف سکریٹری، سنیکت پرانت کا نوٹس

Notice under section 3 (3) of the Indian Press Ordinance, 1930.

To

The Keeper of the Saraswati Press, Benares.

Whereas it appears to the Governor in Council that the Saraswati Press of which you are the keeper is used for certain of the purposes described in sub-section (1) of sectien 4 the Indian Press Ordinance, 1930, now therefore in exercise of the power conferred by sub-section (3) of section 3 of the said Ordinance the Governor in Council hereby requires you to deposit with the District Magistrate of Benares a security to the amount of Rs. 1000/- (rupees one thousand only) in cash or the equivalent thereof in securities of the Government of India

within two days from the receipt of this notice by you.

By order,
Jagdish Prasad.
Chief Secretary to Government,
United Provinces.

Naini Tal,
Dated July 24, 1930.

From
Manilal Shankerlal Thakur
C/o Kasturbhai Lalbhai Sheth, Shahibag,
Ahmedabad

24th October, 1930
Ahmedabad

To
Prem Chand ji,
Benares City

Sir,

Recently I received the whole set of your works through my book-seller. On going through it, I found several stories-perhaps written in 1920-21, the days of Non-co-operation, with a particular mission dealing with the fundamental elements of Non-co-operation-viz, 'Lal Fita' and 'Lagdant' in 'Prem-Chaturthi', 'Namaka ka Daroga' and 'Updesha' in 'Sapta-Saroja', 'Satyagraha', 'Premdwadashi', 'Ahinsa Paramo Dharma' and 'Mandir' in 'Prem-tirtha' and some more, I propose to supply the Gujarati reading public with a Gujarati version of them issued in a book or two.

I am a Snatak (Graduate) of the Gujarat Vidyapith, Ahmedabad, of about 6 years standing. If I am allowed to undertake the task, I shall do my best to do full justice as you might expect. What I seek to do is a labour of love inspired by a scene of public service in my own humble way, when I cannot risk going to jail by taking active part in the struggle led by Mahatma ji.

I have every hope that you will kindly grant me the permission to prepare a book as described above and Qblige.

Yours faithfully,
Manilal Shankarlal Thakur

لاجپت رائے اینڈ سنس لاہور کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس

لاہور

8.11.1930

شریوتی منشی پریم چند جی،

نمستے!

میرے خط ملنے سے پہلے منی آرڈر مبلغ 50 روپے کا مل چکا ہوگا۔ میں نے 20 تاریخ کو روپے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا، مگر مجھے دہلی کا ایک ضروری کام درپیش آ گیا۔ دہلی سے میں دوسری تاریخ کو واپس آیا، اور جناب کے دو کارڈ ملے، جس کے لیے بہت افسوس ہوا کہ جناب کو خواہ مخواہ کی انتظاری رہی۔ میرے پہلے چالیس روپے 'خاکِ پروانہ' کے حساب میں وضع کیجیے اور مبلغ پچاس روپے 'رام چرچا' کے حساب میں۔ 'رام چرچا' چھاپی تو بچوں کے لیے ہے، مگر ضخیم ہو جانے کی وجہ سے ہمارا مقصد مفقود ہو گیا ہے، اور اسکولوں والے اسی اعتراض کی بنا پر خریدنے سے جھجکتے ہیں۔ چنانچہ میں اس کتاب کو تبادلے کے طریقے سے ہی نکال رہا ہوں۔ چنانچہ چار سو کتابیں تبادلے میں دی گئی ہیں، کیونکہ تبادلے کے حساب سے 1 روپیہ 4 آنے کے حساب سے دی گئی ہیں، اس اس کے رائلٹی ایک روپیہ

فی کتاب کے حساب سے ملے گی، کیونکہ کتاب کی قیمت ایک روپیہ مقرر کی گئی ہے۔ 1 روپیہ 4 روپیہ آنا تو تبادلے کے لیے ہے۔ باقی حساب اس طرح ہے— 150روپیہ کی مالیت کی کتاب وہ حساب تبادلہٗ واشی فروخت کی گئیں—

رائلٹی— 32 روپیہ 13 آنے صفر پائی

رائلٹی 100 کتاب— 17 روپے 8 آنے صفر پائی

کل 50 روپے 5 آنا

چنانچہ مبلغ 50 روپے بذریعہ منی آرڈر اور آٹھ آنے فیس منی آرڈر حساب میں درج فرما کر مشکور کریں۔ 'خاکِ پروانہ' کی رقم ہماری طرف واجب عائد مبلغ بیالس روپے تھی، جس کے عوض جناب کو چالیس روپے نقد اور بموجب جناب کے ارشاد۔ 1 روپے 7 آنا 9 پائی کی کتاب بازار سے خیرد کر ارسال خدمت کی گئیں، اور سات آنے محصول ڈاک یعنی کل 1 روپے 14 آنا 9 پائی، یعنی کل حساب صاف ہو چکا۔ باقی رہا ناول کے لیے، آپ سے کئی بار درخواست کی گئی، مگر جناب نے ہمارا ذرہ بھر بھی خیال نہ کیا۔ برائے مہربانی یہ ناول ضرور ہمارے لیے مخصوص رکھیں گے۔ ناول کب تیار ہوگا؟ اس کی ادائیگی کس طرح کی جاوئے،آپ ہی بتائیں۔ میرے لیے لکھیں، بالکل اس پر عمل کیا جاوئے گا، اور کسی قسم کی ادائیگی میں دیری یا وعدہ خلافی نہ کی جاوئے گی۔ کسی قسم کی سیوا ہو تو لکھیں۔

سوم پرکاش

نوٹ : مجھے پوری امید ہے کہ اس بار نراش نہ کریں گے اور ضرور ضرور مجھے یہ کتاب دے کر مشکور کریں گے۔

قدوائی کا خط

مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

21/نومبر 1928

مکرمی!

آپ کا کارڈ ملا۔ یاد فرمانے کا شکرگزار ہوں۔ میں آپ کے خط کا انتظار کرکے سجاد حیدر صاحب سے 'چوگان ہستی' عاریتاً لے کر پڑھی اور میں آپ کو ایک ایسی عظیم الشان

تصنیف پر سچے دل سے نہایت مؤدبانہ مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ آپ کی تصانیف کے متعلق میرا کچھ عرض کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن پھر بھی یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مجھے اردو میں بہت کم ایسی عمدہ اور کامیاب ناولیں پڑھنی نصیب ہوئی ہیں، بلکہ بعض حیثیت کے بنا پر غالبًا میں غلط نہیں کہتا کہ یہ اردو کا صرف ایک بہترین ناول ہے۔ اگرچہ 'بازارِحسن' بھی آپ کی ایک معرکۃالآرا تصنیف ہے لیکن 'چوگان ہستی' اس سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی چیز ہے۔ اگر 'بازارِحسن' ایک خاص طبقے، ایک محدود جماعت کے اصلاح اور مفاد کے لیے کامیاب سعی ہے تو 'چوگان ہستی' ایک قوم، ایک ملک کے محدود اور بہتری کی راہ میں ایک کوشش ہے جو ایک طبقے کی اصلاح سے زیادہ مفید، زیادہ بلند ایک چیز ہے اور اس سلسلے میں لگی لپٹی باتوں میں میرے خیال میں تمام وہ مسائل آپ نے پیش کردیے ہیں جو ہمارے زندگی سے متعلق ہیں اور ہماری معاشرت کے اصلاح اور کامیابی کے لیے ازبس ضروری ہیں۔ تفصیلی رائے کی اس وقت گنجائش نہیں۔ لہٰذا میں ایک مرتبہ پھر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ مجھے افسوس اس امر کا ہے کہ اردو نے اپنی زبان کے اتنے بڑے محسن کی طرف سے ایسی بے پروائی برتی ہے۔ لیکن میں مایوس نہیں ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ بہت جلد اردو کو اس گناہ کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ میں اس دن کا انتظار کر رہا ہوں جب آپ ڈاکٹر ٹیگور کے ہم پلہ اور نوبل پرائز کے مستحق سمجھے جائیں گے۔

اس کا افسوس ہے کہ آپ کو میرا خط دیر سے ملا، لیکن اسے کیا کیجیے کہ مجھے کتاب کی اشاعت کی خبر دیر سے ملی؟ بہرحال جب آپ مجبور ہیں تو میں بھی خاموش ہوجاؤں گا۔
''خاک پروانہ'' اور ''خواب و خیال'' دیکھنے کی آرزو باقی ہے۔

'اصنام خیالی' انشاء اللہ جلد حاضر خدمت ہوگی۔

خاکسار

سُدرشن کا خط

دی سُدرشن پبلی شنگ ہاؤس، لاہور

17-11-1930

بھائی جان، نمستے!

کارڈ ملا، شکریہ! مجھے یہ خیال نہیں کہ کہانی ہندی میں نہ چھپی ہو۔ اندیشہ یہ ہے کہ

کہیں اسے کسی اخبار نے ترجمہ کر کے نہ شائع کر دیا ہو! اردو اخبارات میں یہ عام مرض ہے۔ ایسی حالت میں ''چندن'' کی کرکری ہوجائے گی۔ پہلے ہی پرچے پر لے دے شروع ہو جائے گی۔ میری ناچیز رائے میں اب جو کہانیاں نہیں چھپی، ان پر صاف لکھ دیں۔ ترجمہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اس طرح میں جو کچھ ''چندن'' میں لکھ سکوں وقف عام نہ ہونے دوں۔ اس طرح میری چیز میرے کام آسکتی ہے۔ اور بغیر کسی ڈاک زنی کے اندیشے کے۔

میری دلی خواہش ہے ''چندن'' پر آپ کا نام بھی ایڈیٹر کے طور پر دیا جائے۔ اس سے مجھے بھی فائدہ پہنچنے کا امکان ہے، آپ کو بھی۔ برائے نوازش با قاعدہ اجازت دیں، تو اخبار کے لیے جو کچھ بھیج رہا ہوں، اس میں آپ کا نام بھی دے دوں۔ آپ کے ''مادھوری'' پرچے کے ماہ اکتوبر میں ایک سہ رنگی تصویر ''جوبن'' نکلی ہے۔ یہ تصویر مجھے بہت پسند ہے۔ چاہتا ہوں، اسے ''چندن'' میں دے دوں۔ کیا آپ اس کے بلاک مجھے بھیجوا سکتے ہیں؟ 4-2 کرائے کے مانگے تو حاضر ہے۔ تصویر چھپ جانے پر بلاک حفاظت سے لوٹا دیے جائیں گے۔ یہ کام ضرور کر دیجیے گا۔ بھابھی صاحبہ کے مقدمے کا فیصلہ کیا ہوا؟ لکھیے گا۔ مسز سدرشن کہتی ہیں۔ دیکھیے، ہماری باری کب آتی ہے؟ بچوں کو پیار!

آپ کا، سُدرشن

بھائی جان، کہانی 26-25 نومبر تک بھیج دیں تو بہت نوازش ہو۔ پہلا پرچہ ہے۔ شان سے نکل جائے تو لوگوں میں دھاک بن جائے۔

پانڈیہ بیچن شرما ''اُگر'' کا خط

بیسویں صدی پُستکالیہ،

گئو گھاٹ، مرزا پور،

نومبر، 1930 کے آس پاس

شرَدھیہ،

پتر ملا، آفس پَرِورتن کی اسووِدھاؤں نے اُتّر میں وِلمب کرایا ہے۔ '' بڑھاپا'' کے بارے میں آپ کی سینہ زوری میں زور نہ لگاؤں گا— لگا بھی نہیں سکتا — پر آپ مجھے

ہمیشہ ہی اپنے ''وِشِشٹوں سے الگ رکھنے کی چیشٹا کریں تو بھلا رہے گا۔آپ کے سنگرہ میں آپ کے بیوپارِک سووِدھاچاہے جو ہو، میرا کوئی لابھ نہیں۔ اور میں لابھ کا ہندی وِکھیات لوبھی ہوں۔ اچھا ہوتا یدی آپ مجھے اپنی لکیر پیٹتے جانے دیتے۔ وِشیش دیا•••

آپ کا،

پانڈے بیچن شرما

جینندر کمار کا خط

اسپیشل جیل، گجرات

4/دسمبر 1930

بابو جی،

آپ کا خط سمے پر مل گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید وشیشانک نکلنے میں اوکاش ہو، ایک کہانی لکھ ڈالوں، اس کے ساتھ ہی پتر کا جواب دے دوں گا۔ لیکن یہاں کی دھوم دھام میں کہانی تو لکھی نہ جاسکی اور وہ وقت آگیا کہ خط کے جواب کو اور ٹالنا دھرشٹتا ہوجاتی۔ اس سے اتنی دیر بعد بھی خالی خط ہی بھیج رہا ہوں۔ چھما کریں۔

کیا وشیشانک نکل گیا؟ ایک (میری) پرتی شیخ محمد علی صاحب، مِل آنر گجرات کے پتے پر بھجوا دیں۔ میرا نام نہ لکھیں۔ وہ مجھے یہاں پہنچ جائے گی۔ جیل کے پتے پر بھیجے گئے اخبار نہیں ملنے دیے جاتے۔ کرپا کر دھیان رکھ کر ضرور سوچنا بنارس دے دیں۔

کیا آپ کی پتنی کے جیل جانے پر دھنیہ واد دوں؟ یہ اس لیے بھی دھنیہ واد کا وشے ہوسکتا ہے کہ آپ کی اس طرح جیل آنے کی راہ اور آوشیکتا روک گئی۔ کتنے پتیوں کو روک رکھا ہے لیکن وے پتی دھنیہ ہیں جن کی پتنیاں آگے بڑھ کر جیل میں پہنچ گئیں اور ان کو رکنے کو لاچار کر گئیں۔

''کنکال' کی اردھ پرکاشت پرتی میں نے دیکھی تھی۔ پرساد جی کی رکرتی ہے بری کیسے ہوتی؟ 'اُگر' جی کے 'شرابی' کا نمونہ 'متوالا' کے پرشٹھوں میں دیکھا یاد پڑتا ہے۔ 'گڑھ کنڈار' بالکل ہی نیا نام اور نیا کام معلوم ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتا میں یہاں کسی سے کوئی چیز مانگ سکتا ہوں۔ ہاں 'شرابی' اور 'گڑھ کنڈار' پڑھنا ضرور چاہوں گا۔ آپ کے پاس

کاہے کو کوئی پرتی ہوگی؟ اگر 'ہنس' کے لیے پراپت ہوئی دو پرتیوں میں سے ایک یہاں (ارتھات اوپر دیے پتے پر) بھیجی جاسکیں تو میں آلوچنا 'ہنس' میں بھیج دوں گا۔

رشبھ چرن کا خط ملا کہ آپ 'پرکھ' کو پرساد اسکول کے ادھک نکٹ سمجھتے ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ آپ کو وہ پسند آئی ہے اور آپ سالوچنا 'ہنس' کے اسی انک میں دے رہے ہیں۔ 'ہنس' ملا تو آلوچنا میں دیکھوں گا ہی۔ پر 'پرکھ' میں آپ کے انوسار کہاں کیا ادھک اور کیا کم ہونا چاہیے تھا، یہ میں آپ سے جانے بنا سنتشٹ نہ ہوں گا۔ پریکچھک کے ڈھنگ سے میں اسے آپ کو سونپنا چاہتا ہوں، انتر کیول اتنا ہے کہ پریکچھارتھی کے نمبر دینے کے ڈھنگ کو بھی سمجھنا چاہتا ہوں۔ رشبھ چرن نے جو اسکول کی بات لکھی اس کا بھی خلاصہ میں جاننا چاہوں گا۔

پتا چلا ہے کہ اودھ اپادھیائے جی کی آلوچنا دیوی دت جی نے 'سرسوتی' میں نہیں چھاپی۔ سچ بات تو یہ ہے کہ وہ تھی بھی اس لائق نہیں۔ لیکن آلوچنا انھیں پسند نہیں آئی، اتنا ہی ہوتا تو اچرج کی بات نہ تھی۔ سنتے ہیں کتاب انھیں اور بھی ناپسند ہے۔ ایک اور متر کے سنبندھ میں معلوم ہوا ہے کہ انھیں 'پرکھ' میری پرتشٹھا کے انوکول نہیں جچی۔ گویا کہ لکھنے سے پہلے ہی میری لیکھنی کی پرتشٹھا بن گئی تھی۔ ان سب اوٹ پٹانگ سمپتیوں کا کیا بنایا جائے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر لوگ آپ کو اور پرساد جی کو منگلا پرساد پاریتوشک نہیں دیتے اور پھر بھی یوگیہ ویکتی کو ہی دینا چاہتے ہیں تو وہ مجھے ہی دے سکتے ہیں۔ پارتوشک کا سمّان اسی میں ہے۔

تو 'میری میگڈلین' آپ چھاپیں گے۔؟ یہ ٹھیک ہے۔ 'غبن' کب تک ختم ہوگا؟ کتنی موٹی چیز ہے؟ کوئی 'رنگ بھومی' کے ٹکر کی دوسری چیز بھی لکھیے نہ؟ آپ اور کیا لکھ رہے ہیں؟ نہ جانے کون کہتا تھا کہ اکیڈمی کے لیے Galsworthy کا انوواد کرنا آپ نے شروع کیا ہے؟ کیا یہ ٹھیک ہے؟ مجھ سے آپ پوچھیں اور ناراض نہ ہوں تو میں کہوں گا کہ گالس وردی کے انووادک تو بہترے نکل آئیں گے پریم چند اس کام کو کرتے ہیں تو ہندی کا دربھاگیہ ہے۔ گالس وردی کی چیزوں کو میں نے دلی جیل میں چکھ دیکھا تھا، ولایتی پن اور ولایتی بھاشا کے عجیب پن کے آکرشن کو دور رکھنے کے بعد کیا میں ذرا دیر کے لیے بھی گالس وردی کو پریم چند سے اونچا مان سکتا ہوں؟ آپ کہانیاں لکھیں، رنگ بھومیاں لکھیں،

پر میرا نویدن ہے کہ گالس وردی کے انوواد میں پھنس کر پریم چند سے ونچت رکھنے کا انوپکار ہندی ساہتیہ پر نہ کریں۔

'مادھوری' والوں نے میرا پُرسکار گھر بھیج ہی دیا ہوگا۔ 'مادھوری' میں 'پرکھ' کی سمالوچنا نکلی یا نہیں؟ 'مادھوری' کی بھی میری پرتی شیخ محمد علی کے پتے پر بھیجنے کو کہہ دیں تو کرپا ہو۔

آپ سے ملنے کو کیسا جی چاہتا ہے! سدیہہ ساکچھات اور وارتالاپ نہیں ہوتا تب تک پتر سے ہی سہی۔

میں یہاں سروتھا کُشل اور آنند سے ہوں۔ آپ کی بدھائیوں پر پرسن اور کرتگیہ ہوں۔ شاید آپ اس بات پر ایک اور بدھائی بھیج دیں کہ ابھی کچھ دن ہوئے پرماتما نے مجھے ایک پُتر کا پتا بنا دیا ہے۔

آپ کا

جینندر کمار

جینندر کمار کا خط

اسپیشل جیل، گجرات (پنجاب)

17 دسمبر 1930

بابو جی،

بہت دن ہوئے یہاں سے آپ کو امین الدولہ پارک کے پتے پر ایک خط ڈالا تھا۔ معلوم نہیں آپ کو وہ ملا بھی یا نہیں۔ آپ کا خط نہ پانے سے جان پڑتا ہے، نہیں ملا۔

'پرکھ' ہندی گرنتھ رتناکار نے ہی چھاپی ہے۔ آپ کو اوشیے مل گئی ہوگی۔ وہ آپ کو کیسی لگی؟ آپ کی کھلی سمّتی سننے کی بڑی اچھا ہے۔ ناتھورام جی پریمی نے اس پر اودھ اپادھیائے جی کی وِسترت سمالوچنا کی ایک پرتی میرے پاس بھیجی ہے۔ وہ اپادھیائے جی نے سرسوتی میں بھیجی تھی۔ مجھے تو اخبار مل پاتے نہیں اس سے معلوم نہیں رہتا کہاں کیا نکلتا ہے۔ کیا آپ نے بھی اس کے سنبندھ میں 'ہنس' یا 'مادھوری' میں کچھ لکھا ہے؟ اپادھیائے جی نے تو کتاب کی بے حد تعریف کر دی ہے۔ آپ جانتے ہیں مجھے ان کی پرکھ پر بہت

بھروسہ نہیں ہے۔ وگیان کی ترازو پر تول کر جو ساہتیہ پر نرنے دیا جاتا ہے، اس کے موہ میں میں نہیں پڑنا چاہتا، لیکن آپ کی اور دو ایک سجنوں کی اچھی سمّتی مجھے چاہیے ہی۔ آپ کی اور ان کی نگاہوں میں پاس سمجھا گیا تو یہی میرے لیے سب کچھ ہے۔ شیش سے تعریف پانے کی اِچھا جیسے یا چنتا مجھے بالکل بھی نہیں ہے۔ آپ کو میں 'میری میگڈلین' دے آیا تھا۔ نو دس مہینے ہوئے ہوں گے۔ اس کے پرکاشت ہونے کا اب کیا حال ہے؟ جیسے اور جہاں سے اچت سمجھیں چھپوا دیں اور پیسہ گھر بھجوا دیں۔ میں یہاں جیل میں ہوں گھر پر ہر تانبے کے پیسے کی ضرورت ہے۔ اس سنبندھ میں میں یہ بھی آپ کی معرفت 'مادھوری' کے ویوستھا پک جی کو یاد دلوانا چاہتا ہوں کہ شاید اپریل (یا آس پاس کے) مہینے کی 'مادھوری' میں پرکاشت کہانی (دلی میں) کا پرسکار مجھے نہیں ملا ہے۔ وہ کرپا کر گھر بھیج دیا جانا چاہیے۔ تھوڑا کشٹ اٹھاکر یہ کام آپ کرا سکیں گے تو بڑی کرپا ہوگی اور 'میری میگڈلین' کا بھی دھیان رکھیں گے تو آبھار ہوگا۔

آپ نے اس بیچ کیا لکھا ہے؟ نئی چھپی چیزوں کی ایک ایک پرتی اوشے بھجوا دیجیے۔ جیل میں کتابوں کی قیمت اور ضرورت اور چاہ کتنی رہتی ہے، یہ ہمیں جان سکتے ہیں۔

اور آپ کیسے ہیں، یہ اوشیہ لکھیں۔ یہاں دو ایک آپ کے زبردست مرید ہیں۔ اب انھیں پتا چلا کہ میں آپ سے Writing Terms پر ہونے کا سوبھاگیہ رکھتا ہوں، تو انھوں نے مجھے شتشہ انورودھ پُوروَک آپ کو ان کی Respects لکھ بھیجنے کو کہا۔ وہ آپ کی کشلتا سننے کے بڑے آکانچھی ہیں۔ میں انھیں ان آٹھ دس گھنٹوں کا حال سنا چکا ہوں جو مجھے اب تک آپ کے ساتھ بتانے کے لیے ملے ہیں۔ ان کی یاد میرے بھیتر بسی ہے۔ بڑے مزے کی وہ یاد ہے۔ لیکن وہ میں آپ کو نہیں سناؤں گا۔

آشا ہے آپ پرسن اور سوستھ ہوں گے اور پتر دیں گے۔

میں یہاں اتنی اچھی طرح ہوں کہ کیا کہوں۔ کھانا بہت اچھا ملتا ہے، جیل کے اندر گھومنے کو اور کھیلنے کو خوب ملتا ہے۔ بس اخبار نہیں ملتے، یہی ذرا کمی ہے۔ سو یہ بھی کچھ نہیں اگر نئی نئی کتاب ملتی رہیں۔

وشیش نمسکار اور آدر کے ساتھ۔

آپ کا، جینندر کمار

لاجپت رائے اینڈ سنس لاہور کا خط

لاجپت روائے اینڈ سنس لاہور

19.12.1930

شریوتی پوجنئے منشی جی،

نمستے!

خط ملا، دو ہزار کی ایڈیشن یا ایک ہزار میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اردو ایڈیشن چاہے ایک ہزار چھپوا لیا جائے، چاہے دو ہزار، اس میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ البتہ ہندی ایڈیشن دو ہزار ہی چھپوانے میں فائدہ ہوتا ہے۔ اردو ایڈیشن عموماً اور خصوصاً ایک ہزار ہی چھپتے ہیں۔ رائلٹی کی الجھنوں میں میں پھنسنا نہیں چاہتا، کیونکہ اس میں آپ کو بھی خیال رہے گا اور مجھے بھی۔ خواہ مخواہ کی پابندیوں اور الجھنوں میں پھنسنا پڑے گا۔ اس میں خواہ مخواہ کے نقص اور شک و شبہات کا احتمال رہتا ہے۔ ریٹ کے متعلق عرض ہے کہ پچھلی خط و کتابت میں ایک روپیہ چھ آنے طے ہوئے تھے، جب کہ ہم ایک روپیہ نو آنے پر زور دیتے تھے، مگر مجھے منظور ہے۔ اس ناول کی ادائیگی کا یہ حساب ہوگا ارسال خدمت کیا جائے گا۔ اس کے چھپنے پر پوری رقم کا،جس کی میعاد ایک ماہ ہوگی، بھیج دیا جائے گا۔ ادائیگی میں کسی قسم کا نقص یا خلاف تصفیہ کوئی کام نہ ہوگا۔ کم از کم پہلے بھی آپ کا حساب صاف رہتا ہے۔ 'خواب و خیال' کی تیاری میں خاص وجوہات کا سامنا تھا جو کہ آپ پر روشن ہے۔ میں کامل امید رکھتا ہوں کہ آپ میری درخواست کو سوِیکار کریں گے۔

جواب کا منتظر،

سوم پرکاش

پطرس کا خط

25، بیڈن روڈ، لاہور

26 دسمبر، 1930

محترم بندہ،

اسی ڈاک سے ایک کتاب اِرسالِ خدمت ہے۔ اس کتاب کے بھیجنے سے آپ کی

ضیافت طبع نہیں، اپنی عزت افزائی مطلوب ہے۔ امید ہے جناب، شرفِ قبولیّت بخشیں گے۔

خاکسار، پطرس

جینندر کمار کا خط

اسپیشل جیل، گجرات

7رجنوری 1931

شردیے بابوجی،

آپ کا پتر سمے پر مل گیا تھا۔ اتر آج اس لیے دے رہا ہوں کہ جنوری کا پہلا ہفتہ ختم ہوجاتا ہے اور 'ہنس' کے لیے کہانی بھیجنے کے خیال کو پاس رکھنے کی گنجائش بھی بالکل ختم ہوجاتی ہے۔ بات تو اصل میں یہ ہے کہ کہانیاں ہوگئی ہیں پر بھیجی نہیں۔ پریس آرڈیننس کی خبر پاتے ہی ڈر ہوا کہ 'ہنس' کا یہ انک نکل بھی گیا تو آگے نہیں نکلنے دیا جائے گا۔ اور کیا معلوم وشیشانک بھی نکل پائے یا نہیں۔ پھر سنبھاونا تھی کہ ان کہانیوں کو جلدی ہی ہندی گرنتھ رتناکر بھیجنا پڑ جائے۔ وہ سنگرہ چھاپتے ہیں اور کچھ نئی اپرکاشت کہانیاں چاہتے ہیں۔ بات جنوری تک سنگرہ کے نکل جانے کی تھی۔ آپ کو کہانی بھیجی گئی اور اخبار بند ہوگیا یا وشیشانک میں اس کے نکلنے کی سنبھاونا نہ رہی تو اس طرح اس کے پھر جلدی بمبئی جانے میں گڑبڑ پڑ جاتی۔ اس طرح جو چار کہانیاں اس بیچ لکھ ڈالی گئی ہیں میرے پاس ہیں۔ پرانی پرکاشت کہانیوں کو ان سے (ناتھورام جی پریمی سے) پانے کی پرتیکشا کر رہا ہوں تاکہ ان کو ایک بار پھر دیکھ کر ان کے ساتھ ہی ان نئی کو بھی روانہ کر دوں۔ کرپا کر لکھیے کہ آرڈیننس کی کرپا آپ کے پریس اور پتر پر تو نہیں ہوگئی؟ پتر نکلتا ہو تو کرپا کر میری بھول کو چھما کر دیجیے۔ پتر نکلتے تو، اگر پہلے لکھے پتے پر نہ بھیجا گیا ہو تو جیل کے پتے پر ہی بھجوا دیجیے گا۔ 'مادھوری' بھی۔ 'مادھوری' کی اس کہانی کے میرے پرسکار کے بارے میں کیا ہوا، سو آپ نے نہیں لکھا تھا۔ 'مادھوری' کے نام پر وہ بات بھی یاد آگئی ہے تو آپ کو بھی یاد دلا دیتا ہوں۔

'گڑھ کنڈار' اور 'شرابی' اگر آپ کو پراپت ہوگئے ہیں تو میں دیکھنا چاہوں گا۔ سالوچنا جہاں لکھیں گے بھیج دوں گا۔

'غبن' تیار ہوگیا؟ اس کے بعد ہی 'میری میگڈلین' پریس میں جائے گا نہ؟ تیار ہوگیا ہو تو پچھلی کتابوں کے ساتھ 'غبن' کی ایک پرتی بھی بھیجے گا۔

مارچ کے انت تک میں چھوٹوں گا۔ لکھت نہیں تو سیوا میں اُپستھت ہوکر موکھک ہی آپ سے اپنی رچنا کے سنبندھ میں آدیش اور آلوچنا پراپت کروں گا۔

لیکن اتنا ضرور لکھیے کہ آپ کی رائے میں 'چلبلاہٹ' کم ہونی چاہیے نہ؟ شاید میری کرتی میں یہ پریاپت سے ادھک ماترا میں ہوتی ہے۔

میں نے ابھی ٹھیک پارکھی اور آلوچک درشٹی سے ساہتیہ کو جانچنا اور جمانا (Assortment) نہیں سیکھا۔ شرینی اور 'اسکول وبھاجن' کا کام میں اپنے لیے من چاہے جیسے کر بھی سکوں دوسری کے لیے اور چھپنے کے لیے نہیں کرسکتا لیکن 'پرساد اسکول' شبد کاشی میں سن پڑا تھا۔ سوبھاوتہ دوسرا اسکول آپ کا ہی ہوگا۔ خیر جو ہو میں تو چاہتا ہوں یہ کام سب اپنے لیے کرلیا کریں۔

میں بالکل پرسن اور سوستھ ہوں۔

آپ کا

جیندر کمار

پریم چندر شرما

08.01.1931

شری بھائی صاحب،

بندے،

پچھلے پتروں کا اُتر اس پرکار ہے۔ ''ہنس'' پچھڑ گیا، پر اس ......ولابھ کا دوش مجھ پر ہی نہیں ہے۔ یہ آپ نے سمجھ لیا ہوگا، ......ہونے کے کارن اتنا پچھڑا بھی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ستمبر کا انک بھی 20-15 تک آوٹ کردیا جاتا ہے۔

پریس کا حساب جو آپ کے پاس بھیجا گیا۔ اس میں کچھ بھول ہو گئی...... جو سادھارن دینک ......ہوتی ہے وہ لکھی گئی ہے۔ جس کے انوسار

سیکریٹری، پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی، لاہور کا خط

No. 2008/11
9th January, 1931

From
The Secretary,
Punjab Text Book Committee, Lahore.

Sir,

I have the honour to forward the publication noted below and should be obliged if you would favour me with your opinion as to whether the author deserves an award from the Patronage of Literature Fund for the production of this book. Will you kindly also let me know whether the committee can recommend it for school liberaries or prizes. A copy of the rules governing the award of prizes for good vernacular literature is enclosed herewith.

It would be convenient if your reply could reach me not later than the 5th February, 1931. The book need not be returned.

'Hindi Sahitya Ka Vivechnatmak Itihas' (A History of Hindi Literature), by Surya Kanta with a chapter on Hindi by Dr. Benarsi Das.

I have the honour to be,

Sir,
Your most obedient servant,
Sd./- Secretary
Punjab Text-Book Committee

سُوم پرکاش کا خط

لاہور

11-01-1931

شری مان پوجیہ منشی جی، نمستے!

میری اب خواہش تھی کہ ایک کے بعد دیگرے سلسلے وار آپ کی کتب شائع کرتا، مگر آپ کے آمدہ خط سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری خواہش پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ آپ نے پہلے خیال میں دو ناول مجھے دینے کی رضا مندی ظاہر کی تھی۔ میں نہیں کہ سکتا کہ آپ کو کچھ چھاپنے میں کہاں تک کامیابی ہو گی۔ ''خاکہ پروانہ'' کی بابت مجھے پوری طرح معلوم نہیں، تاہم وہی خواہش ہے کہ کم سے کم آپ کا یہ ناول، جو آپ کے ہاتھ میں ہے، ضرور شائع کروں، اگر آپ کی مہربانی شاملِ حال (شامل) ہو تو۔ میں ضد نہ کرتا، مگر خاص وجہ سے بار بار اشارہ کر رہا ہوں، اور کامل امید کرتا ہوں کہ میری درخواست قبول کریں گے۔ گرمیوں میں کلکتہ جانے کا وِچار ہے۔ غالباً ضرور درشن کروں گا۔ جواب میں دیری ہو گئی، معاف کریں گے۔

جواب کا منتظر

سوم پرکاش ساہنی

سمبھو ناتھ شرما کا خط

C/o Mr. Hari Ram sethi,
Managing Director,
Panjab Film Co. Ltd.,
Manohar Mansion,
66, Jail Road, Lahore

Jan. 13, 1931

Dear B. Premchand,

I hope you remember the evening a few days back when I had the occassion to see you in your 'Madhuri' office with Mr.

'Nirala ji'. Unfortunately I could not talk with you though I very much liked to do so about films. But till I did not know your views about that. The day after I learnt from Mr. D.K. Bose the film director of one local film company there that you want your books to be produced in films. I also learnt that you sent some of your books 'Sevasadan' and 'Prem Ashram' in some Bombay studios and they wanted you to send the scenerios of them. Unfortunately I could not get time again to see you for the purpose as I had to leave for Lahore.

I am here in the Panjab Film Co. as an Asstt. Director. To tell you sincerely if you do not want to kill your reputation then please do not send your books to Bombay. I have remained in Bombay and I know what sort of stiff they produce. I myself was in search of a company who are really able to produce good films. I have joined the Panjab Films only recently and I can see that they are doing something. Till now they have produced three pictures spending about two lakhs over them. They are not yet released. They are worth International market and arrangements being made for that. I have read your 'Premashram' and I can see that there are much screen possibilities in it.

So I should request you to send 'Premashram' to me for scenerio at once without delay. I shall write the scenerio of it. If you want to know more about me you may ask from Mr. Surya Kant Tripathi 'Nirala'. He is my friend. I need not add that you can make a good fortune in having connection with our film co. We have ample funds and we want to spend it in the right way. I would rather ask you to come to Lahore and see our studio and understand what we are doing.

Nothing more for the present. I should rather ask you to send 'Pramashram' very-very very soon. I being a friend of 'Nirala ji' and you two being friends have got legal rights to force you too for the purpose.

Hoping this shall find you in sound health and to hear soon from you.

Yours very sincerely,
Shambhu Nath Sharma'

B. Premchand, B.A.
Editor 'Madhuri'
Nawal Kishore Press,
Hazrat ganj, Lucknow

سوم پرکاش ساہنی کا خط

لاہور

17-01-1931

شری یُت منشی جی، نمستے!

پتر ملا، شکریہ۔ آپ نے وعدہ پورا کرنے کے لیے تو لکھا، مگر آدھے سے بھی کم، کیونکہ آپ کو بخوبی یاد ہوگا کہ فی صفحہ بجائے 1 روپیہ 4 آنے کے 1 روپیہ 6 آنے پر تصفیہ ہوا تھا؛ مگر چونکہ اب آپ اسی نرخ پر بضد نظر آتے ہیں، لہذا مزید بار بار لکھنا فضول ہے۔ آپ کے نرکھ منظور ہیں، مگر اس کے ساتھ ہماری بات بھی منظور کر کے شکریہ کا موقع دیں۔ آپ نے پہلے ایڈیشن کا ایک روپیہ، دوسرے کے لیے بارہ آنے، تیسرے کے لیے آٹھ آنے کہے ہیں، ٹھیک مگر اس کے بعد ہم اس کے پورے کاپی رائٹ کے حقدار ہیں۔ اب تو آپ کو بھی معقول اُجرت مل گئی، اور کوئی وجہ نہیں کہ آپ اسے نامنظور کریں۔ منظوری کے ساتھ کتاب بھی بھیج دینے کی کرپا کریں، تاکہ ساتھ ساتھ کتابت شروع ہو جائے۔ کسی قسم کا کام ہو تو لکھیں۔

آپ کا، سوم پرکاش ساہنی

جینندر کمار کا خط

اسپیشل جیل، گجرات

20رجنوری 1931

بابو جی،

پندرہ تاریخ کو میں نے آپ کو کہانی بھیجی تھی۔ رجسٹری سے بھیجتا کیسے، اس سے بیرنگ بھیجی تاکہ پیسے وصول کرنے کی وجہ سے پوسٹ آفس کو اسے ٹھیک جگہ پہنچانے کی چنتا رہے۔ وہ آپ کو مل گئی نہ؟ وہ لکھی تو چودہ تاریخ کو گئی تھی لیکن ختم نہیں ہوئی تھی۔ جب آپ کو بھیجی، دوبارہ دیکھ بھی نہ پایا۔ ایک جگہ ایک شبد سوجھ نہیں رہا تھا اس سے Gap چھوڑ دیا تھا۔ مجھے پیچھے اس کا خیال آیا۔ خیر جہاں تہاں کی غلطیوں کو آپ نے سنبھال دیا ہوگا۔ 'ہنس' کب تک آئے گا، لکھیے۔ آپ کی کتابیں اب تک نہیں ملیں۔ شاید بھیجنے میں بھول ہوگئی، اب تک بھیج نہیں پائے۔

آپ کا

جینندر کمار

سوم پرکاش ساہنی کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس،

لاہور

01-02-1931

شری یُت منشی جی، نمستے!

خط ملا، خوشی ہوئی۔ میں آپ سے بھی امید رکھتا تھا کہ آپ مجھ پر نظریں عنایت کریں گے۔ آپ دیکھیں گے کہ میں کام کس خوش اسلوبی سے کرتا ہوں۔ میں آپ کی خدمت میں فہرست بھیج رہا ہوں اور نئی پبلی کیشن کی لِسٹ، جس سے آپ خود اندازہ لگا سکیں گے کہ پنجاب میں کس خوش اسلوبی سے ہماری دکان کام کر رہی ہے۔ آپ بھی ہمیشہ اس دکان کی سرپرستی کرتے رہیں گے۔ مجھے آپ سے پوری پوری امید ہے۔

ہماری دکان کے لیے اس وقت منتخب اور پنجاب کے مانے ہوئے کاتب کام کر رہے ہیں۔ اس بات سے آپ بے فکر رہیں۔ آپ کی دو کتابوں کی لکھائی جو کی گئی ہے، اس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مسودہ جلدی بھیج کر مشکور فرماویں۔ میرے لائق کوئی سیوا ہو تو حکم کریں۔

خادم، سوم پرکاش ساہنی

سوم پرکاش ساہنی کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس،

لاہور

05-02-1931

شری یُت پریم چند جی، نمستے!

تقریباً آدھا مسودہ جتنا کہ اپ نے بھیجا ہے، مل گیا۔ مبلّغات اگلے ہفتے میں آپ کی خدمت میں پہنچ جاویں گے، اور جتنے زیادہ سے زیادہ بھیج سکا، بھیجواؤں گا، نہیں تو باقی آئندہ کچھ دنوں کے بعد۔ کتاب کل کاتب کو دے دی جاوے گی۔ امید ہے، باقی حصہ بھی جلد بھیجنے کی کرِپا کریں گے۔ ٹائٹل رنگین ہو یا کور پیپر والا کاغذ لگایا جاوے؟ غالباً سُدرشن صاحب کی ''طاہرِ وفل'' دیکھی ہو گی۔ اپنی قیمتی رائے سے آگاہ کریں گے۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بیان کریں۔ ابھی نواب اقبال والا کاتب آیا ہے اور مسودہ دے دیا گیا ہے۔

آپ کا، سوم پرکاش ساہنی

انّپورنانند کا خط

پرکاشک، انڈین پریس لمیٹیڈ،
جبل پور برانچ، جبل پور

9-2-1931

مانیہ ور،

''پریما'' کے آگامی اپریل کا انک وِشیشانک ہوگا۔ ''ہاسیہ رس وِشیشانک''۔ اس کا

سمپادن مجھے سونپا گیا ہے۔ آپ لوگوں کی کرپا کا سہارا ہے۔

اسی کے لیے مجھے ایک چھوٹا سا ہاسیاتمک گلپ چاہیے۔ یوں تو آپ کی شیلی میں ہاسیہ رس کا لاجواب پُٹ رہتا ہے، پر یدی وِشیش پرکار سے ہاسیہ رس کی گلپ ہوگی تو وہ ایک نایاب چیز ہوگی۔ آشا ہے، آپ کرپا کریں گے۔ سب باتوں کا خیال کرتے ہوئے اس گلپ کے لیے آپ جو کچھ سیوہ نردھارت کریں گے، اسے بنا کسی آنا کانی کے حاضر کردوں گا۔

آپ سے نہیں کی آشا نہیں ہے۔ فروری کے انت تک بھی آپ بھیج دیں تو کام چل جائے گا، کیونکہ شروع مارچ سے چھپائی آرمبھ کر دینے کا وِچار ہے۔

کرپیا اتر شیگھر دیجیے گا، نہیں تو چنتا بنی رہے گی، آشا ہے آپ پرسّن ہوں گے۔

کرپیشی، انپورنانند

سیّد احمد شاہد، لاہور کا خط

اُتم چند کپور اینڈ سنس،

انار کلی، لاہور

11-02-1931

جناب مکرمی منشی صاحب، تسلیم!

میں نے اس روز آپ کی بہت انتظار کی اور مجھے خود آپ کے گھر کا پتہ معلوم نہ تھا۔ اس لیے نہایت افسوس کے ساتھ واپس لوٹ آیا۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ مجھے اس روز آپ سے بہت باتیں کرنی تھیں اور کچھ نہ کچھ فیصلہ ہو ہی جاتا۔ مگر اب آئندہ ملاقات ہوگی، یا آپ نے خط و کتابت کا سلسلہ میرے اوپر کے پرنٹنگ پتے پر جاری رکھا تو میں خود ضرور اپنے خیالات سے آپ کو اطلاع دوں گا اور شاید یہ ہماری ملاقات ہم دونوں صاحبوں کے لیے ہماری آئندہ زندگی میں آزادی کا پیام دے اور ان سرمایہ داروں کے پنجے سے نجات دلائے۔

میں ضرور آپ کو کھلم کھلا لکھ دیتا، کیونکہ میں بھی ابھی تک ملازمت کے جنجال میں پھنسا ہوا ہوں۔ تا وقتِ کہ آپ مجھے پوری پوری تسلی بذریعہ خط نہ دلوا دیں کہ آپ میرے

اس معاملے کے متعلق کسی سے ذکر نہ کریں گے (اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ "Business is secret" تب تک مجھے صاف لکھنے کی جرت نہیں ہو سکتی۔

امید ہے آپ مجھے جواب عنایت فرما دیں گے، تا کہ میں آئندہ خط میں واضح طور پر لکھ سکوں۔

دعا گو، سیّد احمد شاہد

سوم پرکاش ساہنی کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس،

لاہور

18-02-1931

شری یُت منشی پریم چند جی، نمستے!

بہ وجہ ہڑتالوں کے مطلوبات روانہ نہ کر سکا۔ پرسوں سے بخار میں میں بھی مبتلا ہو گیا۔آج قدرِ افاقہ ہے، اس لیے بینک نہیں جا سکا، ورنہ بینک میں روپے دے کر ڈرافٹ بھیجوا دیتا۔ آدمی جلسوں پر گئے ہوئے ہیں۔ کل بھگت سنگھ ڈے پر ہڑتال تھی، چیک مبلغ 50 روپیہ نمبر A-48598 پنجاب نیشنل بینک کا ارسال خدمت ہے۔ اپنے بینک میں اسے دے دیں۔ مزید روپیہ بھیجنے کی کوشش کروں گا اور عنقریب ارسال خدمت کر دوں گا۔ کتاب برائے کتابت دے دی گئی ہے، باقی کا مسودہ جلد بھیج کر مشکور فرمائیں۔

کوئی سیوا؟

سوم پرکاش ساہنی

جینندر کمار کا خط

اسپیشل جیل، گجرات

22رفروری 1931

بابو جی،

آپ کا پتر ملا، اس سے ایک ہی روز پہلے ایک کارڈ میں نے لکھا تھا۔'ہنس' کی اور

کتابوں کی پرتیکچھا میں ہوں۔ میں سویم آپ سے ملنے کو بھوکا ہوں۔ آپ ہی گھر پر دلی آ سکیں گے اس سے تو بڑھ کر بھاگیہ ہی کیا ہوگا۔ میں اگلے مہینے کی سماپت پر چھوٹوں گا۔ ٹھیک تیتھی لکھنا تو سنبھو نہیں۔ 'کلیان' کا وشیشانک کب نکلتا ہے؟ میں اوشیہ اس کے لیے لکھوں گا، لیکن جان پڑتا ہے ابھی جلدی نہیں ہے۔ آپ کی سیوا اور آگیا پالن کے لیے میں تیار ہوں ہی۔ جب اور جیسی آگیا ہوگی 'ہنس' کے لیے لکھنے کا یتن کروں گا۔ آپ کا فروری کا انک کب تک نکلے گا کیونکہ اس کہانی کی ہندی گرنتھ رتناکر جو میرا سنگرہ نکال رہے ہیں اس کے لیے آوشیکتا ہے۔ کیا یہ ہو سکے گا کہ اس کی پرتی لپی بمبئ پہنچ جائے؟

اور آپ کیا نول کشور پریس سے سنبندھ توڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں جو گاؤں میں بیٹھ جانے کے بارے میں لکھتے ہیں؟ 'مادھوری' کا کیا حال ہے۔ وشیش سب کوشل ہے۔

وینت

جیندر کمار

سوم پرکاش ساہنی کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس،

لاہور

25-02-1931

شری یُت منشی پریم چند جی، نمستے!

آمدہ کارڈ ملا۔ کل میں شادی سے واپس آ رہا ہوں۔ باہر گیا ہوا تھا۔ آپ نے پہلے کارڈ میں لکھا تھا کہ میرے پاس 50 روپے کا انتظام ہو سکا، تو پچاس روپے ارسال خدمت کر دیے گئے۔ اب آپ کو مزید لکھنے پر مبلغ ایک سو روپے کا ایک اور چیک ارسال خدمت کر دیا گیا ہے، اور اتنے کا ہی انتظام ہو سکا ہے۔ امید ہے کہ اسے قبول فرما کر مشکور کریں گے۔

اور کوئی سیوا؟

آپ کا،

سوم پرکاش ساہنی

دیوکی کمار بوس کا خط

7, Nabin Sarkar Lane,
Bagbazar, Calcutta
26.2.31

Dear Mr. Premchand,

Hope this letter will find you alright. All these days I had been expecting for a letter from you. And before I learn from you finally about the Royal Film Company's affair, I cannot talk with my film concern here. Have you received a letter from them? Even if they are not willing to accept my services, please let me know of that as soon as you know it. Of course, I am sure, you will exert all your influence in this matter.

I am sorry to trouble you like this but, I admit, I will be greatly relieved after I receive a letter from you very soon.

Thanking you always,

Yours truly,
Debaki Kumar Bose

دیانرائن نگم کا خط

کانپور

13 مارچ، 1931

بھائی صاحب، تسلیم!

آپ کا خط ملا، جواب میں تین چار روز کی دیری ہوئی۔ اس کے لیے خاستگار معافی ہوں۔ آپ نے پہلے سے اطلاع دینے کی کوشش کی، اس کے لیے شکریہ لیکن آخر میں آپ نے لکھا ہے کہ آپ جواب مع چیک کے منتظر ہیں۔ جواب میں دیر کی اصل وجہ یہی ہے کہ اس کے ساتھ چیک بھیجنے کا خیال تھا۔ حتی المقدور تعمیل ارشاد کر رہا ہوں۔ میں آپ کا

مسنون احسان ہوں اور جب آپ خود بھی تفکرات میں گرفتار ہیں تو اپنے رودات اور آنے والے اخراجات کا ذکر کر کے پریشان نہ کروں گا۔ میں ضرور آرام سے رہتا ہوں، لیکن اصل حالات آپ سے پوشیدہ ہیں۔ باقی ماندہ آئندہ نومبر میں واپس کر دیں گے۔ آنے والے چھ ماہ تک مجھ کو کوئی مدد نہ مل سکے گی۔ لڑکے کی تعلیم کی تکمیل میں پورا ایک سال باقی ہے۔ 1 مئی کو رام سرن جی کی لڑکی کا ••• کی بھانجی کا ویواہ ہے۔ رام سرن جی کی لڑکی کی شادی سیتا پور ہی ہو گی وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح آپ کے اصل رقم کی ادائیگی کی شروعات اس سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ البتہ سود کی رقم، جو اب تک جمع ہو گئی ہے، اور کچھ بک ایجنسی کا حساب صاف کیے دیتا ہوں۔ کل رقم ملا کر 325 یا اس سے کچھ زائید ہو گی۔ البتہ شرح سود xx کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ اجر بیجا ہے، کیونکہ آپ خود ایک پرانے خط میں چھ فیصدی کی مانگ کر چکے ہیں۔ سود مرکب نہ پہلے ہی کبھی دیا۔ اور نہ اُلمرتبہ اس کے بارے میں پہلے کے خط میں نی صدی کا ذکر جو آپ نے کیا ہے، وہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کو سود کا حق نہیں ہے، مگر سود مرکب کا حق نہیں ہے، مگر ایک دفع بات ہو جانے کے بعد اب ترمیم درست نہیں ہے۔ سو روپے کا چیک پچھلے وقت غالبًا میں نے حساب بھی بھیجا تھا۔ اس کی نقل میرے پاس موجود ہے۔ اس میں 30 اگست 1930 تک کا حساب یہ کیا گیا ہے۔

Interest of 500/- from 02-06-25 to 30-06-28 @6%		97-8-0
Interest of 300/- from 01-08-25 to 30-08-28 @6%		55-08-0
Interest of 800 from 01-09-28 to 30-08-30	@ 6%	96-0-0
Total		249-0-0
Less paid by cheque on 09-06-30		Rs. 100
Balance to be paid		Rs 149
Add. to this interest of 800/- from 01-09-30 to 28-02-31		24-0-0
Total due up to 28-02-1931	Rs.	173-0-0

وہ چیک محفوظ ہے۔ جس کا مذکورہ حساب سے 1 مارچ، 1931 تک کا سود ادا سمجھیے۔

آئندہ سے چونکہ اپنے سود مرکب کا ذکر کیا ہے، اس لیے جب تک کچھ رقم ادا نہ ہوجائے، چھ ماہ میں ہی سود ادا ہو جاوے گا۔ آپ بھی منگا لیا کریں اور میں بھی خیال رکھوں گا۔ اب تک مجھ سے غفلت اور کوتاہی ضرور ہوئی اگر سود مرکب کا ذکر میرے کان میں پڑ جاتا تو میں کاہلی سے کام نہ لیتا۔

آئندہ اگر چھ ماہ سود کی ادائیگی میں دیر ہو گی تو سود مرکب میرے ذمّے ہو جاوے گا۔ کتابوں کا حساب کچھ زائید ہی ہے، صحیح رقم سے جلد مطلع کروں گا۔اس وقت میرے منیجر گھر گیے ہوئے ہیں۔ ابھی تک واپس نہیں آئے۔ ان کی واپسی پر پرچہ حساب، جیسا آپ چاہتے ہیں، جلد اس لیے ہوگا اور اگلے ماہ تک جلد رقم واجب الادا بیباک ہو جاوے گی۔ جہاں تک میرا خیال ہے، 1929 تک کا حساب بیباک ہے۔ صرف 1930 کا حساب باقی ہے۔ ایک بات ضرور گوش گزار کیے دیتا ہوں، چند کتاب بہت ہی خراب اور بوسیدہ تھیں۔ یہاں بھی چند کو دیمک نے خراب کر دیا۔ ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ میں نادم ہو کر آپ کی یہ شرط پوری نہیں کر پاؤں گا، مگر رقم مطلوبہ کے 325 یا اس سے کچھ زائید پہنچ جاویں گے۔ امید ہے، حالت پر غور کر کے آپ یہ نہ تصوّر کریں گے کہ میں نے قصداً کوتاہی کی ہے۔حتی الوصع میں نے یہی کوشش کی ہے جو کچھ امکان ہو پیش کر دو۔ رقعہ رقم کی تبدیلی کے لیے ابھی چھ ماہ کا عرصہ باقی ہے، جب چاہیے گا تبدیل کر دوں گا۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے، بچوں کو دعا۔ رسید سے مشکور فرمائیں۔

آپ کا،
دیا نارائن نگم

جینندر کمار کا خط

اجمیر کیمپ کانگریس، کراچی

23 مارچ 1931

شردے،

آپ کا پتر ملا تھا۔ 'غبن' بھی مل گیا تھا، پڑھ بھی نہ پایا کہ رشبھ چرن اٹھا لیا گیا۔

اب دہلی جا کر پڑھوں گا اور اپنی سمّتی لکھوں گا۔ سمّتی اچھی کے بجائے اور کچھ تو ہونے سے رہی۔ کچھ پرِشٹھ نہ پڑھ لیتا، اتنا تو تب بھی کہہ سکتا تھا۔ یہاں کل آیا، پہلی یا دوسری کو ممبئ جاؤں گا۔ اس پتر کا اُتر جو آپ لکھیں ممبئ پریم جی کے پتے پر دیں۔ 'ہنس' کا فروری کا انک بھی وہیں بھجواد دیں۔ آپ نے 'کنکال' اور 'شرابی' کا ذکر تو کیا، بھیجا نہیں۔ مل جائے تو انھیں ممبئ بھجوا سکتے ہیں، راستہ کاٹنے کو کچھ سامان ملے گا، کیوں کہ ساتھ میں میرے کوئی کتاب نہیں ہیں۔

وِشیس کُشل ہے۔

یہاں چہل، پہل ہے۔ نوجوانوں نے موقع دیکھا ہے، اٹھ رہے ہیں اور گاندھی جی کو بیٹھا دینا چاہتے ہیں۔ یہ جانتے نہیں کہ گاندھی مر کر ہی بیٹھے گا۔ پڑھے لکھے اہمئیہ نوجوانوں کی بات تھوڑا بہت تماشہ آوشیہ دیکھائے گی۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ وِیشیس کُشل ہے۔

آپ کا
جینندر

شری رام شرما کا خط

گرام— کِرتھرا
پ. آ. ماکھیپور، ای. آئی. آر.
ج. مین پوری

26.3.1931

پریہ بابو جی

پرنام!

'غبن' کی ایک پرتی کل شام کو ملی۔ اس کرپا، اور کرپا سے اَدھیک اسنیہ، کے لیے کورا دھنیہ واد کیوں دوں؟ آپ کی اس کرپا کے لیے آبھاری ہوں۔

پُستک پڑھنے میں میں اتنا لپت ہوگیا کہ اسے سمپات کرکے ہی چھوڑا اور اِکھ کی دو کیاریاں بھی نہیں گوڑی۔

ابھی ابھی شری متی شرما نے اس کا پڑھنا آرمبھ کیا ہے۔ آج دیر تک دیا جلے گا۔ بنا سماپت کیے وہ اس پُستک کو رکھنے والی نہیں۔

اپنی سمّتی بھیجوں؟ کبھی کبھی طبیعت کہتی ہے کہ اُپنیاس لکھنے کا ساہس کروں۔ پر، کداچِت، جانتے ہوئے بھی سندر چِتر چِترَن مجھ سے نہ ہو سکے۔ 'شکار' پُستک تو لکھ رہا ہوں۔

آپ کا

شری رام شرما

عبدالحق کا خط

صبحِ سندیش، بنجارا روڈ، حیدرآباد (دکن)

28 مارچ، 1931

مکرّمی و معظمی، جناب تسلیم!

میں آپ سے بہت نادم ہوں کہ میں نے ریڈر کے لیے جو سبق آپ سے لکھوایا ہے، اس کا معاوضہ آپ کی خدمت میں اب تک نہ بھیج سکا۔ میں اس غلط فہمی میں رہا کہ اوروں کے ساتھ آپ کا معاوضہ بھی جا چکا ہے، لیکن اب جب دیکھا تو جناب اعلیٰ کا نام لسٹ میں نہ تھا۔ اس سے مجھے بہت شرمندگی ہوئی۔ امید ہے، آپ اس تاخیر کو معاف فرمائیں گے۔ایک چیک اس میں مصنف کا نام ہے۔ مہربانی کر کے ایک رسید لکھ کر، بھیج دیجیے گا۔ نام کی وجہ سے مجھے تامل ہے۔ دونوں نام لکھ دیے ہیں۔ اگر اس کی وجہ سے روپیے وصول کرنے میں دِقت ہو تو چیک واپس بھیج دیجیے۔ میں منی آرڈر کے ذریعے بھیج دوں گا۔

عبد الحق

سکریٹری، انجمن ترقی اردو

گوند نارائن ہاکرؔ اجین کا خط

اجین

31.3.1931

جناب من

تسلیم!

میں عرصے دارز سے آپ کے فسانے پڑھ پڑھ کر لطف اٹھا رہا ہوں۔ اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں کچھ تصنیف آپ کی پڑھتا رہا ہوں۔ جب آپ نے اردو سے توجہ ہٹا کر ہندی میں خامہ فرسائی شروع کی تو مجھے اردو زبان کی بدقسمتی پر واقعی افسوس ہوا، لیکن اس میں آپ کا کیا قصور تھا؟ آپ نے اپنی بے بسی کا اظہار 'پریم بتیسی' کے دباچہ میں صاف الفاظ میں سنہ 29ویں عیسوی کے آغاز میں ہی کر دیا تھا۔ حال میں حضرت نیاز کی ریشادوانیاں بھی میری نگاہ سے گزریں۔ مجھے حیرت ہے کہ انھوں نے بیہودہ حرکت کس طرح کی ان سے بے نیاز نہیں۔ بھوپال میں جب وہ ملازم تھے تو ان سے ملاقات ہو جاتی تھی، لیکن تعصب کی آگ کچھ ان لوگوں میں ہوتی ہی زیادہ ہے۔

اس وقت ایک خاص غرض سے آپ کو تکلیف دیتا ہوں وہ یہ کہ 'فسانۂ آزاد' کی چاروں جلدوں میں سے جلد سازی کے ساتھ تھوڑا سا ظلم کیا گیا ہے، یعنی اس کے چند دلچسپ ابواب اٹھا دیے گئے ہیں۔ 1907 کے بعد سے جو اشاعتیں ہوئی ہیں، ان میں بہت سا حصہ اسی ایڈیشن کا غائب ہے۔ آپ کا نول کشور صاحب کے مطبع پر کافی اثر ہے۔ کیا آپ یہ کوشش نہیں فرما سکتے ہیں کہ اصلی ایڈیشن سے مقابلہ کرکے آئندہ اشاعت میں کوئی حصہ بھی فسانے کا چھوڑا نہ جاوے۔ نکل آوے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ انگریزی افسانوں کے ترجمے آپ نے بہت سے کیے ہیں۔ ذرا Maud Diver کی کتاوں کی جانب توجہ کیجیے—

1. Lilamani 2. Far to Seek

خاص طور پر توجہ کے قابل ہیں۔ ان مصممہ کی کوشش تو یہ ہے کہ مغرب اور مشرق میں ایک قسم کا سمجھوتہ کرا دیں، لیکن اصلی سڑک کو یہ بھی نہیں چھوتی۔ یعنی انگریزی ہیرو ہے

تو ہندستانی ہیروئن۔ آخر Kipling کا کہنا ہی ماننا پڑتا ہے کہ East is East and west is west, and the shall never meet.

جب قصہ گوئی میں بھی ان کو زیر و زبر کا خیال ہے تو Compromise کا سوال ہی باقی کہاں رہتا ہے۔ کچھ تھوڑا سا تو جھکے، کہیں یہ بھی لکھ ڈالتی ہے کہ کسی Lord کی نور چشمی نے ایک ہندستانی سے شادی کر لی۔ بے چاری وکٹوریا کراس نے Anna Lombared نے اگر اسی قسم کا ایک سمع دکھا دیا تو انگریزی اخباروں نے اس کی دھجیاں اڑا دیں۔ مجھے افسوس ہے کہ بے وجہ کارِ سرکار اتنا وقت نہیں نکال سکتا ہوں کہ اس قسم کا کام انجام دے سکوں اور کچھ یہ خیال ہوتا ہے کہ مجھ میں اتنی قابلیت نہیں۔ آپ البتہ ہندوستانی پبلک پر اس قصے کی کتابیں لکھ کر کافی اثر ڈال سکتے ہیں۔ Mrs. Diver's Desmond's Daughter یہی پڑھنے کے قابل ہے۔ آئندہ ایک ناول ایسا تصنیف فرمائیے جو اس اسکرپٹ کے قطعی خلاف ہو۔ ساتھ ہی اس میں ہندوستانیوں کی بھی تضحیک ہو جو باوجود اعلیٰ خاندان ہونے کے والایتی Shop girls سے ازدواج کر لیتے ہیں۔

خامہ خراشی کی معافی چاہتا ہوں۔ رسالہ 'ہنس' کا پرچہ بذریعہ وی. پی. روانہ فرمایئے، بلکہ ماہ جنوری سے کل پرچے بھیج دیجیے۔

فقط بندہ

گوند نرائن ہاکر

Deputy Inspector General
Banks
Dewas gate, Ujjain

جینندر کمار کا خط

ہندی گرنتھ رتناکر کاریالیہ، گرگاؤں، بمبئی

6/اپریل 1931

بابو جی،

میں کراچی سے پرسوں یہاں پہنچا۔ 'غبن' جب چلنے والا ہی تھا کہ دلی میں ملا تھا۔ کچھ صفحے پڑھ پاتا ہوں کہ رِشبھ اسے اٹھا لے گیا۔ سمّتی اب دلی سے ہی لکھوں گا۔ فروری

کا 'ہنس' کا انک مجھے یہاں ملا۔ 'پرکھ' کی آپ کی آلوچنا تو چلتی سی رہی جیسے بہت بھیڑ کے وقت لکھی گئی ہو۔ یہاں سے دو ایک روز میں چلوں گا۔ جھانسی بھی ٹھہرنے کا وچار ہے۔ وہاں سوچتا ہوں سیدھا ورنداون لال جی ورما کے یہاں ہی پہنچوں اور ٹھہروں۔ جانتا نہیں تو کیا۔ آپ کی 'ہنس' کی کہانی خوب ہے۔ آپ دلی کے پتے پر لکھیے گا کہ آپ دلی کب پدھاریے گا۔ میں نو دس تک دلی اوشیہ پہنچ جاؤں گا۔ وشیش۔

آپ کا

جینندر کمار

جینندر کمار کا خط

پہاڑی دھیرج ،دلی

16/اپریل 1931

بابو جی،

آپ کا پتر ملا۔ میں یہاں تیرہ تاریخ کی صبح پہنچا۔ اسی دن شری سوامی آنند بھکشو جی سے ملنا ہوا تھا۔ ان سے معلوم ہوا تھا کہ آپ دیو شرما جی کو لاہور جاتے ہوئے سہارنپور کے اسٹیشن پر مل گئے تھے۔ میں اس سے یہ سمجھتا تھا کہ آپ ابھی لاہور ہی ہوں گے اور لوٹتے ہوئے ضرور دلی اتریں گے۔ اور میں ہر روز آپ کے یہاں آنے کی آشا کر رہا تھا۔ اس کے بدلے میں ملا آپ کا خط، جس سے معلوم ہوا کہ آپ لکھنؤ پہنچ گئے اور اب جلدی ادھر آنے والے ہیں نہیں۔ یہ تو سب کچھ بات نہ ہوئی۔ میں یہاں آپ کی صلاح اور مدد سے کچھ اپنی زندگی کی سمسیاؤں کو حل کرنے کی سوچ رہا تھا۔ خیر۔

پرسکار کے بیس روپے مجھے پرسوں مل گئے۔ 'غبن' اب پڑھ رہا ہوں۔ کل تک پڑھ چکوں گا۔ پسند نہ آئے یہ تو ہو ہی کیسے سکتا ہے۔ زیادہ ختم کرنے پر لکھوں گا۔

سوامی جی، آج معلوم ہوا لکھنؤ ہی گئے ہیں۔ وہ شاید آپ کو ملیں۔ ان سے آپ جانیں گے کہ یہاں نہ آکر آپ نے کیسا اتیاچار کیا۔ میں آخر دلی آتا تھا ہی۔ اسٹیشن پر ہی نہیں تو ایک دن بعد سہی۔ میں یہاں حاضر ہو ہی جاتا۔ میرا آپ کو دیکھنے کو بڑا جی ہے۔ 'پرکھ' کی آپ کی آلوچنا سے میں اسہمت ہوں، سو بات نہیں۔ اس وِچھن دواہ کے

بارے میں تو مجھے اب خیال ہوتا ہے کہ شاید کچھ Extraordinary کے موہ میں پڑ کر، کہ پستک جس سے اسادھارن جچیں، میں نے وہ بات اس طرح لکھی۔ اب سچ مچ لگتا ہے کہ وہ اپچھارتھ موہ تھا اور میری کمی تھی۔ اور پستک کا پریچے دیتے دیتے جو آپ پستک کار پر کچھ شبد لکھ گئے یہ مجھے بڑا پریہ لگا۔ جیسے آپ اس لیکھک کو پاٹھک کے نکٹ پہنچا دینا چاہتے ہیں اور ان میں آپس میں میل جول ہوجائے۔ لیکن پہلے کارڈ میں جو میں نے لکھا، اس کا آشے یہ تھا کہ پستک پر آپ کا وکتبیہ اتنا سنچھپت ہے کہ پستک کار جسے آپ سے اس کے گن دوشوں کی سمیکچھا اور آلوچنا سننے کی اتکنٹھا تھی سنتشٹ نہیں ہوسکتا۔ اور وہ بھی وہ جو آپ سے کھری بات سننے کی ضد کرنے کا اپنا ادھیکار سمجھنے لگ گیا ہے۔ آپ چاہیں تو 'مادھوری' یا اور کسی میں یا اس سے بھی اچھا مجھے، سمیکچھاتمک اپنی وسترت سہمتی بھیج سکتے ہیں اور اس 'چلت چتر' کے بارے میں بھی اپنی رائے لکھیں۔ میرے من میں ہورہا ہے نہ جانے کیسی ہے کیسی نہیں۔ دوبارہ پڑھی تو بیچ بیچ میں کچھ گڑبڑ سی لگنے لگتی ہے۔ آپ اس پر سمیکچھک نہیں استاد کی حیثیت سے مجھے کچھ لکھیں۔ آپ کو یاد ہو کہ اس ملاقات کے وقت میں نے جب آپ سے اس کہانی کے تھیم کا ذکر کیا تھا تو آپ نے کچھ سندیہ سا پرکٹ کیا تھا۔ سو ہی سمجھا کر آپ مجھے لکھیں۔

میں یہاں بالکل سوستھ اور پرسن ہوں۔ اور ماتاجی اچھی طرح ہیں۔ اور سب بھی کشل پُروک ہیں۔

میرے یوگیہ سیوا لکھیں۔

آپ کا ونیت،

جینندر کمار

جے. این. ورما، سمپادک 'گن سندری' کا خط

9th June, 31

Shriyut Premchandji esq.,

C/o The Saraswati Press

Allahabad.

Dear Sir,

We are in receipt of your kind letter dated 4th inst. and are extremely thankful to you for the frankness and kindness of heart shown there in.

You are quite right when you say that the Gujarati public should pay for the labour of others, and much more so for the labour of an author, enjoying all India reputation like yourself. We do not dispute this fact even for a moment and had it been in our power to pay you straights way for translation rights, we would have readily and gladly done so.

In order to explain our position in this matter, we will frankly put before you our circumstances from which you may be able to judge for yourself. Ours is a lady magazine and although it is the only one of its kind in Gujarati. It has hardly even reached a circulation of 2000 during the last 8 years of its existance. That is because many of our readers are not economically independent and the males are indifferent for their advancement.

The result is that we have to manage the magazine most economically. In fact, the management has lost after it about Rs. 1500/- in the first 3 years and thereafter we have been trying our level best to manage its affairs in a way so as to make it self-sufficient. The editors, the asstt. editors do not get a single pie out of its income. It is a labour of love for us. The contributors likewise are not paid anything. The editor house is its office and his servants are its servants. This is how we manage this magazine. Whatever income there is, is spent after it. We have never dreamt of making an income out of it for ourselves.

Under these circumstances, we have requested you for your

kind help, in the shape of translation rights of your very popular novel the GHABAN. We hope you will kindly accede to our request and help us thereby in serving the cause of our Gujarati sisters in some what better way.

We intend to publish the novel in a serial form in the magazine. But thereafter from the same compose, we intend to put it in a book-form also. That will mean that the printing of the book will cost less than otherwise. From the sale of this book we will be glad to give you some monetary compensation. Under such circumstances, we generally give the author 50 percent from the net profits. In this case we will leave it to you to fix your quota of the profits. Please let us know if that arrangement will satisfy you and you will be pleased to give us the translation rights.

If you are kindly agreeable, we will leave it to you to decide the number of copies to be printed and also to fix the price of the book for sale as well as the rate of commission for the booksellers.

Awaiting your favourable reply.

Yours very truly,
J. N. Varma
Editor

جینندر کمار کا خط

پہاڑی دھیرج، دلی

26/جون 1931

بابو جی،

آپ کے پتر کا جواب میں نے پرسوں دیا ہے یا کل۔ ملا ہوگا۔ 'واتاین' والی کہانی

کل ہی روانہ کرچکا ہوں۔ آج 'غبن' کی آلوچنا لکھتا تھا کہ بندلارے واجپئی کا بہت بہت انورودھ کا پتر آپہنچا۔ 'بھارت' کے لیے کہانی چاہتے ہیں۔ کیونکہ ایسی آلوچنا لکھ چکے ہیں جو میرے بہت انوکول نہ تھی اس لیے بھی ان کے انورودھ کو ماننا ضروری ہوگیا ہے، کہیں وہ اور نہ سمجھیں۔ اس لیے اب وہیں لکھ رہا ہوں۔ یہ اس لیے آپ کو لکھتا ہوں کہ آپ 'بھارت' میں کہانی دیکھ کر مجھے الاہنا نہ دیں۔ کل آپ کی آلوچنا اور پھر جلدی ہی کہانی لکھوں گا۔ 'بھارت' میں آج ہندستانی اکیڈمی کی پرسکار سوچنا دیکھ پڑی۔ 'پرکھ' اور نئے چھپتے ہوئے سنگریہ 'واتاین' کی یتھاوشیک پرتیاں یتھاستھان بھیجنے کے لیے بمبئی لکھ رہا ہوں۔ مجھے وشواس ہے یہ میرا دساہس نہیں ہے۔ 'واتاین' چھپتے ہی آپ کے پاس آئے گا۔ جلدی ہی چھپ جائے گا۔

وشیش کشل ہے۔

ونیت

جینندر کمار

رنگیل داس کپاڑیا کا خط

Maharaj Mansion,

Sandhurit Road, Bombay

29th June, 1931

My dear Prem Chandji,

I am writing to you after months. Since my release from jail where I passed 6 months, I was often thinking of writing to you, but almost constantly on the move in the villages, it had to be put-off till now. You when connected with the 'Madhuri' sent me the monthly & books regularly. In jail I came across a copy of the new monthly 'Hans'. I wonder why you did not place me on list. I should certainly like to keep in touch with it. Besides, I have one more request to make to you. Can you make it convenient to collect all your books-new 'Gabun' includes and

send me a complete set. I am fond of works from the masters pen of Premchand. I am sending you separate a copy of the 'Vanguard' & you will find that I have reviewed several Hindi works there. I am in charge of that. I trust you would judge it.

Thanking you in anticipation,

With regards,

Yours Sincerely,
Rangildas Kapadia

سوم پرکاش ساہنی کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس،

لاہور

29 جولائی، 1931

شری یُت منشی جی، نمستے!

ایک ہفتہ ہوا، میں لاہور واپس آیا۔ قبل اس کے سردار صاحب نے دو عدد خط کاتب کو لکھے، مگر ان کا جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ آپ کے خط ملے تھے۔ میں نے آتے ہی پھر جموں چٹھی لکھی۔ اس کے جواب کی انتظاری تک جان بوجھ کر خاموشی اختیار کی آج ہی مجھے جموں سے چٹھی موصول ہوئی ہے۔ وہ مضمون 350 صفحات کا ہے، 250 صفحے تک کتاب ہو چکی ہے۔ باقی کا مضمون جلدی بھیج دیں۔ مضمون کے ساتھ کتاب کا مختصر اشتہار بنا کر بھی دیں گے تا کہ جیوں ہی کتاب ختم ہو، نئی کتاب کا اشتہار ہی کر دیا جاوے۔

تاکیداً عرض ہے، کوئی سیوا میرے یوگیہ؟ جواب سے جلدی فرماویں گے، کیونکہ میں کشمیر جا رہا ہوں۔ کیا آپ کے پاس اپنا شائع شدہ کتب کا اسٹاک موجود ہے؟ ہو تو لکھیں گے، تاکہ ان کی چند کاپیاں منگوا لی جائیں۔ اگر اس کتاب کے دو حصے بنوانے ہوں تو پہلا حصہ کہاں تک ہو، یہ آپ ہی لکھیں۔ دو حصوں میں جاویں تو قیمت ٹھیک وصول ہو سکتی ہے۔ پہلے حصے کی اشاعت اپنے ہاتھ میں ہوگی۔

سوم پرکاش

سوم پرکاش ساہنی کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس،

لاہور

29-08-1931

شری یُت منشی جی، نمستے!

بقایا مضمون کی صرف نو کاپیاں بنی ہیں۔ مضمون باقی کا بھیج دیں گے، کیونکہ کتاب ختم ہونے والی ہے۔ کتابوں کے لیے عرض ہے کہ اگر اپنے سو روپے کے مال پر صرف 30% ہی دینا ہے تو کیوں نہ 25-20 روپے کی کتب (کتابیں) منگوا لی جاویں، چاہے اس پر 25% ملیں۔ دکاندار زیادہ رقم کا مال اس شرط پر اٹھا سکتا ہے جب کہ اسے معقول کمیشن ملے۔ مکرر عرض ہے کہ باقی کا مسودہ بہ واپسی ڈاک بھیجنے کی کرِپا کریں۔ کوئی سیوا؟

خادم،

لاجپت رائے

موہن سنگھ سینگر کا خط

Captain Buildings,
Jodhpur.
5.9.31

Dear Sir,

I am sorry, after leaving 'Abhyudaya', I was not favoured with any letter from you. About a month or so, previously, I had sent you a story headed 'क्रान्तिकारी' for favour of publication in your esteemed monthly, the 'Hans', but I am astonished to find that no reply has yet been received. Would you be kind enough to let me know whether you intend to publish it or not. If not, I shall feel much obliged if you kindly return it by the return of

mail. Hoping it would find you as hail & hearty as it leaves us.

Awaiting your reply,

Very truly yours,
K. Mohan Singh Sengar,
Ex-Editor 'Abhyu'daya'

جنار دن پرساد جھا ''دوِیوج'' کا خط

کالکا بھون، سگرا، بنارس،

06-09-1931

میرے آدرنیہ ماسٹر صاحب جی،

آپ نے اپنے کرِپا پتر میں یہ نہیں لکھا کہ آپ کے اپنیاس گرنتھوں کا پرکاشن کس کرم سے ہوا ہے۔ اور ان کا رچنا کرم کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس طرح ہے:

1۔ وردان	5۔ کایا کلپ
2۔ سیواسدن	6۔ نرملا
3۔ پریم آشرم	7۔ پرتگیا
4 رنگ بھومی	8۔ غبن

اگر اس کرم ودھان میں کوئی ترُٹی ہو تو کرِپیا سُدھار کر شِگھر بتائیں، میں اب شروع کرنے والا ہوں۔ شیش کُشل۔

آپ کا، جنار دن پرساد جھا

پرواسی لال کا خط

سرسوتی پریس، کاشی،

08-09-1931

شر بھائی صاحب،

پچھلے پتروں کا اُتر اس پرکار ہے۔ ''ہنس'' بچھڑ گیا؛ پر اس انواریہ وِلمب کا دوش

مجھ پر نہیں ہے۔ یہ آپ نے سمجھ لیا ہوگا۔ پھر یگمانک ہونے کے کارن اتنا پچھڑا بھی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ستمبر کا انک بھی 20-15 تک آوٹ کر دیا جاتا ہے۔

پریس کا حساب جو آپ کے پاس بھیجا گیا، اس میں کچھ بھرم ہو گیا۔ معمولی طور پر جو سادھارن دینک آے ہوتی ہے، وہ لکھ دی گئی ہے۔ اس کے انوسار سمجھنے میں گھاٹا معلوم ہوگا؛ پر واستو میں ایسی بات نہیں ہے۔ یہ سادھارن سی بات ہے کہ کام خرچ سے ادھک ہی ہوتا ہے۔ منیم جی نے معمولی آمدنی۔ جو دینک ہے۔ لکھ دی؛ اور خرچ لکھ دیا، پر واستو میں تین مہینوں میں جو کام پریس نے کیا، وہ آمدنی ہے۔ اس حساب سے دینک کاریہ وِورن کے انوسار۔ ان تین مہینوں میں 112 فرم چھپے اور اوسط 1232 روپے کا کام ہوا۔ 300 روپے کا کام ٹرڈِل پر ہوا۔ لگ بھگ 200 روپے کا دفتری خانے کا۔ اس پرکار کل کام لگ بھگ 1700 روپے کا ہوا۔ یہ دھیان رہے کہ جون کا مہینہ بھی اسی میں شامل ہے، جس میں بہت ہی کام ہوا کرتا ہے۔ اس مہینے میں انیک پریس پرایہہ بند ہو جاتے ہیں۔ استو۔

آپ نے جو 1409 روپے 2 آنا سمجھا ہے، وہ غلط ہے۔ اس میں لگ بھگ 200 روپے تو استھائی خرچ کھاتے کا ہی ہے۔ یہ روپیہ ٹائپ، کیس بلاک، ہاٹ پریس، ٹائپ رائیٹر آدی استھائی وستؤ خرید کھاتے میں دیا گیا ہے۔ اصل میں جلدی کے کارن میں حساب سمجھ نہیں سکا، اور منیم جی کا بنایا ہوا، جیوں کا تیوں بھیج دیا۔ اصل خرچ تو ویتن، میرا الاونس تھا کرایا مکان ہے۔ پوسٹیز خرچ کھاتے میں جو 71 روپے 3 آنا پڑا ہے، وہ بھی سب پریس کا نہیں ہے۔ اس پرکار پریس کا واستوخرچ 1200 روپے سے بھی کم تین ماس کا رہ جاتا ہے۔ آپ پھر سے سمجھ لیں۔ جولائی اگست میں بھی اِشوری کرپا سے اتنا اچھا کام کیا گیا ہے۔ 7-6 سو ماہِک سے کم کا نہ اترے گا۔ حساب آپ کو بھلی بھانتی سمجھایا نہ جا سکا، اس سے آپ نے نقصان کا خیال کر لیا؛ پر واستو میں ایسی بات نہیں ہے۔ میرے پاس تین برسوں کا کاریہ وِورن شروع سے ہی بقایا لکھا ہوا تیار ہے، اس سے آپ حساب دیکھیں۔ گو کہ جس سمے آپ آئے تھے، اس سمے بھول سے آپ کو کاریہ وِورن نہ دکھلا سکا۔ تو آپ کو ابھی تک برسوں کے کام میں لابھ ہی لابھ دِکھے گا، نقصان ذرا بھی نہیں۔ بات بھی دراصل یہی ہے۔ پر لوگوں پر باقی بہت ہے اور میرا تین سال کا انوبھو یہ کہتا ہے

کہ بنا 2000-2500 روپے لوگوں پر باقی رہے پریس کا کام بھی نہیں چل سکتا؛ ہاں نیا پرانا ہوتا رہے گا۔ پچھلا باقی وصول ہوگا، تو نیا لہنا بڑھتا جائے گا۔ آپ ایک بار آکر بھائی صاحب بابو بلدیو لال جی کے ساتھ بیٹھ کر حساب پھر سے سمجھ لیں۔ میرا نشچے مت ہے کہ نقصان کبھی نہیں ہوا، نہ ہوگا۔ سمجھنے کا بھرم ہے، بس۔

آپ نے ویتن میں 20% کمی کرنے کے لیے لکھا ہے، پر پوروَ نشچے کے انوسار 15 جن سے سمے بڑھا دیا گیا۔ 7 سے 8 گھنٹے کر دیے گئے۔ اس سے ادھک اسمبھو ہے۔ اتنا کرنے میں جو کٹھنائیاں اوپستھت ہوئی تھیں، انھیں میں ہی جانتا ہوں۔ آپ نے اوپیوکت کم معلوم نہ ہونے کے کارن ہی شاید 20% کی کمی والی بات لکھی ہو گی۔ پر اس کی آوشیکتا نہیں۔ کام بہت ہی کس کر لیا جا رہا ہے، ایسا کہ جس میں ایک چھدام کا بھی نقصان نہ ہو۔ کام ادھک سے ادھک لینے اور لوگوں کو اس کے لیے کافی تنگ کرنے کے لیے تو دوسرے پریس والوں نے مجھے بدنام سا کر دیا ہے۔ مجھ سے بڑھ کر کس کر کام لینے والا شاید ہی دوسرا کوئی ہو۔ یہ ہے کام کے وِشے میں بات۔ اب اگر یہ بھی آپ کو سوِکار نہ ہو، تو آپ جیسا کہیں کیا جائے، پر یہ نشچے ہے کہ اس سے آگے ایک پگ بھی نہ بڑھا جائے گا اور بڑھنے کی چیشٹا کی گئی تو اوشیہ ہی پریس بند کر دینا پڑے گا۔ جیسی ایکشا ہو، لکھیں۔

آپ نے آگے سے یعنی اسی ستمبر سے پُستکالیہ کا روپیہ الگ جمع کرنے کو لکھا ہے، سو ٹھیک ہے۔ مجھے یہ سویکار ہے۔ ابھی تک جو پُستکالیہ کی آمدنی پریس میں خرچ کی جاتی تھی، یا ہو گئی، سو پریس کا پُستکالیہ کی اوُر ابھی تک کچھ نہ کچھ باقی ہی ہے، اس لیے روپیہ لیا گیا۔ آگے بھی جو پریس کا باقی ہوگا، وہ دینا پڑے گا۔ آپ کا اور میرا لابھ گت ورش آوشیہ ہی ''ہنس'' کے نقصان میں گیا۔ رائیلٹی آپ کو کہاں سے ملتی؟ جب کہ پریس کا بل ہی چکتا نہیں ہوا۔ اگر کاغذ چھپائی وغیرہ کا روپیہ پریس کو نقد ملتا، تو جو آمدنی پریس نے لی یا لے رہا ہے، وہ آپ ہی کو پہلے ملتی۔ مجھے کھید تو یہ ہے کہ کتابوں کے مد میں ایک پیسہ آپ نے نہیں دیا اور ہِردیہ میں اتنا دُکھ مانتے ہیں۔ آپ کی رائیلٹی چوکس ہے، صحیح ہے، وہ کہیں جاتی نہیں۔ اب جو کتابیں بچی ہیں، ان سے آپ رائیلٹی لیجیے، نفع لیجیے اور مجھے بھی نفع دیجیے۔ اس مہینے سے میں پستکالیہ کی آمدنی الگ جمع کروں گا۔

بیاج والی بات بھی ٹھیک ہے۔ گت ورشوں کا بیاج تو پُستکالیہ کی مد میں خرچ ہو گیا تھا۔ اب بچ سکتا ہے۔ پر آگے بیاج آپ پرتی ماس چاہتے ہیں، تو آگے پُستکیں چھپانے کے لیے روپیہ بھی اپنے پاس سے دیجیے گا۔ سمجھ لیجیے۔

ایک بات اور۔ پہلے سے ہی ایک غلطی ہو گئی ہے۔50 روپیہ ماسِک ٹایپ گھسائی تو لگ بھگ واجب ہے؛ پر پریس کا مولیہ 10000 قائم کر کے جو آٹھ آنا سیکڑے کے بیاج سے 50 روپیہ ماسِک نیت کر لیا گیاہے، وہ کچھ غلط اور انوچِت ضرور ہے۔کیونکہ پریس کی قیمت اب ملا کر 5000 سے ادھِک نہیں ہو سکتی۔ پر آپ ہی وِچار کر لیں، شانتی پوروک۔ جیسی آپ کی رائے ہو۔ وہ مجھے سویکار ہے۔ جب حساب کی درِشٹی سے پوچھا جا رہاہے، تو میں نے بھی یہ بات لکھی ہے۔ ویسے میں نے آج تک اس وِشیہ پر وِچار ہی نہیں کیا تھا۔ اب آپ جو نِشچِت کریں، بیاج پرتی ماس یا پرتی تریماسک دیا جایا کرے۔

ایک بات کا کھید مجھے بھی ہے اور بڑا ہے۔ وہ یہ کہ اتنا پریتن کرنے والے شخص پر بھی یہ روش کیا جا رہا ہے کہ وہ 50 روپیہ ماسِک کیوں لیتا ہے۔ بھلا یہ کہنا کہاں تک اُچِت ہے، اسے آپ ہی سوچیں، بھلا جس آدمی نے اپنی جان لڑا کر، آپ کے پریس کی پرتِشٹھا بڑھائی ہو، سمپتّی بڑھائی ہو، وہ اتنا بھی نہ لے گا، تو کیا کہیں سے چوری کر کے گذر کرتا؟ میں سچے ہِردیہ سے اِشور کو شاکشی کر کے کہتاہوں کہ جس ہِردیہ سے پریتن سے میں نے کام کیا ہے، اتنا کام ویسا کام میں کہیں بھی کرتا تو 100/150 کی آمدنی نہ گئی تھی۔ پھر بھی مجھ پر لانچھن ہے۔ حساب آپ پائی پائی کا سمجھیں جو اُچِت ہے؛ پر یہ زبردستی کا دوش تو نہ لگاویں کہ میں نے پریس سے اتنا بے ارتھ وصول کر لیا۔ آپ ہی اپنے نیای ہِردیہ سے وِچار کر دیکھیں۔میرے پریتن کو جب سب سراہتے ہیں، تب میں اپنے آپ کیا سراہنا کروں؟ خیر۔

میں اس بات کو کبھی سویکار نہیں کر سکتا کہ پریس میں گھاٹا ہے۔ آپ نے تو کلکتہ تک یہ بات پھیلا دی ہے۔ جو اُچِت نہیں ہے۔ آپ میرے بڑے ہیں، آپ سے کیا کہوں، پر یہ میری سمجھ ہی نہیں آتا ہے کہ اتنی تن توڑ محنت کرنے پر بھی گھاٹے کا نام کیوں آتا ہے؟

اب رہی ''ہنس'' کی بات۔ ''ہنس'' سے آوشیہ گھاٹا ہوا ہے۔ پر، اسی ورش پریتنہ گھاٹا

سے بچنے کا ڈول کیا جائے گا۔ اس ورش جو بھی پریتن کیا جا سکے گا، اس سے پیچھے نہ ہٹا جائے گا۔ اور وِشواس ہے، اس سال گھاٹا نہ رہے گا۔

پریس کا کام بھی سلسلے میں چل رہا ہے۔ کام کی کمی نہیں ہے، نہ رہے گی۔کام اور بھی بڑھانے کا یتن کیا جائے گا۔اچھا ہو، آپ ادھر کا سب حساب سمجھ کر کسی ماس تک حساب نکال لیں اور آگے کے لیے مجھ سے بھی شرطیں لکھا لیں اور آپ بھی لکھ دیں۔ ویسے، میں آپ کی زبان پر ہمیشہ اعتبار کروں گا، کرتا رہوں گا۔ پر آگے پھر بھرم نہ ہو، اس لیے کہہ رہا ہوں

اگر آپ کے سہیوگ کا مجھے گورو نہ ہوتا، میں گورو نہ سمجھتا، تو ابھی تک یہاں کے نِکٹ منڈل کے پھیر میں پڑ گیا ہوتا اور نیا پریس چلانے لگتا؛ پر میرا ایشور ہی جانتا ہے کہ میں نے ہر بار صاف انکار کیا ہے اور ہر بات میں، آپ کی پرتشٹھا کو اونچا رکھا اور سد بیوہار کو سراہا ہے۔ آج بھی لوگوں کا پریس کرنے کا وِچار ہے، لمیٹیڈ روپ میں؛ میں نے بار بار انھیں پریشانی سمجھا کر شانت کیا ہے۔ مطلب یہ کہ میرا ہردیہ ہی جانتا ہے کہ آپ کے پرتی میرا وِشواس اور شردھا کہاں تک ہے۔ یہی کارن ہے کہ میں نے پریس کو اپنا سمجھ کر چلایا ہے۔ پھر بھی جب مجھے اتنی پھٹکار سننی پڑتی ہے، اور وِارتھ، تو ہردیہ چھبدھ ہو جاتا ہے۔ ویسے اب ایشور کی کرپا ہے اور آپ کے آشیرواد سے 100 روپیہ مہینہ کی آمدنی کر لینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

آپ کے یہاں آنے کا ڈھنگ مجھے معلوم نہیں تھا، انیتھا میں نہیں بلاتا۔ میرا یہ خیال تھا کہ آپ واستو میں نوکری چھوڑ رہے ہیں؛ اس لیے جتنی بھی جلدی آ جائیں، آئیں پر اب اصلی حالت معلوم ہوئی۔ ایسی دِشا میں میں کچھ نہیں کہوں گا؛ پر یدی آپ یہاں پریس سنبھالنے کے خیال سے آنا چاہیں، تو اوشیہ آئیں، میرا خیال کبھی نہ کریں، کچھ نہ کریں۔ آپ کے آشیرواد سے میں بھی کچھ کر ہی لوں گا۔ مجھے اب چنتا نہیں ہے۔ آپ جس پرکار خوش رہیں، اسی میں مجھے خوشی ہوگی۔ یہ ستیہ سمجھیے۔ پر، اتنا کہنے کا مجھے ادھکار ہے کہ میرے تین برسوں کو مٹی میں نہ ملا دیا جائے اس کا دھیان رہے، مجھے اس پر پورا موہ ہے پریس کے کام سے پریم ہے۔ پریس اگر کوئی دوسرا آدمی، ستا چلا سکے، تو اس سے بھی پریتن کرا لیجیے۔ میں آپ سے سچی شردھا رکھ کر ہی سچے ہردیہ سے لِکھ رہا ہوں۔

جیسی اِچھا ہو، آپ مجھے سوچت کریں۔ میری اور سے آپ کو کبھی دُکھت نہ ہونا پڑے، یہی میں چاہتا ہوں۔

میں آٹھ نو دِنوں میں آویش کا دمن کر کے ہی یہ پتر شانت چت سے، خوب سوچ وِچار کر لکھا ہے، پھر بھی کچھ انوچت لکھ گیا ہوں، تو چھوٹا سمجھ کر چھما ہی کیجیے گا۔ شیش شُبھ۔

''ہنس'' جا رہا ہے۔ وی۔پی۔ تھوڑی تھوڑی کر کے بھیجنے کا پربندھ کر رہا ہوں۔ اب کی بار ٹکٹ ہی بہت لگ جائے گا۔ پتروتر ثرنت دیجیے گا۔

''ہنس'' کے دوسرے انک کے لیے کہانی بھیجیے۔ ''مُکتا۔منجوشا'' اردو کی بھیجیے۔ اس وِشیشا نک کے وِشَیہ میں اپنی سَمّتی دیجیے۔انیہ لوگوں نے کیسا پسند کیا، وہ بھی لکھیے۔

رگھوپت سہائے فراق کا خط

کچہری روڈ، الہ آباد

10 ستمبر 1931

بھائی جان، تسلیم!

ہفتوں ہوئے آپ کا خط ملا تھا۔ آپ کو شاید اس کا احساس بھی نہیں کہ مجھ میں قوت ارادی قریب قریب بالکل مفقود ہوچکی ہے اور احباب کی جب کوئی فرمائش کچھ بھی لکھنے پڑھنے کی ہوتی ہے تو ایک صدمہ ہوتا ہے۔ آپ تو مصنف ہیں، مگر جو مصنف نہیں ہے یا جس کے دل و دماغ کو کم از کم تصنیف کی مشق یا عادت نہیں ہے اور جس نے کبھی یوں ہی کچھ لکھ پڑھ دیا ہو، خصوصاً جب بے دلی کا اس پر اٹل تسلط ہو چکا ہو، وہ کیا لکھے پڑھے۔ اس کے علاوہ پانچ چھ برسوں سے سوا کچھ اردو اشعار کے ہندی کے پانچ سطر بھی جو دلچسپی اور انہماک سے نہ پڑھ سکا ہو ایسا شخص کرے تو کیا کرے۔ یقین مانیے اگر میں خود ہندی میں کچھ لکھوں تو دل اسے پڑھنے کو نہ ابھرے گا۔ اس معاملے میں میری روحانی موت ہوچکی ہے۔

فی الحال میرا حال یہ ہے کہ ملازمت یہاں پر ابھی مستقل نہیں ہے۔ ذمہ داریاں میری معمولی نہیں۔ تین اپنے بچے ہیں جو اب بڑھ گئے ہیں۔ دو بھائی ایف اے میں ہیں

جس کی ذمہ داریاں اس کی امیدوں اور خوشیوں یا خوش خیالیوں سے زیادہ ہیں۔ والدہ، بیوی اور میں خود۔ ان سب کے اخراجات کسی طرح کام چلا رہا ہوں اور سکون کی طرف سے اطمینان کی طرف سے ناامید ہو چکا ہوں۔ جو قرضہ لیا ہے اس کا خمیازہ الگ بھگت رہا ہوں۔ انسان یہ سب اٹھا لے بشرطیکہ کوئی مرکز اس کی دلچسپیوں کا ہو۔ یہی مرکز سہارا ہوتا ہے۔ ایسا بڑا شاعر بھی نہیں ہوں کہ زندگی سے مرکر شعر میں زندہ رہنے کی کوشش کروں۔ یا عمر طبعی کو بالکل تخیلی بنا ڈالوں۔ اس مصرعے کو دہرایا تو گنوار کرتے ہیں لیکن کتنے پتے کی بات ہے۔

'نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم، نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے۔'

بہرحال سکون یاس کو ہی غنیمت جان کر صبر کیے رہا ہوں لیکن بھائی، وقت اور عمر کا ایک عجب اثر ہوتا ہے اور ایک بھیانک اور تکلیف دہ گھبراہٹ اکثر روح کا گلا گھونٹ دیتی ہے اور سانس رک جاتی ہے۔ عمر بھر بے دل رہنے کا ایک تکلیف دہ اثر یہ ہوا کرتا ہے کہ کہنے کے لیے نہیں بلکہ درحقیقت جیتے ہوئے شرم آتی ہے۔ خیر خودفراموشی کی مشق جھک مار کیے جاتا ہوں۔ ان سطور کو رسمی ٹال مٹول یا ہمدردی حاصل کرنے کا بہانہ شاید آپ نہ تصور کریں گے۔

بھائی جان! گپتاجی کے قرضے کے لیے دو سو روپے سال آپ ضرور دیے جائیے۔ آپ کی فرض شناسی کا بہت سہارا ہے۔ ہاں مجھے اب تک کا حساب اگر ممکن ہو تو لکھ بھیجیے۔ مجھے بدحواسی میں اس کا بھی پتہ نہیں کہ آپ سے کتنا ملنا ہے اور یہ بھی لکھیے کہ دو سو روپے کب تک آپ بھیج سکیں گے۔

پریس سے آپ کو اتنا نقصان ہورہا ہے۔ کیا نصف نقصان اٹھاکر آپ اسے نکال دینا اچھا نہیں سمجھتے؟

آپ کے بچے کہاں پڑھ رہے ہیں۔ آپ کی ملازمت کب تک قائم رہنے کی امید ہے؟ نول کشور پریس کے لیے آپ فی الحال کیا کام کر رہے ہیں۔ خود کیا لکھ رہے ہیں۔ افسانے یا کوئی ناول۔

کبھی الہ آباد آنے کی ادھر امید ہے یا نہیں۔

دیکھیے Round Table Conference میں کیا ہوتا ہے۔ یوں ہی وقت ملک پر اور

ساری دنیا پر نازک ہے۔ کہیں ایسے میں پھر 'انقلاب زندہ باد' ہوا تو کم از کم ہم لوگوں کی زندگی بھر تو خدا ہی خدا نظر آئے گا۔ اور یوں تو ہندستان سخت جان ملک ہے، زندہ رہے گا اور پھر ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ سکون کے دن بھی اہل ملک کو نصیب ہوں گے۔ مگر کب؟

آپ کا
رگھوپت سہائے

سوم پرکاش ساہنی کا خط

پوجیہ منشی جی، نمستے!

آپ کے خط مورخہ 3 اکتوبر کے جواب میں عرض ہے کہ میں کل دلی سے واپس آرہا ہوں، اس لیے جواب میں دیری ہو گئی۔ پڑھ کر افسوس ہوا کہ آپ نے میرے خط کا الٹا مفہوم نکالا۔ میرے لکھنے کا ہرگز یہ مدعا نہ تھا کہ میں آپ سے ''پردۂ مجاز'' کے طے شدہ اجرت سے کفایت چاہوں۔ میرے لکھنے کا مدعا یہ تھا کہ آگے کے لیے مجھے خاص کفایت دیں، اور کسادِبازاری کو مدّ نظر رکھتے ہوئے۔ میں ہندی کی کتب شائع کرنا چاہتا ہوں، مگر وہ آٹھ فرم سے زیادہ نہ ہونے چاہیے، اور نئی کہانیوں کی کتاب ہو۔ آپ کم سے کم کیا لیں گے؟ ''پردۂ مجاز'' کا دوسرا حصہ 14 کاپیوں میں ختم ہوا ہے۔ پریس میں دے دی گئی ہے۔ ایجنسی کے متعلق عرض ہے، آپ نے ایک خط مورخہ 1931-08-27 میں تیس روپیہ کمیشن دینے کے لیے لکھاہے، اور پھر دو سو روپیوں کے کتابوں کی گارنٹی۔ لیکن اب آپ 25 روپیہ کمیشن کے لیے کہتے ہیں۔ مجھے بھی اس لیے افسوس ہوتا ہے، ایک بار آپ کچھ تحریر کرتے ہیں، دوسری دفعہ کچھ، کیا آپ کی لکھی ہوئی چٹھی ارسال خدمت کر دوں، اور اب چھ سو کی گارنٹی کرنی پڑے گی۔ یدی مجھے ان شرطوں پر منظوری دے دیں، 30 روپیہ کمیشن دیں یا 25، اور فری ڈِلیوری۔ ہم زیادہ سے زیادہ مال کی نکاسی کی کوشش کریں گے، لیکن گارنٹی نہیں ہو سکتی۔ حساب تین ماہ کے بعد ہوا کرے گا۔ اگر میں اسی وقت ایجنسی لینے کی خاطر جھوٹ بول کر گارنٹی کر دوں اور ایجنسی لے لوں۔ اگر ایسا نہ ہو سکے، ممکن ہو سکتا ہے۔ اس سے زیادہ رقم کی کتب بِک جاوے، یہ کوئی بڑی بات نہیں تو خواہ

مخواہ برا کیوں بنوں؟ اگر آپ مجھے عزیز سمجھتے ہیں، تو بندہ بھی آپ کو بزرگ اور مہربان سمجھتا ہے۔ میں تو کسی کو بھی نقصان پہنچانا برا سمجھتا ہوں، تو آپ کے لیے کب ممکن ہو سکتا ہے؟ میں ہر طرح سے آپ کی سیوا کے لیے حاضر ہوں۔ امید ہے، دوسروں کی نسبت خاص خیال رکھیں گے۔ کوئی سیوا؟

آپ کا،

سوم پرکاش

نوٹ: اگر ایجنسی کو یہ شرطیں منظور ہوں تو کتب 10-10 فی بھیج دیں۔ جواب سے یاد فرمائیں گے۔

سوم پرکاش ساہنی کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس

لاہور

28-11-1931

شری مان منشی جی، نمستے،

کرِپا پتر ملا۔ مشکور ہوں۔ ناول بھیجنا شروع کیجیے۔ ساتھ ہی ساتھ لکھاتا جاؤں گا۔ ''بالمیکی رامائن اردو'' اُفق کی چاہیے تو میں بھیج سکتا ہوں۔ دوسری ''رامائن'' اب نول کشور پریس سے دیکھ سکتے ہیں۔ ''خواب و خیال'' کے روپے جنوری کے پہلے ہفتے میں بھیج سکوں گا، کیوں کہ 22 دسمبر سے جلسہ شروع ہو رہا ہے۔ بہت سی پبلی کیشن چھپا کر رکھی ہیں، اور بھی بہ وجہ لمبی بیماری، اور چھ ماہ سے دکان سے غیر حاضری۔ وقت کے ساتھ ''خواب و خیال'' بھی پھر دو ہفتے اور لیٹ ہو گیا ہے۔ میں ابھی تک دکان پر کام کرنے میں ناقابل ہوں۔

آپ کا، لاجپت رائے

جینندر کمار کا خط

سینٹرل جیل، لاہور

16/جولائی 1932

بابو جی،

آپ کا پتر ملتان میں ملا تھا۔ خیال تھا کہ جواب دوں تو کہانی کے ساتھ دوں۔ کہانی جو شروع کی تھی شروع کرتے نہ کرتے چھوٹ گئی۔ اور جب آپ کا پتر آیا تب ان کچھ لکھے پنّوں کا بھی پتا نہ چلا۔ دوسری کہانی یا وہی کہانی دوسری بار لکھنے کا پھر نہ من ہوا نہ موقع ہوا۔ یہ بھی دھیان ہوا کہ نیا آرڈیننس لگ گیا ہے اور اب آپ کا وشیشانک کیا نکلے گا۔ کیا وشیشانک نکل رہا ہے؟ اور کیا اس میں کچھ دیر ہے؟ سوچنا ملی اور انک نکلتا ہوا اور اس کے نکلنے اور آپ کے پتر میں کافی سے کم وقت بھی ہوا تو بھی یہاں سے کہانی اوشیہ بھیجوں گا۔ یہاں ملتان جیسا جمگھٹ نہیں ہے۔

13 تاریخ کو میں یہاں آیا۔ راجنیتک قیدیوں کو، رہائی کی تیتھی نکٹ آتے ہی یہاں بھیج دیتے ہیں، ملتان میں رہا نہیں کرتے۔ یوں میری تتھی اٹھارہ ہے پر جرمانے کا اور ڈیڑھ مہینے یہیں کاٹنا ہوگا۔ سامان قرق کرکے، جرمانہ وصول کر لیا جائے تو بات دوسری پر اس کی آشا کم ہے۔

آپ کا 'کرم بھومی' کتنا ہوگیا؟ جلدی دیکھنے کی اُتسکتا ہے۔ آپ کو جاننے والا ہر جگہ مل جاتا ہے۔ پرکرتیوں سے، دور دور سے ایسا جانتے ہیں کہ یتھارتھ ہی آپ کو جاننے والے کسی کو سامنے پاکر انھیں ہرش مے وسمے ہوتا ہے۔ تب آپ کے پرتی ان کے آدر بھاؤ کا کچھ پرتی بمبت انش اناياس اس جان ہار کو بھی پانا ہوتا ہے۔ اس پر اسے گرو بھی ہوتا ہے، لجا بھی۔ مفت آدر کیا برا؟ مفت ہے اس لیے کیوں اچھا نہیں؟ پر مفت ہے اس لیے وہ کٹھن ہے، بھاری لگتا ہے۔ ایسے ہی ایک مہاشے اپنا لفافہ اور کاغذ پیش کرکے ہٹھات مجھ سے آپ کو یہ پتر لکھوا رہے ہیں۔ نویووک ہیں، بم کیس میں ہیں اور آپ کو جاننے کے میرے سوبھاگیہ کے بدھائی سوروپ میرے پرتی اتینت سیودِھت ہوگئے ہیں۔ مجھے لکھتے ہوئے اپنے پتر میں آپ انھیں اوشیہ یاد کریں۔ جیل میں لفافہ قیمتی چیز ہے اور

میں آپ کو لکھ پڑھ رہا ہوں۔ اس کا تمام شرے ان کو ہے۔

اب آپ گاؤں میں رہتے ہیں یا شہر میں، مکان لے لیے ہیں؟ دونوں بچے کہاں ہیں؟ شہر میں ہی رہنا ہوتا ہوگا انھیں تو۔ اگر 'ہنس' بند ہے تو کیا آپ نیا کچھ نہیں لکھ رہے؟

'میری میگڈلین' کیا چھپنا آرنبھ ہوگیا، اور میں نے 'سپردھا' کہانی ٹھیک کرکے رائے صاحب کو بھجوائی تھی، کیونکہ انھوں نے مجھ سے ایک بار سانوروده کہا تھا کیا وہ انھیں مل گئی؟ پچھوا کر اوشیہ سچت کیجیے گا۔ کیونکہ اس کام کے لیے ایک آدمی کی تتپرتا کے وشواس پر نربھر کرنا ہوا تھا۔

اور 'کشل سماچار اور ساہتیہ سماچار لکھیے گا۔ شری کرپارام مشر کی جس کتاب کا ذکر کیا تھا وہ بھیج سکیں تو اوشیہ بھیجیں۔ وشیش سب ٹھیک ہے۔

آپ کا

جینندر کمار

رائے اُماناتھ بالی کا خط

Daryabad Estate,
Barabanki (Oudh)

Dated 16-7-1932

My dear Premchandji,

I have seen your two letters last evening addressed to my brother Rai Somnath Bali. The whole position is this. Mr. Ram Kumar Varma has not yet sent one part of the book. Pandit Shree Narain has not yet given the specifications of pictures of the 3rd part of the book. The title page design etc. is also not yet settled. The question of types is also yet to be settled with the government. The time is so short that if extention is not given, it will be impossible to print the books in time. I am also tired of the tactics of my Convenor, who wants to do everything

himself; and feels shy even to disclose anything to me. He has been quarrelling with my manager on every point.

I, therefore, thought that I may also in future keep all my plans secret to him till the books are printed and submitted. He does not look like a servant and he expects me to be always ready to carry out his orders. The attitude of Mr. Ram Kumar Varma was very painful to me and I am sure he has taken this attitude at the instance of Saxena.

Mr. Harrof is coming to Lucknow on 18th and I shall go to see him as I have made an appointment with him. I have 90 p.c. hopes that he will give me one month's extention of time and if no I shall advise you to start the printing of 5th book. Yours will be printed here by that time. My press will print one more book and third one will be given to Shukla Press, but if the extention is not given, it is impossible to print the entire set. I do not know when Mr. Varma will send the one part which is still with him. In case extention is not given I will submit your book alone. I am exceedingly sorry for all this and no one will be more sad than I, if the entire set is not submitted. I shall write to you in detail again. I had seen Mr. Harrof on 18th.

Yours Sincerely,
Umanath Bali

ستیہ چرن ''ستیہ'' کا خط

علی نگر، گورکھ پور

25-07-1932

پوجیہ ور منشی جی،

چرنوں میں سادر نمستے۔ آپ کا کرپا پتر ملا۔ انیک دھنیواد۔ پتر پراپت کے سمَے میں

کھاٹ پر پڑا تھا۔ اس لیے پتر اُتر میں وِلمب ہوا، آشا ہے شما کریں گے۔ ''مادھوری'' کے
لیکھوں کو دیکھ کر جس پرکار آپ نے مجھے پروتساہن دیا ہے، اس کے لیے میں چر کرتگیہ
ہوں۔ وستوتہ گمبھیر ساہتیک لیکھوں کا ہندی میں پرایہ آبھاؤ سا ہی ہے۔ انگریزی میں
کارلائل، اسمرسن اور رسکن کی رچناؤں کو دیکھ کر ہردیہ میں یہ سنکرون بھاؤ اٹھتا ہے کہ
ہندی میں اس جوڑ کے گدھ گرنتھوں کا آدر بھاؤ کب ہوگا؟ اسی وچاروں سے ہندی کے
گدھ شیتر میں پروِشٹ ہوا ہوں۔ دیکھیں، کہاں تک شکتی اور کرتی کا سہیوگ ملتا ہے۔
آپ نے جو لیکھ سُوچی بھیجی تھی، وہ پرمادوش گم ہو گئی۔ کرپیا دوسری بھیجیں۔ یدی
''سودیشانک'' کے پرکاشن میں وِلمب ہو اور یتھیشٹ سمے ہو، تو میں بھی اپنی شردھانجلی آپ
کی سیوا میں بھینٹ کروں۔ استھانیہ ڈی۔اے۔وی۔ اسکول کا ہیڈ ماسٹر ہونے کے کارن
پربندھ کرم وشیش رہتا ہے۔ جولائی ماس میں تو دم لینے کا بھی اوکاش نہیں ملتا۔ پھر بھی
آپ کی آگیاں ملنے پر میں سہرس پالن کروں گا۔

آپ کا کرپاکانکشی،

ستیہ چرن

جے.این. ورما، سمپادک 'گن سندری' کا خط

The 'Guna Sundari'
Ladies Popular Illustrated Magazine
(In Gujarati)

Editor: J.N. Varma

105, Girgaum,
Back Road,
Bombay

26th July, 1932

Shriyut Prem Chand ji
C/o The Sarasvati Press.
Benares.
Re-sale of 'Gaban'
Dear Sir,

In response to our letter dated 30th June, 1931 and the

terms contained therein you were kind enough to give us your permission to translate the same for our magazine serially and then to publish it in book form.

The first 26 chapters of the book are now complete and we have arranged to publish it in book form as first part. The cover picture for the same is prepared by the well-known artist Mr. Kanu Desai. It will be in two colours.

While this is going on we have tried to negotiate with the book-sellers for the sale of the entire edition of the book, if possible. So far the best offer we have received is that the book-seller will give us. Rs. 300/- net for each part, as soon as we hand over the copies of each part. He will pay the press bill of each part direct to the Press. He also wants that each part should be priced at Rs. 180. The press-bill will come to nearly Rs. 650/-. Our original calculation was that it will come to about Rs. 400/-, but the number of forms (25 for each part, ie., 400 pages for each) having increased it will be up to Rs. 650/- or thereabout. Our original calculation was like this :

	Rs. An. P
2000 copies (1000 of each part)	
@ Rs. 1/4/0	2500 - 0 - 0
Less 35%Book-sellers Commission	875 - 0 - 0

	1625 - 0 - 0
Less press-bill	400 - 0 - 0

	1225 - 0 - 0

Rs. 800/- for yourself

Rs. 4251- for translation

Now that the press-bill has increased the calculation as revised will be like this

	Rs. An. Po
2000 copies (1000 of each part)	
@ Rs. 1/4/0	2500 - 0 - 0
Less 35% Book-sellers Commission	875 - 0 - 0
	------------ ---
	1625 - 0 - 0
Less press-bill	650 - 0 - 0
	---------------
	950 - 0 - 0

Under the cricumstances the shares of yourself and the translator will be reduced to Rs. 625/- and Rs. 325/- respectively.

On the other hand, your original demand was 15% royalty on the price of each copy sold. At that rate your share will come to Rs. 375/- if the price is kept Rs. 140 or Rs. 450/- if it is kept Rs. 180 as required by the book-seller in question.

We are giving all these calculations to show how much can be realised out of the sale of the book under these two different systems. If we do not give the book-seller the sole selling agency for Rs. 300/- net for each part then we must shall the copies retail at 35% to several book-sellers. The advantages as well as disadvantages of the two systems are apparent. By giving the sole selling agency to one Book-seller, we realise the profits Rs. 200/- for yourself and Rs. 100/- for the translator (for each part i.e. Rs. 400/- for yourself and Rs. 200/- for the translator on the whole) within a definite time. We can get Rs. 300/- of the first part in September, 1932 and Rs. 300/- of the second part in September, 1933. That is the advantage of

getting cash amount within a definite time. It is only Rs. 50/- less than what you originally demanded by way of 15% royalty.

Now, according to the second system, when all the copies are sold to various book-sellers at the retail rate of 35%, we will be able to realise Rs. 950/- net or there abouts. It is, however, difficult to say during what period of time these copies will be sold out. It might take about 3 to 4 years at least. So we must wait for 3 to 4 years if we wish to realise higher profits.

Is the first system of giving sole selling agency appeals to you as favourable, if you prefer to have cash within a definite time, we may accept the offer of the boak-seller. If, however, you will like to wait and realise higher profits without carring for the indefinite lapse of time, we have no objection in adopting that system.

Please, therefore, let us know what you prefer. We have asked the book-seller to wait for a few days for our final reply, which depends upon your choice. So kindly let us know your choice if possible by return post or soon there-after.

Yours faithfully,
J. N. Verma
Manager.

سوم پرکاش ساہنی کا خط

لاہور

10 اگست، 1932

شری پت منشی جی، نمستے!

خط ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ واقعی دیر ہو گئی ہے، لیکن نہ معلوم، آپ نے بات چیت توڑ کر منڈل میں سرِ یانند کو یہ لکھنے میں کیا ملامت سمجھی جو اپنی ہماری بابت لکھ دی۔

دراصل ان دو ماہ میں بہت کچھ ادھر اُدھر دیتا ہوں، صرف خانگی معاملات کی وجہ سے آپ نے کتاب تو ''بیوہ'' چھاپی، مگر اس طرح کی جس طرح بازاری کتاب ہوتی ہے۔ لوگ آپ کی اس کتاب کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ ''خاکِ پروانہ'' کی بابت جو آپ نے لکھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کتاب میرے پاس سردیوں میں آنی تھی، یہ آئی ہے گرمیوں میں، ان دنوں میں جب کہ بہت مندہ ہوتا ہے۔ آپ کی ہندی کتب کا حساب- بیوہ کا صاحب، ارجن کی پیشگی- سب رقم اور حساب ستمبر کے درمیان میں مل جاوے گی۔ آپ یہ تو کہیں گے کہ اتنی دیر کا وعدہ۔ دراصل جو کچھ میں لکھ رہا ہوں بالکل ٹھیک یہی امید کامل (پورنتہ) کرتا ہوں کہ ''بیوہ'' اور ہندی کتب کا حساب چند دنوں میں ہی طے کر دوں گا۔ ہمارے باہری جلسے شملہ ڈلہوزی ستمبر میں شروع ہوتے ہیں۔ تب سے ہمارا سیزن شروع ہو جاتا ہے۔ لہذا آپ بالکل کسی قسم کا خیال نہ کریں۔

کمپنی کا باقی کا حصہ بھی بعد ازاں ارسال کریں گے، تاکہ اس ماہ کے آخر میں چھپائی شروع کر سکوں۔ ہندی کی کتب منگا لوں گا۔ کیا بنارس میں اردو کی کتاب کی بکری ہو سکے گی؟ جواب سے یاد فرمائیں۔

خیراندیش، سوم پرکاش ساہنی

رائے اُماناتھ بالی کا خط

Rai Umanath Bali
Chairman,
District-Board
Bara Banki

Daryabad Estate
Bara Banki (Oudh)
Dated 11-8-1932

My dear Premchand Ji,

You must have known that your book has been submitted in time and I am doing what I can to get it approved. I have 99p.c. hope that it will be approved. I am so sorry that the other 3 books could not be submitted. Our friend Saxena is the chief

cause for it and then your colleagues Messers Misra and Varma are partial causes. One year has been wasted for nothing. Any how, we have to look to the future.

I have writtten a strong letter to Pt. Shree Narain Pandey. He is very lazy and careless but he is very efficient. He is a perfect gentleman and a very good friend. He is my personal friend and I wish I may keep him engaged for he is such a good man that he will be cheated and mislead by others, if he is let to join others. He cannot be put absolutely incharge of anything, for in his laziness and carelessness he will spoil matters as he did this time but we may take out what he has in him and I am sure what he gives out will be appreciated by you, and it will be something useful too. As for Mr. Varma, I have no idea about him. I am told he is a good Hindi writer, but, not being a Hindi critic myself, I cannot say much about him. I have known him through Pt. Shree Narain, but I don't keep very high opinion about him. Then I don't think you need a Hindi scholar for you are yourself a very able and renowned scholar. I wish you may take the charge solely and I shall personally take charge of printing and canvassing. I intend to get the other three books printed for next year. Now that all the approved books will be in your hands after a few months, you can go through them and improve your books. They will surely be approved next year.

I also want you to kindly write Hindi, Urdu and English Primers for vernacular schools. This work may be started and finished soon. Pandit Shree Narain too has got some ideas about them and you can take his help also. After sometime, when you will have dealings with Pt. ji, you will know what stiff he is made of and you will yourself begin to like him. If

you have any other ideas, please let me know.

I am glad to inform you that Mr. Saxena has secured his connection with my Press and there will now be no intrigues. Every thing will now be done smoothly and efficiently. He has wasted more than 5000/- of mine for nothing. I have never come across a man like him. You can never know what his intentions are even if you talk to him for the whole day and for weeks together. He is a dangerous man to deal.

I shall try to meet you early next month as I intend to go to see my daughter who is a student in the Theosophical School.

I shall expect a reply to this.

Yours Sincerely,
Uma Nath Bali

P.s.- If you know the members of the committee on the reviewers, please exert your influence also over them.

Uma Nath

سوم پرکاش ساہنی کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس

لاہور

24-09-1932

شری مان منشی جی، نمستے!

میں مورخہ 22-09-32 کو یہاں پہنچا ہوں۔ شملہ سے دہلی وغیرہ گیا تھا۔ آپ کی تین چیزوں کا حساب ارسال ہے۔ ''غبن'' کا اکتوبر کا ایک سو روپیہ ارسال خدمت کر دوں گا۔ ابھی تک ''غبن'' کا بقیہ حصہ نہیں ملا۔ جتنا آپ نے بھیجا تھا، آج ختم ہو کر آ گیا ہے اور آج ہی آیا ہے۔ مبلغ سو روپے کا چیک مورخہ 01-10-32 کا ارسال خدمت ہے۔

	روپیہ	آنا	پا۔
''بیوہ'' - 50 کاپی	30	0	0
رام چرچا - 150 کاپی	26	4	0
ہندی کتب -	43	12	0
	100	0	0

اکتوبر کا سو روپیہ اور بھیج دوں گا، برائے مہربانی بقیہ حصہ ضرور جلدی خط دیکھتے ہی بھیج دیں، اور اپنے ہندی کتب کی ایک مکمل فہرست بھی۔ کیا آپ اپنی تمام تصنیف کردہ کتب دو دو اپنے اسٹاک میں رکھنا چاہتے ہیں؟ میں آپ کی سب کتب سپلائی کر سکتا ہوں۔ اول تو بنارس میں بھی فروخت ہو سکتی ہے۔ دویم آپ کے اشتہار نکلتے رہتے ہیں۔ رسالوں میں، اخبار میں وہاں ان کا اشتہار دیں گے تو یقیناً آپ کو آرڈر آویں گے۔

آپ کا رسالہ اخبار پنجاب بھر میں لائبریریوں وغیرہ میں پہنچتا ہے۔ کمیشن سیل میں پھر بھی دے سکتا ہوں، اس میں آپ کا کوئی حرج نہ ہوگا۔ جواب سے ضرور یاد فرمادیں گے۔

سوم پرکاش

ہزاری پرساد دویدی کا خط

شانتی نکیتن

23/مارچ 1933

مانیہ ور، اس دن پنڈت بنارسی داس جی کے ساتھ گرودیو (کویور رویندر ناتھ ٹھاکر) سے ملنے گیا تھا۔ باتوں ہی باتوں ورتمان ہندی ساہتیہ کے سنبندھ میں چرچا چلی۔ ایسے اوسروں پر آپ کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔ اس دن بھی آپ کے رچت ساہتیہ کی چرچا بڑی دیر تک چلتی رہی۔ ہم لوگوں کی اچھا تھی کہ نو ورش کے اوسر پر آپ جیسے آدرنیہ ساہتیکوں کو نمنترت کریں اور گرودیو سے پریچے کروائیں۔ گرودیو نے ہم لوگوں کے وچار کا اتساہ کے ساتھ سواگت کیا۔ اس لیے ہم لوگوں نے نشچت کیا کہ استھانیہ ہندی سماج کا وارشکوتسو نو ورش (14/اپریل 1935) کو منایا جائے۔ اس دن گرودیو کا پروچن ہوتا ہے۔ اس کے پہلے دن بھی جس دن ورش سماپت ہوتا ہے ان کا ویاکھیان ہوتا ہے۔ کچھ اور بھی

ساروہ رہتا ہے۔ گرودیو اور آشرم کی اور سے نمنترن تو یتھا سمے جائے گا ہی، اس کے پہلے ہی ہم ہندی سماج کی اور سے آپ کو نمنترت کرتے ہیں۔ اس بار آپ ضرور پدھاریں۔ ہمارے آگرہ پُورک نمنترن کو آپ اسویکار نہ کریں۔ آپ کو گرودیو سے ملاکر ہم گرو انوبھو کریں گے۔

آپ کے ساہتیہ نے ہندی کو سمردھ کیا ہے اور ہندی بھاشیوں کو دنیا میں منھ دکھانے لائق۔ اسی لیے آپ کے یش کو ہم لوگ نروچار بانٹ لیا کرتے ہیں۔ جب ہم رنگ بھومی یا کرم بھومی کو دوسروں کو دکھاتے ہیں تو من ہی مَن گَرو پُورک پوچھا کرتے ہیں۔ ہے تمھارے پاس کوئی ایسی چیز! اور اس پرکار گُرو کرتے سمے ہمیں پریم چند نامک کسی اگیات اپریچت وِیکتی کی یاد بھی نہیں رہی۔ مانو سب کچھ ہماری ہی رکرتی ہے! آج اس ویکتی کو پتر لکھتے سمے،اس کی انُومتی کے بنا اس کے سمپورن یش کو سُوائمت کر لینے کے اپرادھ کے لیے جو ہم چھما نہیں مانگتے وہ بھی گَر کا ہی ایک دوسرا روپ ہے۔ آتمیتا کا سب سے بڑا پرمان ہم کیا دے سکتے ہیں؟ آپ ہمارا آدر اور ابھنندن گرہن کیجیے۔

آپ کا

ہزاری پرساد دویدی

جینندر کمار کا خط

7، دریا گنج

7 مئی 1933

بابو جی،

پتر ملا۔ کتنی مدت بعد ملا ہے۔ اندور میں میں نے پہلی بات یہ پوچھی کہ آپ آئے ہیں، پتہ لگا نہیں آئے۔ تب سوچا تار دوں۔ لیکن پریمی جی، جو اسٹیشن پر ہی مل گئے تھے بولے آپ آ نہ سکیں گے تب دینا فضول ہوگا۔ اس سے رہ گیا۔ ذرا بھی جانتا کہ آپ اندور جانے کے لیے ادھت بیٹھے ہیں تو ضرور آپ کو بلا ہی لیا جاتا۔ وہاں آپ کو ملنے کو بہت ہی جی بھٹکتا رہا۔

ہاں منشی جی وہاں ملے تھے۔ باتیں بھی ہوئیں۔ جو سوچا تھا وہ تو نہ ہوا۔ اس کا بھی

اتیہاس ہے۔ ایک سیدھا سادھا سا پرستاؤ اوشیہ ہوا ہے۔ کمیٹی بنی ہے جس میں منشی سنیو جک ہیں۔ اب سب ان پر ہے۔

کام کا کیا ڈھنگ ہو۔ آنے جانے میں خرچ تو بہت پڑتا ہے لیکن پانچ آدمیوں کو مل لینا چاہیے تب کام آگے بڑھ سکتا ہے۔ گاندھی جی، منشی، کالیلکر، آپ اور میں یہ سب لوگ وردھا میں ہی یتھا شیگھر سویدھانوسار مل لیں لیکن یہ منشی پر ہے۔ ان کا پتر آیا تھا۔ لیکن میں نے ادھر اس کا جواب بھی نہیں دیا ہے، اب دوں گا۔

یہ بھی بات ہوئی تھی کہ اپنا الگ پتر نہ نکال کر آپ سے 'ہنس' ہی دینے کے لیے کہا جائے۔ میں سمجھتا ہوں اس میں آپ کے لیے بھی ایوکت کچھ نہیں ہے۔ جب تک اس سنبندھ میں آگے باتیں ہوں آپ 'ہنس' میں وشیش پریورتن نہ کیجیے۔

آپ کی کاشی چھوڑنے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ ساہتیک غضب کا Egotist ہوتا ہے۔ اس میں اس بیچارے کا دوش اتنا کیوں کہیے کیونکہ وہ تو Egotism کا شکار ہوتا ہے۔ کاشی میں میں نے یہ دیکھ لیا ہے۔ پر پریاگ میں بھی ایسا نہیں ہوگا، ایسی آشا آپ کو کس بل پر ہوتی ہے؟ کنتو پھر پرشن ہے پریاگ بھی یدی نہیں تو کیا کیا جائے۔ اس کا اتر میرے پاس نہیں ہے۔ دلی میں یکایک نہیں کہہ سکتا، کیونکہ دھنو آدی کا بھی سوال ہے۔ اندور میں میرے من میں آیا تھا کہ پریمی جی کا کاروبار بھی کچھ Institution کی شکل میں نہیں ہے نہ آپ کا ہی، تب کیوں نہ دونوں کوملاکر ایک سملت (Limited) فرم کی شکل میں ڈھال دیا جاوے اور چلایا جاوے۔ لیکن یہ سب دوڑ دھوپ کے بنا کیسے ہو۔ وہ کون کرے؟ میں ادھر بہت Handicapped ہورہا ہوں چلنا پھرنا سرل نہیں ہوتا۔ پھر بھی یہ دیکھتا ہوں کہ آگے کوئی راستہ نہیں ہے۔ جانتا نہیں آپ بمبئ سے کتنا پیسہ جمع کرکے لائے ہیں۔ لیکن جتنا بھی مجھے دکھتا ہے سب اس کاروبار میں ہی جھونکے گا۔

میں نے پرواسی لال جی کو لکھا تھا کہ میٹر کی جب ضرورت ہو دو روز کا نوٹس دے کر مجھے لکھ دیں۔ سولہ صفحے تک کی گارنٹی میں نے دی تھی۔ اب میرا اس میں دوش نہیں ہے کہ وہ وصول نہ کیا جائے۔ جب کلرک پاس ہو تو میٹر دینے میں کٹھنائی کیا ہونی ہے۔ ادھر دس دنوں سے کلرک نہیں تھا اس سے کام سب ٹھپ تھا۔ اب ہے تو میٹر کی کیا چنتا۔

کہانی بھیج رہا ہوں۔

ہاں، ساہتیہ پریشد (اندور) میں میں بولا تھا پر 'بھارت' میں تو بھاشن کا کچومر تھا۔ لگ بھگ آدھا گھنٹے تو میں بولا ہوں گا۔ اور 'بھارت' میں جو تھا اس کا تو ارتھ بھی کچھ نہ بنتا تھا، ہاں دھونی اس میں مجھے اوشیہ اپنی ہی جان پڑی۔ جان پڑتا ہے شارٹ ہینڈ کی رپورٹ اس کی لی گئی ہے۔ آپ انھیں لکھیے نہ کہ یدی رپورٹ ہو تو اس کی پرتی وہ آپ کو بھیج دیں۔ میں بھی یہاں سے لکھوں گا۔ یہاں سمیلن کے بارے میں ایک نے Interview لی تھی۔ وہ میں کل یا پرسوں آپ کو بھجوا دوں گا۔

الٰہ آباد میں کیا آپ نے مکان آدی پکا کر لیا ہے؟ یدی دلی کی بات کسی طرح بھی ویوہارتھ جان پڑے اور سب بندوبست Shift کا نہ ہوا ہو تو اس پر سوچیے گا۔ میں آپ کا بہت کچھ لگ بھگ سبھی کچھ بوجھ ہلکا کر سکتا ہوں ایسا مجھے لگتا ہے۔

اور آپ پتر دینے کے بارے میں ایسا پرماد نہ کیجیے۔ اس بیچ آپ کے پتر نہ پانے سے بچ جاییے مجھے بہت سوچ رہا۔

باقی ٹھیک ہی سا ہے۔

آپ کا

جینندر

رام چندر ٹنڈن کا خط

10 ساؤتھ روڈ، الٰہ آباد

20 رمئی 1933

پریہ پریم چند جی!

آپ نے ہندی انوادک منڈل کے سنگٹھن کی یوجنا کے ساتھ جو پتر بھیجا اس کے لیے دھنیہ واد۔ میں نے یہ انومان کیا تھا کہ آپ کی یوجنا کا اُدیشیہ کچھ دوسرا ہو۔ ارتھات پستکوں کا انوواد— ہوگا۔ پر اب معلوم ہوا کہ یہ سنواد پتروں سے سنبندھ رکھتا ہے۔ آپ کی یہ یوجنا جس چھیتر تک سیمت ہے وہاں تک وہ بہت سندر ہے، اور اس کے اندر بہت سی سدسنبھاوَنائیں۔ نہت ہیں۔ اسے کاریانوِت کی چیشٹا اوشیہ کی جانی چاہیے۔

آپ نے اپنے بھویشے کو جس روپ میں اُپستھِت کیا ہے اس سے کہیں ادھک

وستار کے ساتھ آپ نے اس پر وچار کر لیا ہوگا، ایسا لگتا ہے۔ آپ کے لیکھ میں ایک وشیس کاریہ کرم کی آوشیکتا پر زور دیا گیا ہے، پر اس کے سنگٹھن کی روپ ریکھا کے سنبندھ میں اس میں کچھ بھی نہیں کہا گیا ہے۔ کیا آپ کرپا کر کے اپنی یوجنا کے سنگٹھن کا سوروپ مجھے بتا سکیں گے؟ اس میں کام کرنے والے کس پرکار کے کاریہ کرتا پراپت ہو سکتے ہیں؟ کاریہ کا سیما چھیتر کیا رہے گا، کاریہ کرتاؤں کو پاریشرمک کیا ملے گا اور کاریہ وبھاجن کس روپ سے ہوگا؟

آپ کا اتر ملنے پر میں چاہوں گا کہ اس کاریہ میں دلچسپی رکھنے والے کچھ سجنوں کو ایکتر کیا جاوے تاکہ آپ کی یوجنا کی ایک نشچت روپ تیار ہو سکے۔ یدی سمیتی کا سنگٹھن ہو جاوے گا تو نشچت یوجنا کے وسترت وورن اور کاریہ کرم پر وچار کیا جاوے گا۔ میں اور یہاں کے کچھ میرے متر اس کاریہ میں پورن روپ سے سہوگ دینے کے لیے تیار ہیں۔ کرپیا اتر میں ولمب نہ کریں۔

اس بیچ میں سُویم بھی آپ کی یوجنا کی ایک روپ ریکھا آپ کے وچار کے لیے تیار کر رہا ہوں۔

آشا کرتا ہوں آپ سکشل ہوں گے۔

آپ کا رام چندر ٹنڈن

رام چندر ٹنڈن کا خط

10 ساؤتھ روڈ، الٰہ آباد

20/مئی 1933

پریہ پریم چند جی!

مجھے اس بات کے لیے کھید ہے کہ میں نے آپ کو جس یوجنا کو بھیجنے کا وچن دیا تھا اسے اس کے پہلے نہ بھیج پایا۔ میرا سواستھ اچھا نہیں تھا اور اس بیچ میرا آفس جانا بھی بند رہا۔ اس سے بھی میں آپ کو انووادک منڈل کے سنگٹھن سے سنبندھت ویدھانِک مسودہ نہیں بھیج رہا ہوں، اس سنبندھ میں میں نے اپنے جو وچار نوٹ کر رکھے ہیں، کیول انھیں کو بھیج رہا ہوں۔ انتم مسودہ تب تیار کیا جائے گا جب آپ میرے سجھاؤں کے سنبندھ میں

اپنی سہمتی دیں گے۔

میں یہ پسند کروں گا کہ ایجنسی کا انگریزی نام کرن کیا جائے، ارتھات اس کا نام 'ہندی ٹرانسلیشن بورڈ رہے نہ کہ انوواد منڈل۔

اس کا اُدیشہ ہندی کے دینک تتھا ساپتاہک پتروں کو وِبھن وشیوں پر انووادت لیکھ بھیجتے رہنے کا ہونا چاہیے۔سنواد تتھا راج نیتک لیکھوں سے کوئی سنبندھ نہیں رکھنا چاہیے۔ ایسا ہونے سے ماسک تتھا پاکشک پتر بھی اکت ایجنسی دوارا لابھ اٹھا سکیں گے۔

بورڈ کا ہیڈ آفس بنارس میں ہونا چاہیے۔ اس کی شاکھائیں دلی، الہ آباد، لکھنؤ، کلکتہ اور جبل پور میں کھولی جاسکتی ہیں۔ فی الحال لکھنؤ اور جبل پور کو چھوڑا بھی جاسکتا ہے۔

پرتیک آفس، چاہے وہ پردھان آفس ہو یا شاکھا، کسی ایک سنچالن کے ویکتی گت نِرِیکچھن کے ادھین رہے۔

سنچالن کے اوپر ان باتوں کا اتردایتو ہوگا (1) بھارتیہ تتھا ودیشی سنوادپتروں تتھا ماسک پتروں سے لیکھ اتھوا لیکھانشوں کا چین کرنا اور انھیں اپنے آفس سے سنلکن انووادکوں کو انوواد کے لیے دینا (2) پتر ویوہار دوارا پردھان کاریالیہ سے سنسرگ میں رہنا اور اس کے ساتھ پرامرش کرکے انووادک سامگری کو پرتیک پتر کی وشیش آوشیکتا کے انوسار بھیجتے رہنا۔ (3) آوشیکتا پڑنے پر انووادوں کا سنپادن کرنا اتھوا اپنے نوٹ ان کے ساتھ جوڑ دینا، آفس سے سنبندھت وِبھن انووادکوں کو جو پارشرمک دیا جائے، اس کے بلوں کی جانچ کرنا، کسی ایک وشیش شاکھا میں وِشیشگتا پراپت کرنا اور ایک ایسا فائل رکھنا جس میں بورڈ سے سنلکن انووادکوں کی یوگتاؤں کا وسترت بیورا رہے۔

ڈائریکٹر کو اور بھی ذمہ داریاں سونپی جاسکتی ہیں، پر اس سمے میں نے کیول انھیں باتوں کا اُلیکھ کیا ہے جو بنا کسی پریاس کے مجھے سوجھ گئیں۔

بورڈ کو نمن لکھت وشیوں کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے۔ (1) راج نیتی (سیدھانتک) (2) ساہتیہ تتھا شکچھا (3) لوک پرچلت وگیان (4) سواستھ سدھار (5) کہانیاں (6) سادھارن گیان۔

جو پتر پتریکائیں ماسک چندا دینا سویکار کریں وہ اُکت وشیوں میں سے اپنی آوشیکتا کے وشیوں کو چن لیں۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، پرتیک کیندر کو کسی ایک شاکھا کے سنبندھ میں وشیشگیتا پراپت کرنی چاہیے، یدھپی پرتیک شاکھا کے انوواد کوں کا کاریہ سانگیہ ہونا ٹھیک نہ ہوگا۔ کچھ وشِشٹ شاکھاؤں کو اپنے وشیش وشے سنبندھی سامگری اکٹھا کر کے بورڈ کے گراہکوں کے پاس بھیجتے رہنا چاہیے۔

سنچالکوں کو پچاس روپے پرتی ماس ویتن ملنا چاہیے۔ انھیں بورڈ کے لابھانش کا ادھیکار رہے گا۔ سنچالک سمیتی کی وارشک بیٹھک میں اس بات کی گھوشنا کر دی جائے گی کہ بورڈ کو کتنا لابھ ہوا ہے۔ کاریالیوں کو چلانے، وِبھِن پتر پتریکاؤں کو پراپت کرنے، تتھا ڈاک ٹکٹ آدی کے لیے سنچالکوں کو پرتی ماس پچیس روپے سے لے کر پچاس روپے تک بھتہ دیا جانا چاہیے۔ پردھان کاریالیہ کو پچاس روپے پرتی ماس اس کے اتی رکت دینا ہوگا۔ اسے شاکھا کاریالیوں کو آفس سنبندھی آوشیک چیزیں پہنچاتے رہنا ہوگا۔

ایک لیکھ میں اوسطاً سات سو شبد رہنے چاہیے۔ پانچ سو سے ایک ہزار شبد تک کے لیکھ چل سکتے ہیں۔

یدی کوئی پتر کسی وشیش وشے پر لیکھ چاہے تو اس کے لیے وشیش در بھی طے کی جانی چاہیے۔

انوواد کوں کو سات سو شبدوں کے لیے ڈیڑھ روپے پاری شرمک دیا جانا چاہیے۔ وشیش وشیش اوستھا میں اس در میں پری ورتن کیا جا سکتا ہے۔

ایسے لیکھوں پر جو آشے ماتر لے کر لکھے گئے ہیں سات سو شبدوں کے لیے ایک روپیہ دیا جانا چاہیے۔

انوواد کوں کی یوگیتا سہت ان کے ناموں کی ایک سوچی پرتیک آفس میں رہنی چاہیے۔ پرتیک آفس کے پاس بورڈ کے سمست گراہکوں کی پوری سوچی رہنی چاہیے۔ جس میں پرتیک گراہک کی آوشیکتا کا بھی اُلیکھ رہے۔

بورڈ کو یہ ادھیکار ہونا چاہیے کہ وہ اپنے گراہکوں کو جو کوئی بھی سامگری بھیجے اسے پستک روپ میں سنگرہیت کر سکے۔

چھپے ہوئے لیکھوں کی دو 'کٹنگ' پردھان کاریالیہ کو بھیجی جاویں ایک پردھان کاریالیہ کے لیے اور ایک شاکھا میں سنگرہت کر سکے۔

گراہکوں کو کرم سے تین شیرنیوں میں وبھکت کیا جاسکتا ہے۔ تیس روپے پرتی ماس دینے والے گراہک، پندرہ روپے پرتی ماس دینے والے گراہک اور دس روپے پرتی ماس دینے والے گراہک۔

پرتھم شرینی کے گراہکوں کو پرتی ماس آٹھ لیکھ ایسے ملیں گے جو کیول انھیں کے لیے انووادت کیے گئے ہوں۔ دتیہ شرینی کے گراہکوں کو پرتی ماس چار لیکھ ایسے دیے جاویں گے اور ترتیہ شرینی کے گراہکوں کو کیول دو وشیش لیکھ دیے جاویں گے۔

یہ آشا کی جاتی ہے کہ پرتھم شرینی کے پندرہ گراہک پراپت ہوجاویں گے، دُوتیہ شرینی کے بیس اور ترتیہ شرینی کے پچاس گراہک پراپت کیے جاسکتے ہیں۔ اس پرکار بورڈ کو کل ایک ہزار دو سو پچاس روپے ماسک آے ہوسکے گی۔

یہ موٹے طور پر تیار کی گئی یوجنا ہے۔ میری رائے ہے کہ آپ پردھان کاریالیہ کا بھار لے لیں۔ الہ آباد کے کاریالیہ کا پربندھ میں کرلوں گا۔ شری بنارسی داس چترویدی کلکتے کا اور 'ارجن' کے پروفیسر اندر دلی کا بھار سنبھال لیں گے۔ اس بات کو دھیان میں رکھتے ہوئے آپ سُویم ان لوگوں سے پتر ویوہار چلا سکتے ہیں۔

یدی آگامی جولائی سے اس کاریہ کا شری گنیش ہوسکے تو بہت اچھا ہو، بہت سنبھو ہے، پرارمبھک ویوستھا میں ایک پورا مہینہ بیت جاوے۔ پر سے نشٹ نہیں ہونا چاہیے۔

میں آپ کو سوچت کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے الہ آباد آفس کے لیے انوادکوں کی سوچی تیار کرلی ہے۔ ایک پرچار پتر سنچالکوں کے ہستاکشر سہت شیگھر ہی تمام پتروں کو بھیج دیا جانا چاہیے جس میں یوجنا سمجھا دی جاوے۔ پرچارپتر کے ساتھ چندے کا فارم بھی رہے۔ پرچار پتر تب تیار کیا جائے جب شری بنارسی داس جی تتھا اندر جی کے اتر آپ کو مل جاویں۔ اس بیچ آپ اور میں بھی اس بات پر وچار کرلیں کہ پرچار پتر میں کیا کیا باتیں رہیں گے۔

آپ نے ابھی تک میرے پاس ہندی کے دینک، ساپتاہک تتھا ماسک پتروں کی سوچی نہیں بھیجی۔

ایک بات ابھی چھوٹی رہ گئی ہے، وہ ہے قانون سنبندھی دوبِدھا۔ یہ تو اسپشٹ ہی ہے کہ ہم لوگوں کی سنستھا کا ادیشے چاہے کیسا ہی کیوں نہ ہو وہ ووااسا یک ہی ہوگی اور کیول

وویسائک ڈھنگ سے اسے چلایا جاسکتا ہے۔ پاشچاتیہ دیشوں میں اس پرکار کی بہت سی ایجنسیاں ہیں۔ ہم لوگ ایک ایسا پریوگ کرنے جارہے ہیں جو میری رائے میں کیول ہندی چھیتر کے لیے ہی نہیں بلکہ بھارت کے لیے نیا ہے۔ کچھ بھی ہو آپ سے پرارتھنا ہے کہ آپ ایجنسی کے قانونی پکچھ پر وچار کرکے اپنی سمّتی کی سوچنا مجھے بھی دیجیے گا۔

پتر کافی لمبا ہوگیا ہے۔ ادھک آپ کا پتر ملنے پر۔

آپ کا، رام چندر ٹنڈن

رام چندر ٹنڈن کا خط

10 ساؤتھ روڈ، الہ آباد

27/مئی 1933

پریہ پریم چند جی!

آپ کے کرپاتر کے لیے دھنیہ واد۔ میں یوجنا تیار کررہا ہوں جسے دو دن کے بھیتر میں آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ یوجنا کی سپھلتا کے لیے مجھ سے جو کچھ بھی ہو سکے گا کروں گا۔ مجھے وشواس ہے کہ انت میں نشچے ہی سپھلتا ملے گی۔ پر پرارمبھ یدی سامانیہ بھی ہو تو ہمیں گھبرانا نہیں چاہیے۔

میرے پاس ہندی کے دینک تتھا ساپتاہک پتروں کی سوچی بہت ادھوری ہے۔ یدی آپ کے پاس کوئی سوچی ہو تو بھیجنے کی کرپا کریں، تاکہ ایک پوری سوچی تیار کی جاسکے۔

میں آپ کے کہے انوسار پتروں میں پرچارارتھ ایک مسودہ بھی بھیجوں گا۔

آپ کا، رام چندر ٹنڈن

رام چندر ٹنڈن کا خط

10 ساؤتھ روڈ، الہ آباد

6/جون 1933

پریہ پریم چند جی!

آپ کے پتر کے لیے بہت دھنیہ واد۔ میں آپ کی ساودھانی سے پُورن تیہ سہمت

ہوں۔ پرانتیہ شاکھاؤں کے کھولنے کے سنبندھ میں میں نے جو پرستاؤ کیا تھا اس سے میرا ادیشہ وبھنیہ کیندروں کے کاریہ کرتاؤں کا شکریہ سہیوگ پراپت کرنا تھا۔ ہم لوگ اب اس استھتی پر پہنچ گئے ہیں جب کہ اس وشے پر بات چیت کرکے کچھ نشچت نرنیوں پر پہنچ سکتے ہیں۔ یدی آپ اگلے سپتاہ کے انت میں الہ آباد آسکیں تو رویوار 11 رجون کو ہم لوگ یوجنا کو نشچت روپ دے کر کارروائی شروع کر سکتے ہیں۔ کرپیا اپنے آنے کی سوچنا مجھے پہلے سے دے دیں تا کہ یہاں دو ایک ویکتیوں کو بھی سمے پر سوچنا مل جاوے۔

آپ کا

رام چندر ٹنڈن

سورگیہ پریم چند جی کی ایک یوجنا

دو شبد

کچھ دن ہوئے پرانے کاغذ پتروں کی صفائی کرتے ہوئے مجھے ایک فائل ملی جس کے استِتو کو میں بھول چکا تھا۔ اس فائل میں پریم چند جی کی انوواد منڈل سنبندھی ایک یوجنا کو لے کر میرا ان کا پتر ویوہار ہے۔ فائل پر کچھ انشوں میں دیمکوں کی کرپا ہوچکی ہے۔ اس پتر ویوہار پر پھر سے نظر ڈالتے ہوئے اسے پرکاشت کر دینے کا وچار ہوا۔ وہ اس ادیشیہ سے کہ سنبھوتہ ساہتیک متروں کو اس یوجنا میں دلچسپی اتپنّ ہو اور وہ اسے اگرسر کرنا چاہیں۔ پریم چند جی واستو میں بہودھندی آدمی تھے اور اس سے میرے پاس بھی اتنا اوکاش نہیں تھا جتنا کہ اس یوجنا کو سپھل بنانے کے لیے اپیکچھت تھا۔ اس لیے ہم لوگوں نے آپس میں وچار کرکے اسے 'کسی آگے کے سمے' کے لیے استھگِت کر دیا تھا۔ کھید ہے کہ وہ 'آگے' کا سمے ان کے جیون کال میں نہ آیا۔ پریم چند جی کے سمارک کے روپ میں یہ یوجنا آگے بڑھائی جائے تو بھی انوچت نہیں۔

پریم چند جی کا اور میرا پتر ویوہار انگریزی میں ہے۔ اس کا انوواد کرپا کرکے شری الاچند جوشی جی نے ہندی میں کردیا ہے۔ میں فائل جیوں کی تیوں سمیلن سنگرہالیہ کو بھینٹ کردی ہے جس میں کہ شرکچھت رہ سکے۔

رام چندر ٹنڈن

راجیشور پرساد سنگھ کا خط

16 جولائی 1933

شری مان جی،

مئی، 1933 کے ''ہنس'' میں مِتر ور پنڈت ونود شنکر وِیاس دوارا سمپادِت تھا ساہتیہ منڈل، دلی دوارا پرکاشِت گلپ سنگرہ ''مدھوکری'' (دوتییے بھاگ) میں سمّلِت ''انتر دوند'' نامک اپنی کہانی پر آپ کی کہانی پر آپ کی سالوچنا دیکھ کر آشچر یہ ہوا۔ آشچر یہ اس لیے ہوا کہ آپ جیسے سِدھ ہست تھا سُپر سِدھ گلپکار کی لیکھنی سے ایسی نرمول سالوچنا نکلی۔ یدی آپ کی آلوچنا یتھارتھ پر آدھارِت ہوتی تو یہ پتر لکھنے کی آوشیکتا نہ پڑتی، لیکن اس میں تو استیہ ہی استیہ ہے۔

آپ کی آلوچنا پر لکھنے سے پہلے ''انتر دوند'' کا سارانش دے دینا آوشیک ہے۔ ویواہ ہونے سے پہلے کملا دامپتیہ جیون کے سُکھد سوپن دیکھا کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ سسرال میں اسے ایشوریہ پراپت ہوگا، اور سوامی کے اسنیہ کی ادھیکارنی ہوکر وہ گرہ سامراجیہ میں ایک چھتر راج کرے گی۔ کنتو سسرال میں آکر اس کے سپنوں کی لڑی بکھر گئی۔ وہاں اسے وہ سب نہ پراپت ہُوا جس کی اسے آشا تھی۔ اس کا پتی ہرِدیہ نارائن ضلع کا سُپر سِدھ وکیل تھا۔ اور وہ کماتا بھی یتھیسٹ تھا، کنتو وہ کرپن تھا،اور گرہ کاریہ میں بھی کملا کو سوتنتر تا نہ دیتا تھا۔ اس لیے کملا کے سوبھاؤ اور ہرِدیہ نارائن کے سوَبھاو میں یُدھ چھڑ گیا۔کملا ہار گئی اور اس نے آتم سمرپن کر دیا۔ گرِہستی کی جرجر تری کسی طرح چلتی رہی۔ ایک دن ہرِدیہ نارائن کے ساتھ دور کے رشتے کا اس کا ایک بھائی گوپال آیا۔ گوپال اویواہت، فیشن میں ڈوبا ہوا سہرِدیہ یووک تھا۔ کملا گوپال کی اور آکرشِت ہوئی۔ اس نے اس سے دل کھول کر باتیں کیں، اور جب وِدا ہو کر گھر سے باہر نکلا تو وہ دروازے کی آر میں اس کی اُور دیکھنے لگی۔اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے گوپال پھر آیا، اور کملا کے لیے بہومُولیہ اُپہار لایا۔ کملا کا ہردیہ کرِتگیتا سے بھر گیا، اور گوپال کے پرتی اس کا آکرشن بڑھ گیا۔ دوسرے دن مدھیاہن کے سمَے آنے کا وعدہ لے کر اس نے گوپال کو وِدا کیا۔ جب دوسرے دن مدھیاہن کے سمَے گوپال آیااور کملا نے دروازہ کھولا تو وہ اسے دیکھ

کر چکت رہ گیا۔ کملا سر سے پیر تک سجی ہوئی تھا۔ اس کے شریر پر گوپال کی دی ہوئی ساری تھی، جیکٹ تھا، اور کپڑوں میں ''یوڈِکولون'' لگا ہوا تھا۔ کملا جب گوپال کو شینا گار میں لوا لے گئی تو وہاں پر اسے انیہ دنوں سے ادھک صفائی ستھرائی دکھائی دی۔ اپنے ہردیہ کی گپت بھاوناؤں سے پریرت ہوکر، گوپال نے پوچھا، ''کیوں بھابھی، آپ نے آج مجھے اس وقت کیوں بلایا تھا؟'' کملا بڑے اسمنجس میں پڑ گئی، پر اسے ایک اُپایے سوجھ گیا۔ اس نے کہا، ''لالا، میں رامائن کئی جگہ سمجھ نہیں پائی، آپ نے سمجھانے کا وعدہ کیا تھا، ذرا بتا دیجیے گا۔'' رامائن لے کر گوپال ان پنکتیوں کا ارتھ کرنے لگا، کنتو کملا تو کیول گوپال کے ''سوَر اور شبدوں کا سنگیت سننا چاہتی تھی، ارتھ سے اسے کوئی پریوجن نہ تھا!'' ٹیکا ویاکھیا سماپت ہوگئی۔ کملا نے گوپال کو پان دیا۔ پان لیتے سمے گوپال نے کملا کی آنکھوں میں اُتمکاری بھاووں کی چھایا دیکھی۔ وہ تڑپ اٹھا۔ بھاواُنماد اس کے ہردیہ میں تانڈو نرتیہ کرنے لگا۔ کھڑے ہوکر سوَر میں اسیم وِنے بھر کر اس نے پکارا، ''بھابھی!'' کنتو ''زمین پر آنکھیں گاڑے، گھٹنوں کو کروں سے کس کر باندھے ہوئے، کملا جیسی کی تیسی نشچل بیٹھی رہی!'' گوپال کئی چھن مورتی وت کھڑا رہا، پھر ٹوپی اور چھڑی لے کر اوردھ کنٹھ سے بولا،'' جاتا ہوں بھابھی!'' چھین لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کملا نے پوچھا، ''پھر کب آیے گا، لالا؟'' ''کہہ نہیں سکتا! آداب عرض!'' اُتر کی پرتکشا کیے بنا ہی گوپال جلدی جلدی سڑھیوں سے نیچے اترنے لگا! کملا اپنے استھان سے اٹھ کر پلنگ پر گر پڑی، اور لوٹنے لگی جیسے جل سے باہر نکل کر مچھلی تڑپتی ہے۔ وہ ریشمی ساری، وہ جیکٹ، یوڈِکولون کی وے لپٹیں اس کے شریر میں سہستروں بچھوؤں کے سمان ڈنک مارنے لگی، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، اور کمرے کے اس پار میگھا چھادِت آکاش میں شراون کی کالی کالی گھٹائیں گرج گرج کر کملا کے ہردیہ میں ہوُک پیدا کرنے لگی۔''

کہانی یہ ہے۔ اس پر آپ یوں آلوچنا کرتے ہیں۔ ''راجیشور پرساد سنگھ جی کا ''انتر دوند'' بھی یتھارتھ واد کا بگڑا ہوا چتر ہے۔ ہردیہ نارائن کا ویوہار کہیں ایسا نہیں دکھایا گیا، جس سے اس کی استری کو اس سے اسنتشٹ ہونے کا کوئی کارن ہوتا۔ اس کی آمدنی کم ہے۔ اور استری کو اچھے اچھے اپہار نہیں دے سکتا۔ کیا اتنا اپرادھ ہی استری کے من کے گوپال کے پرتی ایسی بھاونا اتپن کرنے کے لیے کافی ہے؟ اگر پرُوش یا استری اس

طرح ایہاروں پر لوٹ پوٹ ہو جانے لگیں تو غریب آدمی کی سکھ شانتی کا انت ہی ہوجائے۔'' ان پنکتیوں کو پڑھ کر گیات ہوتا ہے کہ یا تو آپ نے کہانی دھیان سے نہیں پڑھی یا کسی انیہ بھاو سے پریرت ہو کر ایسی نرمول آلوچنا لکھ ماری۔ دونوں باتیں صحیح ہیں یا ایک ہی، یہ تو آپ ہی کہہ سکتے ہیں۔''راجیشور پرساد سنگھ جی کا ''انتر دؤند'' بھی یتھارتھ واد کا بگڑا ہوا چتر ہے۔'' اس پنکتی کا واستوِک آشیہ کیا ہے، یہ تو آپ جانیں۔ کنتو اس سے یہ باتیں نکلتی ہیں۔ یا تو آپ نے ''انتر دؤند'' کی کتھا کو اسوبھاوِک سمجھ لیا ہے یا سماج کو گرانے والا، یا دونوں۔ اسوَبھاوِکتا کے اُتر میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ انیک سچی گھٹناوں کے آدھار پر میں نے یہ کہانی لکھی تھی، اور اس پتر کے سہستروں پاٹھک کداچت میری اس بات کا انومودن کریں گے کہ ہمارے سماج میں ایسی گھٹنائیں آئے دن ہو رہی ہیں۔ کملا اپنے پتی سے اسنتشٹ تھی، اور سہردیہ گوپال سے وہ سب پاتی تھی جس کی ہردیہ نارائن کمی تھی۔ اس کے اترِکت پرنیہ کی کریا اگیات روپ سے ہی آرمبھ ہوتی ہے۔ اس لیے، کملا کا گوپال کی اُور اکرِشٹ ہونا اتینت سوَبھاوِک تھا۔ رہی سماج کو گرانے والی بات، ''انتر دؤند'' کہانی سماج کو گرانے والی نہیں ہے، کیونکہ اس میں آدرش واد بھی ہے۔ کملا اور گوپال کے ہردیوں میں ایک دوسرے پرتی آسکتی ہے، کنتو دونوں اپنے بھاووں کو مکھ سے نہیں نکالتے۔ کیول موک چتر پٹ کے پاتروں کی بھانتی، دونوں اپنا اپنا پارٹ کرتے ہیں۔ جب کملا آگے بڑھتی ہے، تو گوپال پیچھے ہٹتا ہے؛ اور جب گوپال آگے بڑھتا ہے، تو کملا پیچھے ہٹتی ہے۔ اس طرح کملا کی گوپال کی اور ہندو سماج کی مریادہ کی رکشا ہوتی ہے۔

''ہردیہ نارائن کا ویوہار کہیں ایسا نہیں دکھایا گیا، جس سے اس کی استری کو اس سے اسنتشٹ ہونے کا کوئی کارن ہوتا۔'' یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔ ''انتر دؤند'' کے پہلے ادھیائے میں دیکھیے۔ ''ویواہ ہونے سے پورو کملا دامپتیہ جیون کا سکھد سوپن دیکھا کرتی تھی۔ اس کے کلپنا سمپن من میں جس بھویہ بھون کا نرمان ہوا تھا، وہ ایشوریہ پورِت تھا۔ اس کی سبھی باتیں انوکھی تھیں۔ اس میں رہنے والے جیو سنسار کے سادھارن پرانی نہ تھے۔ کملا نے سوچا تھا، وہ اس بھوَن کی سوامنی ہوگی، اور سوامی کے اگادھ اسنیہ اور آدر کی ادھیکارنی، کنتو ویواہ کے بعد سسرال آکر اسے گیات ہوا کہ سنسار کو نویوون کی رنگیلی

آنکھیں جیسا دیکھتی ہیں، واستو میں وہ ویسا نہیں۔ اس کی آشاؤں اور امنگوں پر پانی پھر گیا۔ سسرال کی کوئی بات ان سپنوں سے نہ ملتی تھی، جن کی درشٹی میں اس نے اپنی ساری کلپنا شکتی خرچ کر دی تھی۔ اس کا گھر ایک سادھارن گھر تھا، اور اس کا تھا۔'' اپنے ماتا پتا کی اکیلی بیٹی ہونے کے کارن مائکے میں کملا کا وِشیش مان تھا۔ اسے پورن سوتنترتا تھی، اس کی اِکشا شکتی پر کسی دوسرے کا ادھیکار نہ تھا، کنتو سسرال میں پرستھتی اور تھی۔ یہاں سوتنترتا نہیں، پرادھینتا تھی۔''

سسرال میں کملا کے اتِرکت کوئی دوسری استری نہ تھی، پھر بھی وہ گھر کی سوامنی نہیں تھی۔ پتی دیو کے رائے کے بِنا اسے کوئی کام کرنے کا ادھیکار نہ تھا۔ ہردیہ نارائن اپنے سوامتو کے ادھکاروں سے پورا پورا لابھ اٹھائے بنا کیسے رہ سکتے تھے؟ ان کی شاستر نیتی میں 'کچھ لے، کچھ دے، کے سِدھانت کے لیے استھان نہ تھا، وے لے سب کچھ سکتے تھے، دے کچھ نہیں!'' جن سوپنوں کو لے کر کملا سسرال آئی، انھیں دیکھتے ہوئے ہردیہ نارائن سے اسے کچھ کم بھی ملتا، تو شاید کملا سنتشٹ رہتی۔ کنتو ہردیہ نارائن تو اسے کچھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ اسے نہ اچھا کھانے پہننے کو دیتا تھا، نہ گرہ کاریہ میں سوتنترتا۔ ہردیہ نارائن کا ایسا ویوہار کملا کو اسنتشٹ رکھنے کے لیے کیا پریاپت نہ تھا؟

''اس کی آمدنی کم ہے، اور وہ استری کو اچھے اچھے اُپہار نہیں دے سکتا۔'' یہ بات بھی نِرمول ہے۔ ہردیہ نارائن دھن ہین نہیں، کرِپن ہے۔ پہلے ہی ادھیائے میں لکھا ہے ''یہ بات نہ تھی کہ بابو ہردیہ نارائن دِردر ہوں۔ نہیں، آپ کی گنتر نا ضلع کے سُپرسِدھ وکیلوں میں تھی اور آپ کماتے بھی یتھیشٹ تھے، کنتو آپ کے اور کملا کے وِچاروں میں آکاش پاتال کا انتر تھا۔ کملا جن سنسکاروں میں پل کر بڑی ہوئی تھی، بابو صاحب پر ان کی چھایا تک نہ پڑی تھی۔ کملا نے مائکے میں ایک بات سیکھی تھی، دھن منشیہ کی آوشیکتاؤں کی پورتی کا سادھن ماتر ہے، کنتو بابو صاحب اس سِدھانت سے سہمت نہ تھے؛ دھن کو آوشیکتاؤں کی پورتی کا سادھن ہی نہیں، اُپاسنا کی وستو بھی سمجھتے تھے۔'' اور، ''ہردیہ نارائن کے سوبھاو میں سوروچی کا ابھاؤ تھا۔ ایک ویش بھوشا کی ہی بات لے لیجیے۔ آپ کا کوئی ایسا وستر نہ تھا جو جیون کی انتم گھڑیاں نہ گن رہا ہو۔ پرانے کپڑے یدی صاف ہوں تو اتنے برے نہیں لگتے، کنتو، وِدھی وام نے کپڑوں کے بھاگیہ میں سُکھ نہ لکھا تھا۔ وے

پسینے سے تر ہو جاتے تھے، ان سے دُرگندھ نکلنے لگتی، کنتو دھوبی کا گھر دیکھنے کا اَلبھیہ سوبھاگیہ پراپت ہونے میں وِلمب ہوتا ہی رہتا۔ جب ہرِدیہ ناراین کی سوئم اپنی دشا یہ تھی، تو پھر استری کا ''سنوارسنگار'' آپ کن آنکھوں سے دیکھتے؟ ''سنوار سنگار'' میں کیا فضول خرچی نہیں ہوتی؟ سادگی کیا اوگن ہے؟ پھر، ہرِدیہ ناراین اپنی استری کو اس مارگ پر کیسے چلنے دیتے، جس میں تباہی تھی۔ کیول تباہی تھی؟ مانا کہ، وہ مائکے سے یتھیشٹ گہنے کپڑے لے کر آئی تھی، لیکن روز روز پہننے سے کیا وہ خراب نہیں ہوتے، پھر انھیں دُرست کرانے میں کیا کچھ خرچ نہیں ہوتا؟'' ان اُدھرنوں سے سِدھ ہے کہ ہرِدیہ نارائن سمپن تھا، کنتو گھور کرپن تھا۔ پھر، آپ نے کیسے انومان کر لیا کہ ہرِدیہ نارین کی آرتھِک دشا اچھی نہیں نہ تھی؟ اچھے اچھے اُپہار نہ دے کر، سُرچی پورن سادگی سے رکھ کر بھی استری کو سنتُشٹ رکھا جا سکتا ہے، کنتو ہرِدیہ ناراین کے سوبھاو میں تو سُروچی کا ہی ابھاو تھا۔

''کیا اتنا اپرادھ ہی استری کے من میں گوپال کے پرتی ایسی بھاونا اتپن کرنے کے لیے کافی ہے؟ اگر پُروش یا استری اس طرح اپہاروں پر لوٹ پوٹ ہو جانے لگیں، تو غریب پریوار کی سکھ شانتی کا انت ہی ہو جائے گا۔'' یہ پنکتیاں بھی کتنی بھرم پورن ہیں۔ گوپال سے اپہار پانے کے کارن بھی اس کے من میں اس کے پرتی آسکتی اُتپن نہیں ہوتی۔ آسکتی کی کریا اسی سمئے آرمبھ ہو جاتی ہے جب کملا پہلے پہل گوپال کی آواز سنتی ہے، اور آنگن میں لیٹ کر اس کی بات سوچنے لگتی ہے۔ گوپال کو دیکھنے اور اس سے باتیں کرنے کے بعد آسکتی بڑھ جاتی ہے۔ اسے اپہار تو گوپال دوسرے دن بھینٹ کرتا ہے۔ جن کارنوں سے کملا کی آسکتی میں اُگرتا آتی ہے، ان میں گوپال کا اپہار بھینٹ ایک آوشیہ ہے۔ کنتو انیہ کارن ہیں، سوپنوں کی دھوم کے کارن کملا کا مانسِک واتاورن، ہرِدیہ ناراین کے انوچت دُرویوہار کے کارن اس کا دامپتیہ جیون سے اسنتوش، اور گوپال کا کملا کے آدرش انوروپ ہونا۔

''انتر دوُند''، کہانی سروتھا نردوش ہو نہ ہو، کنتو اس میں وے دوش نہیں ہے جو آپ نے دکھائے ہیں۔ اس میں اس مدھر کٹو بھاونا کی ابھی یوکتی ہے جو کسی پُروش یا استری کے ہرِدیہ میں کسی استری یا پُروش کو اپنے انوروپ پا کر سدا اُٹھتی رہی ہے اور سدا اُٹھتی رہے گی، اور اس بھاونا کی ابھی یوکتی کی گئی ہے سوبھاوِک تتھا سنیت ڈھنگ سے۔

کھنڈاتمک آلوچنا کا ابھیپرایہ یدی منڈناتمک ہو تو وہ سواگت کے یوگیہ ہے۔ کسی لیکھک کو اس کی ترٹیاں دِکھا دینے سے اسے لابھ ہو سکتا ہے، کِنتو کھنڈناتمک آلوچنا جب نِرمول، نِرادھار تتھا استیہ دھارناؤں کو لے کر کی جاتی ہے، تو وہ ہیہ تتھا اوہیلنا کے یوگیہ ہی ہوتی ہے۔ آپ کی آلوچنا ایسی ہی ہے۔ ایسی بھرماتمک تتھا انیائے پورن سمالوچنا لکھ کر نہ تو آپ نے اپنا ہی اُپکار کیا ہے، نہ میرا، نہ ہندی سنسار کا۔ ات ایو نیائے اسی میں ہے کہ یدی آپ نے اساودھانی کے کارن یا بھرم وش یہ آلوچنا کی ہو تو اپنی بھول سویکار کیجیے، اور اس کا کارن کوئی انیہ بھاو ہو تو اسے من سے نکال دیجیے۔

انت میں اتنا میں آپ سے اور کہنا چاہتا ہوں، ساہتیہ کا شیتر سُوسترِت ہے، وِشال ہے۔ اس میں ایک ہی نہیں، انیک ساہتیکوں کے لیے گنجائش ہے، اس لیے Live and let "live" ۔

بھودیہ

راجیشور پرساد سنگھ

(''بھارت'' رویوار 16 جولائی 1933 میں ''سمالوچنا کی وِڈمبنا، پریم چند جی کے نام کھلا پتر'' شیرشک سے پرکاشِت)

جگدیش نارائن کا خط

ونِک پریس، 1، سرکار لین، کلکتہ،

03-08-1933

پریہ پریم چند جی،

''پریم پچیسی'' کی باقی ایک کہانی شیگھر بھیج دیں یا لکھیں کہ وہ ''مادھوری'' کے کس انک میں ملے گی۔ پستک لگ بھگ چھپ چکی ہے۔ کیول اسی ایک کہانی کے لیے ایک فارم رکا ہوا ہے۔ اس کے سمبندھ میں یدی کچھ اور لکھنا ہو تو لکھ کر شِگھر بھیج دیں۔ شیش کرِپا۔ یوگ سیوا لکھیں۔

آپ کا، جگدیش نارائن

کے. پی. دھر، مینیجر، الٰہ آباد لا جرنل پریس کا خط

K.P. Dhar
Manager,
Allahabad Law Journal Press,
5 Prayag street,Allahabad
6.9.1933

Syt. Premchand
Editor 'Hans',
Saraswati Press, Benares

Dear Sir,

As desired by Pt. Jawahar Lal Nehru, we send you a cheque for Rs. 52-12-0 being 1/3 of the royalty payable to him on account of sales of 'Pita ke Patra Putri ke Nam' up to the end of 1932.

Yours very truely,
K.P. Dhar
Manager

پنّا لال (کمشنر بنارس ڈویژن) کا خط

Commissioner,
Benares Division.
September 19, 1933

Dear Mr. Dhanpat Rai,

I am glad to get your letter of September 15 about the Kashi number of the 'Hans'. As you know, I have very little spare time at my disposal and therefore it is difficult to write

anything worth publishing, but if you are keen, I can write a very short note on Kashi and Sarnath with special reference to the new Mulgandh Kuti Vihar, which has recently been built at Sarnath or I can write about the advent of Sri Krishna Chaitanya at Benares. I did not know that you were here all this time. I had an idea some how that you had gone away to Lucknow otherwise why I have not seen you all these months? Why not come over one after noon and have a talk about things in general.

Yours Sincerely,
Panna Lal

بھونیشور پرشاد کا خط

200, Hindu Hostel
Allahabad

1.4.1934

My dear Munshi Prem Chandji,

Excuse me for writing to you in this red ink to which I've taken a fancy these days. I have sent to you a poem only the other day and I am very sorry sending to you a short novel or a big story. Will you kindly see that I receive a little money as I am quite redawn in finance.

Yours,
Bhuvaneshwar Prasad

موہن بھونانی کا خط

Ajanta Cinetone L TD
Producers and Distributors of
High class Talking Pictures

30, Govt. Gate Road,
Parel, Bombay-12

23rd May, 1934

Dear Babu Prem Chand,

I hope you have received my letter dated 12th May, 1934. I am sorry I have not received a reply from you.

The matter is urgent from my point of view, because negotiations are going on with some other people also. I would however very much like you to join us. You need not be afraid by the number of stories, because I will only want you to give me as many stories or dialogues as may be required by me for actual production.

Please let me have a reply immediately so that I may know where I stand.

With kind regards,

Yours Sincerely,
M. Bhavnani

سوم پرکاش ساہنی کا خط

لاجپت رائے اینڈ سنس،
شملہ

10-09-1934

شری یُت منشی پریم چند جی، نمستے!

آپ کا نوازش نامہ لاہور سے رِٹرن ہوکر مجھے یہاں ملا۔ آپ کا خط آتا یا نہ آتا، ان دنوں میں کچھ نہ کچھ جو بھی بن پڑتا، آپ کو بھیجنا تھا، کیونکہ آج ہی آریہ سماج کا جلسہ ختم ہوا۔ یہاں دو سماجوں کے جلسے ایک ایک ہفتہ چھوڑ کر ہوتے ہیں۔ دو تین دن سیل ہو جاتی ہے۔ مگر اب کے دونوں سماجوں کے جلسے اکٹھے ہوئے ہیں۔ Dull Market ہے۔ دوسرے، انھوں نے جلسے اکٹھا کر لیے ہیں، جس کی وجہ سے سیل خاص طور پر کم ہوئی

ہے۔ مبلغ سو روپے کا چیک ارسال خدمت ہے، اور جلد ہی سو روپے دوسری قسط ارسال کروں گا۔ میں آپ کو کس طرح یقین دلا سکتا ہوں کہ میری نیت بد نیتی میں تبدیل ہو گئی ہے۔ (یا نیت صاف ہے)۔ اس کا علاج تو ایک ہی ہے کہ آپ کا روپیہ ادا ہو جاتا، ورنہ دوسری صورت میں تو لازمی طور پر بدنیتی کا الزام عائد ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ کساد بازاری ہے، نہ کہ میری بد نیتی۔ زیادہ کیا لکھوں، نظریں عنایت کریں گے اور جس طرح بھی کوشش ہو سکے گی، آپ کا روپیہ جلد سے جلد ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔

سوم پرکاش

چندر گپت ودھا لنکار کا خط

میکلیگن روڈ، لاہور،

25-09-1934

مانیہ ور بھائی جی،

آپ کی شروشریشٹھ، کہانیوں کو ہم لوگوں نے اب اپنی سریز میں ہی پرکاشت کر دیا ہے۔ پُستک کی ایک کاپی آپ کی سیوا میں اولوکن ارتھ بھیج رہا ہوں۔ یہ Binding بہت جلدی میں کرائی گئی ہے۔ شیش کاپیوں کی Binding اس سے بھی بہت سندر کروائی جا رہی ہے، مگر صرف 50 کاپیوں میں، جنھیں Punjab University میں Submit کرنے کے لیے جلدی میں، اچھا کاغذ نہ ملنے پر، چھپوا دیا گیا تھا۔ باقی کتابیں اس سے بہت بڑھیاں رہیں گی۔ استو۔

اب کے اس پُستک کو ہم نے Matric تتھا Hindi Board دونوں کے سمّکھ پرستُت کیا ہے۔ کرِپیا آپ Registrar, Punjab University کے نام Senate Hall, Lahore کے پتے پر نمن لکھِت Declaration لوٹتی ڈاک سے، رجسٹرڈ لفافے میں بھجوا دیں۔

To,
The Registrar,
University of Punjab,
Senate Hall, Lahore.

Dear Sir,

I, the author of " Premchand ki sarvashreshth Kahaniyan" have given the said book to "Vishwa Sahitya Granth-Mala" of Lahore on royalty basis, and I Have no portion secret or otherwise in my royalty.

yours faithfully,

....

کرِپیا یہ کام بہت شیگھر کروانے کا کشٹ کیجیے گا۔ یہ اتیاوشیک ہے۔

شیش سب کُشل ہے۔ میں پچھلے دنوں بنارس بھی گیا تھا۔ وہاں معلوم ہوا تھا کہ بمبئی جا کر آپ کا سواستھ ٹھیک نہیں رہا۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟ آشا ہے، آپ آنند سے ہیں۔ آپ کا کرِپا پتر ملنے پر پھر لکھوں گا۔

وِنیت، چندر گپت

چندر گپت ودھا لنکار کا خط

میکلیکن روڈ، لاہور

29-09-1934

مانیہ ور بھائی جی، آپ کا 27 ستمبر، 1934 کا کرِپا کارڈ ملاہے۔ مجھے آشچر یہ ہے کہ اپنے وِشو ساہتیہ گرنتھ مالا کو Northern India Publishing House کی شاکھا یا پونچھ کیسے سمجھ لیا؟ یہ میرا اور پروفیسر وید ویاس کا ساجھے کا Firm ہے۔ ہم دونوں نے اس میں Money Invest کیا ہے۔ اس Firm کا سمپورن کاریہ بھار مجھ پر ہے۔ پروفیسر وید ویاس تو اس Firm کے ایک طرح سے Sleeping Partner ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ ''گلپ رتن'' والا معاملہ کیا ہے۔ پرنتو وہ چاہے جو کچھ بھی ہو، اس کے لیے مجھے کسی بھی طرح سے ذمے دار نہیں ٹھرایا جا سکتا۔ آپ وِشواس کیجیے، وِشو ساہتیہ گرنتھ مالا شری وید ویاس جی کا کِھلونا ہرگز نہیں ہے۔ آپ کا میرے ساتھ جو Agreement ہوا تھا، وہ اکچھر شہ پالن کیا جائے گا، آپ پوری طرح سے نشچنت رہیں۔ میں اس کے لیے ذمے دار ہوں۔

اب کے ان کہانیوں کو ہم نے وِشو ساہتیہ گرنتھ مالا کی اور سے پرکاشِت کیا ہے۔ اس

بار ہم لوگ تین چار انیہ شریشٹھ کہانی لیکھکوں کی شروشریشٹھ کہانیاں بھی پرکاشت کرنے جا رہے ہیں۔

پچھلی بار، جب یہ پُستک آپ کی اور سے Submit کی تھی، سیوکار نہیں ہو سکی تھی۔ ہمارے ساتھ آپ کا پہلے جو پتر ویوہار ہوا تھا، اس کے آدھار پر اس پستک کو اب کے ہم نے اپنی اور سے پرکاشت کیا ہے۔ پستک یدی ایک ورش اسیوکار ہو جائے تو اگلے ورش یوں ہی نئے سرے سے، اتنی ہی کاپیوں کے ساتھ، Submit کرنی پڑتی ہے۔ Author کا Declaration آنا بھی آوشیک ہے۔ انیتھا پستک اسی Objection پر سویکار نہ ہو سکے گی۔ اتہ کرِپیا نمن لکھت Declaration بہت شیگھر رجسٹرڈ لفافے میں رجسٹرار کے نام بھیجوا دیں

To,

The Registrar,

University of Punjab,

Senate Hall, Lahore.

Dear Sir,

I, the author of " Premchand ki sarvashreshth Kahaniyan" declare that i have given this book to "Vishwa Sahitya Granth-Mala" of Lahore on royalty basis, and I have no portions, secret or otherwise in the rate of the said book.

آشا ہے، آپ سکشل ہوں گے۔

وِنیت، چندرگپت

سیکریٹری، پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی لاہور کا خط

From
The Secretary,
Punjab Text-Book Committee, Labore.

No. 1291/93 ,
3rd October 1933

Sir,

In forwarding herewith 'Men Saheli Parts 4th to 7th, by

Sant Gokal Chand Shastry B.A. (Uttam Chand Kapur and Sons, Lahore), I have the honour to request the favour of your kindly furnishing me with a report on their merits as compared with the publications noted below which are already on the list of books approved for use in schools.

I may add for your information that the Committee, while recommending books for use in schools as text-books should not be multiplied, unless new books have some distinctive merit as compared with the publications already prescribed. The publishers in response to our request, have sent us an account of what they consider to be the merits of their books. This is being forwarded to you for your scrutiny and consideration.

It would be convenient if your reply could reach me not later than the 15th November, 1933. Books noted below may kindly be returned along with your report. I may add .that Your work will be paid for.

I have the honour to be,
Sir
Your most obedient Servant,
Sd./- Secretary
Punjab Text Book Committee

چندر گپت ودھا لنکار کا خط

میکلیگن روڈ، لاہور

04-10-1934

مانیہ ورمہودیہ،

آپ کا 20 اکتوبر، 1934 کا کرِپا کارڈ ملا۔ اُتر میں نویدن ہے کہ

1. پروفیسر وید ویاس جی کے ویکتی گت کے Account کے لیے نہ وشو ساہتیہ گرنتھ

مالا ذمے دار ہو سکتی ہے، اور نہ ہی میں۔ پھر بھی ان سے میں نے اس سمبندھ میں پوچھا ہے۔ وہ سویم اپنے ساتھ حساب کتاب صاف کر لینے کو اتسک ہیں۔ پچھلے اگست ماس کے انتم سپتاہ میں وہ ایک دن کے لیے بمبئی گئے تھے اور آپ کے ساتھ حساب کتاب صاف کر لینے کی اِچھا سے آپ کے نِواس استھان (دادر) پر بھی گئے تھے؛ پرنتو آپ اس سمے وہاں نہیں تھے۔ ان کا کتھن ہے کہ اوسر ملتے ہی آپ سے مل کر وہ حساب کریں گے۔ آپ نے بھی تو (بقول ان کے) انھیں ابھی تک کوئی حساب نہیں بھیجا۔

2. پریم چند کی سروشریشٹھ کہانیاں ان کی نہیں، وِشو ساہتیہ گرنتھ مالا کی سمپتی ہے۔ اس پُستک کا حساب ٹھیک ٹھاک آپ کو ملتا رہے گا، یہ میں آپ کو وِشواس دلاتا ہوں۔ وِشو ساہتیہ گرنتھ مالا کے سمپورن کاریہ کی دیکھ بھال میں سویم کرتا ہوں۔

3. ''پریم چند کی سروشریشٹھ کہانیاں'' نامک پُستک آپ نے ہمیں رائلٹی basis پر دی ہوئی ہے۔ آپ سے لِکھِت انومتی لے کر ہی میں نے اس کا پرکاشن کیا ہے، بلکہ اس پستک کا تو idea بھی میں نے ہی آپ کو دیا تھا۔ آپ کا وہ سمپورن پتر ویوہار ہمارے پاس موجود ہے۔ اس دِشا میں، اب یہ تو پرشن ہی نہیں اٹھتا کہ آپ اُکت پُستک کا پرکاشنادھیکار ہمیں دیں یا نہ دیں۔

4. جیسا کہ آپ کو سوچِت کیا جا چکا ہے، یہ پُستک اس ورش ہم لوگوں نے Punjab University کے Sanskrit and Hindi Board تتھا Matric Board کے سمکھ پیش کی ہوئی ہے۔ پنجاب یونیورسیٹی کے نیموں کے انوسار پُستک لیکھک کا Declaration اس آشیہ کا آنا ضروری ہے کہ اس کی رائلٹی کا کوئی Portions secret or otherwise ہے یا نہیں۔ آپ سے یہی Declaration بھیجنے کی پرارتھنا پچھلے تین پتروں میں کی جا چکی ہیں۔ یہ Declaration 10 اکتوبر، 1934 تک Registrar کے Office میں اوشیہ پہنچ جانا چاہیے؛ انیتھا اس پُستک پر وِچار ہی نہ کیا جائے گا۔

5. اَتہ آپ سے پُنہہ انورودھ ہے کہ کرِپیا اُکت declaration، جس کا روپ میں اپنے پچھلے 2 اکتوبر کے پتر میں لکھ چکا ہوں، آپ میرے پاس اتھوا رجسٹرار، پنجاب یونیورسیٹی کے نام Registered لفافے میں اوشیہ بھیج دیں، انیتھا پُستک پر وِچار نہ ہوگا۔

6. یدی آپ یُکت Declaration، یتھا سمے نہیں بھیجیں گے تو اس سے ہمیں جو

loss ہوگا، اس کا اُتر دایتو آپ ہی پر ہوگا۔ اُکت declaration میرے پاس اتھوا رجسٹرار کے پاس 9 اکتوبر، 1934 تک اوشیہ پہنچ جانا چاہیے۔ یدی آپ declaration رجسٹرار کے نام پر بھیجے تو اس کی سوچنا مجھے بھی اوشیہ دے دیجیے گا۔

7. میں آپ کو پُنہہ وِشواس دلاتا ہوں کہ حساب آدی کے سمبندھ میں آپ کو وِشو ساہتیہ گرنتھ مالا سے کسی قسم کی شکایت نہ ہو گی۔

بھودیہ،

چندر گپت، وِدستھا پک

چندر گپت وِدّھا لنکار کا خط

میکلیکن روڈ، لاہور

04-10-1934

مانیہ ور بھائی جی،

آپ کا 27-12-1934 کا پتر ملا ہے۔ دھنیہ واد۔ اُتر میں نیویدن ہے کہ

1. ''سروشریشٹھ کہانیاں'' اس ورش matric میں سویکار ہو سکتی تھی۔ سبھی ممبروں نے اسے خوب پسند بھی کیا تھا، پرنتو board میں یہ سِدھانت مان لیا گیا کہ کہانیوں کی selection representive ہونی چاہیے اَتہ وہاں نہیں ہوسکی، اور کسی پریکشا میں کہانیوں کی کتاب اس سال بدلی ہی نہیں۔

2. یو۔پی۔ میں اس پُستک کے chance ہیں، وہاں ہم کوشش کر رہے ہیں۔

3. ابھی general sale شروع ہی نہیں کی گئی۔ اب شروع کی جائے گی۔

4. رائلٹی کا بقایا شرط نامہ stamp paper پر لکھ کر بھیجنے میں ہمیں کوئی اعتراض نہیں، پرنتو ایک بات آپ نے نئی (ہماری درِشٹی میں) کھڑی کر دی ہے۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے میں نے 15 (پندرہ) پرتشت رائلٹی آپ سے بنارس میں طے کی تھی۔ اب آپ 25 (پچیس) لِکھ رہے ہیں، جو ہمارے لیے سروتھا امانیہ ہے۔ میں نے آپ کا یہ پتر آنے پر، file نکال کر دیکھی ہے۔پچھلے پتر میں جو آپ نے ستمبر، 1934 میں بھیجا تھا، رائلٹی کی ماترا انگریزی انکوں میں لکھی تھی۔ وہ ایسی ہے، جسے 15 اور 25 دونوں پڑھا جا سکتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تب آپ نے شاید 25 لکھا ہوگا، پرنتو ہم لوگوں نے اسے 15 پڑھا اور ہمارا یہ پڑھنا ہمارے پچھلے پتر ویوہار کی درشٹی سے بالکل ٹھیک تھا، کیونکہ میں آپ کو 1933 کے پتر ویوہار میں یہ اسپشٹ لکھ چکا تھا کہ اس پُستک پر ہم لوگ آپ کو 15% Royalty دیں گے۔ مُوکھِک بھی ہماری یہی بات چیت ہوئی تھی۔ آپ نے شروع میں لکھا تھا، جو رائلٹی آپ دیں گے، مجھے منظور ہو گی۔ آپ کا وہ پتر ہماری فائل میں موجود ہے۔

اب آپ آگیاں دیں تو 15% رائلٹی کے آدھار پر شرط نامہ 12 آنے کے Stamp Paper پر لکھ کر آپ کی سیوا میں بھیج دیا جائے۔

وِنیت، چندر گپت

رام چند ٹنڈن کا خط

10 South Road,
Allahabad
31.12.34

My Dear Premchandji,

When you were here last you had taken away certain books from me. I would particularly wish one of these-'Recollections of a Bookman'-to be returned to me. I do not know, if you have it with you at Bombay. If not, you may kindly ask your charged' affairs at Benares to send it to me.

I had hoped to discuss with you personally the question of Lekhak Sangh, if and when we met at Lahore. The sammelan is yet some way off, and you have been treating the public with your views through the columns of the 'Hans'. I have just concluded in the press a controversy on the subject with Pandit Ramnaresh Tripathi and have no wish to enter into another of all persons with you. But you will let me express my whole-hearted dis-agreement with your views. Authors who have also

turned publishers, have it would unfortunately seem, lost their capacity to sympathise with their 'former fellow professionals. You have taken up the typical publisher's attitude. You forget that for his failures a publisher has to thank his own bad knowledge of the business and poor authors are in no way to blame. Moreover, I have advocated the royalty system, which is fair both to the publisher and the author. There is no use publishers crying out that business is slack. They pay all other items of expenditure all right; when it is a question of paying the author, well, 'how the business is going down.' I ask, is it honest? Do you deny that there are sharks among the publishers? It would be good day both for the author and the publisher when a fair relationship came to be established between them. And I look up to you to help, rather than to hold a brief for the publisher.

It is unfortunately not possible for me to join the Lekhak Sangh as it would not seem prepared to come to a grip with realities. But it cannot escape it for long and in the meantime we can only educate it into a sense of earnestness.

How do you do? With all good wishes for the New Year,

Yours sincerely,
Ram Chandra Tandon

چندرگپت کا خط

میکلیکن روڈ، لاہور

15-01-1935

مانیہ ور بھائی جی،

آپ کا 12 جنوری کا کرِپا پتر ملا ہے، ہاردِک دھنیہ واد۔ آپ کا نِردیش بالکل ٹھیک

ہے۔ ویوہار میں صفائی رہنی ہی چاہیے۔آپ کی سیوا میں شرط نامے کی دو stamped کاپیاں شیگھر ہی بھیج دوں گا: ایک آپ اپنے پاس رکھ لیجیے گا اور دوسری، اپنے ہستاکشر کر کے لوٹا دینے کی کرپا کیجیے گا۔

شیش سب کُشل ہے۔ کیا آپ اپنے Bombay کے impressions لکھنے کی کرپا کریں گے؟ وہاں آپ کا سواستھ تو ٹھیک رہتا ہے نہ؟

وِنیت بھائی، پریندر گپت

اشفاق حسین کا خط

میرٹھ کالج، اجمیر

3رفروری 1935

برادرم، تسلیم!

آپ کا خط مع خطبے کے ملا۔ خطبے میں آپ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے مجھے قریب قریب پورے طور پر اتفاق ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس کا ترجمہ اردو رسائل میں شائع کیا جائے تو بہتر ہوگا، میری نظر میں دو رسائل ہیں اور آخری خط جو میں نے آپ کو لکھا تھا اس کی غرض یہی تھی کہ یہ تحریک ان رسائل کے ذریعہ اٹھائی جائے۔ (1) جامعہ ہے (2) معلومات۔ معلومات کو شاید آپ کو معلوم ہو، میاں والی نے پھر سے زندہ کیا ہے۔ دسمبر میں والی سے لکھنؤ میں بات چیت بھی ہوئی تھی۔ ان کی رائے ہوئی تھی کہ وہ گشتی خط 'معلومات' کو بھیج دوں اور وہ اس پر اپنی رائے ظاہر کرکے دوسروں کو دعوت دیں گے کہ وہ بھی اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ ان دو رسالوں کے علاوہ اگر رائے ہو تو کسی پنجابی رسالے کو بھی شامل کرلیا جائے۔ یہ خیالات تھے آپ کے خطبے کی خبر سے پہلے۔ اب غالبًا یہی بہتر ہو کہ پہلے آپ کے خطبے کا اردو ترجمہ ان رسالوں کو بھیجا جائے اور اس کے بعد وہ گشتی خط۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

سنیما کے بارے میں میں آپ سے اتفاق نہیں کرتا ہوں۔ آج کل جو ہمارے سنیما کی حالت ہے وہ یقینًا نفرت انگیز ہے، مگر ساتھ ہی اس کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس کا اثر ہماری معاشرت پر بہت وسیع اور گہرا ہوگا۔ وہ اثر برا ہو یا بھلا۔ یہ ان لوگوں پر

منحصر ہے جو سنیما چلاتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ کام تجارت کا ہے۔ کاروباری آدمی کی نظر روپے پر ہوگی اور روپے لوگوں کو خوش کرنے سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ فی الحال جبکہ عوام کی تعلیم اور تربیت اتنی گری ہوئی ہے ان کا مذاق بھی بھونڈا ہوگا۔ مگر اسی سنیما سے وہ مذاق بہت کچھ درست بھی کیا جاسکتا ہے۔ اب اگر تمام معقول لوگ جو اس میں شامل ہیں ماحول کی گندگی کے خیال سے علاحدہ ہوجائیں تو پھر عوام کا مذاق سدھارنے والا یا ان کے خیالات درست کرنے والا کون ہوگا۔ ایک اتنی اہم چیز صرف خودغرض جاہلوں کے ہاتھ رہ جائے گی۔ خود کو کام اس وقت آپ کے پیش نظر ہے اس میں سنیما سے بے حد مدد مل سکتی ہے۔ اتنی ہی خدمت کیا کم ہوگی۔ میری تو رائے یہ ہرگز نہ ہوگی کہ آپ عاجز ہوکر چھوڑ دیں۔ آپ رفتہ رفتہ ایک خاصا بڑا کام بھی کرسکیں گے۔ یہ میری رائے ہے، مگر آپ حالات سے میری بہ نسبت کہیں زیادہ واقف ہیں، اور مجھ سے بہتر رائے قائم کرسکتے ہیں۔

اس خطبے کا اردو ترجمہ جلد بھیج دیجیے۔ یا تو خود براہ راست رسالوں کو بھیج دیجیے یا (ایک اور خیال آتا ہے) وہ گشتی خط اور یہ خطبہ مجھے بھیج دیجیے۔ وہ خط بطور اس خطبے کے ضمیمے کے میں اپنی طرف سے ساتھ ہی بھیج دوں، جیسی آپ کی رائے ہو۔

آپ کا مخلص

اشفاق حسین

جینندر کمار کا خط

7، دریا گنج

یکم مارچ 1935

بابو جی،

پتر کا اتر دینا جان بوجھ کر ٹالتا رہا۔ اس کا کارن تھا۔ ایک جگہ سے کچھ سننے کی آشا تھی، اور سوچتا تھا وہاں سے پتر آجائے تبھی آپ کو لکھوں۔ اب سنا ہے آپ کی کمپنی ٹوٹ گئی اور اب اس پتر کو یدی پائیں گے بھی تو آنے کی تیاری میں۔ ایسی کیا بات ہوئی یہ شاید آپ خلاصہ لکھیں گے ہی۔ کیا آپ وردھا جا رہے ہیں؟ کیا وہاں سے اس اُور آویں گے۔ میری کلپنا ہے کہ بنارسی داس جی آپ کو اس اُور ملیں گے۔ وہ پھر شانتی نکیتن

میں اسی طرح سے جماؤ کرنے کی دھن میں ہیں، کیا آپ جاویں گے۔

ہنس سے ایک کہانی (ایک رات) آپ کو ملی ہوگی۔ ذرا لمبی ہوگئی۔ لیکن غور سے پڑھیں اور مجھے اپنی رائے لکھیں۔ اور وہ چھپنی بھی چاہیے۔

آپ کے پتر میں ''گراموفون کا ریکارڈ'' کہانی کا ذکر تھا۔ اس استری کے پھسلنے کے چاروں اور جو ایک وایو اور واتاورن کہانی میں بھر دیا گیا ہے اس میں کیا استری کی اور سے Self-deception کی گندھ آپ کو بالکل نہیں ملی؟ اسے وہاں سے بالکل انوپستھت کرنے کا میرا ابھی پرائے نہ تھا۔ بلکہ مجھے معلوم ہوتا ہے وہ دھونی ہے۔ وہ دھونی نہ ہو تو سنپورن کرتیہ نتانت Justified ٹھہرتا ہے۔ لیکن وہ میرا ابھی پرائے نہیں ہے۔ میرا تو اشٹ ماتر اتنا ہے کہ ہم کہانی میں اس ناری کے سکھلن پر گھرنا سے نہ بھر جائیں پرتیوت ہمیں کرونا ہو، اور وہ ناری ہماری سہانوبھوتی سے سورتھا ونچت نہ ہوجائے۔ 'وشواتما' آدی آدی باتوں کے سماویش کی اتنی ہی سارتھکتا ہے۔ کہانی میں یہ تو اسپشٹ ہی ہے کہ ناری میں اپرادھ چیتنا Guilty Conscience ہوجاتی ہے۔ پھر یہ Guilty Conscience ہی اسے اپنے پتی کے پریم اور سنرکچھن کی چھایا کے نیچے سے ہٹ کر چلے جانے کو لاچار کرتی ہے۔ لیکن کیا وہ اپنا گلانی بھرا ہردیہ باہر کی اور کھلنے دے؟ یہ وہ نہیں کرسکتی، اسی سے پتی سے جھگڑا مول لینے کو اتاولی اور تتپر وہ دکھائی دیتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں ان میری اوپر کی باتوں کے پرکاش میں وہ کہانی آپ کو اسٹیم کا سمرتھن کرتی نہ جان پڑے گی جیسی کہ اس سے آپ کو لگی ہے۔

خیر آپ اپنے سنبندھ میں خلاصہ لکھیے گا۔ ابھی تک کسی بھی بھانتی 'ہنس' کے بارے میں وہ پرانی باتیں سوچنا نہیں چھوڑ سکا ہوں۔ میں اب بھی یہی سوچتا ہوں کہ 'ہنس' کا سمپادن آپ بالکل مجھ پر چھوڑ دیں۔ ایک Organ کی بڑی سخت ضرورت جان پڑتی ہے۔ کہانی مہینے میں کتنا کھپ سکتی ہے مشکل سے تین۔ تین کہانیاں میرا کچھ بھی سے نہیں بھرتیں اور نہ تین کہانیوں کا Production کوئی من میں Purpose کی بھانتی جم پاتا ہے۔ اس Purpose کو سامنے پالیں اسی کے سہارے کوئی بڑی کتاب اپنیاس آدی ہاتھ میں لی جاسکتی ہے انیتھا خالی خالی سا لگتا ہے۔ ابھی یوں بھی جتنے ہندی میں پتر ہیں من کوئی بھی نہیں چڑھتا۔ ٹھوس، اسٹینڈرڈ پتر کی کمی ہندی میں کھلتی ہی ہے۔

میں ادھر مدھیہ مارچ میں آپ کی اور ذرا سیر کرنے کے منصوبے بنانے میں لگا تھا کہ آپ ہی چل دیے۔

وردھا جائیں اور گاندھی جی سے ملیں تو میرا پرنام کہیے گا۔ اور کہیے گا کہ جینندر کو آپ کا پتر ملا ہے اور وہ ساہس سنگرہ کر لے گا تب انھیں اتر لکھے گا۔ پتر دیجیے گا۔

آپ کا

جینندر

ناتھو رام پریمی کا خط

ہندی گرنتھ رتنا کار کاریالیہ

ہیرا باغ، پوسٹ گرگاؤں، بمبئی

19-03-1935

مانیہ ور، پرناماہ!

اب کے رویوار کو میں آپ کی سیوا میں اُپستھِت نہ ہو سکا، اس لیے یہ پتر لکھ رہا ہوں۔

اس دن آپ کی کہانیوں کا سنگرہ چھپانے کے سمبندھ میں اور سب باتیں تو قریب قریب طے ہو چکی تھی، پرنتو ساجھا کیسا رہے گا، یہ اسپشٹ نہیں ہو سکا تھا۔ میری سمجھ میں وہ اس پرکار ہو۔

1 پُستک کی چھپائی، کاغذ آدی میں جتنی رقم لگے گی، اسے دونوں برابر برابر لگاویں گے۔

2 پُستک کی دو ہزار پرتیاں چھپیں گی اور دونوں پر پرکاشک کے طور پر آپ کا (سرسوتی پریس کا) اور ہمارا ''ہندی گرنتھ رتنا کار کاریالیہ'' نام ایک ساتھ رہے گا۔

3 پُستک پر اس کی نشچت کی ہوئی قیمت پر آپ کی 20 روپے سیکڑا رائلٹی ہو گی جو ہر چھٹے مہینے بکری میں سے آپ لے لیا کریں گے۔

4 پُستک کی بکری دونوں کے پاس سے ہو گی اور سمپورن پُستکیں، آخری پُستک تک، دونوں کو ساجھے میں بیچنی ہوں گی۔

5 ایک ایڈیشن سماپت ہو جانے پر دوسرا ایڈیشن بھی اسی طرح انھیں شرطوں پر چھپایا جا سکے گا۔

6 دونوں اپنے گراہکوں یا بُک سیلروں کو دونوں کی سمپتی سے نِشچت کیے ہوئے کمیشن سے ادھِک کمیشن نہ دے سکیں گے۔

اس دن تو آپ نے ساجھے میں ہی چھپانے کی بات کہی تھی، پرنتو اس سے پہلے جب میں آپ کے یہاں گیا تھا تب آپ کا ابھِپرائے میں نے یہ سمجھا تھا کہ آپ اپنی رائلٹی رکھ کر ہمیں ہی چھپانے کو دینا چاہتے ہیں۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ آپ مجھے ہی اپنے پورے خرچ سے چھپانے دیں۔ ہاں، یہ چھپائی آپ کے ہی پریس میں جائے گی۔ اس میں میرا ایک وِشیش اُدّیش ہے اور وہ یہ کہ میں جو سستی منورنجن گرنتھ مالا نکالنا چاہتا ہوں، یہ سنگرہ اس کا اگرِم گرنتھ بنایا جائے اس دِشا میں یہ ساجھے داری ٹھیک نہ بیٹھے گی۔ اس میں بڑی کٹھِنائیاں اُپستھِت ہوں گی۔

یدی آپ کیول مجھے ہی چھپانے دیں گے تو میں اتنا اور کر سکتا ہوں کہ آپ کی جو اس پُستک پر سمپورن رائلٹی ہوگی، اس کا چتورتھارتھ پیشگی ہی کاغذ اور چھپائے کے مولیہ کے ساتھ دے دوں گا۔ جس سے آپ کو بکری کے لیے ادھِک پرتِکشا نہ کرنی پڑے۔

آشا ہے آپ میری اس پرارتھنا کو اوشیہ سویکار کر لیں گے۔ اس سے میری سستی گرنتھ مالا کی اسکیم سپھل ہونے میں بہت سہایتا ملے گی۔ آپ کے اس سنگرہ کے ساتھ ہی میں نے دو تین پُستکیں چھپانے کا اور بھی پربندھ کر لیا ہے۔ اُتّر کی پرتِکشا کروں گا۔ کیا آپ کا تاریخ 25 کو جانا نِشچت ہو گیا ہے؟

بھودیہ، ناتھورام

اوشا دیوی مِترا کا خط

اپریل، 1935

پوجیہ ور،

سادر پرنام!

آج بڑی خوشی ہو رہی ہے، کیونکہ بہت دنوں بعد آپ کی چٹھی پڑھ رہا ہوں۔

میری کہانیوں کا آپ جتنا آدر کرتے ہیں، اس بات کو کہیں آپ سے زیادہ میں جانتی ہوں، اسی پہلی کہانی کے سمے سے، ماسک پتریکاؤں میں آج میری کہانیوں کی جو کچھ بھی مانگ ہے۔ وہ سب آپ ہی کے اُتساہ پانے و آدر کا پرنام ہے۔

''پرتھم چھایا'' کہانی میں پراکرتی سے سنگیت کی اُتپتی اور چھ راگوں کے نام تتھا ان کے روپ، رس و گانے کا سمے اور رِتو کال کو دکھلانے کا کچھ تھوڑا سا پریاس کیا گیا ہے۔ اِکشا تھی کہ یدی پاٹھک اسے Appreciate کریں گے تو پیچھے وِستار کے ساتھ چھتیسوں راگنیوں کے نام، گانے کے سمے، روپ آدی کا وَرنن کروں گی۔ یہ چھ راگ میں نے ''بھرت'' مت کے لیے ہیں۔

سنگیت کا آرمبھ ناد سے ہے۔ ناد سے سوَر، سوَر سے پھر سپتک اِتیادی ہے، تو یہ سات سَور سات جیوں سے لیے گئے تھے۔ مور کی کیکا سے۔شڈج، ورش سے۔ رِشبھ، بھینس سے۔ گندھار، شرگال سے۔ مدھیَم، کوکلا سے۔ پنچم، اشو و میڈک سے۔ دھیَوت، ہاتھی و گدھے سے۔نشاد۔ ان کے سنکچھیپ نام 'س'، 'ر'، 'گ'، 'م'، 'پ'، 'دھ'،'نی'، ہیں۔ انھیں سپت سوَروں سے سرگرام بنا۔ کہانی میں پردھان سوَر'س' کو رانی (پراکرتی) نے مور کی کیکا سے لیا۔ باقی کے چھ جیووں کے سوَروں کو چھ سکھیوں نے لے لیا۔ رانی پراکرتی، راجہ پُروش اور چھ سکھیاں چھ رِتوں ہیں۔بھرت مت کے چھ راگ ہیں، 'بھَیر وں'، 'مالکوش'، آدی، جو کہ کہانی میں ہیں۔ پرتیک راگ کے چھ چھ پتنی، پُتر، پُتر ودھو، سکھا، سکھی، اِتیادی ہوتے ہیں، کِنتو یہ سب اس میں لکھا نہیں ہے۔ کیوَل چھتّیس راگنیوں کی مالا رانی کے گلے میں ہے۔

چھ راگ چھ رِتوؤں میں گائے جاتے ہیں۔سکھیاں رِتوں ہیں، جیسے بھیرَو راگ گانے کا کال، شیت رِتو، سمے پراتہہ کال، روپ اور رس بھی لکھا ہی ہے۔ اسی طرح چھ راگوں کے روپ، رس، سمے، کال آدی کہانی میں ہیں۔

یدی آپ سمجھیں کہ اسے پاٹھک پہیلی کی درِشٹی سے دیکھیں گے، تو جانے دیجیے، کنتو آج کل ہمارے دیش میں سنگیت چرچا طرح اُنتی کی اور بڑھی چلی جا رہی ہے، اسے آشا ہے کہ وِچارشیل پاٹھکوں کو اس کے سمجھنے میں اڑچن نہ ہوگی۔ پھر آپ جیسا سمجھیں، ویسا کیجیے۔

یدی آپ اُچت سمجھیں تو دوسرے پرِچھید میں اور ''چھ پرانی کے سوَروں کو سکھیوں

نے اپنی اپنی ڈالیوں میں بھر لیا" کے بعد یہ لکھ دیا جائے۔" اس طرح سات جیووں کے سوروں سے شڈج، رِشبھ، گندھار، مدھیم، پنچم، دھیوت، نِشاد کی اُتپتی ہوئی اور ان سپت سوروں سے سپتک بنا۔ تیسرے پرِچھید میں جہاں سکھی نے کہا ہے "نہیں، وہ ستیہ تھا"، اور راجا نے کہا "ستیہ؟"، اس کے آگے سکھی نے کہا: "ہاں ستیہ" اس استھان میں یدی ایسا لکھا جائے: "آج رانی نے چھ راگوں کی سرشٹی کر دی اور ان کے گانے کے کال چھ رِتوؤں میں نِردِشٹ کر دیے۔" راجا کا کنور کہتا ہے: پھر وہ بھیانک، کرُون، رودر، ویر، بھکتی، آنند کی سی آندھی ایک ایک باراٹھی اور گیت سماپتی کے ساتھ ہی ساتھ نکل کیسے گئی؟ وہ سب کیا تھا؟" "وہ ہر راگوں کے روپ تھے، رس تھے پاگل، جو مورتی مان ہو کر آنکھوں کے سامنے آ وِراجے تھے۔"

دوسری کہانی پندرہ بیس دن میں بھیجوں گی۔

وِنیتا، اوُشا مِترا

دیانرائن نگم کا خط

Daya Narain Nigam

Cawnpore,
April 9th, 1935

My dear Brother,

I received a letter from Bombay. I have been so much worried and preoccupied of late that I could not write to you earlier. At times I feel so worried and miserable that I have left no zest for life, but fortunately this mood passes off and I begin plodding as of old.

I hope you have now come-back from' Bombay. I saw your impressions regarding the Cinema Trade in some of the Urdu Magazines. I wish you could write a long article on the 'whole question for me. I promise to secure its circulation through out the country. I wish your views were widely known.

You had written to me about sending advance proofs of your stories in 'Hans'. I am sorry I have not received any story of yours in this way. I wish you could arrange for it now that you are at Benares.

It is ages, we have not met. My son, Brij Narain's marriage takes place with Dr. K.S. Nigam's daughter at Lucknow on April 29th and 30th. I wish you could also come and join the function for at least a couple of days. If you come direct to Cownpore on 28th or 29th, it will be all the better. We shall then proceed together to Lucknow. You may bring the elder boy, who will be free by that time from his examination. I do not suppose the younger boy's examination will be over by the end of April. Formal invitation will reach you in due course. I am writing this letter to you only by way of previous notice.

Hoping this find you and the family in the best of health and with kind regards,

Yours sincerely,
Daya Narain Nigam

اجیت کمار بوس کا خط

Ajit Kumar Bose
C/o S.K. Roy Esq.
Aliganj Bazar, Aliganj
Lucknow.

12.4.35

My dear Babuji,

You must have received one post card which I had posted from Rothin's place. Babuji, you know everthing of our family history. How I am struggling for bread since the expiry of my

father along with my poor widow mother and sister. My life's ambition, energy and whatever the high thoughts I had in my life, am loosing one after another. Of course, my marriage is settled totally against my desire and now, it is too late to change idea for the respect of my mother and brother-in-law. I have no confidence on my pottery business, as the reason is behind it is the General manager who had engaged me is retiring with in a short time. There is no vacancy for a permanent post there, as there are already three painters working permanently since a long time and there can no post be created according to budget. At any time my contract system may be broken. Now you can easily understand what will be my situation in near future. I would not have much cared if it would have been a permanent service. Moreover pottery business is sinking day by day for Japan. However whatever difficulties I have placed before you, I know very well that there is no body in this world to whom I shall consult and who will tell me the right way.

This is my best effort in my life which I am going to try and if I don't get a scope and a help in it, count me one of the street beggars. My aim was in my life to become a screen actor. I had never left to learn any art which will help me in the film industry side by side with my service life. I can't help to make a handsome face for it is not in any human's hand. However now I have left the idea. Still I hope, if I get a scope to learn, the technics of a Cameraman, I can stand at my heels in no time, as well as I can learn to produce the cartoon pictures as Prabhat and New Theatres have produced. In any way, if you can help me to keep in Ajanta's or any where you have got influence as an unpaid apprentice, I am ready to learn. I shall manage to

stand my expenses for six months after that I shall make out some other sources. My elder and younger brother both are earning something by which they can manage to maintain the family for sometime. If I leave this opportunity none I can get in future. If you request rather press Mr. Bhavnani; hope he will pity to help a young ambitious man. I must think that you are temping for your eldest son.

Nothing more I can write. Your reply will decide my rise or fall.

My pranam to you.

Yours,
ajit

کیدار ناتھ لاہور کا خط

آریہ سماج مندر
گوال منڈی
لاہور
21-4-1935

مکرمی جناب منشی صاحب
آداب و نیاز

نوازش نامہ ملا تھا، مگر جواب لکھنے میں تاخیر ہوئی، معاف فرمائیں گے۔ خیال تھا کہ سوم پرکاش سے مل کر کچھ فیصلہ کر لوں، تب جواب لکھوں، مگر یہ حضرت ابھی تک لاہور واپس نہیں آئے۔ اب معلوم ہوا کہ 15 اپریل کے بعد آئیں گے۔ پہلے نوچندی گئے، اب گُروکُل کانگڑی۔ کانگڑی کے جلسے میں وراجمان ہیں۔ دوسرے چوتھے ان کی دکان پر ہو آتا ہوں۔ کمپنی کے ساتھ مقدمے بازی کی خبر پڑھ کر افسوس ہوا۔ دیوانی دعوے ذرا لمبے ہوتے ہیں۔ اگر آپ کو زیادہ عرصے بھی ٹھہرنا پڑے تو کریں گے، مفت کی زیر باری۔ نزل پہلے سے اچھا ہے، لیکن طبیعت ابھی بالکل صاف نہیں ہوئی۔ میں نے مکان تبدیل کر لیا ہے،

پتہ نوٹ کر لیجیے گا، ہاں، خوب یاد آیا، مسٹر زیبا اڈیٹر 'ستارہ' کل اور پرسوں تشریف لائے تھے، کائستھ ہیں، اور نہایت سمجھدار نوجوان۔ ان کی زبردست خواہش ہے کہ آپ کا نام بطور Advisory Editor 'ستارہ' پر دیں۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟ 'ستارہ' دیکھ کر آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ مضامین کیسے ہیں۔ دادا کی کہانی جناب بہت اچھا لکھتے ہیں۔ جس قدر مضامین پڑھے، تقریباً سب کو ٹھوس اور بلند پایا۔ آپ کو کرنا دھرنا کچھ نہیں ہوگا، البتہ تو آپ کے نام کا فائدہ اٹھا سکیں گے۔ ممبئ تو آج کل کافی گرم ہوگا۔ یہاں اب موسم نے پلٹا کھایا ہے۔ دیوی جی اور بچے آپ کو ماتا جی کو پرنام کہتے ہیں۔

آپ کا خادم، کیدارناتھ

دیانرائن نگم کا خط

''زمانہ''، کانپور

25 اپریل، 1935

بھائی صاحب، تسلیم!

اب تو آپ اندور سے آ گئے ہوں گے۔ نوید ملا ہوگا۔ مکرر جواب بھیج رہا ہوں کہ وہ گم نہ ہو گیا ہو، بہرحال اس موقع پر موجودگی ضروری ہے۔ اس بہانہ سے ملاقات ہو جائے گی۔ بچوں کو بھی ساتھ لیتے آئیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ نہ آئیں۔

دیانارائن نگم

شاہد، سمپادک 'ساقی' کا خط

رسالہ 'ساقی'

دارالاشاعت، کھاری باولی دہلی

25.4.1935

مکرمی و محترمی

تسلیم!

'ساقی' کا افسانہ نمبر عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ آپ سے استدعا ہے کہ اس کے

لیے ایک افسانہ لکھ دیجیے۔ اردو رسالہ کی مالی حالت کا آپ کو اندازہ ہے ہی۔ آپ کے افسانے کا معاوضہ تو نہیں، البتہ بطور نذرانہ 'ساقی' کچھ گجران کر سکے گا۔

برائے مہربانی جواب سے مطلع فرمائیے۔

خاکسار

شاہد

ناتھو رام پریمی کا خط

ہندی گرنتھ رتناکار کاریالیہ

(پرکاشک اور بکریتا)

ہیرا باغ، پوسٹ رگرگاؤں، بمبئی

28-04-1935

مانیہ ور،

آپ کا پتر تاریخ 24 کو ملا۔ پہلے پتا جی کا ارادہ لاہور، الہٰ آباد آدی ہوتے ہوئے اندور جانے کا تھا، پرنتو پیچھے سے پرستھتیوں کے وش انھیں یہ ارادہ بدلنا پڑا اور وے پہلے اندور ہو کر پھر لاہور گئے ہیں۔ ان کے ساتھ میں بھی اندور تک گیا تھا۔

اندور میں لوگ آپ کی بہت راہ دیکھتے رہیں، پر آپ نہیں آئے۔

یدی سمے بچے گا تو پتا جی کا بنارس جانے کا بھی ارادہ ہے۔ پتا جی 7 مئی تک بمبئی اوشیہ لوٹ کر آجائیں گے۔ جب آپ کو یہ پتر پہنچے گا اس سمے وہ دلّی میں ہوں گے۔ ان کا پتہ۔

C/o. جینندر کمار، دریا گنج، دلّی۔

آپ کا آگیاں کاری، ہیم چند

پُنشچہ: 'مانسرووز' کے حساب میں پتا جی نے جو روپیہ دینا منظور کیا تھا سو لکھیے۔ میں روپیہ بھیج دوں گا۔

جینندر کمار کا خط

5رمئی 1935

بابو جی،

پتر ملا۔ میں نے تو سمجھا تھا کہ آپ نے چٹھی لکھی ہے اس سے ترنت ہی کہانی کی ضرورت ہوگی سو بھیج دی تھی۔ ڈر ہے وہ اگلے مہینے تک پرانی نہ ہوجائے کیونکہ بمبئی سے چھپنے والے سنگرہ میں بھی اسے بھیجا ہے۔

'ہنس' کہانیوں کا ہی ہو اس میں کیا برا ہے بلکہ ایک Specialization کی دشا ہی بنے گی لیکن اتنی اچھی کہانیاں ملیں گی؟ اور تب جب کہ 'ہنس' کی حالت پیسہ دینے کی نہیں ہے؟ نہ 'ہنس' اسٹاف ہی اچھا رکھ سکتا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ منشی کی اسکیم کچھ بنے تو 'ہنس' چھوڑ کر آپ چھوٹیے۔ چھوٹنا ماتر جھنجھٹ سے ہوگا۔ کیونکہ تب بھی پتر تو سمپادن کے لحاظ سے آپ کا ہی ہوگا۔ مجھ سے پوچھیں تو میرے من میں یہ بھی ہے کہ کہوں کہ 'ہنس' کا سمپادن مجھے دے دیں۔

الہ آباد جا ہی رہے ہیں تو جا کر دیکھیے۔ مجھے تو وہاں کا زیادہ بھروسہ نہیں ہوتا۔ بھارتی جی کو میں نہیں جانتا۔ اچھا ہی ہے کہ ان سے آپ کو سہایتا ملے۔ بمبئی سے پائے پیسے میں سے اتنا بھی بچا کہ ایک تجربہ کیا جائے تو کیا برا ہے۔ وہاں کہاں جمنے کا ٹھیک کیا ہے۔

اس چیچک سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔ اب بنو کی کیا حالت ہے ضرور لکھیے گا۔ کیا Acute Case ہے؟ یوں تو سات آٹھ روز میں دانے مرجھا آتے اور جھڑنے لگتے ہیں۔ کیا وہاں Epidermic ہو پڑا تھا کیا چیچک کا؟

یہاں یوں سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ ادھر آپ مدت سے نہیں آئے۔ کبھی دو روز کی چھٹی نکال سکیں گے کہ یہاں آئیں؟ گرمی خوب پڑنے لگی ہے۔ پہاڑ یاد آتا ہے لیکن جانا کہاں ہوتا ہے۔ اماں جی کو میرا پرنام۔

آپ کا

جینندر

رشید، علی گڑھ کا پتر

علی گڑھ

11-05-1935

برادران پریم چند صاحب،

آپ کا 26 کا کارڈ ملا۔ اچھا کیا آپ نے بمبئی کو خیر آباد کیا۔ میرا تو خیال ہے کہ آپ تاجروں سے نبھا نہ سکے۔ مجھے اس کی خوشی ہے، کیونکہ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ ابھی آپ میں ادب اور فن کا احترام باقی ہے۔ میں نے یہاں ''زمانہ'' کی تلاش کی، لیکن وہ پرچہ نہ ملا، جس میں آپ کا مضمون ہے۔ ایسے بعض اور ساتھی بھی ہیں، جن سے میں نے آپ کے خط کا تذکرہ کیا۔ وہ لوگ بھی مضمون دیکھنے کے آرزو مند ہیں۔ مجھے نگم صاحب کو لکھنا ہے۔ وے بھیج دیں تو کارروائی شروع ہو۔ اسپیشل نمبر میں انشا اللہ اس پر تفصیلی طور پر بحث رہے گی۔ آپ مطمئن رہیں۔ ہم سب سے آپ کو جو توقع ہے، وہ پوری کی جائے گی۔ خدا نہ کرے وہ دن آئے جب ہندو مسلمان نوکری اور نشستوں کے علاوہ شعر و ادب کو بھی میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ قرار دیں سکیں۔

آپ کا، رشید

رام پرساد کا خط

لاہوری گیٹ، لاہور،

13-05-1935

شری مان، جی نمستے!

نیویدن ہے کہ بہت دیر سے دل میں خواہش تھی کہ آپ سے لکھوا کر کوئی کتاب شائع کی جائے۔ مگر آپ کو خط لکھنے کا پورا پتہ معلوم نہ کر سکا۔ اب ایک مہربان سے آپ کا اڈریس دریافت کر کے خط لکھ رہا ہوں۔ جب آپ کی سیوا میں خط پہنچ جائے، جواب سے مشکور فرما دیں، تاکہ مجھے تسلی تو ہو کہ خط آپ کو مل گیا۔

آج کل مارکیٹ میں بہت سی کتابیں مثلاً ''ہدایت نامۂ خاوند''، ''کام شاشتر''، ''پریم

شاشتر"، "بیوی"، "سہاگ رات" یا اسی قسم کی دیگر کتابیں نکلیں ہیں۔ بہت اچھی فروخت ہوتی ہیں، حالانکہ مضمون کے لحاظ سے کوئی بھی مکمل نہیں۔ اب وِچار ہے کہ اگر آپ اسی مضمون پر ہمیں کم سے کم 300 یا 400 صفحے کی ایک کتاب لکھ دیں، تو بہت مہربانی ہوگی۔ کم سے کم جتنی اجرت آپ چاہیں لیں، مگر کتاب ہر لحاظ سے مکمل لکھ دیں، اور جس قدر روپیہ آپ پیشگی لکھیں، آپ کو بذریع منی آڈر روانہ کر دیا جائے گا۔ کتاب اردو، ہندی، گرومکھی تینوں زبانوں میں شائع کی جائے گی۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی بہت بڑھیا ہوگی۔ امید ہے، آپ ضرور ہی اس مضمون پر قلم اٹھائیں گے۔ اگر کوئی ناول یا کہانیوں کی کتاب تیار ہو تو وہ بھی لکھیں، امید ہے آپ جواب جلد دے کر مشکور فرماویں گے۔

آپ کا شُبھ چنتک،

جے.سی. تھوکوتھ کا خط

Sacred Heart College
Shembaganur, Madura Dt.
13.5.35

To,
Mr. Premchand, Editor of 'Hans'
From
J.C. Thokoth, S.J.
S.H. College, Shembaganur,

My dear Premchand,

With delight I read the review of some of your works by Rw. Fr. P. Dent in the very first issue of the 'New Review'. Even after I was keen on reading the works of Mr. P. Chand, the beloved of the readers of Hindi (sorry to say that till now I could not get a single work of yours). Fortunately as a result of my enquiry I found a recent book with a criticism about Mr. P.

Chand. But to speak the truth I was a bit disappointed. For though I could find appreciations like 'वर्णन की अपूर्व शक्ति प्रेम चन्द जी को मिली है। इस कार्य में वे संसार के बड़े-बड़े उपन्यासकारों के समकक्ष हैं' Still I could not taste a little of your sweet style even from the pen of a Hindi critic like श्याम सुन्दरदास.

Then again when I was reading the article 'A National Language for India', in the April issue of the 'New Review' my eyes were attracted by a long footnote referring to 'Hans' and its verdict on the above mentioned subject 'राष्ट्र भाषा'. But I could not get a single issue of your 'Hans.' and thus came into contact with your views and style. Perhaps you know that we in the south, who wish to become हिन्दी प्रेमी सज्जन महाशय by coming into close relationship with आधुनिक हिन्दी साहित्य और सुविज्ञ लेखक, have not much facility for the same. So if you can freely help us with your 'Hans' then we may know more of modern Hindi literature and tendency more. My companions and I in particular shall be grateful to you.

Lastly wishing you a brilliant future in your literary persuits.

I remain,

Yours sincerely,
J.C. Thokoth, S.J.

ششانک کا خط

ہندی پرچار سبھا
نیو ہال، ماٹنگا ممبئی

15.5.1935

مانیہ پریم چند جی،
وہاں پہنچنے پر آپ کے بھی چٹھی نہیں لکھی۔

سمیلن میں بھی آپ نہیں آئے۔ K.M منشی جی آئے تھے۔ جس روپ میں اب ساہتیہ پریشد کا پرستاو پاس ہوا ہے، اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ منشی جی آج کل پنچگنی رہتے ہیں۔ ان سے بھی پتر ویوہار کیجیے۔

ہمارے لیے 'ہنس' کی ایک پرتی بھیجنے کی کرپا کریں۔ دیوی جی کو میرا پرنام!

آپ کا

ششانک

سدرشن کا خط

36، چکربیرا روڈ (ساؤتھ)

بھوانی پور، کلکتہ

16 مئی 1935

بھائی جان،

نمستے! کچھ دن ہوئے میں نے سنا تھا کہ آپ بمبئی چھوڑ کر بنارس چلے آئے ہیں۔ پرماتما کرے یہ غلط ہو۔ بلا شبہ ہمارے نگارخانوں کی فضا اس قابل نہیں کہ وہاں کوئی خوددار اور قابل آدمی زیادہ دیر رہ سکے۔ لیکن میں بھونانی صاحب کی نسبت زیادہ تعریف سنی تھی۔ اس لیے یقین نہیں آتا کہ آپ کو ان لوگوں نے چھوڑ دیا ہو۔ ادھر لٹریچر کا بھی برا حال ہے۔

میں آج کل نیوتھیٹرس میں ہوں۔ اس کا مالک بے حد شریف واقع ہوا ہے۔ کام بھی کم ہے۔ پیسہ بھی ملتا ہے۔ لیکن جو مزہ گھر میں بیٹھ کر افسانے لکھنے میں تھا وہ یہاں نہیں۔ پر وہاں پیسہ نہیں ہے۔ کیا کریں۔ اخراجات کسی بیمار بڈھے کی کمزوری کی طرح چلے بڑھتے جاتے ہیں۔ مجبوراً۔

مسز پریم چند کو نمستے۔ مسز سدرشن بیمار ہوگئی تھیں۔ پہاڑ پر بھیج دیا ہے۔ ہم کلکتے کی گرمی میں جھلس رہے ہیں۔

سدرشن

ناتھو رام پریمی کا خط

16-05-1935

مانیہ ور منشی جی،

لاہور سے لوٹتے ہی تاریخ 4 کو میں نے آپ کی سیوا میں ایک پتر بھیجا تھا۔ اس کے اُتر کی پرتیکشا ابھی تک کی، پرنتو اب دھیریہ چھوٹ گیا اور یہ پتر لکھ رہا ہوں۔ معلوم نہیں، ایسا کیا کارن ہوا جو اُتر نہیں دیا۔ یہ بھی چنتا ہوئی کہ کہیں آپ میرے پتر ویوہار سے اَسنتشٹ تو نہیں ہو گئے ہیں۔ کاغذ کے بارے میں میں نے تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ یہاں سے بھیجنے میں 8-7 پائی پرتی پتر خرچ پڑجائے گا اور اس لیے یہاں سے بھیجنے میں کوئی لابھ نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بنارس کے کاغذ بیوپاری اچھا گلیز کاغذ بھی رکھتے ہوں گے یا آرڈر دینے پر کلکتہ سے منگا دیتے ہوں گے اور وہ وہاں بھی یہیں کے بھاؤ مل جاتا ہوگا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کاغذ اچھا لگے۔نہیں تو پھر وہی لگائیے جو ''کایا کلپ'' میں بالکل سفید لگایا گیا ہے۔ اب میں آپ کے پتر کی پرتکشا نہ کر کے اس پتر کے ساتھ پانچ سو (500) روپیوں کا چیک بھیج رہا ہوں۔ آشا ہے کہ روپیہ ملتے ہی آپ ''مانسرودور کا کام شروع کرا دیں گے۔ ٹائپ تو آپ نیا لگواویں گے ہی۔

شری جینندر کمار جی کے پتر سے معلوم ہوا کہ شاید آپ الہٰ آباد گئے ہیں اور وہاں کب تک رہیں گے یہ کچھ معلوم نہیں ہوا۔

آپ نے اردو کے 6-5 ہاسیہ رس لیکھکوں کی ایک ایک کہانی چن دینے کے لیے کہا تھا۔ جب آپ کو اوکاش ملے، یہ کام کر دیجیے۔ میں بابو رام چندر ورما سے انوواد کرا لوں گا۔ اس سمے انھیں فرصت ہے۔ ان کے لیکھکوں سے آگیاں بھی آپ کو ہی دِلانی ہوگی۔

آپ کے پتر کی پرتکشا کر رہا ہوں۔

بھودیہ، ناتھو رام

کنہیا لال مانک لال منشی کا خط

K.M. Munshi
'Girivilas'
Panchgani

16th May, 1935

My dear Premchand ji,

Please excuse my writing in English. It enables me to express myself better.

I am in due receipt of your letter. The Hindi Sammelan has appointed Girdhar Sharma,. Harihar Sharma and myself as the conveners to organise the Inter-provincial Sahitya Parishad. I cannot do this work unless I have your whole hearted co-operation. I would, therefore, request you to editorially write about this in the coming issue of the 'Hans'.

My idea about 'Hans' is that we should start propaganda in its columns. I am also arranging with literary men in different provinces to give us every month a survey of the literary activities in their provinces and some excellent literary articles in their vernaculars. This would be published in the 'Hans' every month. This arrangement will take sometime. I will only be able to do it in the middle of June when I go to Bombay. If in the meantime you come to Bombay please make it a point to come over to Panchgani and spend a few days with us. I have also written to Gandhiji that you are willing to help us with Your 'Hans'.

The Sammelan has given us authority to co-opt men from other provinces and I am in correspondence with several leading literary men in different provinces, whether they would

cooperate with us in this object. I understand that you know Benarsidas Chaturvedi of Calcutta very well. Will you please let him know about this scheme and invite his co-operation. I will address a formal letter to different editors when I go to Bombay and I trust you will see that it is published in 'Hans' and other papers within the sphere of your influence.

With kind regards,

Yours Sincerely,
K.M. Munshi

ناتھو رام پریمی کا خط

17-05-1935

مانیہ ور منشی جی، پرناماہ!

آپ کا تاریخ 12 کا کرپا پتر آج ملا۔ شاید دو تین دن لکھا پڑا رہا۔ آپ کو ایک پتر لکھ چکا ہوں اور اس کے ساتھ 500 روپیہ کا چیک بھی بھیج چکا ہوں۔ یدی اس نام سے چیک کا روپیہ نہ ملے تو اسے لوٹا دیجیے، میں ترکال ہی دوسرا چیک شری دھنپت رائے جی کے نام کا بھیج دوں گا، پرنتو میں سمجھتا ہوں اس نام سے بھی آپ کو مل جانا چاہیے، جب کہ آپ سویم موجود ہیں۔

''کرم بھومی'' والا کاغذ سفید نہیں ہے۔ اس سے اچھا تو ''کایا کلپ'' کے ایک انش کا کاغذ سفید ہے۔ ''کرم بھومی'' کی اپیکشا مجھے وہ ادھک پسند ہے، پھر آپ کی مرضی، جو ٹھیک سمجھیں وہ لگا لیں۔ اب ادھک ولمب نہ ہونا چاہیے۔

جینیندر جی کی کہانیوں کا چھاپنا میں نے یہیں شروع کر دیا ہے۔ ان کا جلدی چھپانے کا تقاضہ تھا۔ اب میں اسے ستی گرنتھ مالا میں نہ نکالوں گا اور تھوڑی سنکھیا میں چھپواؤں گا۔ ایک اور اُپنیاس ڈیوما کا میرے پاس پڑا ہے۔ اسے آپ کے یہاں چھپواؤں گا۔ اس کی بھاشا ٹھیک کرنی ہے۔ اس سَمے ہاتھ میں کئی کام پڑے ہیں، اس لیے اس کے ٹھیک کرنے میں دو مہینے لگ جائیں گے۔ تب تک ''مانسرور'' سے آپ کو بھی اوکاش مل

جائے گا۔ جینیندر جی کا آج ایک پتر اور آیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ آپ بنارس چھوڑ کر الہٰ آباد رہنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟ کب تک وہاں چلنے کا وِچار ہے؟ میرے کل کے پتر کا اُتر بھی دیجیے۔ یہاں سب کچھ کُشل سا ہے۔ ہیم چند پرنام کہتا ہے۔

اپنی سہہ دھرمنی جی سے میرا پرنام نیویدن کر دیں۔

یدی دوسرا چیک بھیجنا آوشیک ہو تو کس نام سے ہو؟ شری دھپت رائے جی بی۔اے۔ اتنا ہی ہو؟

بھودیہ، ناتھو رام

لیڈر اینڈ بھارت لمیٹڈ الہ آباد کا خط

The Leader and the Bharat
Proprietors: Newspapers Ltd.,
Leader Buildings,
3-4, Leader Road, Allahabad

May 17, 1935

My dear Premchand ji,

I acknowledge receipt of your note of may 13, 1935. Mr. Bhuvaneshwar Prasad gave you a substantially correct gist of my conversation with him only, either he did not correctly follow my meaning or he was unable to explain to you correctly the 'scope' of my suggestion. So far as the publications are concerned, I am at all times willing to take them over on the same terms as in the case of the Bharti Bhander, viz,

1. All the stock be placed in our charge.

2. We will render account of sales every six months.

3. We will be paid a commission of 35 percent which will include commission to be given by us to Book-sellers, as well as cost of advertising which will include issue of catalogues.

4. If necessary, we will be prepared to advance a sum to be

determined by mutual negotiation free of interest upon the stock of books placed with us in order to enable you to discharge your existing liabilities, assuming there are any.

These terms are the same as those which are in operation in case of the Bharti Bhander as well

As regards our mode of dealing and punctuality of payment, you can refer to the experience of the Bharti Bhander. Then there is the magazine, I personally view it as a promising proposition. I cannot however, tell what view my Board will take of this matter, but in any case it is, highly improbable that the Board will in any event agree to take over the press on any terms. We already have a fairly big plant for job printing work for it. This plant was rendered idle by the installation of rotary printing machinery and is now dependent only upon job printing work, the newspaper printing being done on the rotary press.

In all that I have said above, I am speaking only for myself and not for my Board.

I will be in Benares on Sunday and Monday. Rai Krishna Dass men know my house, but if you yourself want me to meet you, you may kindly fix up an engagement with Dr. Jagannath Prasad, M.B.B.S, who has his dispensary in Chowk in the neighbourhood of the Benares Bank Limited, in the same premises of which the ground floor is occupied by Messers. Jagannath Dass Balbhadra Dass,

With kind regards, I am,

Your sincerely

Premchand Esq
Saraswati press
Banares City

خواجہ اظہر عبّاس، دلّی کا خط

حالی پبلیشنگ ہاؤس،
کتاب گھر، دہلی
پوسٹ باکس 130
18 مئی، 1935

محترم جناب منشی پریم چند صاحب، تسلیم!

پیشتر اس کے کہ میں جناب کی خدمت میں اپنا مقصد عرض کروں، اپنا تعارف ضروری خیال کرتا ہوں۔ میرا نام اظہر عباس ہے۔ میں خواجہ غلام السیدین صاحب پرنسپل، ٹریننگ کالج، علی گڑھ کا بھائی ہوں۔ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب، پروفیسر جامعہ ملیہ میرے بہنوئی ہیں۔ اور جناب کے دوست سید اشفاق حسین صاحب بی۔اے۔ میرے مُربّی اور دوست ہیں۔ مجھے جناب سے سید اشفاق حسین صاحب کے یہاں علی گڑھ میں نیاز حاصل ہوا تھا۔ عرض مطلب یہ ہے کہ حالی پبلیشنگ ہاؤس کا قیام ابھی چند روز سے دہلی میں شروع کیا ہے۔ بک ڈپو ایک ماہ کے عرصے میں قائم ہو جائے گی۔ مولانا حالی مرحوم میرے پرنانا (یعنی میرے حقیقی نانا کے والد) ہوتے تھے۔ اس وجہ سے اس دارالاشاعت کا نام یہ رکھا گیا ہے۔ ارادہ یہ ہے کہ ملک کے اعلیٰ اور سربرآوردہ اصحاب کے اشاعت قلم کو عمدہ قسم سے طبع کرایا جائے اور ان کو ایک خاص سائز میں چھاپ کر ملک کے سامنے پیش کیا جائے۔ کیا جناب اعلیٰ اس میں ہماری مدد فرمائیں گے؟ عرض یہ ہے کہ میں نے عابد صاحب سے سنا ہے کہ جناب کے پاس short stories جیسا کہ ''پریم پچیسی''، ''بتیسی''، ''چالیسی''، ''بازارحسن'' وغیرہ شائع ہوئی ہے۔ وہ اگر جناب ان میں سے کچھ ہمیں عنایت کر دیں تو ہم ان کو طبع کرائیں اور اپنے دارالاشاعت کا نام روشن کریں۔ اگر جناب ان کو مرتب کر کے عنایت کر سکیں تو عین نوازش ہو گی۔ رہا کاروباری معاملے کا سوال تو میں اس کو جناب پر ہی چھوڑتا ہوں۔ جو کچھ جناب طے فرمائیں گے، ہمارے اس نئے کام کو مدنظر رکھ کر وہ ہمیں منظور ہوگا۔ اگر تقریباً 20x30/16 کے سائز کی تقریباً 150 صفحات کا مسالہ آپ عنایت کریں گے تو ہم ان کو عمدہ لکھائی اور چھپائی کے ساتھ اس کو شائع

کریں گے۔ میں جناب کے والانامہ کا بے چینی سے انتظار کروں گا۔

فقط خاکسار

آپ کا خیر اندیش،

اظہر عباس

کنہیا لال مانک لال منشی کا خط

K.M. Munshi
'Girivilas'
Panchgani

18th May, 1935

My dear Premchandji,

I am sending herewith a draft of a letter which I propose to circulate to few leading literary men in all the provinces. It gives an idea of how 'Hans' is to be utilized.

Please let me know by wire, whether you approve of the idea. If you do I will immediately release the letters to those gentlemen.

Yours Sincerely,
K.M. Munshi

Dear Sir,

At the last Hindi Sammelan, which was held at Indore under the Presidentship of Mahatma Gandhi, I suggested that an effort might be made to bring together the leading representatives of different Indian languages through the medium of Hindi, so that in course of time an All India Inter-Provincial Sahitya Parishad may come into existence. The idea met the approval of Mahatmaji and also of the Sammelan,

which passed the following resolution :

"With a view to bring about a contact with literary men working through the provincial language in the country and with a view to obtain their co-operation in the evolution of the Hindi language this conference appoints a committee of the following gentlemen with power to co-opt members when necessary. Syt. Kanaialal Munshi (Bombay); Syt. Girdhar Sharma, (Jhalrapatan); Syt. Harihar Sharma (Hindi Prachar Sangh, Madras)."

Before the committee can co-opt members representing different Indian languages and start work it is necessary that the underlying idea should be discussed through the medium of the provincial languages. I have, therefore, to request you to discuss the necessity of this activity in your provincial language through any journal likely to sympathise with this work. I have every little doubt that most of the nationalist journals in our provincial languages will welcome this idea.

Syt. Premchandji, the wellknown novelist in Hindi, is in whole hearted agreement with this idea and has been good enough to offer the columns of his monthly journal 'Hansa' for doing the spade-work. It is proposed that a section of 'Hansa' should be reserved for each provincial language and that every month literary men representing each provincial language should send to me certain articles for being rendered into Hindi and published in the section. The articles should be as short as possible, written by the best available authority and of the following nature :

(1) An article dealing with some aspect of the modern literature in the language, for instance Fiction, Drama, History,

Essay.

(2) An article dealing with the literary out-put in the provincial language during the month.

(3) (a) Short summary of a novel or a drama, and (b) a poem or two published in the vernacular journal during that month.

(4) Short reviews of good works published in the language during the month.

I hope to be here for my holidays till the middle of June. When I return to Bombay, I hope to put up a kind of office which will transalate these articles where necessary into Hindi, as luckily we have representatives of most of the provincial languages. These articles then will be translated into Hindi and submitted to Syt. Premchandji for publication in the 'Hans'. I hope from the August number 'Hans' will be to some extent a journal of inter-provincial literatures.

I have, therefore, to request you to get in touch with literary men likely to work out this idea in your language and let me know as early as you can (a) whether you would actively work for this idea and (b) undertake to send me the article every month.

Hoping to be excused for the trouble.

Yours Sincerely,

K.M. Munshi

P.S. : An early reply is requested as I propose to make an early report of it to Mahatmaji.

خواجہ اظہر عباس کا خط

حالی پبلیشنگ ہاؤس،
کتاب گھر، دہلی
25 مئی 1935

مکرم بندہ، تسلیم!

والانامہ آج ملا۔ جناب کی عنایت کا بہت بہت شکریہ۔ کہانیوں کا کل مسودہ لینے کے لیے تیار ہوں۔ میں نے برادرم خواجہ غلام السیدین کو لکھ دیا ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں براہ راست ہماری سفارش کریں جیسا کچھ آپ کے اور ان کے درمیان طے ہوگا، وہ منظور ہوگا۔ جناب اعلیٰ اگر یہ تحریر فرما دیں کہ کہانیوں کے نام کیا ہیں، کہاں کہاں چھپی ہیں۔ اور غیر مطبوعہ کہانیاں کس قسم کی ہیں، تو عین نوازش ہو گی۔ انشا اللہ حالی پبلی شنگ ہاؤس سے آپ کو وہ تلخ تجربہ جو پہلے ہو چکا ہے، وہ نہ ہوگا۔ ایمانداری اور دیانت کے ساتھ کام ہوگا۔

کاروباری نرخ کے متعلق بھی آپ اور سیدین صاحب حکم دیں گے وہ بہ سرو چشم منظور ہوں گے۔ نیز یہ بھی رائے دیجیے کہ 250 صفحے کے مجموعے کو 2 جلد میں شائع کرنا مناسب ہے یا ایک جلد میں؟ نیز جناب یہ بھی تحریر فرمائیں کے آپ کی کتابیں کن کتب فروش سے (یا آپ سے براہِ راست) سب سے معقول کمیشن پر مل سکتی ہے۔

خاکسار نیاز مند، اظہر عباس

ناتھو رام پریمی کا خط

26-05-1935

مانیہ ور، پرناماہ!

آپ کا تاریخ 23 کا کرپا پتر ملا۔ مجھے ایسی کوئی جلدی نہیں ہے۔ برسات شروع ہونے پر ہی کام شروع کرایئے گا۔ مجھے یہ چنتا تھی کہ کہیں میرے کارن آپ کو نہ رُکنا پڑے۔

اردو کی کہانیاں بھی آپ سوودھا ہونے پر سنگرہ کر دیجیے گا۔ انوواد کرنے کے لیے کیا آپ کے پاس کوئی دوسرے سجن ہیں؟ نہیں تو بابو رام چندر ورما کر دیں گے۔ انھیں اوکاش بھی ہے۔

سنا ہے، آپ الٰہ آباد جا رہے ہیں۔ اس وِشئے میں آپ نے کچھ نہیں لکھا۔

چیک کا روپیہ مل گیا ہوگا۔ دوسرے نام سے بھیجنے کی ضرورت تو نہیں ہے؟ ''ہنس'' کے پچھلے انک میں پنڈت لکشمی نارائن مشر کے ویاکھیان پر آپ نے جو نوٹ لکھا ہے وہ مجھے بہت ہی اچھا معلوم ہوا۔

وہاں سب کُشل ہے۔

بھودیہ، ناتھو رام

اظہر عباس کا خط

حالی پبلیشنگ ہاؤس،
کتاب گھر، دہلی
پوسٹ باکس 130
28 مئی، 1935

محترمی، تسلیم!

جناب کے حسب ارشاد برادرم خواجہ غلام السیدین کا سفارشی خط ملفوف کرتا ہوں، جو انھوں نے آپ کی خدمت میں روانہ کے لیے مجھے بھیجا ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ آپ نقد روپیے کی ترجیح دیتے ہیں۔ ہمارا بھی یہیں خیال ہے اس میں سہولیت اور آسانی ہوتی ہے، اور ہمارے کاروبار میں ایک الگ کھاتہ اس حساب کا رکھنا پڑتا ہے، جو ذرا وقت طلب ہے۔

جیسا کے سیدین صاحب نے لکھا ہے، امید ہے کہ آپ اپنی سرپرستی ہمیں مستقل عنایت کریں تا کہ ہمارے کام کا نام ہو اور ہمیں ادبی خدمت کرنے کا موقع ملے۔

آپ کا ارشاد بالکل درست اور مناسب ہے کہ آپ ڈیرھ روپیے سے کم نی صفحہ نہیں لیتے۔ اس کا فیصلہ خود جناب ہی پر چھوڑتا ہوں۔ صرف اتنی عرض کرنے کی جرأت کروں گا

کہ ابھی ہمارا کام نیا ہے۔ اور آپ ہی حضرات کے بدولت اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی امید پر جاری کیا گیا ہے۔ جیسا آپ فرمائیں گے، ویسا ہی منظور ہوگا۔

جناب کس قدر جلد ممکن ہو اس کا مسوِدا میرے پاس روانہ کر دیں۔ نظر ثانی تو آپ خود ہی کر کے بھیجیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر آپ کا حکم ہوگا۔ تو کسی اور کو دکھا لیا جائے گا۔ اگرچہ اس کی ضرورت نہیں ہو گی۔ یہاں کاتبوں کو دکھا کر صفحوں کا اندازہ کر لیا جائے گا۔ اور کل روپیہ اندازاً آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا جائے گا۔ جب کتابت ختم ہو جائے گی تو بقایا روپیہ، جو ہماری طرف نکلے گا، آپ کی خدمت میں بھیج دیا جائے گا۔ بہ قاعدہ اگریمنٹ کا کاغذ جناب کی خدمت میں مسودہ آنے پر ارسال کروں گا، تاکہ باقاعدہ قانونی چارہ جوئی ہو جائے۔

نیز اگر آپ یہ بھی تحریر فرمائیں کہ اس پر مقدمہ کس سے لکھوایا جائے؟ اگر سید اشفاق حسین صاحب سے درخواست کی جائے تو کیسا ہے، اور جناب اس کے لیے سفارشی خط لکھ دیں گے یا نہیں؟ یا اس کے علاوہ جو نام جناب مناسب خیال کریں، ان سے اس کے متعلق خط و کتابت کی جائے۔

امید ہے کہ جناب کار لائقہ سے یاد فرماتے رہیں گے۔

فقط خاکسار
آپ کا خیر اندیش،
اظہر عباس، منیجر

کنہیا لال مانک لال منشی کا خط

K.M. Munshi
'Girivilas'
Panchgani

28th May, 1935.

My dear Premchandji,

Your telegram and the letter to hand on my return to Panchgani from Bombay. I had been there to see Mahatmaji

about this idea. I discussed with him the scheme of starting our activities through 'Hans'. He likes the scheme, but has asked me to get the following informations from you about 'Hans', so that there may not be any misunderstanding in the future :

(1) Who is at present the owner of the magazine?

(2) How many subscribers it has?

(3) Is it run at a profit or loss?

(4) If it is running at a loss how much money will be required to make it up.

(5) Would you have objections to delete any advertisements if it is considered objectionable by Mahatmaji? (He has been good enough to agree not to insist on the removal of all advertisements.)

(6) What arrangements should be made between us so that the editorial work may be co-ordinated? As things are for collecting articles and getting them translated, I will have to set up an office in Bombay.

(7) Whether any arrangement is possible by which the pubilc may know that the Magazine has become the organ of a particular movement?

(8) Whether it would be possible to make certain changes in the cover etc., and if so what additional expense it would require?

(9) Would you continue to act as an editor alone or you will like to have some one else association?

I hope you will forgive me for making these enquiries, but I must know the nature and extent of our commitments. We must settle these matters definitely so that it may be possible to continue the arrangement for some length of time. Mahatmaji is

as anxious as ourselves to see that the movement takes definite shape at an early date.

After I receive a reply from you, I shall submit a report to Mahatmaji. I will be going to Bombay by about the 15th June. In the meantime I am in correspondence with leading literary men in different provinces and will let you know the result as soon as I am in a position to give it.

With regards,

Yours Sincerely,
K.M. Munshi

I have made a slight change in the circular, as pending the final approval of Mahatmaji, it won't be proper to let the letter stand it was.

رام پرساد کا خط

لاہوری گیٹ، لاہور

29-05-1935

شری مان جی، نمستے!

کرپا پتر ملا، شکریہ۔ میں مانتا ہوں کہ اس کساد بازاری کے زمانے میں، جب کہ مارکیٹ کا بہت برا حال ہے، اس قدر اجرت بہت زیادہ ہے۔ امید ہے، مارکیٹ کا حال آپ سے چھپا ہوا نہیں ہوگا۔ فروخت کا بازار دن بہ دن گر رہا ہے۔ تاہم بھی پبلیشر کے لیے نئی کتاب شائع کرنا ضروری ہے۔ جب تک کوئی نئی کتاب شائع نہ کی جائے، پرانی کتاب کو بھی کوئی نہیں پوچھتا، اس لیے کچھ نہ کچھ ضرور شائع کرنا پڑتا ہے۔ لاہور سماج کے سالانہ اتسو پر آپ کی یہ کتاب چھپ جائے، جو کہ ماہ نومبر میں ہونے والا ہے، تو بہت اچھا ہوگا۔ امید ہے آپ بہت جلد تیار کریں گے۔ اجرت کے متعلق سب حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپ ایک روپے فی صفحہ اردو اور ایک روپے فی صفحہ ہندی، اس سے زیادہ حالات اجازت نہیں دیتے۔ تین سو صفحے کتاب پر چھ سو روپیہ حق تصنیف بہت زیادہ بار

(بوجھ) ہے۔ اس واسطے ہم دونوں زبانوں میں چھ سو روپیہ ادا کریں گے۔ امید ہے، آپ اسے منظور فرماویں گے۔ آپ جیسے لائق اور نام ور مصنفوں کو اجرت کے متعلق کم و بیشی کے لیے کہنا مناسب نہیں، مگر آج کل ایسی کتابوں کے قدرداں بہت کم رہ گئے ہیں۔ امید ہے ہر دو زبانوں یعنی اردو اور ہندی کے لیے آپ فی صفحہ ایک روپیہ منظور فرما دیں گے۔

کتاب کے متعلق یوں تو آپ کا نام ہی کافی ہے، پھر بھی کتاب اس قدر دلچسپ ہو کہ ہاتھوں ہاتھ پبلک اس کا سواگت کریں۔ کتاب کے لیے کوئی عمدہ سا نام بھی تجویز کریں۔ آپ مسودہ تیار کرکے مجھے جس وقت بھی اطلاع دیں گے، اسی وقت نصف رقم پیشگی پارسل کر دی جاوے گی، تسلی رکھیں۔ کہانیاں شائع کرنے کا ابھی وچار نہیں ہے۔ کتاب کا حجم تین سو صفحے سے کم ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ امید ہے آپ کتاب لکھنی شروع کر دیں گے۔ آپ کو کبھی بھی ناراضگی کا موقع نہ دیا جاوے گا۔ اس کے بعد تین چار ناول ہندی میں آپ کے لکھے ہوئے شائع کروں گا۔

جوابِ کا منتظر،

نیاز مند،

رام پرساد

آپ کے اسٹاک میں کون کون سی کتابیں ہیں؟ جس قدر کتابیں آپ نے شائع کی ہیں، ان کے نام اور کمیشن لکھیں تو کہیں تھوڑی سی سیل کے لیے منگوائی جائیں۔

کالی داس کپور کا خط

Kalidas Kapur
M. A., LT.
Head Master

Kalicharan High School,
Lucknow
5.6.1935

My dear Premchand ji,

I heard sometime ago that you had returned from Bombay and the other day friends told me at Allahabad that you were shifting your Press to that town.

Have you finally decided to shift to Allahabad or is there a chance of your considering the claims of Lucknow? Recently a few friends including myself, have developed a scheme of starting a Press with a daily paper. If possible our scheme will mature immediately if you decide to participate with your Press. You ought to know that from all points of view there will be a greater field for the Press at Lucknow than at Allahabad.

We shall develop detailed negotiations on hearing from you.

I am
Yours Sincerely,
Kalidas Kapur

چندریکا پرساد جگّاسو کا خط

ہندو سماج سدھار کاریالیہ،
سعادت گنج روڈ، لکھنؤ

07-06-1935

مانئیہ مہودے،

بہت دنوں سے آپ کا کوئی پتر نہیں ملا، پر آپ کا سماچار سمے سمے پر دوسروں دوارا ملتا رہا۔ میں نے گت ورش لکھنؤ سے ایک ہندی دینک نکالنے کے سمبندھ میں ایک پتر آپ کو دیا تھا، پرنتو انیک کارنوں سے اس ادیوگ میں سپھلتا نہیں ہوئی تھی۔ پرنتو میں زنتر پریتن میں لگا رہا، اور اب سدھی کے کچھ لکشن دکھائی دیتے ہیں۔ وہ سب کتھا پتر میں لکھنے کی آوشیکتا نہیں۔ آپ کے پاس شری یوکت کالی داس جی کا پتر آیا ہوگا، یا آج کل میں آوے۔ آپ یدی، جیسا گیات ہوا ہے، اپنا پریس اب تک پریاگ لے نہ گئے ہوں، تو اس وچار کو استھگت کر کے کپور صاحب کا پتر پا کر سویم دو تین دن کے لیے لکھنؤ پدھاریے۔ اکیلے آیئے، اور آکر میرے وچار میں کپور صاحب کے پاس ہی کالی چرن ہائی اسکول، ٹھاکر گنج روڈ میں ٹھہریے۔

اپنے پدھارنے کی سوچنا ایک کارڈ دوارا مجھے بھی دے دیجیے، تاکہ بنا بلائے ہی میں ٹھیک سمے پر اُپستھِت رہوں۔ کچھ باتیں آپ کو کپور صاحب کے پتر سے گیات ہو جائے گی، شیش کا گیان اور ان کے سمبندھ میں اپنا نشچے آپ یہاں پدھار کر کریں گے۔ یوگ اچھا ہے۔

آپ کو وِدِت ہو کہ امین آباد سے میں نے اپنی دُکان اٹھا لی ہے، اور اب سعادت گنج میں، گھر ہی پر رہتا ہوں۔

آپ کا، چندریکا پرساد جِگاسو

دیوان بنسی لال دھر کا خط

سنت کاریالہ، پریاگ،

08-06-1935

بزرگوارم، تسلیم، بہ صد تعظیم!

مودبانہ التماس ہے کہ رسالہ ''گھول رگری پروت'' بہ زبان اردو، ماہ جولائی، 1935 زیرِ ایڈیٹری مہا رِشی شیوورت لال جی، الہٰ آباد سے شائع ہوا کرے گا۔ نصف حصہ وہ خود کیا کریں گے، نصف حصہ کا بار میرے اوپر ہے، تاکہ اس عام مذاق میں مضامین داخل ہو سکے اور رسالہ مقبول عام ہو یہ میرا اپنا خیال ہے، اس کے لیے انھوں نے اجازت بھی دے دی ہے۔ مسلمانوں کے مضامین ایک بھی داخل نہ ہوں گے۔ آپ جیسے بزرگ وار رکن کے ہوتے ہوئے میرا یقین ہے کہ میں ضرور کامیاب ہوں گا اور آپ کو میرے اس کام میں ہمدردی بھی ہوگی۔ لہذا میری یہ استدعا ہے کہ ایک مضمون، جو آپ مناسب خیال فرمائیں، اس رسالہ میں دے کر امداد فرمائیں۔ میں اپنی خادمانہ خدمت کے لیے ہر وقت تیار ہوں۔ اس نمبر کے لیے کم از کم ایک قصہ، اگر ممکن ہو تو ''دھولا پروت'' پر تحریر ہو۔ آپ مناسب سمجھیں ضرور بھیج کر مشکور فرمائیں اور آئندہ کے لیے جیسا آپ مناسب سمجھیں، مطلع فرمائیں۔

خادم التحریر،

دیوان بنسی لال دھر

رازق الخیری کا خط

عصمت
کوچا چیلان، دلّی
13 جون، 1935

مکرمی، تسلیم!
ڈرامہ ملا۔ میں کئی ماہ پہلے اگر پرچہ مرتب نہ کر لیا کروں تو وقت پر شائع ہونا بہت مشکل ہے۔ دوسرے مضمون کا کئی روز انتظار کیا۔ آخر وہی افسانہ چھپنے بھیج دیا۔ اب سالگرہ نمبر کی چھپائی خاتمے کے قریب ہے۔ آپ فرمائیں تو چھپے ہوئے فرمے علی گڑھ بھیج دوں۔
یہ ڈرامہ آئندہ شائع ہو جائے گا۔ عنایت کا دلی شکریہ۔

خیر طلب، رازق الخیری

رام رکھ سنگھ سہگل (مدیر 'چاند') کا خط

The Chand Press Limited,
28, Edmonstone Road,
Chandralok, Allahabad
13th June. 1935

My dear Mr. Premchand,

Thank for your letter of no date with the manuscript of one act drama entitled 'Grih Niti'. The drama has been passed on to the editor for necessary action. Your remuneration of the previous story will be sent soon. Kindly excuse for the delay.

I hope you are O.K. With best regards.

Sincerely yours,
R. Saigal
General Manager

کنہیا لال مانک لال منشی کا خط

K.M. Munshi
111, Esplanade Road, Fort,
Bombay

15th July, 1935

My dear Premchandji,

You must have received the dummy sent by me. Will the Saraswati Press print the 'Hansa' in that size? Please send me the exact size of the cover page immediately so as to enable me to get a block prepared accordingly.

Yours
K.M. Munshi

P.S. : The Co. will be registered in a few days. No definite reply from Gandhiji yet.

آر. سنگھ کا پتر

The Ideal Films, Limited
22, Abbott Road,
Lucknow
Our Reference F-l/1041

Phone 159
Telegram-Pictures
18th June, 1935

Mr. Prem Chand,
Saraswati Press, Benares.

Dear Premchandji,

Please excuse me for breaking my silence after a very long time, this is due to the fact that everything was in its making, hence I could not give you the details of the working of my

Film Company. I am very desirous of meeting you as I want to discuss with so many things. Will you please find some time to come over to Lucknow at your earliest. An immediate visit will greatly oblige me. You are requested to let me know the details of your arrival so that I may be on the Station. I would suggest the 22nd of this month.

Yours Sincerely,
R. Singh

نروتّم پرساد ناگر کا خط

جون، 1935

شردھیہ پریم چند جی،

''لیکھک'' میں آپ کا لیکھ ''فلم اور ساہتیہ'' پڑھا۔ اس چیز کو لے کر ''رنگ بھومی'' میں اچھی خاصی Controversy چل چکی ہے۔ ''رنگ بھومی'' کے وے پتر آپ کو بھیجے بھی گئے تھے۔ پتا نہیں آپ نے انھیں دیکھا کہ نہیں۔ استو۔

آپ نے سنیما کے سمبندھ میں جو کچھ لکھا ہے، وہ ٹھیک ہے، ساہتیہ کو جو استھان دیا گیا ہے، اس سے بھی کسی کا مت بھید نہیں ہو سکتا۔ نشچے ہی سنیما تاڑی (؟) اور ساہتیہ دودھ(؟) ہے؛ پر اس چیز کو Generalise کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔ سنیما کے لیے بھی اور ساہتیہ کے لیے بھی، ساہتیہ بھی اس تاڑی پن سے اچھوتا نہیں ہے۔ سنیما کو مات کرنے والے اداہرن بھی اس میں مل جائیں گے۔ ایک نہیں، انیک؛ اور ایسے ویکتیوں کے، جنھیں کے ساہتیک سنسار نے Recognise کیا ہے اور تو اور، پاٹھیہ کورس تک میں جن کی پُستکیں ہیں۔ اپنے سمرتھن میں مہاتما گاندھی کے واکیہ اُدّھرت کرنے ہوں گے کیا، جو کہ انھوں نے اندور ساہتیہ سمّیلن کے سبھا پتی کی حیثیت سے کہے ہیں؟ لیکن پرتیکشے کِم پرمانم۔ یہی بات سنیما کے ساتھ ہے۔ سنیما کے ساتھ تو ایک اور گڑبڑ ہے، وہ یہ کہ وہ بدنام ہے۔ آپ کے ہی شبدوں میں بھیک منگے سادھو، ویشیاؤں سے اچھے نہ ہوتے ہوئے بھی شرَدھا کے پاتر ہیں۔ شرَدھا کے پاتر ہیں، اس لیے Tolerable ہیں یا اتنے وِرودھ کے پاتر نہیں

ہیں، جنتا کہ ویشیائیں۔ اسی ترک شیلی کو لے کر آپ سِدھ کرتے ہیں کہ سنیما تاڑی ہے، اور دودھ دودھ۔ آپ نے ان دونوں کے درمیان ایک well marked & well defined line of difference کھینچ دی ہے۔

میرا آپ سے یہ سیدھانتِک مت بھید ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وِچار دھارا ہی غلط ہے، جو اس طرح کی ترک شیلی کو لے کر چلتی ہے۔ کبھی زمانہ تھا، جب اس ترک شیلی کا زور تھا، سراہنا تھی؛ پر اب نہیں ہے۔ اس چیز کو اب اُکھاڑ پھینکنا ہی ہوگا۔

ایک جگہ آپ کہتے ہیں کہ ساہتیہ کا کام جنتا کے پیچھے چلنا نہیں، اس کا پتھ پردرشک بننا ہے۔ آگے چل کر آپ سادھو اور ویشیاؤں کی مثال دیتے ہیں۔ سادھو ویشیاؤں سے اچھے نہ ہوتے ہوئے بھی جنتا کی شردھا کے پاتر ہیں۔ یہاں آپ جنتا کی اس شردھا کو اپنے سمرتھن میں آگے کیوں رکھتے ہیں؟

آپ نے جو ساہتیہ کے اُدیش گِنائے ہیں، انھیں پورا کرنے میں سنیما ساہتیہ سے کہیں آگے جانے کی چھمتا رکھتا ہے۔ Utility کے درِشٹِ کون سے سنیما ساہتیہ سے کہیں ادھِک گراہیہ ہے؛ لیکن یہ سب ہوتے ہوئے بھی سنیما کی اُپیوگتا ُنپاتروں کے ہاتھوں میں پڑ کر دُرااُپیوگتا میں پرِنت ہو رہی ہے۔ اس میں دوش ''سنیما'' کا نہیں، ان کا ہے جن کے ہاتھ میں اس کی باگ ڈور ہے۔ ان سے بھی ادھِک ان کا ہے، جو اس چیز کو برداشت کرتے ہیں۔ برداشت کرنا بھی برا نہیں ہوتا، یدی اس کے ساتھ مجبوری کی شرط نہیں لگی ہوتی۔

گلے میں جَے مال پڑنے والی بات بھی بڑے مزے کی ہے۔ ''کتنے ہی ساہتکوں نے نشانے لگائے؛ پر شاید ہی کوئی مچھلی وِیدھ پایا ہو۔ جَے مال گلے میں کیسے پڑتی؟'' بہت خوب! جس چیز کے لیے ساہتکوں نے سنیما پر نشانے لگائے، وہ چیز کیا انھیں نہیں ملی، اپواد کو چھوڑ کر؟ آپ یا کوئی ساہتِک یہ بتانے کی کرِپا کریں گے کہ سنیما میں پرویش کرنے والے ساہتکوں میں سے ایسا کون سا ہے، جس کے سنیما پرویش کا مکھیہ اُدیش سنیما کو اپنے رنگ میں رنگنا رہا ہو؟ کیا کسی بھی ساہتک نے Sincerely اس اور کچھ کام کیا ہے؟ پھر جَے مال گلے میں کیسے پڑتی؟ مانا کے ساہتِک سنسار میں جَے مال اور سمراٹ کی اپادھِیاں ٹکے سیر ملتی ہیں؛ لیکن سبھی جگہ تو ان چیزوں کا یہی بھاؤ نہیں ہے۔ پہلے سنیما

جگت کو کچھ دیجیے، یا یوں ہی جے مال گلے میں پڑ جائے ؟ یا پھر ساہتک ہونا ہی گلے میں جے مال پڑنے کی Qualification ہے۔

آپ بمبئی میں رہ چکے ہیں۔ سنیما جگت کی آپ نے جھانکی بھی لی ہے۔ آپ کو یہ بتانے کی آوشیکتا نہیں کہ ہمارے ساہتک بھی، اپنی فلموں میں زردشٹ رُچی کا سماویش کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ یا کہیں کہ آگے ہی بڑھ گئے۔ اوروں کو چھوڑ دیجیے، وے ساہتک بھی، جو کہ ایک طرح سے کمپنی کے سروے سروا ہیں، اپنے فلم میں دو سولڑکیوں کا نام رکھنے سے بعض نہ آئے، جو کہ بضد تھے کہ تالاب سے پانی بھرنے والے سین میں ہیروئن انڈرویر نہ پہنے رہی ہو آئے، اس سے چھیڑ کھانی کرے اور اس کا گھڑا چھین کر اس پر ڈال دے۔ بدن پر انڈرویر نہیں، وستر بھیگے، بدن میں چپکے اور ننگنتا کا پردرشن ہو۔ یہ سوجھ انھیں ساہتکوں میں سے ایک کی ہے، جن کے کہ آپ نے نام گنائیں ہیں۔ ......لیکن ایسی Black sheep majority میں، ساہتک کیا، اور سنیما کیا سبھی جگہ مل جائیں گی۔

آپ نے اپنے لیکھ میں ہولی، کجری اور بارہ ماسے کی پُستکوں کا ذکر کیا ہے۔ ان چیزوں کو ساہتیہ نہیں کہا جاتا ہے یا ساہتک انھیں Recognise نہیں کرتے، یہ ٹھیک ہے؛ لیکن ان کا استِتو ہے اور جس پریرنا یا امنگ کو لے کر انیہ کلاؤں کا سرجن ہوتا ہے، انھیں کو لے کر یہ ہولی، کجری اور بارہ ماسے آئیں ہیں؛ لیکن آپ کا انھیں اپنے سے الگ رکھنا بھی سووبھاوِک ہے (Utility کے ویکتی گت درِشٹی کون سے)۔ اسی طرح کیا آپ نے یہ جاننے کا کشٹ کیا ہے کہ سنیما جگت میں Classes & Masses دونوں کی اور سے کون کون سی کمپنیوں، کون کون سے ڈائریکٹروں کی گننا میں شانتا رام، دیوکی بوس اور چندو لال شاہ کے نام سنائی دیں گے تب پھر آپ کا یا کسی بھی ویکتی کا، جو بھی فلم یا کمپنی سامنے آجائے، اسی سے سنیما پر ایک slashing فتویٰ دینا کہاں تک سنگت ہے، یہ آپ ہی سوچیں۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ کوئی آدمی کسی لائبریری میں جاتا ہے۔ جس پُستک پر ہاتھ پڑتا ہے، اسے اٹھا لیتا ہے۔ اور پھر اسی کے آدھار پر فتویٰ دے دیتا ہے کہ ہندی میں کچھ نہیں ہے۔ بُرا کوڑا بھرا ہے۔ کیا آپ اس چیز کو ٹھیک سمجھتے ہیں؟

اب دو ایک شبد آپ کے مادک یا متوالاواد پر بھی۔ پہلی بات تو یہ کہ کیول

Utilitatian Ends کی درشٹی سے لکھا گیا ساہتیہ ہی ساہتیہ ہے، ایسا کہنا ٹھیک نہیں۔ ایسی رچنا کرنے کے لیے ساہتیک سے ادھک Propagandist ہونے کی ضرورت ہے۔ اتنا ہی نہیں کرنا، ان Ends کو پورا کرنے کے لیے انیہ سادھن موجود ہیں، جو ساہتیہ سے کہیں ادھک پربھاوشالی ہیں۔ تب پھر ساہتیہ کے استھان پر ان سادھنوں کو Preference کیوں نہ دیا جائے؟ اسے بھی چھوڑیے۔ Utilitarian Ends کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں۔ انھیں اپنانا چاہیے ہی؛ لیکن کیا سچ مچ میں Sex appeal اتنا بڑا ''ہوّا'' ہے جتنا کہ اسے بنا دیا گیا ہے۔ کیا Sex appeal سے اپنے آپ کو، اپنی رچناؤں کو، پاک رکھا جا سکتا ہے؟ پاک رکھنا کیا سوبھاوِک اور سمبھو ہوگا؟ اپواد کے لیے گنجائش چھوڑ کر میں آپ سے پوچھنا چاہوں گا کہ آپ کسی بھی ایسی رچنا کا نام بتائیں، جس میں Sex appeal نہ ہو؟ Sex appeal بری نہیں ہے۔ وہ تو ہونی ہی چاہیے۔ لوہا تو ہمیں اس منوورتی سے لینی ہے، جو Sex appeal اور Sex Perversion میں کوئی بھید بھاؤ نہیں سمجھتی۔

اب سنیما سُدھار کی سمسیا پر بھی۔ یہ سمجھنا کہ جن کے ہاتھ میں سنیما کی باگ ڈور ہے، وے Initiative لیں، بھاری بھول ہوگی۔ یہ کام پریس اور پلیٹ فارم کا ہے؛ اس سے بھی بڑھ کر ان نویووکوں کا ہے جو سنیما میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ چونکہ میں پریس سے سنبندھِت ہوں اور فی الحال ایک سنیما پترِکا کا بھی سمپادن کر رہا ہوں، اس لیے میں نے اس دِشا میں قدم اٹھانے کا پریتن کیا۔

لیکھکوں تتھا انیہ ساہتیکوں کو Approach کیا۔ کچھ نے کہا سنیما سُدھار کی ذمے داری لیکھکوں پر نہیں ہے۔ (اپنے لیکھ پر دیے گئے ''لیکھک'' کے سمپادک کا نوٹ ہی دیکھیے)۔ کچھ نے اسے اسمبھو سا بتا کر چھوڑ دیا۔ سنیما سُدھار کی آوشیکتا تو سب محسوس کرتے ہیں، سنیما کا وِرودھ بھی جی کھول کر کرتے ہیں؛ پر کریاتمک سہیوگ کا نام سنتے ہی الگ ہو جاتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ سنیما بدنام ہے۔ اور یہ چیز ہمارے روم روم میں دھنسی ہوئی ہے کہ ''بد اچھا بدنام برا''۔ کیا یہ وڈمبنا نہیں ہے؟ اس چیز کو دور کرنے میں کیا آپ ہماری سہایتا نہ کریں گے؟

یہ سب ہوتے ہوئے اس سنیما سُدھار کے کام کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔ نویووک لیکھکوں کے سینما گروپ کی یوجنا کے لیے زمین تیار ہو چکی ہے، وِسترِت یوجنا بھی شیگھر

ہی پرکاشت کر رہے ہیں۔ اس کے لیے ضرورت ہو گی ایک نشپکش سنیما پتر کی۔ جب تک نہیں نکلتا، تب تک کافی دور تک، ''رنگ بھومی'' ہمارا ساتھ دے سکتی ہے۔ میرا یہ نشچت مت ہے اور میں سگرو کہہ سکتا ہوں اس لحاج سے ''رنگ بھومی'' بھارتیہ سنیما پتروں میں سب سے آگے ہے۔ میں آپ سے انُرودھ کروں گا کہ آپ ''رنگ بھومی'' کی آلوچنائیں ضرور پڑھا کریں۔ پڑھنے پر آپ کو بھی میرے جیسا مت اِستھر کرنے میں ذرا بھی دیر نہ لگے گی، اس کا مجھے پُورن نشچے ہے۔

آشا ہے کہ آپ بھی سنیما گروپ کو اپنا آوشیک سہیوگ دے کر کرتارتھ کریں گے۔

آپ کا،

نروتم پرساد ناگر،

سمپادک ''رنگ بھومی''

('ہنس' جون، 1935)

رام پرساد کا خط

انسائیڈ لاہوری گیٹ، لاہور

جون، 1935

شری مان جی، نمستے!

کرپا پتر ملا۔ خیر، آپ اپنے فیصلے پر پھر غور کریں، کیونکہ ایک تو کساد بازاری، دوسرے اتنی اجرت بہت زیادہ ہے۔ دوسرے بک سیلر کے ساتھ آپ کا فیصلہ ایک روپیہ میں ہوا تھا، جس کا میں نے پہلے خط میں حوالہ دیا تھا۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے کچھ دیا ہے یا نہیں۔ اب بھی آپ ہم سے وہی ریٹ منظور فرما دیں۔ ایک آدھ کتاب شائع کر کے تو فائدہ نہ ہوگا۔ لگاتار آپ سے پانچ چھ کتب لکھائی جاوے گی، اور شائع کی جاوے گی، جس سے آپ کو کافی فائدہ ہوگا، مگر پختہ فیصلہ پہلے ہو جانا بہتر ہے، تاکہ بار بار کا جھگڑا نہ رہے۔ ایک روپیہ اردو کے لیے اور ہندی کے لیے ڈیڑھ روپیہ لگائیں، یہ کسی بھی حالت میں کم نہیں ہے۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ آپ کی قلم سے لکھا ہوا ایک ایک شبد نایاب ہے۔ اس کی کوئی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے آپ کو بار بار لکھتے ہوئے

بھی خیال ہوتا ہے کہ اجرت یہ لے لو یا وہ لے لو۔ خیر، آپ نے ایک اولین حساب بتلایا ہے کہ مجھے اتنا روپیہ مل جائے گا۔ جناب اعلی، ہمارا بھی تو خیال رکھا جاتا کہ پبلیشر کو کتنا فائدہ ہوگا۔:

300 صفحہ، 19 کاپی، اجرت آپ کے حساب سے ڈھائی روپیہ فی صفحہ	750
کاغذ 19 کاپی کے لیے فی ریم 10 روپیہ 38 ریم	380
	240
چھپوائی ہندی	500
ایڈورٹائزمینٹ، ریویو وغیرہ کے لیے 4 آنے فی کاپی	30
دفتری، بلاک، ڈیزائن ٹائیٹل چھپوائی، کاغذ کا خرچہ وغیرہ	200
دو ہزار روپیہ کا دو سال کا بیاج اگر کتاب دو سال میں بک جائے	240
ٹوٹل	**2340**

خیال فرماویں ایک کاپی ایک روپیہ تین آنے میں پڑی۔ اس کے علاوہ دو روپیہ قیمت پر 33 فیصد، (11 آنے فی کاپی) کمیشن تاجرانہ سے کیا کم ہوگا؟ اب آپ وِچار کریں کہ پبلیشر کو کیا فایدہ ہوا؟ حالانکہ ہندی میں چھپی ہوئی کتابوں پر ہندی پستک ایجنسی، کلکتہ والے 40% کمیشن سو روپے کی کتاب خریدنے پر دیتے ہیں۔ اس واسطے آپ برائے مہربانی منظور فرما دیں جس سے جلد کام شروع ہو۔

دوبارہ غور فرمائیں۔

جواب کا منتظر۔

رام پرساد

رام پرساد کا خط

لاہور

جون، 1935

شری مان جی، نمستے!

پتر آپ کا ملا۔ میں نے تو یہ بتلایا تھا کہ لاہور کے ایک دکاندار کے ساتھ آپ کا

''نجات'' نامی کتاب کے لیے ایک روپیہ فی صفحہ اجرت دائمی کاپی رائیٹ کا مکرر ہوا تھا۔ یہ مجھے پتہ نہیں، اس نے آپ کو کچھ دیا یا نہیں۔ اگر اس نے نہیں دیا تو آپ قانونی چارہ جوئی کر کے ایک دن میں وصول کر سکتے ہیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی کتاب ''بیوا'' بھی اس کے پاس تھی۔ شاید اس نے آپ سے خرید کی ہوگی یا کمیشن سیل پر فروخت کے لیے منگوائی ہوگی۔ اس کا بھی کچھ نہ دیا ہو تو آپ کی غفلت ہے۔ قانون کا دروازہ کھلا ہے۔ آپ اس سے وصول کر سکتے ہیں۔ بنارس میں ہی دعویٰ کر دیں اور ڈگری لے کر لاہور ہمارے پاس چلے آئیں۔ فوراً سے پیشتر وصول ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ خط کا جواب ہی نہیں دیتا تو یہ اس کا کمینہ پن ہے۔ اپنی محنت کے دام آپ پورے وصول کریں۔ سیدھی طرح خط و کتابت سے وہ دے گا نہیں۔ آپ یہ طریقہ کریں، دس روپیہ خرچ ہوگا ضرور، مگر آئندہ کے لیے کسی دوسرے بک سیلر کے لیے یہ ہمت نہ ہوگی کہ آپ سے ایسا کرے۔ درگذر نہیں کرنا چاہیے۔ اپنے ارادوں سے مجھے مطلع کریں۔ اگر آپ پہلے نوٹس دے دیویں تو بہت اچھا ہے۔ امید ہے، نوٹس آتے ہی شاید فیصلہ ہو جائے۔ اس کو پرائیویٹ خیال فرماویں۔

نیاز مند، رام پرساد

کنہیا لال مانک لال منشی کا خط

K.M. Munshi
111, Esplanade Road, Fort,
Bombay

22nd June, 1935

My dear Premchandji.

Your letter to hand. I could not write to you earlier because of my inability to come to any decision. I have written to Gandhiji and I am expecting a reply in a day or two, when I will definitely write to you.

I also heard that you are thinking of stopping 'Hans'. Is there any truth in it?

The idea is that we must have a magazine solely devoted to this idea of an All India literature. If you place the whole magazine at the disposal of this idea, my concrete suggestions are these :

(1) 'Hans' should be made into a hundred page magazine.

(2) It should be solely devoted to this idea.

(3) You should associate with yourself some appointed by the committee as a co-editor. Perhaps it may be me.

(4) You should own and manage the magazine as now. I will at my cost maintain here an office for collecting articles from different places and for sending them to you. Our Hindi here will have to be retouched by some one from there.

(5) The subscription should be raised from Rs. 3-80 to Rs. 5/-.

(6) At the end of one year I will meet the deficit not exceeding one thousand rupees. If there is any profit you keep it to yourself.

(7) At the end of the year we shall revise the terms.

Yours Sincerely,
K.M. Munshi

نروتّم پرساد ناگر کا خط

''چِتر پٹ'' میگزین
بازار سیتارام، دلّی

02-07-1935

شردھیہ پریم چند جی، سادر وندے!

''ہنس'' میں اپ نے میرا پرتیواد اور اپنا اُتّر چھاپنے کی کرِپا کی ہے۔ اس کے لیے

کرتگیہ ہوں۔ چونکہ میں اپنی پہلی جولائی سے ''رنگ بھومی'' سے ''چترپٹ'' میں آ گیا ہوں، اتہ آپ کا لیکھ، اپنا پرتیواد، آپ کا اُتّر تتھا اپنا پرتیوتّر ''چتر پٹ'' کے اسی انک میں دے رہا ہوں۔ آپ کی وِچار دھارا اور سِدھانت جن زنیوں پر پہنچتے ہیں، وہیں پر میں بھی پہنچتا ہوں، لیکن اصلی کام تو وہاں پر پہنچنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ آپ کے کتھانوسار یدی چلا جائے تو ہم ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔ آپ کلنک کوہیَہ مانتے ہیں، اس کے پرتی آپ کے ہردیہ میں گھرنا ہے، اور جس کے ماتھے پر یہ دھبّہ ہے کبھی اس سے بری نہیں ہوسکتا؛ تب کوئی کرے ہی کیا؟ کرے بھی تو اسے ''غنیمت'' سمجھے، اُڑتے ہوئے سے روپ میں......۔ ''کلنک'' کے پرتی یدی سبھی اتنا سہانوبھوتی ہین attitude اختیار کر لیں، تو ''سُدھار'' جسے کہتے ہیں، اسے اس سنسار سے وِدا ہونا پڑے۔ جو بھی ہو، اس چیز پر وِسترِت روپ سے ''چتر پٹ'' میں لکھ رہا ہوں۔ آشا ہے کہ آپ اس پر سہانوبھوتی پوروک وچار کرنے کی کرِپا کریں گے۔

ایک بات اور! ''چتر پٹ'' کا پچھلا انک آپ کو مل گیا ہوگا۔ اس میں میرا ایک لیکھ ہے ''سنیتا اور جتیندر جی''۔ کرِپیا لکھیے کے آپ اسے پڑھ کر سنیتا اور جتیندر جی کے بارے میں کچھ جان جاتے ہیں کہ نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ میں بہت swift لکھتا ہوں، details پر دھیان نہیں دیتا۔ پھلتہ average reader میرے ساتھ دوڑنے میں کچھ پیچھے رہ جاتا ہے۔ اس لیے میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں۔

پتروتر اوشیہ دیں۔ شیگھ کرِپا۔

آپ کا،
نروتّم پرساد ناگر

عشرت رہمانی دلّی کا خط

Prop. &
I.A..K
Ishrat Rahmani
Ref. No. 786

Editor The Nairang
an Urdu Monthly of Art &
Literature for Cultured Tast
Dated 13.8.35

مکرم!

تسلیم اور نیاز مزاج گرامی،

اس کے عرض کرنے کی ضرورت غالبن نہیں کہ اردو رسالوں کا اور ان کا، جن میں زمانے کی رفتار کے مطابق رتبویاس)آشا، نراشا، اونچ، نیچ) نہ سما سکتا ہو، آج کل زندہ رہنا کس قدر دشوار ہے۔ اب صرف عرض کرنا یہ ہے کہ اپنے رسالے کا ایک خاص نمبر 'افسانہ ایڈیشن' اس ترتیب سے شائع کر رہا ہوں کہ دنیا بھر کی تمام زبانوں کے افسانے اس میں شامل ہوں اور خدا کا فضل ہے کہ نمبر کی ترتیب میں بہت کچھ کامیابی نصیب ہو رہی ہے۔ غیر ملکی مصنفوں)لیکھکوں) کے تازہ افسانے بھی حاصل کر لیے ہیں۔ اس کے خاص تراجم (انواد) شائع کر رہا ہوں۔ اردو افسوں میں اُوریجنل قصے علامہ رشیدالخیری، خواجہ حسن نظامی اور منشی پریم چند کے شائع کرکے اس ایڈیشن کو اعلیٰ ترین (سروشریشٹھ) بنانے کا آرزومند ہوں۔ اول الذکر ہر صاحب سے حاصل کر چکا ہوں۔ اب آپ کی التماس ہے کہ قدیم نیاز مندی کا لحاظ فرما کر جس طرح بھی ممکن ہو ایک کہانی اولیں فرصت میں مرحمت فرما دیجیے۔ اب کامیابی کا انحصار آپ کی توجہ پر ہے، اور آپ کی توجہ کا منتظر ہوں، مایوس نہ کیجیے۔

نیاز مندر

عشرت رحمانی

راج موہن لال، کمپوزیٹر کا خط

سرسوتی پریس، بنارس

26-08-1935

شری مان سمپادک جی، سادر پرنام!

سوِنیے نیویدن ہے کہ ابھی تک ہماری جون ماس کی تنخواہ نہیں ملی۔ اس کا کارن یہ ہے کہ شری مان منیجر صاحب کہتے ہیں کہ ہم نے ایک وِگیاپن ہندی گرنتھ رتناکر کاریالہ کا دیا تھا، جو کہ جون ماس میں چھپنے والا تھا۔ کِنتو میں وِشواس پوروک کہہ رہا ہوں، انھوں نے مجھے وِگیاپن نہیں دیا۔ مگر ان کے کہنے پر تھا اپنا افسر سمجھ کر بے ارتھ جھگڑا بڑھنے کے خیال

سے سویکار کر لیا کہ شاید آپ دیے ہوں گے۔ اس پر شری مان جی نے 5 روپیہ جرمانہ کر دیا ہے، جس سے ابھی تک حساب رکا ہے۔ اگر مان لیجیے کہ ہماری بھول ہے تو بھی آفس کا خیال کر کے آپ لوگوں کو شما کرنا چاہیے۔ بھول منشیہ سے اکثر ہو جاتی ہے۔ یدی ایک معمولی بھول پر شما نہ کیا جائے گا، تو ہم غریبوں کا کس طرح سے نرواہ ہوگا۔ منیجر صاحب سے ہم نے شما کرنے کے لیے پرارتھنا کیا ہے؛ کنتو اس سے ونچت رہا۔ اس لیے آپ سے وِنے کر رہا ہوں کہ آپ ہم لوگوں کے مالک اور پوشک ہیں۔ اس پر اوشیہ ہی اُچت وِچار کریں گے۔ ایک دھرشٹتا میں آپ سے بھی کر رہا ہوں کہ اکتوبر ماس کی تنخواہ نہ ملنے سے ہم نے چھوٹے بھائی کی فیس جمع کرنے کے لیے، پتا کے انجانے میں ایک سجن سے لون لے کر کام چلا لیا تھا، جس کا کہ آج تک سود دے رہا ہوں؛ کنتو پریس کی استھتی دیکھ کر مانگ نہ سکا، کیونکہ یہ آنکھوں دیکھ رہا ہوں کہ ادھر استھتی خراب ہے۔ یہ دیکھ کر خود ہی مانگنے میں سنکوچ ہوتا ہے۔ آشا ہے آپ اس پر پورن روپ سے وِچار کر فائن معاف کرنے کی اُچت کرِپا کریں گے۔

پرارتھی،

راج موہن لال

(پتر پر پریم چند جی کا نوٹ لکھا ہے۔ ان کا فائن شما کر دیجیے۔ دھن پت رائے)

پرواسی لال ورما کا خط

کاشی

15-02-1936

پریہ بھائی صاحب،

آپ نے پنچایت کے لیے سویکار کیا تھا۔ میں سب ٹھیک کر چکا ہوں۔ اب آپ اپنی اور کے پنچوں کو ٹھیک کر کے سمے دیجیے کہ کس دن آپ کو سووِدھا ہو گی۔ استھان پریس ہی رہے گا، یا پنچوں کی اِکشانوسار۔ اُتر اسی سمے دینے کی کرپا کیجیے۔

پرواسی لال

ماکھن لال چترویدی کا خط

دی کرم ویر، کھنڈوا،

تقریباً مئی، 1936

میرے دیش کے یگ میں ''بہت کچھ''

پرنام!

کرِپا پتر ملا۔ اگامی 13 جون تک کانگریس کے ممبروں کی فہرست پوری ہونی ہے۔ میں مارا مارا یہاں وہاں گھوم کر پونیہ سنچیہ کر رہا تھا، آپ کے کرِپا پتر کا اُتر کہاں سے دے پاتا؟ کرِپیا آپ ''ہنس'' کی وہ سنکھیا بھجوا دیں، جس میں آپ نے انترپرانتیہ ساہتیہ سنگھ پر کچھ لکھا ہے۔ وہ سنکھیا میرے پریس سے غائب ہے۔ اپریل کی سنکھیا ہے شاید۔ آپ کی کہانیوں اور لکھاوٹوں کے چاہک بھلے آدمیوں نے، میرے پاس آپ کی کرِتیاں نہ رہنے دیں۔ پھر ''ہنس'' وے کیوں چھوڑنے چلے! آدمیوں پر ناراض ہو کر رہ گیا۔ ہاں، یدی ''اردو، ہندی اور ہندستانی'' نِبندھ پر سے ہی لکھنا ہے، تو ضرور ایک نوٹ لکھ دوں۔

میں آپ کا فوٹو ابھی تک نہ بھیج سکا، چھما کریں۔ جلدی ہی بھجواؤں گا۔ ''اردو، ہندی اور ہندستانی'' چھوٹے روپ میں چھپی اس کی ہزار پرتیاں سمّیلن میں چھوٹے رام نے بٹوائیں، اس آشا سے کہ آپ آجاویں گے۔ اس کی ایک پرتی اس پتر کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ کہیے تو، دوسری بار چھپوا کر آپ کے پاس بھیج دوں۔ آپ کے آنے کی پرتیکشا میں پُستک بنٹ گئی۔ مجھ سے بِنا ہی پوچھے۔

آپ کا اپنا، ماکھن لال

اعظم کریوی کا خط

اسلام آباد، کوئٹہ، بلوچستان

21/اکتوبر

محبی و مشفقی، تسلیم!

مجھے حال میں آپ کے کئی ناولوں (ہندی) کو پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ کل ''کایاکلپ''

ختم کی۔ فضول تعریف کرنا میرا شیوہ نہیں ہے لیکن ''کایاکلپ'' پڑھ کر میرے دل پر جو اثر ہوا اس کا اظہار نہ کرنا بھی ظلم ہے۔ یوں تو ''چکردھر''، ''منشی جی'' اور ''منورما'' غرض کہ ناول کے تمام افراد کا نقشہ آپ نے نہایت خوبی سے کھینچا ہے لیکن سب سے زیادہ جس کی سیرت نے میرے دل پر اثر کیا ہے وہ ''لونگی'' ہے۔ آپ نے اس کا اتنا نیچرل کیریکٹر دکھایا ہے کہ مستغنی از داد ہے۔

وطن کی طرف آنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر میرے حسب منشا لکھنؤ کا تبادلہ ہوگیا تو شرف نیاز حاصل کروں گا۔

عقیدت کیش

اعظم کریوی

کنہیالال منشی کا خط

پر یہ بھائی پریم چند جی!

آپ تو اندور نہیں آئے۔ لیکن بھائی جتیندر پرساد آدی نے مل کے ہماری یوجنا کو آگے بڑھائی۔ اس کا پرینام ایک پرستاؤ سے آیا جس سے آنتر پرانتیہ پریشد بلانے میں سُگمتا ہوگی۔ اب سوال رہا ماسک پتر کا۔ جتیندر کمار نے کہا تھا کہ آپ 'ہنس' کو اس کام میں دے دیں گے۔ یدی آپ 'ہنس' کو اس پرورتی کا مکھ پتر بنا سکتے ہوں تو ہمارا کام بہت ہی سرل ہوجائے گا۔ آپ مجھے شیگھر لکھیے گا کہ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ گاندھی جی بھی اس بابت میں بڑے پرسن ہیں اور اچھا سہکار دے دیں گے، ایسی مجھے آشا ہے۔ آپ کا اتر کی راہ دیکھتا ہوا۔

میں دو دن میں پنچ گنی جارہا ہوں۔ وہاں پتر بھیجئے گا۔

(مول پتر ہندی میں ہی ہے۔ اسے جیوں کا تیوں دیا جارہا ہے)

بھودیے

کنہیالال منشی

انووادک منڈل کی آوشیکتا

ہندی میں دینک پتروں کا مُولیہ دو پیسے سے ادھک نہیں ہے۔ جب انگریزی پتر 16-20 پرشٹھوں کے چار پیسے میں ملتے ہیں تو ہندی کے آٹھ پرشٹھوں کے پتر کے لیے دو پیسے سے زیادہ جنتا کیوں خرچ کرنے لگی۔

بکری کا دام تو ہے دو پیسے لیکن کٹھینائیاں کتنی ہیں؟ 'روٹر' 'ایسوسی ایٹیڈ' 'فری پریس' سبھی خبر پہنچانے والی سنستھائیں تار دوارا خبریں بھیجتی ہیں۔ انگریزی پتر تار پاتے ہی اس کو دیکھ بھال کر کچھ ورام چنہ گھٹابڑھاکر یا ضرورت کے مطابق تار کو کاٹ چھانٹ کر کمپوز کرنے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ ہندی پتروں میں ان تاروں کا ہندی میں ترجمہ ہونا چاہیے۔ اس کے لیے 4 سے 6-8 تک انووادک رکھے جاتے ہیں۔ تار ملا ہے دس بجے یا گیارہ بجے رات کو۔ اسے ایک بجتے بجتے کمپوزنگ میں چلا جانا چاہیے۔ نہیں تو وہ چھپ نہ سکے گا۔ اسی گھنٹے دو گھنٹے میں انووادک کو تیزی کے ساتھ اپنا کام کرنا پڑتا ہے۔ خبر چھوٹی سی ہوئی تو کوئی بات نہیں۔ لیکن کہیں وہ وائسرائے یا مہاتما گاندھی کی اسپیچ ہوئی یا اسمبلی یا کونسل کے بیٹھک کی رپورٹ ہوئی تو ایک دو، تین، چار کالموں کی خبر ہوسکتی ہے۔ اور ایک گھنٹے کے اندر اس کا انوواد ہونا پرماوشیک ہے، نہیں تو وہ خبر رہ جائے گی۔ ایسی ہڑبڑی میں انوواد کیسا ہوگا اس کا انومان کیا جاسکتا ہے۔ واکیہ کے واکیہ اور پیرے کے پیرے چھوڑ دینے پڑتے ہیں اور بھاشا اتنی الجھی ہوئی، اتنی بے سرپیر کی ہوجاتی ہے کہ بہودھا اس کا مطلب سمجھنے کے لیے انومان سے کام لینا پڑتا ہے۔ یہ کٹھینائی سبھی بھاشا پتروں کے سامنے ہے۔ ایک تو ہندی پتر دو پیسے میں بکیں، دوسرے انوواد کوں کا ویتن دے۔ تو وہ کیوں نہ گھاٹے میں چلے اور کیوں نہ اس کا جیون سنکٹ مے ہو۔ دردرتا کے کارن پتروں کو سویوگیہ انوواد ک بھی نہیں ملتے۔ جب چالیس روپے سے لے کر پچاس، ساٹھ، ستر، اسّی روپے تک انوواد کوں کا ویتن ہوگا تو پھر ایسے آدمی کہاں سے آئیں گے جو سندر انوواد کر سکیں۔ انوواد کرنا آسان کام نہیں ہے۔ ایک ایک شبد کے لیے گھنٹوں دماغ ٹٹولنا پڑتا ہے اور دماغ سے کام نہ چلنے پر کوش کے ورق الٹنا پڑتے ہیں۔ میرا وچار ہے کہ سُویم کوئی لیکھ لکھنا آسان ہے، انوواد کرنا کٹھن ہے اور یہ کام ہم تھوڑے ویتن کے کرمچاریوں سے لینے پر مجبور ہیں۔

کنتو آج کل کوئی سماچار پتر کیول خبروں ہی کے بل پر سپھل نہیں ہوسکتا۔ اس میں جنتا اور بھی چیزیں چاہتی ہے، جس سے اس کا وچار پھیلے، اس کی جانکاری بڑھے، اس کے بھاؤں کا پرشکار ہو، وہ سنسار کے وچار پرواہ میں مل سکے۔ ایسے لیکھ دو پیسے کے پتر میں کہاں سے آویں۔ ان کی ساری شکتی خبروں کے انوواد کرنے میں ہی خرچ ہوجاتی ہے۔ اس لیے یہ عام شکایت سننے میں آتی ہے کہ ہندی پتروں میں کچھ ہوتا نہیں۔ ہندی پتر وہی پڑھتا ہے جو انگریزی نہیں جانتا، اور آج کل جو کچھ پڑھا لکھا ہے وہ کچھ انگریزی بھی جانتا ہے۔ ایسے ہندی جاننے والے جو انگریزی بالکل نہ جانتے ہوں ادھک نہیں ہیں۔ اور جو سمپنّیہ ہیں وہ تو انگریزی اوشیہ ہی جانتے ہیں۔ جنتا کو ہندی پتروں سے پریم ہے اوشیہ، مگر جب اسے اس میں سنتوش جنک مسالہ نہیں ملتا تو وہ ووش ہوکر انگریزی پتر پڑھتی ہے۔ انگریزی ویاپک بھاشا ہے۔ اس کے دوارا آپ سنسار کی سیر کرسکتے ہیں۔ روس، جرمنی، فرانس آدی دیشوں کے وچارک اور وِدوان کیا کہتے ہیں یہ جاننے کے لیے آپ کو انگریزی پتر پڑھنا انیوار یہ ہے۔ اگر ہم ان لیکھوں کو ہندی پتروں میں دے سکیں تو ان پتروں کی اپیوگتا، منورنجکتا اور ویاپکتا بہت بڑھ جائے۔ مگر ایسے لیکھوں کا انوواد کرنا ہندی پتروں کے سامرتھ سے باہر ہے۔ خبروں کا ٹیڑھا سیدھا انوواد کر دینے سے بھی کام چل جاتا ہے، لیکن ایک کنووکیشن ایڈریس کا انوواد تو سوچ سمجھ کر ہی کرنا پڑے گا۔ اسی لیے ہمیں ایک انوادک منڈل کی آوشیکتا ہے۔ اس منڈل کا یہ کام ہو کہ وہ پچھمی پتروں سے وچار پورن گیان وردھک لیکھوں کا انوواد کرکے ہندی پتروں کو دے۔ یہ ضروری نہیں کہ منڈل کے سبھی کام کرنے والے اپنا پورا سمے دے سکیں۔ اپنے مکھیہ کام کے ساتھ وہ منڈل میں کچھ سہیوگ دے سکتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے آدمیوں کی ضرورت تو ہوگی ہی جو اپنا پورا سمے دے سکیں۔ اگر منڈل کو ایسے آدمیوں کی سہایتا مل سکے جو فرنچ، جرمن اور انگریزی آدی جانتے ہوں تو کیا کہنا۔ منڈل سنسار بھر کے مکھیہ پتر منگائے، یہ نشچے کرے کہ کون کون سے پتر، کون کون سے لیکھ سویکار کرتے ہیں۔ یا یہ ہوسکتا ہے کہ منڈل پتروں سے ماسک چندا طے کر لے اور روز روز کی انوواد سامگری پتروں کے پاس بھیج دیں۔ پتر اپنی سُویدھا، اوکاش، اور روچی کے انوسار جو انوواد چاہے پرکاشت کرے۔ اس طرح کی سامگری دینے سے ہندی پتروں کی کھپت بڑھ سکتی ہے اور سنبھو ہے کہ وہ بھی اپنا مولیہ

ایک آنا کر سکیں۔ تبھی وہ انگریزی پتروں کا سامنا کر سکتے ہیں اور تبھی ان کا آدر ہوگا۔

ارجن

کنہیالال منشی کا خط

پریہ بھائی پریم چند جی،

آپ تو اندور نہیں آئے۔ لیکن بھائی جیندر پرساد آدی نے مل کر ہماری یوجنا کو آگے بڑھائی۔ اس کا پرینام ایک پرستاؤ سے آیا جس سے آنتر پرانتیہ پریشد بلانے میں سگمتا ہوگی۔ اب سوال رہا ماسک پتر کا۔ جیندر کمار نے کہا تھا کہ آپ 'ہنس' کو اس کام میں دے دیں گے۔ یدی آپ 'ہنس' کو اس پرورتی کا مکھ پتر بنا سکتے ہوں تو ہمارا کام بہت ہی سرل ہوجائے گا۔ آپ مجھے شیگھر لکھیے گا کہ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ گاندھی جی بھی اس بابت میں بڑے پرسن ہیں اور اچھا سہکار دے دیں گے، ایسی مجھے آشا ہے۔ آپ کا اتر کی راہ دیکھتا ہوا۔

بھودیہ

کنہیالال منشی

میں دو دن میں پنچ گنی جا رہا ہوں۔ وہاں پتر بھیجیے گا۔

انٹرویوز

(1)

بنام بنارسی داس چترویدی کے سوالات

(پنڈت بنارسی داس چترویدی نے 11 مئی 1930 کو کولکتہ سے پتر لکھتے ہوئے پریم چند کو سات سوال بھیجے تھے، جن کا جواب پریم چند نے 3 جون 1930 کو لکھے خط میں دیا تھا۔)

چترویدی : آپ نے گلپ لکھنا کب پرارمبھ کیا؟

پریم چند : میں نے 1907 میں گلپ لکھنا شروع کیا۔ سب سے پہلے 1907 میں میرا 'سوزِ وطن' جو پانچ کہانیوں کا سنگرہ ہے، زمانہ پریس سے نکلا تھا۔ پر اسے ہمیر پور کے کلکٹر نے مجھ سے لے کر جلوا ڈالا تھا۔ ان کے خیال میں وہ وِدروہ آتمک تھا۔ حالانکہ تب سے اس کا انوواد کئی سنگرہوں اور پتریکاؤں میں نکل چکا ہے۔

چترویدی : اپنی کون کون سی گلپ آپ کو سروتّم لگتی ہے؟

پریم چند : اس پرشن کا جواب دینا کٹھن ہے۔ 200 سے اوپر گلپوں میں کہاں تک چُنوں۔ لیکن سمرتی سے کام لے کر لکھتا ہوں۔ (1) بڑے گھر کی بیٹی، (2) رانی سارندھا، (3) نمک کا داروغہ، (4) سوت، (5) آبھوشن، (6) پرائشچت، (7) کامنا تُرد، (8) مندر اور مسجد، (9) گھاس والی، (10) مہاتیرتھ، (11) ستیاگرہ، (12) لانچھنی، (13) ستی، (14) لیلا، (15) منتر۔

'منزلِ مقصود' نامک اردو کہانی بہت سندر ہے۔ کتنے ہی مسلمان متروں نے اس کی پرشنسا کی ہے۔ پر ابھی تک اس کا انوواد نہیں ہوسکا۔ انوواد میں بھاشا سارسیہ غائب ہوجائے گا۔

چترویدی : آپ کی لیکھن شیلی پر دیسی یا بدیسی کن کن گلپ لیکھکوں کی رچنا کا پربھاؤ پڑا ہے؟

پریم چند : میرے اوپر کسی وشیش لیکھک کی شیلی کا پربھاؤ نہیں پڑا۔ بہت کچھ پنڈت رتن ناتھ لکھنوی اور کچھ کچھ ڈاکٹر رویندر ناتھ ٹھاکر کا اثر پڑا ہے۔

چترویدی : آپ کو اپنے گرنتھوں سے، رچناؤں سے کیا ماسک آے ہو جاتی ہے؟

پریم چند : آے کی کچھ نہ پوچھیے۔ پہلے کی سب کتابوں کا اُدھکار پرکاشکوں کو دے دیا۔ پریم پچیسی، سیواسدن، سپت سروج، پریم آشرم، سنگرام، آدی کے لیے ایک مشت تین ہزار روپے ہندی پستک ایجنسی نے دیا، 'نودھی' کے لیے شاید اب تک دو سو روپے ملے ہیں۔ 'رنگ بھومی' کے لے 1800 روپیہ دلارے لعل نے دیے۔ اور سنگرہوں کے لیے 100، 200 روپے مل گئے۔ کایا کلپ، آزاد کتھا، پریم تیرتھ، پریم پرتیا، پرتگیا، میں نے خود چھاپا۔ پر ابھی تک مشکل سے 600 روپے وصول ہوئے ہیں اور پرتیاں پڑی ہوئی ہیں۔ پھٹکر آمدنی لیکھوں سے شاید 25 روپے ماہوار ہوجاتی ہو۔ مگر اب اتنی بھی نہیں ہوتی۔ میں اب 'ہنس' اور 'مادھوری' کے سوا کہیں لکھتا ہی نہیں۔ کبھی کبھی 'وشال بھارت' اور 'سرسوتی' میں لکھتا ہوں بس اردو انوادوں سے بھی اب تک شاید 2 ہزار سے اُدِھک نہ ملا ہوگا۔ 800 روپے میں رنگ بھومی اور پریم آشرم دونوں کا انوواد کرادیا تھا۔ کوئی چھاپنے والا ہی نہیں ملتا تھا۔

چترویدی : ہندی میں گلپ ساہتیہ کی ورتمان پرگتی کے وشے میں آپ کے کیا وچار ہیں؟

پریم چند : ہندی میں گلپ ساہتیہ ابھی اتینت پرارمبھک دشا میں ہے۔ کہانی لکھنے والوں میں سُدرشن، کوشک، جینندر کمار، اُگر، پرساد، راجیشوری یہی نظر آتے ہیں۔ مجھے جینندر اور اُگر میں مَولِکتا اور باہُلیہ کے چِنہہ ملتے ہیں۔ پرساد جی کی کہانیاں بھاواتمک ہوتی ہیں۔ Realistic نہیں۔ راجیشوری اچھا لکھتے ہیں مگر بہت کم۔ سدرشن جی کی رچنائیں سُندر ہوتی ہیں۔ پر گہرائی نہیں ہوتی۔ اور کوشک جی اکثر باتوں کو بےضرورت بڑھا دیتے ہیں۔ کسی نے ابھی تک سماج کے کسی وشیش انگ کا وشیش روپ سے اَدھئین نہیں کیا۔ اُگر نے کیا مگر بہک گئے۔ میں نے کرشک سماج کو لیا۔ مگر ابھی کتنے ہی ایسے سماج پڑے ہیں۔ جن پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔ سادھوؤں کے سماج کو کسی نے اِسپرش تک نہیں کیا۔ ہمارے یہاں کلپنا کی پردھانتا ہے۔ انوبھُوتی کی نہیں۔ بات یہ ہے کہ ابھی تک ساہتیہ کو ہم وِوسائے کے رُوپ میں نہیں گرہن کرسکے۔ میرا جیون تو آرتھک دِرشٹی سے اسپھل ہے اور رہے گا۔ 'ہنس' نکال کر میں نے کتابوں کی بچت کا بھی وارا نیارا کردیا۔ یوں شاید اس سال چار پانچ سو مل جاتے۔ پر اب آشا نہیں۔

چترویدی: آپ کی رچناؤں کا انواد کن کن بھاشاؤں میں ہوا ہے؟

پریم چند: میری رچناؤں کا انوواد مراٹھی، گجراتی، اردو، تامل، بھاشاؤں میں ہوا ہے۔ سب کا نہیں۔ سب سے زیادہ اردو میں، اس کے بعد مراٹھی میں۔ تامل اور تیلگو کے کئی سجنوں نے مجھ سے آگیاں مانگی جو میں نے دے دی۔ انوواد ہوا یا نہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ جاپانی میں تین چار کہانیوں کا انوواد ہوا ہے۔ جس کے مہاشے سبھروال نے مجھے ابھی کئی دن ہوئے 50 روپے بھیجے ہیں۔ میں ان کا ابھاری ہوں۔ دو تین کہانیوں کا انگریزی میں انوواد ہوا ہے۔ بس۔

چترویدی: آپ کی آکانکچھائیں کیا ہے؟

پریم چند: میری آکانکچھائیں کچھ نہیں ہیں۔ اس سمے تو سب سے بڑی آکانکچھا یہی ہے کہ ہم سوراجیہ سنگرام میں وِجئی ہوں۔ دھن یا یَش کی لالسا مجھے نہیں رہی۔ کھانے بھر کومل ہی جاتا ہے۔ موٹر اور بنگلے کی مجھے ہَوس نہیں۔ ہاں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ دو چار اُچّے کوٹی کی پُستکیں لکھوں پر اس کا اُدّیش بھی سوراجیہ وِجے ہی ہے۔ مجھے اپنے دونوں لڑکوں کے وِشے میں کوئی بڑی لالسا نہیں ہے۔ یہی چاہتا ہوں کہ وہ ایماندار، سچے اور پکے ارادے کے ہوں۔ وِلاسی، دھنی، خوشامدی سنتان سے مجھے گھِرنا ہے۔ میں شانتی سے بیٹھنا بھی نہیں چاہتا۔ ساہتیہ اور سودیش کے لیے کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہتا ہوں۔ ہاں روٹی دال اور تولہ بھر گھی اور معمولی کپڑے میسر ہوتے رہیں۔

(2)

چترپٹ گجراتی پتریکا کا انٹرویو

پریم چند نے 'سیوا سدن' اپنیاس پر فلم بنانے کا ادھیکار ممبئی کی مہالکشمی سینے ٹون کمپنی کو 750 روپے لے کر پردان کیا۔ 5 فروری 1934 کو شریمتی لیلاوتی منشی کی اپستھیتی میں 'سیوا سدن' عرف 'بازارِ حسن' فلم کا مہورت ہوا۔ پریم چند اس اوسر پر اپستھیت تھے۔ انھوں نے کاریہ کرم کے آرمبھ میں جو بھاشن دیا، وہ فلم کے شروع میں جوڑ دیا گیا۔ اس اوسر پر گجراتی پتریکا 'چترپٹ' کے سمپادک نے چترپٹوں کے سمبندھ میں پریم چند سے جو بات چیت کی اس کا ہندی انواد پریم چند کے سپتاہک پتر 'جاگرن' کے 16 فروری 1934 کے انک میں پرکاشت ہوا۔ یہی انٹرویو یہاں پرستت کیا گیا ہے۔

پرشن : چترپٹ کلا کے وشے میں آپ کے کیا وچار ہیں؟

اُتر : اس وشے میں میں کوئی وِشیش ابھیاس نہیں رکھتا، کنتو میرا ویکتی گت وچار تو یہ ہے کہ چترپٹ کلا میں کلا کا تو ابھی نام بھی نہیں دکھلائی پڑ رہا ہے۔ کلاپُورن اتھوا کلا کی چھٹا دوارا جنتا کو مُگدھ کر دینے والے بے جوڑ چترپٹ ہی بنا کرتے ہیں۔ کلا تو دور رہی، کنتو چترپٹوں میں ساہتیہ کی چھایا بھی تو نہیں دکھلائی پڑتی۔ ساہتیک درشٹی سے سَروپرِیہ کہے جا سکیں، ایسے چترپٹ کہیں کوئی بناتا ہے؟ اور اس کمی اتھوا ترُوٹی کا کارن یہ ہے کہ ساہتیہ کاروں کو آج کے فلم اتپادکوں پر وشواس ہی نہیں ہے۔ کارن یہ ہے کہ کتھانک چاہے جتنا سندر ہو، سمبھاشن میں چاہے جتنا ساہتیہ کا پُٹ ہو، کنتو یدی پاتر اور ایکٹنگ اتھوا انیک ترٹیوں سے یکت ابھیان کریں، تو اس کتھانک کا سمپُورن ستیہ نشٹ ہو جائے گا۔ ڈائرکٹر چاہے گیان کے بھنڈار ہوں، کلا کے اوتار ہوں، تتھا ساہتیہ کے پرم گیاتا ہوں، کنتو وہ مول کتھانک میں اپنی کلا کا سماویش کریں گے، تو کتھانک بھی بھاونا اور اس کا ستیہ اوشیہ ہی نشت ہو جائے گا۔ ایکٹروں اور ڈائرکٹروں کی اس پرکار کی گڑبڑ سے ہی فلم اتپادکوں کو اتم کتھانک نہیں ملتے، اور اس کا کارن جو میں نے کہا، یہی ہے۔ یدی ساہتیہ کاروں کو یہ وسواش نہ ہو کہ ان کی کرتیوں کے ساتھ نیائے کیا جائے گا، تو ساہتیہ کار کبھی بھی اپنی کرتیاں انھیں نہ دیں گے، اور جب تک اتّم

کتھانکوں کا ابھاؤ رہے گا۔ تب تک چترپٹوں میں کلا آتھوا ساہتیہ کا پٹ نہیں ہوسکتا، یہ اسپشٹ ہے۔ میں تو ایسی اِستھیتی دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ کلا سوشکشت منشیوں کے ہاتھ میں آ جائے۔ سوشکشت منشیوں کے اتریکت کلا اتھوا ساہتیہ کی آشا رکھنی مُورکھتا ہے۔

پرشن : ہمارے چترپٹوں میں اس سے پاشچاتیہ چترپٹوں کا اندھانوکرن ہورہا ہے۔ اُتہ یہ انوکرن پرورتت لابھکاری ہے یا ہانی کارک؟

اُتر : یدی بھاؤ اچھا ہو، تو انوکرن کچھ ہانی کارک نہیں ہے، کنتو اُنوکرن کے پیچھے روپے کمانے کا ہیتو نہ ہونا چاہیے۔ امریکن چترپٹوں میں ہمارے سماج کے یوگیہ بہت کچھ انوکرن کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ سماج سدھار کے وچار سے یہ انوکرن ہو، تبھی چترپٹ کی خوبی ہے۔ انوکرن ورتی کے ساتھ ہیتو اور بھاؤنا دونوں اونچی ہونی چاہیے۔

پرشن : ہمارے چترپٹوں میں کون اور کتنے چترپٹ اچھے ہیں، یہ آپ کہہ سکیں گے؟

اُتر : میں بہت ہی کم کوٹی کے چترپٹ دیکھ رہا ہوں۔ چترپٹ دیکھنے کا مجھے شوق نہیں، اس لیے نہیں، کنتو کبھی کبھی کوئی چترپٹ دیکھنے لائق بھی آتے ہیں۔ چنڈی داس، پورن بھگت، خدا کی شان، جیسے چترپٹ میں نے دیکھے ہیں، اور وہ مجھے بہت پسند آئے ہیں۔ پورن بھگت کے لیے بہت سی سرس لوک، کتھائیں سننے میں آتی ہیں، کنتو اس چترپٹ نے مجھے کچھ ادھیک آکرشت نہیں کیا، ہاں اس میں کہا ہے، یہ تو مجھے سویکار کرنا ہی چاہیے۔

پرشن : سیوا سدن کے وِشَے میں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ آپ کے اس سُوپرشدھ کتھانک کی بھاونا کے انوروپ چترپٹ، یہ کمپنی اتار سکے گی؟ مس زبیدہ اور ماں مودک آپ کے کتھانک کے انوکول ہیں؟

اُتر : یہ نہیں کہا جاسکتا! زبیدہ سُوپرشدھ ابھی نیتری ہیں۔ یدی وہ اپنی بھومیکا کا ابھیاس کریں، تو سمجھو ہے 'سکسیس' ہو جائیں۔ مودک بھی کچھ کر جائے، ایسا شکشت لڑکا ہے۔ پھر جو بھی ہوجائے، وہی ٹھیک!

(2)

چترپٹ گجراتی پتریکا کا انٹرویو

پریم چند نے 'سیوا سدن' اپنیاس پر فلم بنانے کا ادھیکار ممبئی کی مہالکشمی سینے ٹون کمپنی کو 750 روپے لے کر پردان کیا۔ 5 فروری 1934 کو شریمتی لیلاوتی منشی کی اپستھیتی میں 'سیوا سدن' عرف 'بازارِ حسن' فلم کا مہورت ہوا۔ پریم چند اس اوسر پر اپستھیت تھے۔ انھوں نے کاریہ کرم کے آرمبھ میں جو بھاشن دیا، وہ فلم کے شروع میں جوڑ دیا گیا۔ اس اوسر پر گجراتی پتریکا 'چترپٹ' کے سمپادک نے چترپٹوں کے سمبندھ میں پریم چند سے جو بات چیت کی اس کا ہندی انواد پریم چند کے سپتاہک پتر 'جاگرن' کے 16 فروری 1934 کے انک میں پرکاشت ہوا۔ یہی انٹرویو یہاں پرستت کیا گیا ہے۔

پرشن : چترپٹ کلا کے وشے میں آپ کے کیا وچار ہیں؟

اُتر : اس وشے میں میں کوئی وِشیش ابھیاس نہیں رکھتا، کنتو میرا ویکتی گت وچار تو یہ ہے کہ چترپٹ کلا میں کلا کا تو ابھی نام بھی نہیں دکھلائی پڑ رہا ہے۔ کلاپُورن اتھوا کلا کی چھٹا دوارا جنتا کو مُگدھ کر دینے والے بے جوڑ چترپٹ ہی بنا کرتے ہیں۔ کلا تو دور رہی، کنتو چترپٹوں میں ساہتیہ کی چھایا بھی تو نہیں دکھلائی پڑتی۔ ساہتیک درشٹی سے سَر وپریہ کہے جا سکیں، ایسے چترپٹ کہیں کوئی بناتا ہے؟ اور اس کمی اتھوا تُروٹی کا کارن یہ ہے کہ ساہتیہ کاروں کو آج کے فلم اتپادکوں پر وشواس ہی نہیں ہے۔ کارن یہ ہے کہ کتھانک چاہے جتنا سندر ہو، سمبھاشن میں چاہے جتنا ساہتیہ کا پُٹ ہو، کنتو یدی پاتر اور ایکٹنگ اتھوا انیک تُرٹیوں سے یکت ابھیان کریں، تو اس کتھانک کا سمپُورن ستیہ نشٹ ہو جائے گا۔ ڈائرکٹر چاہے گیان کے بھنڈار ہوں، کلا کے اوتار ہوں، تتھا ساہتیہ کے پرم گیاتا ہوں، کنتو وہ مول کتھانک میں اپنی کلا کا سماویش کریں گے، تو کتھانک بھی بھاونا اور اس کا ستیہ اوشیہ ہی نشت ہو جائے گا۔ ایکٹروں اور ڈائرکٹروں کی اس پرکار کی گڑبڑ سے ہی فلم اتپادکوں کو اتم کتھانک نہیں ملتے، اور اس کا کارن جو میں نے کہا، یہی ہے۔ یدی ساہتیہ کاروں کو یہ وسواش نہ ہو کہ ان کی کرتیوں کے ساتھ نیائے کیا جائے گا، تو ساہتیہ کار کبھی بھی اپنی کرتیاں انھیں نہ دیں گے، اور جب تک اتم

کتھانکوں کا ابھاؤ رہے گا۔ تب تک چترپٹوں میں کلا آتھوا ساہتیہ کا پٹ نہیں ہوسکتا، یہ اسپشٹ ہے۔ میں تو ایسی استھیتی دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ کلا سوشکشت منشیوں کے ہاتھ میں آ جائے۔ سوشکشت منشیوں کے اتریکت کلا اتھوا ساہتیہ کی آشا رکھنی مُورکھتا ہے۔

پرشن : ہمارے چترپٹوں میں اس سے پاشچاتیہ چترپٹوں کا اندھانوکرن ہورہا ہے۔ اتہ یہ انوکرن پرورتت لابھکاری ہے یا ہانی کارک؟

اُتر : یدی بھاؤ اچھا ہو، تو انوکرن کچھ ہانی کارک نہیں ہے، کنتو اُنوکرن کے پیچھے روپے کمانے کا ہیتو نہ ہونا چاہیے۔ امریکن چترپٹوں میں ہمارے سماج کے یوگیہ بہت کچھ انوکرن کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ سماج سدھار کے وچار سے یہ انوکرن ہو، تبھی چترپٹ کی خوبی ہے۔ انوکرن ورتی کے ساتھ ہیتو اور بھاؤنا دونوں اونچی ہونی چاہیے۔

پرشن : ہمارے چترپٹوں میں کون اور کتنے چترپٹ اچھے ہیں، یہ آپ کہہ سکیں گے؟

اُتر : میں بہت ہی کم کوٹی کے چترپٹ دیکھ رہا ہوں۔ چترپٹ دیکھنے کا مجھے شوق نہیں، اس لیے نہیں، کنتو کبھی کبھی کوئی چترپٹ دیکھنے لائق بھی آتے ہیں۔ چنڈی داس، پورن بھگت، خدا کی شان، جیسے چترپٹ میں نے دیکھے ہیں، اور وہ مجھے بہت پسند آئے ہیں۔ پورن بھگت کے لیے بہت سی سرس لوک، کتھائیں سننے میں آتی ہیں، کنتو اس چترپٹ نے مجھے کچھ ادھیک آکرشت نہیں کیا، ہاں اس میں کہا ہے، یہ تو مجھے سویکار کرنا ہی چاہیے۔

پرشن : سیوا سدن کے وِشَے میں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ آپ کے اس سُوپرشدھ کتھانک کی بھاونا کے انوروپ چترپٹ، یہ کمپنی اتار سکے گی؟ مس زبیدہ اور ماں مودک آپ کے کتھانک کے انوکول ہیں؟

اُتر : یہ نہیں کہا جاسکتا! زبیدہ سُوپرشدھ ابھی نیتری ہیں۔ یدی وہ اپنی بھومیکا کا ابھیاس کریں، تو سمجھو ہے 'سکسیس' ہو جائیں۔ مودک بھی کچھ کر جائے، ایسا شکشت لڑکا ہے۔ پھر جو بھی ہو جائے، وہی ٹھیک!

(3)

'چترپٹ' ہندی پتریکا کا انٹرویو

یہ انٹرویو 'چترپٹ' کے سمپادک تتھا پرشدھ ہندی لیکھک رشبھ چرن جین نے لیا تھا، جو پتریکا کے 13 اپریل، 1934 کے انک میں پرکاشت ہوا تھا۔

پریم چند

پریم چند ایک ڈچتر پروش ہیں۔ ان پنکتیوں کے لیکھک کو انیک بار ان سے ملنے کا موقع ملا ہ، اس لیے اس ملن میں کوئی آرمبھیک نویئتا نہیں تھی۔ سمّیلن کے دوسرے دن ان سے بھینٹ ہوئی۔ اسٹیج پر سبھا پتی کے آسن کے عین کنارے پر ان کی بیٹھک تھی۔ چاروں دن ان کے لے وہی جگہ ریزرو رہی۔ نہ انگل بھی اِدھر نہ انچ بھی اُدھر۔ دیکھا تو کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ ہم نے چھوٹتے ہی پوچھا، ''سیواسدن کی کوئی خبر ملی؟''

کہنے لگے، ''کیسی خبر؟''

ہم نے کہا، ''ارے بابا، وہاں شوٹنگ سماپتی پر آپہنچی ہے۔ ڈسٹری بیوٹر لوگ خریدنے کا مول تول کر رہے ہیں۔ آپ کیا ابھی بالکل اندھیر میں ہیں؟''

بولے، ''خدا کی باتیں خدا ہی جانے! ہمارے پاس تو کوئی چٹھی تک نہیں آئی۔''

اگلے دن پریم چند ہمارے یہاں آہار کرنے والے تھے۔ نمنترن سندھیا کا تھا، مگر صبح کے وقت شری دلارے لال اور آچاریہ چترسین جی کے ساتھ ہم انھیں گھسیٹ کر فوٹو گرافر کے یہاں لے گئے۔ جب تک فوٹوگرافر کے یہاں پہنچ نہ گئے، ہم نے انھیں پتہ نہ چلنے دیا کہ کہاں لے جا رہے ہیں۔ جب ٹھکانے پر پہنچے تو کہنے لگے، ''فضول پیسہ برباد کرنے سے کیا لابھ؟''

ہم نے سلام جھک کر عرض کی، ''واللہ! اچھی قدردانی کی۔''

فوٹو اسٹوڈیو سے نکل کر طے ہوا، شام کی جگہ بھوجن کا پروگرام ابھی رکھا جائے۔ راستے میں ہم نے پھر چرچا چھیڑی، ''نانو بھائی وکیل کیسے آدمی ہیں؟''

اتر ملا، ''سمجھدار ڈائرکٹر ہیں۔''

پوچھا، ''زبیدہ کے وشَے میں کیا امپریشن ہے؟''

کہنے لگے، ''زبیدہ ایک خوبصورت لڑکی ہے۔''

ہمارے ساتھیوں میں سے ایک نے پوچھا، ''لڑکی؟''

کہنے لگے، ''ابھی لڑکی ہی تو ہے۔''

ہم نے پُنہ: پرشن کیا، ''مودک کیسے پسند آئے؟''

جواب دیا، ''مودک ایک بھاوک بچہ ہے، اور اچھی ایکٹنگ کرتا ہے۔''

اس دن ہری اودھ جی کے پاس بیٹھے ہوئے پریم چند جی کچھ ایسی باتیں کہہ گئے، جو زیادہ نکٹ کی تھیں، جو زیادہ نئی تھی، اور جن میں بڑا رس ملا۔ اس دن اس مہان اوپنیاسِک کے گت جیون کے ایک ایسے پرچھید پر پرکاش پڑا، جس میں ہمیں پریم چند کی مہانتا کا ایک نیا پہلو دکھائی دیا۔ سمے آنے پر دنیا بھی ان کی اس مہانتا سے اپرِچت نہ رہ سکے گی۔ ایسا ہمارا وسواش ہے۔

(سوجنیہ: چترپٹ 13 اپریل، 1934 میں پرکاشت لیکھ سے)

(4)

اندرناتھ مدان کے سوالات

اندرناتھ مدان نے اپنے ودھارتھی جیون کی سماپتی کے بعد پریم چند کو سنہ 1934 میں دو بار کچھ پرشن بھیجے تھے، جن کا انھوں نے 7 ستمبر 1934، تتھا 26 دسمبر 1934 کو اتر دیا تھا۔ پریم چند کا پہلا اُتر ہندی میں تھا دوسرا انگریزی میں اپلبدھ ہوتا ہے۔ یہاں یہ دونوں پتر انٹرویو پرستت ہے:

مدان : آپ اپنے بچپن کی اسمرتیوں کو کس روپ میں پرستت کرتے ہیں؟

پریم چند : میرے اپنے گھر کے بارے میں بچپن کے تاثرات معمولی نوعیت کے ہیں۔ نہ زیادہ خوشگوار، نہ زیادہ دل شکن۔ آٹھ سال کا تھا کہ ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس سے پہلے کے واقعات کی یاد دھندلی سی ہے۔ یعنی اپنی والدہ کو جو دن بدن کمزور ہوتی جارہی تھیں، دیکھتا رہتا۔ وہ ایک اچھی ماں کی طرح مجھ سے محبت بھی بہت کرتی تھیں اور ضرورت پڑنے پر سختی بھی برتتی تھیں۔

مدان : آپ اپنے پرارمبھک لیکھن کار کے بارے میں بتائیں۔ آپ نے کب اور کیسے لکھنا شروع کیا اور اردو سے ہندی میں کس پرکار آئے۔

پریم چند : میں نے اردو ہفتہ وار اخبارات میں لکھنا شروع کیا جو اس وقت ماہوار شائع ہوا کرتے تھے۔ مضمون نویسی کا مجھے شوق تھا۔ میں نے کبھی سوچا تک نہ تھا کہ میں مصنف بنوں گا۔ میں سرکاری ملازم تھا اور فرصت کے وقت کچھ نہ کچھ لکھ لیتا تھا۔ ناول پڑھنے کا مجھے ایسا خبط تھا کہ طبیعت نہ بھرتی تھی۔ بغیر سوچے سمجھے اور انتخاب کے جو بھی ناول ہاتھ لگ جاتا اُسے پڑھ ڈالتا۔ میرا پہلا مضمون 1901 میں چھپا اور پہلی کتاب 1903 میں۔ اپنے ذوق کی سیری کے علاوہ مضمون نویسی سے اور کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا۔ شروع شروع میں مَیں حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کیا کرتا تھا۔ پھر ماضی اور حال کی سرکردہ ہستیوں اور ان کی کامیابی سے حوصلہ پاکر اس سلسلے کو جاری رکھا۔ 1914 میں میرے افسانوں کا دوسروں نے ترجمہ کیا اور وہ ہندی

رسالوں میں شائع ہوئے۔ تب میں ہندی کے رسالہ سرسوتی میں لکھنے لگا۔ پھر میرا ناول 'سیوا سدن' شروع ہوا اور میں نے ملازمت چھوڑ کر اپنی زندگی کا آزاد ادبی دَور شروع کیا۔

مدان : کیا آپ کے جیون میں کوئی پریم ہوا؟

پریم چند : نہیں، مجھے کسی سے عشق نہیں رہا۔ زندگی اس قدر مصروف اور روٹی کمانے کا دھندا اس قدر سخت تھا کہ رومانسوں کے لیے گنجائش ہی نہ تھی۔ کچھ معمولی واقعات عمومی نوعیت کے ضرور پیش آئے مگر انھیں معاشقے نہیں کہا جا سکتا۔

مدان : استری کے سمبندھ میں آپ کا آدرش کیا رہا ہے؟

پریم چند : میری نظر میں عورت کا آدرش ایثار، خدمت اور پاکدامنی کا عکاس ہونا چاہیے۔ ایثار ہو مسلسل، خدمت بلا شکوہ اور پاکدامنی سیزر کی بیوی کے ہم پلہ، جس پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکتا ہو۔

مدان : اپنے دمپتیہ جیون کے رومانس تتھا انے کچھ تتھیوں کے بارے میں کچھ بتائیں؟

پریم چند : میری شادی شدہ زندگی رومان سے قطعی بے بہرہ تھی۔ اس میں کوئی قابلِ ذکر بات نہیں۔ میری پہلی بیوی 1904 میں انتقال کرگئی۔ بیچاری بدقسمت اور معمولی شکل و صورت کی عورت تھی۔ گوکہ اس سے مطمئن نہ تھا تاہم روایتی شوہروں کی طرح اُس سے بناہ کرتا رہا۔ اس کی وفات کے بعد میں نے ایک بال وِدھوا سے شادی کرلی، اور اس کے ساتھ کافی خوشی کی زندگی گزر رہی ہے۔ اس نے کچھ ادبی ذوق بھی پیدا کرلیا ہے۔ اور کبھی کبھی کہانیاں لکھ لیتی ہے۔ وہ نڈر، دلیر، مخلص اور سمجھوتہ نہ کرنے والی عورت ہے۔ اس سے غلطی ہوجانے کا امکان رہتا ہے اور وہ جذبات سے مغلوب ہوکر کام کرتی ہے۔ تحریک عدم تعاون میں شریک ہوکر جیل بھی ہو آئی ہے۔ میں اس سے خوش ہوں اور اس سے ایسی کوئی چیز حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا جسے دینے کی وہ اہل نہ ہو۔ اُسے آپ جھکنے پر مجبور نہیں کرسکتے۔

مدان : زندگی آپ کے لیے کیا رہی ہے۔ کیا آرتھک درشٹی سے آپ سنتشٹھ رہے ہیں؟

پریم چند : زندگی میرے لیے مسلسل کام ہی رہی ہے۔ جب میں سرکاری ملازم تھا اس وقت بھی تمام وقت ادبی مشاغل میں گزارتا تھا۔ مجھے کام کرنے سے خوشی ہوتی ہے۔ مالی

مشکلات سے دوچار ہونے پر افسردگی کے اوقات بھی آتے ہیں۔ مگر میں اپنے مقدر سے مطمئن رہا ہوں۔ اور جتنا کچھ پارہا ہوں اس سے کہیں کم کا مستحق ہوں۔ مالی لحاظ سے میں ہمیشہ ناکام رہا ہوں، کاروبار مجھے آتا نہیں اور ضروریات بنی رہتی ہیں۔ میں کبھی جرنلسٹ نہیں رہا۔ لیکن حالات نے مجھے جرنلسٹ بننے پر مجبور کردیا۔ چنانچہ میں نے ادب میں جو کچھ تھوڑا بہت کمایا وہ سب اخبار نویسی میں کھودیا۔

مدان : آپ اپنی رچناؤں کے کتھانک کیسے چُنتے ہیں؟

پریم چند : افسانوی کردار کے محاسن کے اظہار کے لیے میں ہمیشہ افسانوں کے پلاٹ سوچتا ہوں۔ یہ ایک پیچیدہ طریقہ ہے۔ مجھے ایسا کرنے کی تحریک بعض اوقات کسی آدمی یا کسی حادثے یا خواب سے ہوتی ہے۔ لیکن میرے افسانے کی بنا ہمیشہ نفسیاتی ہوتی ہے۔ میں دوستوں کی تجاویز خندہ پیشانی سے قبول کرتا ہوں۔

مدان : آپ کے پاتروں کا سروت کیا ہے؟

پریم چند : میرے اکثر کردار حقیقی زندگی سے لیے گئے ہیں گو ان کی اصلیت پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ جب تک کردار کی بنیاد حقیقت پر مبنی نہ ہو، وہ غیر حقیقی، غیر یقینی اور قابلِ اعتبار ہوتا ہے۔

مدان : آپ کی کام کرنے کی پدھیتی کیا ہے؟ کیا آپ نے نیمت لیکھن کام کرتے ہیں؟

پریم چند : رومین رولاں کی طرح باقاعدگی سے کام کرنے میں یقین رکھتا ہوں۔

مدان : کیا گودان کے نام سے آپ کا نیا اپنیاس پرکاشت ہونے والا ہے؟

(10) ہاں میرا ناول 'گودان' جلد ہی پریس میں جارہا ہے۔ کوئی 600 صفحوں کا ہوگا۔

(2)

اِندرناتھ مدان کے سوالات

مدان : آپ اپنی تصانیف میں کسے سب سے بہتر سمجھتے ہیں؟

پریم چند : 'رنگ بھومی' میرے خیال میں میری تمام تصانیف میں سے بہترین ہے۔

مدان : آپ کے سبھی ناولوں میں آئیڈیل کردار کون ہے؟

پریم چند : میرے ہر ایک ناول میں ایک معیاری کیریکٹر ہوتا ہے۔ جس میں انسانی صفات بھی ہوتی ہیں اور کمزوریاں بھی۔ مگر ان کا معیاری ہونا ضروری ہے۔ 'پریم آشرم' میں گیان شنکر اور رنگ بھومی میں 'سورداس' ہے۔ اسی طرح کایا کلپ میں چکردھر اور کرم بھومی میں امرکانت ہے۔

مدان : آپ کے مختصر افسانوں کی کل تعداد کتنی ہے۔ کیا کوئی کہانی غیر مطبوعہ ہے؟

پریم چند : میرے مختصر افسانوں کی کل تعداد لگ بھگ 250 ہے۔ غیر مطبوعہ کہانی میرے پاس کوئی نہیں۔

مدان : آپ کی تخلیق پر کن غیر ملکی تخلیق کاروں کے اثرات ہیں؟

پریم چند : بیشنک ٹالسٹائے، وکٹر ہیوگو اور رومن رولاں کا مجھ پر اثر پڑا ہے۔ مختصر افسانوں میں شروع میں ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور سے روشنی حاصل کی ہے۔ اس کے بعد میں نے اپنا اسٹائیل بنا لیا ہے۔

مدان : کیا آپ نے کبھی ڈرامے کی طرف سنجیدگی سے غور کیا ہے؟

پریم چند : میں نے کبھی سنجیدگی سے ڈرامہ کی طرف رجوع نہیں کیا۔ میں نے ایک دو پلاٹ سوچے ہیں۔ جن سے ڈرامے کے سلسلے میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اگر ڈرامے کو اسٹیج پر نہ دکھایا جائے تو یہ اپنی اہمیت کھو بیٹھتا ہے۔ ہندستان میں اسٹیج کے مناسب انتظامات نہیں۔ خصوصاً ہندی اور اردو ڈراموں کے لیے جو برائے نام اسٹیج ہے وہ پارسیوں کا ضعیف اور بے جان سا ہے۔ جس سے مجھے سخت نفرت ہے۔ نہ ہی مجھے ڈرامے کے ٹیکنیک اور اسٹیج کے ہنر سے کبھی تعلق پڑا ہے۔ میرے ڈرامے محض پڑھنے کے لیے تھے۔ میں ناولوں تک ہی کیوں محدود ہوں۔ جہاں میں کرداروں کو ڈرامے کے مقابلے میں زیادہ نمایاں کرسکتا ہوں۔ اسی لیے میں نے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے ناول کو ترجیح دی ہے۔ پھر بھی میں ایک دو ڈرامے لکھنے کی امید رکھتا ہوں۔ جہاں تک مالی لحاظ سے کامیابی کا سوال ہے یہ اردو اور ہندی میں

بہت کمیاب سی شے ہے۔ آپ شہرت پاسکتے ہیں مگر مالی اعتبار سے مطمئن نہیں ہوسکتے۔ ہمارے لوگوں کو کتابیں خریدنے کی عادت نہیں ہے۔ یہ سُستی اور کم عقلی اور ذہنی غفلت کی دلیل ہے۔

مدان: سنیما کے بارے میں آپ کے کیا تجربات ہیں؟ کیا کوئی مصنف سنیما کے میدان میں اپنے لیے جگہ بنا سکتا ہے؟

پریم چند: ایک ادیب کے لیے سنیما مناسب جگہ نہیں۔ میں اس لائن میں اس لیے آیا تھا کہ شاید مالی اعتبار سے کچھ مطمئن ہوسکوں مگر اب میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ میری خام خیالی تھی۔ اس لیے میں پھر ادبی خدمت میں لگ رہا ہوں۔ دراصل میں نے ادبی کام کو کبھی بھی بند نہیں کیا۔ اور اسے ہی میں اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا ہوں۔ سنیما شاید وکالت کی طرح ہی میرے لیے محض تفریح کا سامان ہوسکتی ہے۔

مدان: تحریک آزادی کے دوران کیا آپ کو کبھی جیل جانے کا اتفاق ہوا۔

پریم چند: میں کبھی جیل نہیں گیا۔ میں باعمل انسان نہیں ہوں۔ میری تحریروں سے کئی دفعہ حکومت ناراض ہوئی اور میری ایک دو کتابیں قابل ضبطی بھی قرار دی گئیں۔

مدان: کیا آپ انقلاب کے ذریعے سماجی تبدیلیاں بر لانے میں یقین رکھتے ہیں۔

پریم چند: میں ساماجِک سدھار پر یقین رکھتا ہوں۔ ہمارا مقصد رائے عامہ کو بیدار کرنا ہونا چاہیے۔ انقلاب سنجیدہ طریقوں کے ناکامی کی دلیل ہوتا ہے۔ میرے نقطۂ نظر سے معیاری سوسائٹی وہ ہے جہاں ہر ایک کو یکساں مواقع میسر ہیں۔ ہم اس منزل پر کس طرح پہنچ سکتے ہیں۔ صرف سدھار اور ارتقا کے؟ لوگوں کا کردار ہی اس سلسلے میں فیصلہ کن ہوتا ہے۔ کوئی ساماجِک سدھار کامیاب نہیں ہوسکتا اگر ہم انفرادی طور پر ترقی نہ کریں۔ ہمارے انقلاب کا انجام کیا ہوگا کوئی پختہ طور پر نہیں کہہ سکتا۔ اس کا نتیجہ بہترین قسم کی ڈکٹیٹرشپ ہوسکتا ہے۔ جس میں انفرادی آزادی بالکل ختم ہو جائے۔ میں اصلاح چاہتا ہوں۔ تباہی نہیں۔ اگر مجھے کسی طرح یہ پہلے ہی پتہ لگ جائے کہ تباہی کا نتیجہ ہمارے لیے اچھا ہوگا تو میں تباہی کی بھی مخالفت نہ کروں گا۔

مدان : طلاق کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا آپ اس بات سے متفق ہیں کہ طلاق ...... بھی مسائل، کا حل ہے۔

پریم چند : غربا اور مزدور پیشہ لوگوں میں طلاق کا رواج عام ہے۔ اس مسئلہ نے ان نام نہاد اونچی ذاتوں اور طبقوں میں خوف ناک صورت اختیار کی ہے۔ شادی دراصل سمجھوتے اور سپردگی کا ہی دوسرا نام ہے۔ اگر جوڑا خوش رہنا چاہے تو اسے ایک دوسرے کی بات ماننا ہی ہوگی۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کسی حالت میں خوش نہیں ہوسکتے۔ یوروپ اور امریکا میں آزادانہ میل جول اور اظہارِ محبت کے باوجود طلاقوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جوڑے میں سے ایک کا چاہے وہ مرد ہو یا عورت جھکنا ضروری ہے۔ میں یہ نہیں مانتا کہ تمام قصور مردوں کا ہی ہے۔ ایسی مثالیں ملتی ہیں جہاں عورتیں بہت عجیب شکایات کی بنا پر جھگڑے پیدا کردیتی ہیں۔ جب ہمیں یہ یقین ہے کہ طلاق ہماری شادی سے متعلقہ تکلیفوں کا علاج نہیں تو سوسائٹی کے سرا سے کیوں مڑھا جائے۔ بعض حالتوں میں طلاق لازمی ہوسکتا ہے۔ لیکن میری رائے میں یہ کہنا غلط ہوگا کہ کوئی مرد یا عورت نباہ نہیں کرسکتا۔ غریب بیوی کے لیے بغیر کسی انتظام کے طلاق، بیمار افرادیت کا مطالبہ ہے جس سوسائٹی کا انحصار برابری پر ہو اس میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

مدان : کیا آک کو مافوق القوتوں کے وجود پر یقین ہے؟

پریم چند : اس سے پہلے میں ایک خدائے برتر کی ہستی پر اعتقاد رکھتا تھا۔ یہ اعتقاد غور و فکر کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ محض روایتی تھا۔ اب یہ اعتقاد چکناچور ہو رہا ہے۔ بے شک اس تمام عالم کے پیچھے کوئی ہاتھ ہے۔ مگر میرے خیال میں انسانی معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ جیسا کہ اسے مکھیوں، مچھروں اور چیونٹیوں کے معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم نے خود کو جو اہمیت دی ہے۔ اس کی کوئی وجہ جواز نہیں۔

میرے خیال میں اس وقت اتنا ہی کافی ہوگا۔ کیوں کہ میں انگریزی کا عالم نہیں۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ میں اپنے خیالات کے اظہار میں ناکام رہا ہوں۔ مگر میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

(5)
شری. را. ٹلیکر کا انٹرویو

پریم چند جن دنوں ممبئی میں تھے، ان کا ایک مراٹھی یووا لیکھک شری. ٹلیکر سے پریچے ہوا۔ ٹلیکر کو انھوں نے گھر پر آمنترت کیا اور اس پرکار ٹلیکر پریم چند کے گھنشٹھ یووا متر بن گئے۔ اب ٹلیکر نے یہ لپیکت سمجھا کہ ہندی لیکھک پریم چند کو مراٹھی پاٹھکوں سے پریچت کرایا جائے۔ اس کے لیے انھوں نے دسمبر 1934 □ میں انٹرویو لیا، جو مراٹھی پاکچھک پتریکا 'پرتیبھا' کے 4 جنوری تتھا 1 فروری 1934 کے انکوں میں پرکاشت ہوا۔

پھڑکے یا کھانڈیکر کا جو استھان مراٹھی ساہتیہ میں ہے، وہی پریم چند جی کا ہندی اور اردو ساہتیہ میں ہے۔ پھڑکے جی کا اپنیاس کہتے ہی من پڑھنے کے لیے اتاولا ہو جاتا ہے۔ کھانڈیکر جی کا کتھا سنگرہ ہو یا اپنیاس، پڑھنے کے لیے دینے والے بک سیلر کے پاس بھی ان کی پستکیں اُپلبدھ نہیں ہوتی ہیں اور اُس پر بھی مانگ لگی رہتی ہے۔ منشی پریم چند جی کے اپنیاس ساہتیہ کی بھی یہی استھتی ہے، لیکن اتنے سے پھڑکے کھانڈیکر کے اور بھی گُن منشی جی میں ہوں گے ہی، ایسی دھارنا نہیں بنانی چاہیے۔ تُلناتمک درشٹی سے ساہتیہ میں ان کا کون سا استھان ہے، اس کی کلپنا لانے کے لیے پھڑکے کھانڈیکر کا نام لینا پڑا۔ ہاں، ایک درشٹی سے ان تینوں لیکھکوں میں سمانتا دکھائی دیتی ہے، یہ ماننا ہی پڑے گا۔ پھڑکے پروفیسر ہیں، کھانڈیکر ادھیاپن کرتے ہیں، اُسی طرح منشی جی بھی شکشا چھیتر میں ہی پہلے شکچھک اور بعد میں نرکچھک کے پد پر کاریہ کرتے تھے۔ اس سے نہیں ہے، ارتھات ورتمان بھوت کال کا یہ انتر ان کی آیو دکھلانے کے کافی ہے، لیکن اس کے بارے میں بعد میں وِچار کریں گے۔ منشی جی کو 'پرتیبھا' پتریکا میں پرستُت کیا گیا، صرف اس لیے کہ ان کی پہچان مراٹھی پاٹھکوں کو ہونی چاہیے۔ انیہ پردیشوں کے پرسدّھ لیکھوں کا (ان کی رچناؤں سہت) پریچے کرا دینا ایک بڑا اُدّیشیہ ہے اس لیے پریم چند جی کا ساکچھاتکار لیا۔ اس ساکچھاتکار سے جو جانکاری ملی، وہ آگے دی جا رہی ہے۔

ساکچھاتکار کے سمے منشی جی کرسی پر بیٹھ کر کچھ لکھ رہے تھے۔ ٹیبل پر پڑے ہوئے اردو

لیپی میں لکھے ہوئے کاغذوں کو دیکھ کر پہلے مجھے آشچر یہ ہوا، کیونکہ وہ صرف ہندی لیکھک ہی ہیں، اتنی ہی بہت لوگوں کے سمان میری بھی جانکاری تھی، لیکن انھوں نے جانکاری دی، اس سے وہ اَپُورن لگی۔ پہلے تو منشی جی کو لگا کہ اس آدمی کو صرف معمولی جانکاری ہی چاہیے ہوگی، اس لیے انھوں نے اپنے لیکھن کے سمبندھ میں، کن کن ماسک پتریکاؤں میں کون کون سی رچنائیں پرکاشِت ہوئی، اس کی سوچی دی۔ پر میں نے کہا، ''منشی جی، معاف کیجیے! مجھے آپ کا پریچے نہیں چاہیے، بلکہ آپ کے لیکھن کے بارے میں جانکاری چاہیے''۔

پریم چند : ''اب آپ جو چاہیں پرشن کریں، میں اُتر دوں گا۔ یہ سوویدھاجنک رہے گا نہ؟''

میں، ''ہاں، بالکل ٹھیک رہے گا''۔

اتنا ہونے پر، مجھے لیکھن چرتر جاننے کی اُتسکتا کیوں تھی، یہ میں نے انھیں بتلایا۔ سرو سادھارن پاٹھکوں میں 'پرتیبھا' کا پرسار نہ ہوکر کیول سوشکچھت لیکھک، رسِک ٹیکا کار کوٹی وِیکتیوں میں ہے، جو لیکھک کی منوبھاوناؤں کا وِشلیشن چاہتے ہیں۔ پریم چند جی کو یہ بات اچھی لگی۔ ''اچھا'' کہہ کر انھوں نے اپنے کاغذ پتر دور رکھ دیے اور پرشنوں کے اُتر دینے کے لیے تیار ہوگئے۔

منشی جی کی پرسدّھ سارے ہندستان میں پھیلی ہوئی ہے۔ اتہ انھوں نے لیکھن کے شروعات کیسے کی، اس بارے میں پرشن پوچھنا اُچت تھا۔ میری شنکاؤں کا سمادھان کرتے ہوئے انھوں نے اُتر دیے۔ میں نے بھی انیک انترنگ پرشن کیے۔ ان سے جانکاری ملی کہ پُرانے سمے میں ارتھات انیسویں شتابدی کے انتم ورشوں میں وہ ایک اردو پتر میں لکھنے لگے۔ بنارس سے 'آوازۂ خلق' نام کی ایک پتریکا نکلتی تھی۔ اس میں ان کی رچنائیں سب سے پہلے پرکاشِت ہوئیں، لیکن اتنے سے ان کی قلم کی بھوک نہیں مٹی، اس لیے کانپور سے نکلنے والے اردو پتر 'زمانہ' میں انھوں نے تتکالین نیتاؤں کی چھوٹی چھوٹی جیونیاں لکھیں۔ ان جیونیوں میں راناڈے، تلک، لاجپت رائے، بنرجی، گوکھلے جیسے دیش بھکتوں کی ادھکتا تھی۔

پرشن، ''مگر اس لیکھن کے کارن کچھ آپ کو آج کی پرشدّھی نہیں ملی ہے۔ اپنیاس لکھنے کے لیے آپ نے پرارمبھ کیسے کیا؟ اس کی پریرنا آپ کو کیسے اور کب ملی؟''

''اُتر، ''ہاں، بچپن میں میں نے دیوکی نندن کھتری کے گرنتھ پڑھے تھے۔ اس کے اَتیرکت پنڈت رتن ناتھ دھر کی بھی پستکوں کا ادھیین کیا۔ ایسا کہہ سکتے ہیں کہ مجھے ان سے پریرنا ملی۔ ان دونوں لیکھکوں کا پربھاؤ میرے من پر ادِھک ہوا''۔

ان لیکھکوں کی ہم مہاراشٹریوں کو کہاں سے جانکاری ہوتی؟ ہم نے ان کے نام تک سنے نہیں تھے۔ پھر وے کون تھے، انھوں نے کون سے گرنتھ لکھے آدی، کیسے معلوم ہوتا؟ پریم چند جی کے بولنے کے پرواہ کو بیچ میں ہی روک کر میں نے ان سے اپنی بات کو اور ادِھک اشپسٹ کرنے کی پرارتھنا کی۔

پریم چند بولے، ''پنڈت رتن ناتھ دھر کو اردو اپنیاس کی پریتا کہنا چاہیے۔ 'فسانۂ آزاد' نام کے 1200 پرشٹھ کے مہاگرنتھ کی انھوں نے رچنا کی، جس کے چار کھنڈ ہیں۔ اس گرنتھ کا ویشسٹ ہاسیہ وِنود میں نہت ہے۔ دیوکی نندن کھتری کا نام لیتے ہی ان کے لیکھن کے 27 کھنڈ 'ویبسٹر' ڈکشنری کے سمان میری آنکھوں کو دکھنے لگتے ہیں۔ کتنا پرچنڈ کاریہ انھوں نے کیا! دیکھیے، 'طلسم ہوشربا'، 'بوستانِ خیال' آدی کتابیں انھوں نے اردو میں انوواد کی۔ یہ اتینت لوک پریہ تو ہیں ہی، ساتھ ہی آشچریہ، کوتوہل کو بھی اُتپن کرنے والی ہیں۔''

پرشن، ''لیکن، منشی جی! اس اپنیاس یا لیکھن کا وِشے کیا ہے؟ ادھر کے لوگوں کے ہندی و اردو بھاشا کے وِسے میں اگیان کو دیکھتے ہوئے کرپیا آپ ہسیے نہیں''۔

پریم چند نے اُتّر دیا، ''پنڈت رتن ناتھ دھر کو بچپن میں لکھنؤ و الٰہ آباد آدی کے نوابوں کے انتہ پور میں رہنے کا موقع ملا۔ اس کارن سے وہاں کی اگیات لیکن رومانچک باتیں باہر آئیں۔ اس سے اس پرکار کے ساہتیہ کو ہی ادِھک مہتو ملا۔ نواب رہتے کیسے ہیں، زمینداروں کا وِیکتی گت جیون کیسا ہوتا ہے، آدی باتوں کے بارے میں عام لوگوں میں بالکل اگیان تھا۔ اس کے اتیرکت زمینداروں و نوابوں کے آرتک ورچسو کے کارن لوگوں میں ان کے بارے میں جاننے کا کوتوہل بھی اَدِھک تھا۔ اس لیے رتن ناتھ کے لیکھن کو سروتھا چاہا و سراہا گیا اور دیوکی نندن کے 27 کھنڈن سے عجب جادو ہوا ہے۔ اس فارسی گرنتھ کی آپ کو کچھ تو جانکاری ہیں کیا؟''

فارسی گرنتھ کے نام ہی ہم مراٹھی پاٹھکوں کو کچھ معلوم ہوئے، تو مُکھیتہ پروفیسر مادھورام

پٹ وردھن کی کرپا سے۔ انیہ بھاشاؤں کے سہت کی طرف ہمارا دھیان ہے ہی کہاں؟ انیہ پرانتوں کا ساہتیہ بھی ہمارے پریچے میں نہیں ہے۔ اتہ میں نے کہا، ''عریبین نائٹس، یا 'عجب عینِ محال' کی طرح کا ہی دیوکی نندن جی کا انوواد ہوگا؟''

منشی جی نے اُتر دیا، ''ارے، نہیں نہیں۔ 'عریبین نائٹس' تو 'طلسم ہوشربا' کے آگے کچھ بھی نہیں۔ اس کی عجب پرکار کی کلپنا بھی آپ نہیں کرسکتے''۔

اس کا مطلب دیوکی نندن و رتن ناتھ دھر جیسے مردھنیہ اردو لیکھکوں کے نام بھی ہمارے پریچے میں نہیں تھے۔ آگے اس اگیان کے لیے میں نے پریم چند جی سے چھما مانگی تھا ان سے پوچھا کہ ان کو کیا کسی انیہ لیکھک نے بھی پربھاوت کیا ہے؟

انھوں نے عبدالحلیم شرر آدی اپنیاس کاروں کے نام بتائے۔ وہ اردو کے اتیہاسک اپنیاسکار ہیں۔ انھوں نے قریب قریب چھوٹے بڑے سب ملا کرتیس اپنیاس لکھے ہوں گے۔ مسلمان ہونے کے کارن تھا پردیش میں اسلامی واتاورن ہونے کے کارن اسلامی اتیہاس کی بھی کتھائیں ان کے اپنیاس میں آئی ہیں۔ ایسے تین لیکھکوں سے پریرنا گرہن کرنے کے بعد منشی جی اپنیاس کار بننے لگے۔ یہ ستیہ ہے کہ سماچار پتروں میں لکھنے کا کاریہ تو انھوں نے 1899 سے آرمبھ کیا، لیکن ان کا پرتھم اپنیاس پرکاشت ہونے میں تین برس کا سمے لگا۔ ان کا 'کشنا' نام کا پرتھم اپنیاس 1902 میں پرکاشت ہوا اور وہ اردو بھاشا میں تھا۔

'کشنا' میں گرامینوں کا جیون ہونے کے ساتھ کابلی پٹھانوں کا کتنا آتنک کسانوں پر تھا، یہ چترت کیا گیا ہے۔ اس کے تین سال کے انترال کے بعد 'پریما' نامک ہندی و اردو اپنیاس پرکاشت ہوا۔ یہ لگ بھگ 250 پرشٹھوں کا اپنیاس ہے۔ تین وِدھواؤں کی دیپکا کے چتر کے ساتھ پُنرواہ کی وکالت ہونے کے کارن پرکاشک بھی بڑی کٹھنائی میں رہا۔ اس پرکار کی دھارمک مانیتاؤں کے خلاف پُستکیں بیچنے کے کارن پرکاشک کے وِردھ بہت بڑا آکروش پیدا ہوا۔ تب اس پاپ کے نروارتھ اس نے اپنے پاس کی 'پریما' کی ساری پرتیاں جلا ڈالیں۔ اسی کارن لوگوں میں یہ اپنیاس ادھک پرسارت ہوا۔ 'پریما' کے اپرانت 'وردان' جیسے راشٹر بھکت یکت اپنیاس کا جنم ہوا۔ 'وردان' اپنیاس آیو میں 'پریما' سے پانچ ورس چھوٹا یعنی اس کا پرکاشن 1912 میں ہوا۔ اس سمے کے راجنیتک واتاورن کو دھیان میں رکھا جائے، تو 'وردان' میں

آئے۔ راشٹر بھکتی کے وؤیچن کے اوچتیہ کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کے سِوا 'پریما' کا وِشے اتنے تک ہی سیمت نہ تھا۔ وِواہ سمبندھی چرچا ہندستان کے پرتیک پرانتیہ سماج میں انگریزوں کے پرارمبھ ہوئی۔ اُسی طرح سنیکت پرانت میں بھی ہوئی اور اس کا پرتیمب پریم چند جی کے اپنیاسوں میں دیکھنے کو ملا۔ 'وردان' میں ویواہک جیون سمبندھی چرچا ہی بہت ہے۔

اس کے پشچات منشی جی نے اپنی کلپنا شکتی کو تھوڑا وِرام دیا۔ مہایدھ شروع ہونے تک انھوں نے کوئی اپنیاس نہیں لکھا اور چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھتے رہے۔ اس کا کارن جاننا آوشیک تھا، اس لیے میرا پرشن سن کر وہ بولے۔

''پہلی بات تو یہ ہے کہ ان سات سالوں میں میرا سواستھ ٹھیک نہیں تھا۔ اس کارن شکچھک کا کام چھوڑ کر میں نے نیرکچھک کا کام مانگا۔ پھر مجھے سدیو باہر گھومنا پڑا۔ پھر اپنیاس کے لیے آوشیک اکاگرتا و شانتی مجھے کہاں سے ملتی؟ کارن یہ ہوا کہ رویندرناتھ ٹیگور کی بہت سی ہندی میں انوادِت کہانیاں میں نے پڑھیں۔ مُکٹ، راجرشی آدی کا پرینام میرے من پر پربھاوکاری ہوا اور میں نے ویسی ہی چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھنے کا نشچے کیا۔''

ان کے راجنیتک، سماجک دھارمک وِچار کیسے ہیں اور وے کیسے کیسے بنے، اس وِے میں انھیں کے شبدوں میں جانکاری یہاں پرکاشت ہے۔

منشی پریم چند جی کے وِچار جاننے کے لیے ان سے کچھ پرشن پوچھے اور انھوں نے ان کا اُتّر دیے۔ میں نے سروپرتھم پوچھا کہ پرچلِت سماج وِوستھا کے وِشے میں انھیں کیا لگتا ہے؟ سماج سدھار کے لیے ان کی کیا سمّتی ہے؟ اتنا ہی نہیں، انھوں نے سووں پُنر وِواہ کیا ہے۔ دہیز کی پدھتی انھیں پسند نہیں تھی، پرنتو وِشیش مہتو کا وِشے وواہ وچھید ہی تھا۔ ہندو سماج میں وِواہ وچھید ہونا چاہیے یا نہیں، ایسا پوچھنے پر وہ بولے، ''ابھی تک اس وِشے پر میرا کوئی نشچت وِچار نہیں ہے، پر مجھے لگتا ہے کہ وِواہ وچھید کی پرِپاٹی سے سماج کا نقصان ہی اُدھک ہوگا۔ اس سے تھوڑے سے فائدے ہیں۔ نہیں ہے، ایسی بات نہیں ہے، پرنتو مجھے ایسا لگتا ہے کہ سب ملا کر ہانی کا ہی ادھک سمبھاونا ہے۔''

پرشن: ''پھر وِواہ وچھید کا پرشن آپ نے کسی اپنیاس میں اپستھت نہیں کا ہوگا؟''

اُتّر: ''نہیں، اس پرشن کو میں نے اسپرش نہیں کیا۔''

پرشن : ''پھر انتر جاتیہ وِواہ کے سمبندھ میں آپ کو کیا لگتا ہے؟''

اُتر : ''یہ پرشن چاہے جس کا ہو، سکھ پراپتی کا دھیہ لے کر چلتا ہے۔ پریم میں جاتی اور ورگ کی سیمائیں نہیں ہیں۔ اپنی جاتی میں یا سمبندھ میں وِواہ کرنا چاہیے، یہ سنکوچت روڑھی سماپت کر کے اس کا سوروپ وِیاپک بنایا جانا چاہیے...

پرشن : ''مگر منشی جی، آپ نے 'رنگ بھومی' میں راجپوت کا عیسائی یووتی سے وِواہ نہیں کروایا۔ کالپنک اپنیاسوں میں بھی انتر جاتیہ وِواہ کرانے کے لیے آپ تیار نہیں ہیں،

پھر......''

اُتر : ''ہاں، ٹھیک ہے۔ انتر جاتیہ وِواہ ہونا چاہیے، ایسا کہتے سے بھِنّ سنسکرتی کے لوگوں کا سماویش میں اس میں نہیں کرتا۔ ہندو اور عیسائی سنسکرتی کے دمپتی کبھی بھی سکھی نہیں ہوں گے، ایسا میرا وِشواس ہے۔ اسی لیے 'رنگ بھومی' میں راجپوت اور عیسائی کا وِواہ نہیں ہو سکا۔''

اس پر منشی جی سے میں نے کہا کہ میرے پرتیکچھ پریچے میں کئی ہندو عیسائی دمپتی سکھی ہیں۔ آپ کا مَت میں پکّا سمجھوں کیا؟

مگر پریم چند جی کو یہ وِچار جمع ہوا سا پرتیت نہیں ہوا۔ انھوں نے اس پرکار کے اداہرنوں کو اپواد سوروپ مانا اور سنسکرتی کی ڈھال آگے کی۔ وہ بولے، ''دونوں ہی سنسکرتیاں اس پرکار وِرودھی ہیں، تب ان کا سنیوگ سکھ دَے نہیں ہوگا۔''

اکے آگے اور واد وِواد کرنے کا کوئی کارن نہیں تھا۔

پرشن : ''آپ کے اپنیاسوں کے یا کہانیوں کے درشیہ اور پاتر کالپنک ہوتے ہیں یا واستوِک؟ آپ کے لیکھن کا ریہ کا ہیتو کیا ہے؟ آدرش جیون کو سمکھ رکھنے کے دھیہ ے آپ لکھتے ہیں یا نہیں؟''

اُتر : ''ویسے کہا جائے، تو پرتیک لیکھک دھیے وادی ہیں اور میں بھی اس نیم کے لیے اپواد نہیں ہوں۔ میرے لیکھن میں تیارتھ ریکھانکن بہت ہوگا، تو بھی آدرش جیون کے نمونے میں نے بہت ارے لیے ہیں۔''

پرشن : ''اچھا، تو پھر آپ کی آدرش سرشٹی میں ہمیں کیا دکھائی پڑے گا؟ سنیکت پرانت کا پرشن آپ نے اپنے اپنیاس کے کتھانکوں میں لیا ہوگا۔ زمیں دار اور اس کے کان پریواروں کا سمبندھ آپ کی سرشٹی میں کیسے ہوگا؟''

اُتر : ''آپ جس پرکار سے کہہ رہے ہیں، اس کے لیے انوسار میری شرشٹی میں زمیندار رہے گا ہی نہیں۔ دھیرے دھیرے اس کا ہردَے پریورتن کرکے کسان کے پیا ساری زمین کا ادھیکار آجائے گا۔ ایسا سماج نرمِت ہونا چاہیے، یہ میرا دھیہ اپنیاسوں میں سمَے سمَے پر وِیکت ہوا ہے۔ مہاتماجی جس پرکار سے کہتے ہیں، اس پرکار چینج آف ہارٹ پر میرا زور ہے۔ یہ میرا مت ہے کہ زبردستی سے کسی بھی پرکار کا پریورتن لانے کے بجائے پریم سے ہی یہ پریورتن ہونا چاہیے۔ اس لیے زمیندار سویہ ہی زمین پر سے اپنا ادھیکار چھوڑ دیں، تو پھر جھگڑا رہا کہاں ہے؟''

چینج آف ہارٹ، پریم کا سندیش آدی شبد سن کر میں نے منشی جی سے پوچھا، ''آپ تو گاندھی پکچھیہ بھاشا بولنے لگے۔ گاندھی جے کے سبھی سدّھانت آپ کو مانیہ ہیں کیا؟''

اس پر انھوں نے نکاراتمک اُتر دیا اور کربندی آندولن کس پرکار بھسم ہوگیا، اس کا ورنن ایک اپنیاس میں کیے جانے کی سوچنا دی، پرنتو اتنا ستیہ ہے کہ 'چینج آف ہارٹ'، گاندھی جی کی سیکھ انھیں مانیہ ہے۔ آگے وہ سُویَم بولے، ''میں کمیونسٹ ہوں، مگر میرا کمیونزم بالکل بھِنّ پرکار کا ہے۔''

پرشن، ''کمیونزم'' کہنے پر اس شبد کا ارتھ ایک ہی ہے۔ گاندھی جی کا کمیونزم، انگلینڈ کا کمیونزم، رشین کمیونزم۔ اس ایسے پرکار بالکل نہیں ہوسکتے۔ بلکہ پریم کا سندیش پھیلانے والے آپ زمینداروں کو بدلنے کی آشا رکھتے ہیں، ایسی استھتی میں آپ کو کمیونسٹ کیسے کہا جائے؟''

اُتر، ''کیوں بھلا میرا کمیونزم اس پرکار کا ہے؟ ہمارے سماج میں زمیندار، ساہوکار، یہ کسان کا سوشن کرنے والا سماج بالکل رہے گا ہی نہیں۔''

اس پرکار کے وِشے پر ادِھک چرچا کرنا اچھا نہیں، اس لیے ان کی شرشٹی میں کون کون پرانی رہیں گے، اس وِشے میں جگیاسا پرکٹ کی۔ وکیلوں کو پریم چند کے سنسار میں رہنے کے

لیے جگہ نہیں، برہمن بھی انھیں نروپیوگی لگتے ہیں۔ سنکیت پرانت میں پریم چند ایک برہمن دروہی لیکھک ہیں، اس پرکار انیک سناتی لیکھک انھیں پہچانتے ہیں۔ وکیل، برہمن، زمیندار، ساہوکار — ان سب کے پشچات ڈاکٹر کا نام اسی سندربھ میں آیا۔

منشی جی بولے، ''پرنتو ڈاکٹر ساج میں آوشیک ہے۔''

اس پر میں نے پوچھا، 'کیا آپ بچپن سے بیچ بیچ میں بیمار رہتے ہیں؟ ایسے انیک ورش نہیں بیتے ہوں گے، جب آپ کی طبیعت بالکل ٹھیک رہی ہوگی؟''

اس پرشن کا اُتر سویکاراتمک روپ میں ہی آیا۔ میں ذرا ہنسا، تب منشی جی نے پوچھا، ''کیوں، ہنس کیوں پڑے؟''

''نہیں،'' میں نے کہا، ''اس لیے آپ کی شرشٹی میں ڈاکٹروں کی آوشیکتا لگتی ہے۔'' اس پر بڑی زور کی ہنسی ہوئی۔

پہلے کا سوتر لے کر پونہ بات چیت آرمبھ ہوئی۔ میں نے کہا، ''پھر آپ نے اپنے اپنیاسوں میں وکیلوں اور برہمنوں کی خبر لی ہی ہوگی۔ مگر ڈاکٹروں پر آپ نے ٹیکا ٹپّنی نہیں کی ہوگی۔''

پریم چند بولے، ''ویسا کچھ نہیں۔ مگر ادھیکانش میں آپ جو کہتے ہیں، وہ ستیہ ہے۔ وکیل اور برہمن، ان کی میں نے اچھی خبر لی ہے، مگر کچھ پرسنگوں میں ڈاکٹروں کے دھن لوبھ پر بھی میں نے کٹا کچھ کیا ہے، پر بہت ہی کم۔ وکیلوں اور برہمنوں کے وینگ چتر میں نے بہت نکالے ہیں۔''

پرشن، ''اچھا، اب آپ کے اپنیاسوں کے کسانوں کے ورنن کس پرکار ہیں؟ ان کے چتر آپ نے کس پرکار کے نکالے ہیں؟''

اُتر: ''ایک وِشیش کارن میں نے کسانوں کے دوش نہیں دکھائے۔ ان کے درگنوں کا چترن میں نے جان بوجھ کر ٹال دیا ہے۔''

پرشن، ''معاف کیجیے گا، منشی جی، اس پرکار کی ملاقاتوں میں بہت سارے ویکتیک وِچار آجاتے ہیں، پر انھیں ٹالنا اسمبھو نہیں ہوتا۔ آپ کے اس اُتر سے کیا میں سمجھوں کہ آپ کا

بچپن اور یوواوستھا کا بہت سا سمے کسان کے گھر میں بیتا ہے۔ آپ بھی خود کیا کسان ہی تھے؟''

تھوڑا ہنس کر منشی جی بولے، ''میرا بچپن گاؤں میں ہی بیتا اور 1907 سے 1914 کے ساتھ ورشوں میں میں گاؤں گھومتا رہا، اس لیے مجھے کسانوں کے پرتی آتمیتا انوبھو ہوتی ہے۔ ان کے سکھ دُکھ میں میں سَم رَس ہوسکتا ہوں، اس کا بھی یہی کران ہے۔''

اس پر سے بات چیت بڑھی۔ منشی جی نے اپنا جنم استھان بنارس کے نزدیک سارناتھ کے پاس لمہی گاؤں بتلایا۔ سمبت 1937، عیسوی سن 1880 میں ان کا جنم ہوا تھا۔ 1904 میں وہ میٹرک ہوئے۔ اس کے بعد شکچھا وِبھاگ میں نوکری کرتے کرتے، 1916 میں کالج کی پڑھائی پرارمبھ کی، پھر 4-3 ورشوں میں وہ بی.اے. (الٰہ آباد) ہوئے اور اسہیوگ کے پہلے دور میں انھوں نے شکچھا وِبھاگ کی سرکاری نوکری چھوڑ دی۔ تب سے وہ لیکھن اُپجیولی ہیں۔ فی الحال ممبئی میں ان کے کتھانکوں پر فلمیں تیار ہونے کے کارن انھیں وہاں رہنا پڑتا ہے۔ 'سیوا سدن' اپنیاس پر فلم بن چکی ہے، 'مل مزدور' چالو ہے۔

اس پرکار کافی سمے تک ہنسی اور گپّوں کے بیچ یہ ملاقات چلتی رہی۔ مراٹھی اور ہندی ساہتیہ میں وِنمیہ ہونا چاہیے۔ آپ اور ہم سمے سمے پر ملتے رہیں، ایسا ہردے سے انھیں کہہ کر میں جانے کے لیے نکلا۔ پریم چند جی نے بھی ''پونہ اوشیہ آیئے'' تتھا 'مراٹھی واڑمے کے وِشے میں مجھے بہت ساری باتیں پوچھنی ہیں' کہہ کر اپنی سویکرتی پردان کی۔ انھوں نے اپنے سمپادن میں پرکاشِت ہونے والے 'ہنس' ماسِک کے مُکھ پرشٹھ پر مراٹھی لیکھک شری کولہٹکر کا پرکاشِت چتر دکھلاتے ہوئے مجھ سے بار بار ملنے کے لیے آگرہ کیا۔

حرف آخر

کلیات پریم چند کی چوبیس جلدوں میں پریم چند کی سبھی تصانیف (اردو، ہندی) پیش ہیں۔ کلیات پریم چند کی پیش کش میں نے دسمبر 1942 میں پریم چند کے بڑے لڑکے شری پت رائے کے سامنے رکھی تھی۔[1] کئی سال تک یہ کام نہیں ہوسکا۔ کئی ناشروں سے گفتگو ہوئی مگر کوئی تیار نہیں ہوا۔ چار سال قبل قومی کونسل کے ڈائرکٹر حمیداللہ بھٹ کو اس کام سے دلچسپی پیدا ہوئی اور انھوں نے شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اب یہ کام پورا ہوا ہے۔

پریم چند کی تصانیف اور ان کے بنیادی ماخذ کے بارے میں کچھ تفصیل ضروری ہے۔ ان کی صحافتی اورادبی زندگی کے ابتدائی دور کی داستان سو سال پرانی ہوگئی۔ جن رسائل میں ان کی تصانیف شائع ہوئی تھیں ان میں سے آج ایک بھی شائع نہیں ہوتیں۔ جہاں تک ان کے ناول اور افسانوں کا تعلق ہے یہ کہنا واجب ہوگا کہ پریم چند کی حیات میں ایک یا دو کتابوں کے علاوہ ان کی کسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع نہیں ہوا۔ اگر ہوا بھی تو اس کی اطلاع انھیں نہیں مل سکی۔ ان کتابوں کے اکثر ناشر لاہور کے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد ان سے تعلقات ممکن نہیں تھا یا وہ لوگ وہاں ہیں بھی نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پریم چند تصانیف کے لاہوری ایڈیشن آسانی سے دستیاب نہیں ہوئے۔

دوسری بات ہند پاک میں ذاتی کتب خانوں کی روایت بھی نہیں رہی۔ پبلک لائبریری کے رکھ رکھاؤ کا بھی تسلی بخش انتظام نہیں ہے۔ تین چار لائبریریوں کو چھوڑ کر (خدابخش اورینٹل لائبریری پٹنہ، رضا لائبریری رام پور، مولانا آزاد لائبریریاں بھوپال، ادارہ ادبیات حیدرآباد) پبلک لائبریریوں کا ملک میں قحط ہے اور جو لائبریری ہیں ان میں عام طور پر کتابوں کی حالت خستہ ہے۔ رسائل کی جو جلدیں ملتی ہیں ان میں کچھ شمارے غائب ہیں۔ تحقیقی کام میں کتنی دشواریاں پیش آتی ہیں آپ اندازہ کرسکتے ہیں۔

1۔ ڈاکٹر شیام سنگھ ششی کی کتاب ''پریم چند کے مدن گوپال'' (ہندی)، (ص 57) وبھا پرکاشن، الہ آباد۔ 2001 ، اس قسم کی یہ شاید پہلی کتاب ہے۔

مغربی ممالک میں ادیبوں کی کتنی عزت ہوتی ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کے کتابوں کے پہلے ایڈیشن کو بڑی محبت اور محنت سے محفوظ کیا جاتا ہے۔ مسودوں کی قیمت تو بیش بہا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ہمارے یہاں عموماً پہلا ایڈیشن ملتا ہی نہیں اور اگر ملتا ہے تو اہمیت نہیں دی جاتی۔ اور مسودوں کی کیفیت یہ ہے کہ مسودوں کو پریس والے ردی کے طور پر پھینک دیتے ہیں۔

دلی یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ 1920 کے بعد وجود میں آئیں۔ ہارڈنگ لائبریری (اب لالہ ہردیال لائبریری) پرانی لائبریری ہے، مگر اس میں قدیم رسالے کو محفوظ رکھنے کی کوئی روایت نہیں ہے۔ اور دلی میں 1947 تک ناشروں کا قحط تھا۔ 1930 سے پہلے پریم چند کی کوئی کتاب دلی سے شائع نہیں ہوئی۔ ان کی ابتدائی دور کی تصانیف بنارس، کانپور، لکھنؤ اور الہ آباد سے شائع ہوئیں۔ ان تصانیف کی کوئی خاص اہمیت بھی نہیں ہے۔ پریم چند کی اہم کتابیں (بازارحسن، چوگان ہستی، گوشہ عافیت، پردۂ مجاز، غبن، پریم بتیسی، پریم چالیسی، نرملا) لاہور سے شائع ہوئیں۔ جس میں گیلانی الیکٹرک پریس، لاجپت رائے اینڈ سنس اور دارالاشاعت اہم ہیں۔ پریم چند کی وفات کے کچھ عرصہ قبل اور بعد میں مکتبہ جامعہ، دہلی اور عصمت بک ڈپو، دہلی سے ان کی کتابیں شائع ہوئی تھیں۔ مکتبہ جامعہ نے میدان عمل، گئودان اور بیوہ اور عصمت بک ڈپو نے دودھ کی قیمت شائع کیں۔ پریم چند کی حیات میں ان کتابوں کا دوسرا ایڈیشن شائع نہیں ہوا۔

آزادی کے بعد لاجپت رائے اینڈ سنس لاہور چھوڑ کر دلی آبسے اور یہاں سے اشاعت کا کام شروع کیا۔ پردۂ مجاز اور غبن کی اشاعت یہیں سے ہوئی۔ بازار حسن، گوشۂ عافیت، چوگان ہستی اورافسانوں کے مجموعے پریم پچیسی، پریم بتیسی اور پریم چالیسی کو دلی کے ادارۂ فروغ اردو نے شائع کیا۔

پریم چند کی تصانیف کے بارے میں ہم سوچ سکتے ہیں کہ ان کی عبارت، زبان یا متن میں کوئی تبدیلی کیوں اور کیسے کرے گا۔ یہ تو ہوئی ان کی 1920 کے بعد کی تصانیف کی بات، جہاں تک ابتدائی تصانیف کا سوال ہے وہ تو ویسے بھی بحث مباحثہ کا موضوع رہی ہیں۔

خود پریم چند نے اپنے دوست امتیاز علی تاج کو 29.01.1921 کو لکھا تھا کہ ''ہم خرما و ہم ثواب'' اور ''کشنا'' ان کی غالبًا 1900 کی تصانیف تھیں۔ چھ سال بعد دیانرائن نگم کو مطلع

کیا کہ میری ادبی زندگی 1901 میں شروع ہوئی تھی اور 1902 میں ہندی ناول ''پریما'' شائع ہوا۔ فروری 1932 کے 'ہنس' میں لکھا کہ میرا پہلا ناول 1900 میں لکھا گیا اور یہ 1902 میں شائع ہوا۔ تین سال بعد اندر ناتھ مدان کو لکھا کہ میری پہلی کتاب 1902 میں شائع ہوئی۔ یہ بیانات خود پریم چند کے ہیں۔ اب ان کے ہم عصر احباب کے بیان دیکھیے۔ دیانرائن نگم نے لکھا ہے کہ پریم چند کا پہلا ناول ''ہم خرما و ہم ثواب'' 1907 میں شائع ہوا۔ بابو جگیشور ناتھ ورنے لکھا کہ پریم چند کا پہلا اردو ناول ''پرتاپ چندر'' تھا اور ہندی ناول ''پریما''۔ پیارے لال شاکر میرٹھی نے لکھا ہے کہ پریم چند کا پہلا اردو ناول ''ہم خرما و ہم ثواب'' اور ہندی میں ''پریما'' تھا جو 1905 میں شائع ہوا اور دوسرا ناول تھا ''کشنا'' جو 1908 میں شائع ہوا۔ 1936 میں حسام الدین غوری نے اپنے مقالے میں لکھا کہ پہلا ناول ''اسرارِ محبت'' تھا جو بنارس کے 'آواز خلق' میں شائع ہوا تھا۔ نہ تو پریم چند نے اور نہ ان کے کسی دوست نے اس ناول کا ذکر کیا اور نہ کہیں حوالہ دیا۔ اس کا حوالہ صرف حسام الدین غوری کی 'پریم لوگ' (1937) میں ملا، پتہ نہیں میں نے غوری کے بیان کو اتنا اہم کیوں قرار دیا۔ اس سلسلے میں میں خود بنارس جاکر اس رسالے کے دفتر کو مشکل سے تلاش کیا اور کچھ پرانی فائلیں بھی دیکھیں۔ مجھے 'اسرار محبت' کی کوئی قسط نہیں ملی۔ احتیاط کے طور پر میں اس رسالے کے دو چار شمارے لیتا آیا تاکہ بعد میں کوئی جانکاری مل سکے۔ میری کتاب ''پریم چند'' جو 1943 میں شائع ہوئی، اس میں اسے ہی پریم چند کی پہلی تصنیف قرار دیا۔ اگلے سال اندر ناتھ مدان نے میری ہی فہرست کو قبول کیا اور دوسرے محققوں نے بھی اس کتاب کو حوالہ دیا۔ حالانکہ بیس سال بعد معلوم ہوا کہ ناول اسرارِ محبت نہیں اسرارِ معابد تھا۔ 1959 میں امرت رائے میرے غریب خانے پر تشریف لائے اور اس سلسلے میں گفتگو ہوئی۔ انھوں نے کہا ''آوازۂ خلق'' نام کا کوئی اخبار بنارس سے نہیں نکلا، تب میں نے انھیں اخبار کا ایک شمارہ دیا۔ اسے لے کر وہ بنارس گئے اور ''آوازۂ خلق'' کی فائلیں دیکھیں تو انھیں ''اسرار معابد'' کی چار قسطیں مل گئیں مگر بیچ کی ایک نہ مل سکی۔ اس نامکمل ناول کو انھوں نے 1962 میں منگلا چرن میں ''دیوستھان رہسیہ'' کے عنوان سے شائع کردیا۔ زبان وہی رہنے دی، صرف عربی اور فارسی کے مشکل الفاظ کی جگہ ہندی کے الفاظ استعمال کیے۔

جب کلیات پریم چند پہلی جلد کی تیاری شروع ہوئی تو یہ سوچ کر کہ جو متن امرت رائے

نے حاصل کر ہندی میں پیش کیا اس کی نقل ان کے پاس ہوگی، میں نے امرت رائے کے فرزند الوک رائے کو خط لکھا مگر وہ بے سود۔ میں نے اس کے اردو متن کو تلاش کرنے کے لیے رحیل صدیقی کو ''آوازۂ خلق'' کے دفتر بنارس بھیجا۔ ان کے مطابق ''آوازۂ خلق'' کے دفتر کا اب کوئی پتہ نہیں اور اس ناول کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ اگر ''آوازۂ خلق'' کے شمارے ملتے بھی تو ان کی حالت بوسیدہ ہوتی۔ تب ''منگلاچرن'' کے متن کو ہی استعمال کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔ کلیات پریم چند جلد اول میں ''اسرار معابد'' کا متن وہی ہے جو ''منگلاچرن'' میں ہے۔ آئندہ کبھی اگر ''اسرار معابد'' کا اصل متن دستیاب ہوتا ہے تو اگلے ایڈیشن میں اس کی مدد لی جائے گی۔

پریم چند کے دوسرے ناول کے بارے میں میں نے اپنی 1943 کی کتاب پریم چند میں لکھا تھا کہ یہ شاید پرتاپ چندر کے عنوان سے شروع کی گئی تھی مگر شائع نہیں ہوئی۔ ممکن ہے کہ دس سال بعد اس مواد کو پریم چند نے جلوۂ ایثار میں ملا لیا ہو۔ ریم چند کا یہ معمول تھا کہ اگر کچھ لکھا ہوا مواد کام نہیں آیا تو اسے ایک طرف رکھ چھوڑا اور آگے چل کر اس کو استعمال کیا۔ جلوۂ ایثار 1912 میں شائع ہوا۔ آٹھ سال بعد جب اس کا ہندی ایڈیشن وردان کے عنوان سے تیار کررہے تھے تو کئی ابواب چھوڑ دیے۔ فقروں میں بھی تبدیلیاں کی گئیں۔ آگے چل کر بھی ایک پرانے ناول کو بدل کر بیوہ لکھا۔ اور اس کے ہندی ایڈیشن کو کاٹ چھانٹ کر پرتگیا کے عنوان سے شائع کیا۔ میدانِ عمل کے مسودہ میں ایک اور ناول کا مسودہ موجود ہے جو کبھی نہیں لکھا گیا۔ اس کے آٹھ ابواب کی تفصیل دی ہے، نواں خالی ہے، پرتاپ چندر شائع نہیں ہوا۔

میں نے لکھا تھا کہ پریم چند کا اگلا ناول ''کشنا'' تھا۔ میری کتاب کی اشاعت کے ایک سال بعد شیورانی دیوی نے ''پریم چند گھر میں'' میں بھی لکھا کہ پریم چند کا پہلا ناول ''کشنا'' تھا۔ یہ صحیح ہے کیوں کہ ''اسرارِ معابد'' صرف ''آواز خلق'' میں شائع ہوا۔ کتاب کی شکل میں (کلیات میں اشاعت سے قبل) کبھی شائع نہیں ہوا۔

پریم چند کی ''رنگ بھومی'' (چوگانِ ہستی) کے ناشر دلارے لال بھارگو نے ایک محقق کو بتلایا کہ پریم چند کا پہلا ناول شیاما تھا۔ یہ پریم چند کی پہلی بیوی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ شیاما بدصورت تھی۔ کھاتے پیتے گھر سے آئی تھی۔ اسے گہنوں کا شوق بھی تھا۔ انھیں کے نام پر پریم

چند نے پہلا ناول لکھا۔ اسے اشاعت کے لیے اودھ اخبار کو بھیجا گیا۔ یہ منظور نہیں ہوا۔ دوسرے رسالوں سے بھی واپس آیا۔ تب پریم چند نے اسے ایک طرف رکھ چھوڑا۔ اس ناول کی تھیم خواتین کا زیورات کے لیے جنون تھا۔ کچھ سال بعد پریم چند نے اسی ناول کو ''کشنا'' کے عنوان سے بنارس کے میڈیکل ہال پریس سے شائع کرایا۔ دلارے لال بھارگو کے مطابق 1925 میں اس ناول کی ایک کاپی بھی حاصل کی گئی۔ اردو سے ہندی ترجمہ بھی ہوا پھر پریم چند اور بھارگو نے فیصلہ کیا اس شکل میں اس کی اشاعت مناسب نہیں ہوگی۔ اسی کی تھیم کو لے کر ایک اور ناول لکھنا چاہیے۔ یہ ناول غبن تھا۔ اس کی بنیادی تھیم ''کشنا'' کی تھیم تھی۔ بعنوان ''خواتین کا زیورات کے لیے جنون۔''

''کشنا'' کا حوالہ سرکاری گزٹ میں بھی ملتا ہے۔ لندن کے برٹش میوزیم لائبریری کے Index میں اس کا ذکر ملتا ہے مگر یہ ناول دستیاب نہیں ہوسکا۔ امرت رائے نے ڈاکٹر قمر رئیس کو لکھا تھا ''کشنا'' کے نام کا کوئی ناول کبھی نہیں شائع ہوا۔ اس کا ''غبن'' سے کوئی تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ امرت رائے اپنی کتاب قلم کا سپاہی میں ایک بار بھی اس ناول کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ بعد کے ایک مضمون میں انھوں نے لکھا کہ انھیں بتلایا گیا ہے کہ ''کشنا'' نام کا ناول شاید لکھا گیا تھا۔ مگر اس پر روشنی نہیں ڈالی کہ کس نے بتلایا (شیورانی دیوی نے یا دلارے لال بھارگو نے)۔ پچاس سال قبل یہ سوال اٹھایا گیا تھا اس نام کا ناول تھا بھی یا نہیں۔ میں نے اپنی لٹریری بائیوگرافی (1964) میں زمانہ میں شائع اس ناول پر تبصرے کا متن دیا۔ پریم چند کے ایک شاگرد جناردن پرساد جھا دوج نے پریم چند کی حیات میں ایک کتاب پریم چند کی اپنیاس کلا کے نام سے لکھی تھی۔ میرے پاس دوسرا ایڈیشن ہے(1941)۔ اس میں لکھا ہے کہ جب پہلا ایڈیشن شائع ہوا تھا تو اس کی کاپی دوج نے پریم چند کو نذر کی تھی۔ ظاہر ہے دوج نے اس کے متن کی کوئی اصلاح نہیں کی۔ ورنہ دوسرے ایڈیشن میں کچھ تبدیلی ہوتی۔ بقول جناردھن پرساد جھا پریم چند نے انھیں بتایا کہ ''کشنا'' کی تھیم کو لے کر انھوں نے ''غبن'' کی تخلیق کی تھی۔ اس کا ذکر میری کتاب میں ہے۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ بھی ہے۔

پریم چند کے والد عجائب لال نے چھوٹے بھائی ادت نرائن کو اپنے ہی ڈاک محکمے میں نوکری دلوائی تھی۔ انھوں نے سرکاری روپے غبن کیا۔ سزا ہوئی، قید بھی ہوئی، بھائیوں نے

روپے اکٹھا کر کے سرکاری خزانے میں جمع کرا کے ادت نرائن کو رہا کرایا۔ مگر شرم کے مارے وہ گھر سے غائب ہوگئے اور کبھی اپنی شکل نہیں دکھائی۔ ان کا لڑکا بھی آوارہ ہوگیا اور گھر سے بھاگ گیا۔ ان دنوں بنارس کے لوگ کلکتہ ہی جاتے تھے۔ یہی ممکن ہے کہ وہ کلکتہ ہی چلے گئے ہوں۔

سرکاری رقم کا غبن غیر معمولی بات ہے۔ ادت نرائن کے سلسلہ میں ایسا لگتا ہے کہ زیورات کے لیے غبن کیے تھے۔ خواتین کے دل میں زیورات کے لیے جنون ہی ''کشنا'' کا موضوع ہے۔ بیس سال بعد جب پریم چند نے ''غبن'' کی تخلیق کی تو زیورات کے لیے جنون ہی اس کی تھیم تھی۔ کردار بھی گھر سے بھاگ کر کلکتہ گیا۔ اشاعت کے بعد بیس سالوں میں ملک بھی کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔ انقلابی تحریکوں کا زور پکڑ رہا تھا۔ پریم چند نے ان سب کو لپیٹ میں لے لیا۔ یہ سب باتیں ''غبن'' کا موضوع ہیں۔ ''غبن'' ناول سرسوتی پریس سے شائع ہوا اس کا اردو ترجمہ پریم چند نے خود کیا، اسے لاجپت رائے اینڈ سنس لاہور نے شائع کیا۔ ''غبن'' کا ''کشنا'' سے کیا تعلق تھا اس کا ذکر کسی محقق نے نہیں کیا ہے۔

''کشنا'' کے بعد پریم چند کا دوسرا ناول 'ہم خرما و ہم ثواب' تھا۔ اس کے دو ایڈیشن نکلے اوراس کے پرانے ایڈیشن دستیاب نہیں ہیں۔[1] میں نے خدا بخش لائبریری، پٹنہ کو لکھا۔ جواب میں انھوں نے مطلع کیا کہ کاپی بہت پرانی ہے اور اس کی زیراکس ممکن نہیں ہے۔ ایک کاپی رضا لائبریری، رام پور سے رحیل صدیقی لائے، کلیات کی جلد میں یہی متن استعمال کیا گیا ہے۔

پریم چند کا اگلا ناول 'جلوہ ایثار' تھا۔ اس کے پہلے ایڈیشن کی کاپی تو دستیاب نہیں ہوسکی مگر ایک ایڈیشن لاہور کے کتاب منزل نے شائع کیا تھا۔ اس پر سن اشاعت نہیں دیا گیا۔ یہ شاید پریم چند کی حیات میں شائع ہوا تھا۔ اسی کے متن کو شامل کیا گیا ہے۔

کلیات کی پہلی جلد میں مذکورہ بالا ناول نواب رائے کے نام سے شائع ہوئے تھے۔ نواب رائے کی طرح پریم چند بھی دھنپت رائے کا قلمی نام تھا۔ اس نام سے شائع ہونے والا پہلا ناول ''بازارِحسن'' تھا۔ اس کو لاہور کے دارالاشاعت نے شائع کیا۔ پہلے ایڈیشن کی کاپی تو

1۔ ایک کاپی میرے پاس تھی اور اس کاپی سے تیار کی گئی۔ مائیکروفلم 1961 میں نیشنل لائبریری میں موجود ہے مگر میری کاپی ایک صاحب لے گئے انھوں نے واپس نہیں کی۔

دستیاب نہیں ہوسکی۔ آزادی کے بعد دلی کے ایک ناشر حالی پبلشنگ ہاؤس نے اسے شائع کیا۔ اس پر سن اشاعت نہیں دیا گیا مگر ایڈیشن سن پچاس سے قبل کا ہے۔ اسی کے متن کو کلیات کی جلد نمبر 2 میں شامل کیا گیا ہے۔

''بازارِحسن'' کے بعد پریم چند کا اگلا ناول ''گوشہ عافیت'' تھا مگر یہ چوگان ہستی کے بعد شائع ہوا۔ ''گوشہ عافیت'' کو بھی ''بازارِحسن'' کے ناشر دارالاشاعت، لاہور نے شائع کیا۔ آزادی کے بعد اسے دلی کے ناشر ادارۂ فروغ اردو نے شائع کیا۔ اس میں سن اشاعت تو نہیں دیا گیا مگر نسخہ پچاس سال سے زیادہ پرانا ہے۔

''چوگان ہستی'' جس کی تخلیق ''گوشہ عافیت'' کے بعد ہوئی تھی، اردو میں لکھا گیا تھا۔ مگر اس کی اشاعت پہلے ہندی میں ''رنگ بھومی'' کے عنوان سے ہوئی۔ ناول بہت مقبول ہوا۔ پریم چند کا خیال تھا کہ یہ ان کا سب سے بہترین ناول ہے، کیوں کہ ترجمہ کرتے وقت پریم چند نے بہت سی تبدیلیاں کردی ہیں اور کچھ نئے باب بھی جوڑ دیے ہیں۔ اس لیے اردو میں ترجمہ کروانا پڑا اور ترجمہ سحر ہتگامی نے کیا۔ گوشۂ عافیت کی اشاعت ادارۂ فروغ اردو دہلی نے کی۔ سن اشاعت درج نہیں ہے مگر جو نسخہ استعمال کیا گیا ہے وہ پچاس سال سے زیادہ قدیم ہے۔ ''چوگان ہستی'' کو ادبی مرکز نے دو حصوں میں شائع کیا۔ دونوں متن کو کلیات جلد 3 اور 4 میں شامل کیا گیا ہے۔

''چوگان ہستی'' کے بعد ''پردۂ مجاز'' شائع ہوا پھر ''غبن'' نکلا دونوں ناول لاجپت اینڈ سنس لاہور نے شائع کیے۔ آزادی کے بعد اسی ناشر نے دلی سے شائع کیا۔ دلی ایڈیشن شامل کیا گیا ہے۔

پریم چند کا اگلا ناول ''نرملا'' تھا۔ یہ پہلے ہندی ماہنامہ ''چاند'' میں شائع ہوا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ لاہور کے گیلانی پریس نے شائع کیا۔ آزادی کے بعد اسے دلی سے پنجاب پیپرز نے شائع کیا۔ اسی کے متن کو غبن کے ساتھ کلیات جلد 6 میں شائع کیا گیا ہے۔

اگلے دو ناول ''میدان عمل'' اور ''گئودان'' دلی سے مکتبہ جامعہ کے اہتمام میں شائع ہوئے۔ میدان عمل تو پریم چند کی وفات کے کچھ ہی دن قبل شائع ہوا۔ ''گئودان'' وفات کے تین سال بعد شائع ہوا۔ ''کرم بھومی'' سے اردو میں ''میدان عمل'' کا ترجمہ خود پریم چند کیا۔ اس کا چوتھا ایڈیشن 1960 میں نکلا۔ اس کا آٹھواں ایڈیشن کلیات کی جلد 7 میں شائع کیا گیا۔

''گئودان'' کا ترجمہ سحر ہنگامی نے کیا۔ ''گئودان'' کو جلد 8 میں شامل کیا گیا ہے۔ پریم چند کا آخری ناول ''منگل سوتر'' ہے۔ اسے انھوں نے بستر مرگ پر قلم بند کیا تھا۔ پہلے ناول ''اسرار معابد'' کی طرح یہ ناول بھی نامکمل ہے۔ پریم چند کے بڑے بیٹے شری پت رائے کے مطابق یہ ناول پریم چند کا سوانحی ناول ہے۔ اس کا اہم کردار ایک ادیب ہے۔ اس کے دو بیٹے ہیں اور ایک بیٹی ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ چار ابواب کے ساتھ پلاٹ ختم ہوجاتا ہے۔ کیونکہ پانچوں باب میں صرف سب کردار اکٹھے ہونے تھے۔ یہ ناول کے پلاٹ کا اہم حصہ نہیں ہے۔ اس لیے ''منگل سوتر'' کا جو متن دستیاب ہے اسے مکمل سمجھا جائے۔[1] حالانکہ شری پت رائے نے اس ناول کو شائع نہیں کیا۔ اس ناول کا ذکر رسائل میں ہوتا رہتا تھا اور میں نے اپنی کتاب پریم چند (1943) میں اس کا ذکر کیا تھا۔ گو تب یہ ناول شائع نہیں ہوا تھا۔ اس کی اشاعت تو پانچ سال بعد امرت رائے کے ہنس پرکاشن سے ہوئی۔ ہندستان میں ابھی تک اس کا اردو ترجمہ نہیں شائع ہوا مگر پاکستان میں ڈاکٹر حسن منظر نے اس کا اردو ترجمہ انجمن ترقی اردو کراچی سے شائع کرایا ہے۔ کلیات کی آٹھویں جلد میں ہنس پرکاشن کے ہندی متن کو صرف رسم خط بدل کر اردو میں شائع کیا گیا ہے۔

پریم چند کے ناولوں کے بارے میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ پریم چند خاکہ انگریزی میں لکھتے تھے۔ ''چوگان ہستی'' (رنگ بھومی) کا خاکہ انگریزی میں لکھا گیا۔ ''کایا کلپ'' (پردۂ مجاز) ''میدان عمل''، ''گئودان'' کے خاکے بھی انگریزی میں لکھے گئے۔ ''نرملا''

1۔ اس ناول کے بارے میں مجھے مزید جانکاری ایک مضمون سے ملی، جسے الہ آباد یونیورسٹی کے ہندی میگزین شمارہ 35 (1979-8) میں شائع کیا گیا۔ اس کے مدیر تھے ڈاکٹر موہن اوستھی اور مضمون ڈاکٹر منوہر گوپال بھارگو کا تھا۔ ڈاکٹر بھارگو کو لکھنؤ کے ناشر دلارے لال بھارگو نے بتلایا تھا کہ پریم چند کے فروری 1932 میں شائع سوانحی ''جیون سار'' کی اشاعت کے بعد انھوں نے پریم چند کو اپنا سوانحی ناول لکھنے کی پیش کی۔ پانچ ابواب کا خاکہ تیار کیا گیا پھر پریم چند مصروف ہوگئے۔ کبھی بنارس، کبھی ممبئی۔ 1936 میں بستر مرگ پر انھوں نے اس پر کام شروع کیا۔ چار ابواب تیار ہوگئے۔ آخری باب کو انھوں نے کسی دوست کو کاغذ کے پرزوں پر لکھوایا۔ ڈاکٹر بھارگو نے لکھا ہے کہ انھوں نے ان کاغذ کے پرزوں کو دلارے لال بھارگو کے پاس خود دیکھا ہے۔ پھر کیا ہوا کچھ پتہ نہیں چلا۔ دلارے لال بھارگو تو اس دنیا میں نہیں رہے۔

اور ''غبن'' کے خاکے انگریزی میں نہیں ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ''غبن'' تو ان کے ابتدائی ناول ''کشنا'' کی تقسیم پر لکھا گیا تھا اور ''نرملا'' چاند میں مسلسل قسط وار شائع ہوا تھا۔ کچھ ناولوں کے خاکے پیش کیے جاتے ہیں۔

چوگانِ ہستی کا خاکہ

I. Prabhu Sewak turns a staunch nationalist. Extremely bold and seperate, revolutionary tendenocies.

II. Vinay and Sofia living quietly in a cottage in hilly village. Vinay is chivalrous and full of love. He is devoted to Sofia. As he has again to be united. She does not consent, once or twice when he approaches her. She snubs him. She says she will not have him unless given by the Rani and Kuar. (All of as sudd-----) Then they read in newspapers the changing attitude of Kuar Sahib. The moment is at stake. Nobody to take care. (Vinay .....) Sofia then comes out with the intention of preserving the moment and if possible to win over the Rani.

III. She comes directly to Rani. A Scene. Rāni obdurate, turns his face. She pleading- At last Rani has brought accord. Vinay is (glad.......) beyond himself with joy to receive her letter of welcome, written by the Rani.

IV. Mr. John Sewak has succeeded in acquiring the land. The strugle.

V. Tahir Ally comes out of his jail and is broken hearted to see the plight of his family. (He goes to Mahir Ali-......) Mahir does not come even to see him. He falls ill and dies of grief.

VI. Ghisu, Mithua and Vidayadhar all turn bad characters. They one night try to violate Radhia. She raises an alarm. Surdas at once arrives on the spot and takes hold of two of them. Mithua makes his escape. (.....) Surdas's true evidence. Bajrangi glad to hear the judgement, but Jagdhar is enraged and vows revenge. Indradatta now takes the field. (Surdas does not continue .....).

VII. Prabhu Sewak and John Sewak United. The scheme is abolished. The mill is running. P.Das goes away again to Europe. While

J.Sewak is grinding his wheel with desperate and pitiable patiance.

VIII. Nayak Ram dreams a drama that Vinay has jumped and he jumps after him. He broke his knee part, takes much time to restore. Then he becomes to his home. Sees, everything in ruins.

IX. The struggle begins. In the meantime marriage between Sofia and Vinay is also settled. Dates are fixed. Vinay now seeks excuses to keep away from the struggle for fear of imprisionment and death. Sophia is glad to have him by her side (but she .....) She tells him to remain with Surdas. She does not quite like Vinay's cowardice All volunteers are ready to join in the struggle but Vinay's cold heartedness. On the last day there.... in a stir, some violence is feared. Police and Military came in the town and spot. The next day she herself goes the scene. Vinay accompanies her. They watch the scene. People ard flocking, brick-bats are thrown. Vinay tries to conduct Sophia safely home. Firing is ordered. She goes Surdas falling on the ground. He is overcome by emotion and runs towards her. Vinay is ashamed. He comes forward to pacify the mob but is hooted. In this agony, at his unpopularity,at his weakness, at his moral frustration he is over come by a sudden grief and remorse. He stabs himself to death.

Police and military succeeded in driving away the mob.

X. Sophia leads Surdas to Hospital and attends upon him. Daily thousands come to have a look of Surdas. Bajrangi and others come. Rani also comes and showers him with flowers. (Six .....) Ten days pass. Surdas is happy and smiling. He never complains. Then Sophia all of a sudden comes to know of Vinay's self-sacrifice. She is much unnerved. She tries to respect at her whole life. When Surdas passes away the whole town accompanied. Raja are the only defaulters. Surdas returns to Rani and is warmly received Rani drops a tear (but never loses heart) and weary of life, hating this life- losing her son, losing her daughter, losing her husband, Rani becomes mad. Her brain is turned. She leaves home and is never heard of Sophia.....

Chakradhar remains poor.

Manorama is an ideal house wife and love. She makes Chakradhar happy in whatever she gets, always happy and cheerful. Chakradhar's character very high. He dovotes himself to service and uplift of his brethren. Rani pays money for Chakradhar.

Ahalya dies in the end. The Raja forsakes his Raj and draws a deed of which he makes Chakradhar a seceratry.

Ahalya secretly in love with Chakaradhar, but never utters a single sentence. Chakradhar too is ardent lover of Rani but neyer vent to his feelings.

In the end it turns out that Manorma was daughter of Thakur Hari Sewak from Loungi. They had cast her away and entrusted her to the care of a man and had been paying monthly for it.

23rd Chapter- Chakradhar proposes marriage his partner.

Arrival at Agra. Jashodha Nandan's house is broken into and he is murdered. (Manorama.....) Ahalya spirited away. (Chakradhar gets the news and hurries to Agra. He interviews Khwaja Sahib.....) for a week- no trace. Then Khwaja Sahib takes upon himself to search her out. At last he finds her and keeps her in ....

24th Chapter- Chakradhar gets the news and proceeds to Agra. Khwaja Sahib hands Ahalya over to him. Ahalya ready to kill herself, but Chakradhar marries her then and there.

25th Chapter- Their married life, want and poverty. She is a good house-wife and manages to live with comforts in whatever she gets. A son is born to her.

26th Chapter- Manorama agony, she invites her and she is recognised by the Raja.

27th Chapter- Ahalya's choice and Chakradhar's parting with her.

28th Chapter- Manorama sister to Ahalya. Ahalya pines and is about death. Raja is murdered.

29th Chapter- Chakradhar now comes and lives with Ahalya.

Gradually his interest is awakened in the state affairs. Manorama is jealous. Chakradhar begins to cut her explenditure, Manorama grudgs this.

30th Chapter- Manorama is furious. She conspires to murder. Chakradhar at the hour repents and commit suicide.

31st Chapter- The whole state is opposed to Chakradhar only to his fairness and freedom from bias. Hindu-Mohd. quarrels grow- Guru Sewak heads a Hindu riots, Chakradhar leaves the state in disguest and works silently for the cause of untly with unflaging zeal and stubborn hope.

32nd Chapter- Rani Deva Priya is widowed and remains widow 20 years. Then she is approached by a young prince. She is brought back to Jagadish Nagar.

Ideas

Trials and troubles mould the human character, they make heroes of men. Power and authority is the curse of humanity. Even the highest fall a victim to power and lose their character. Chakradhar rose morally while struggling for existence. His fall began when he came in power.

Rani is rejuvenated. She forgets her previous birth, who she was, how she got rejuvenation. Raj Kumar begins to decline from the same day. Rani afraid to approach him. Struggle. In the end Rani loses her balance. Passion overcomes her. She approaches Raj Kumar. A love scene. The next day Raj Kumar, seized by a fatal sickness, dies. Rani again sinks into self-gratification. She builds her Rangshala. She again leads a life of flippancy.

Raj Kumar takes his birth in Kuar Vishal Singh's house from Ahalya. When the boy grows into a lad, he starts a tour through India. He reaches Telkari, sees the Rani, memories begin to revive. Rani making approaches.

Bibhuda is yagyanarain- crafty, parsimonious, selfish, but serviceful, tactful.

Vishal Singh is Bechan- Lal-simple, honest, wanting in moral

courage.

Kalyan Singh is Chandrika Prasad- sneaking in the presence of superiors, cannot manage household, suspicious.

Chakradhar is D.Prasad- very shy, learned, principled.

The new Rani's father is Nana-perfectly selfish, dishonest, unscrupulous, drunkard, hopes to build his fortune with his daughter.

Chakradhar's father-flatterer, kind generous, mild, simple-hearted.

The Pandit (Vibhuda Prasad) and his wife both turn Hindu Sangathankars.

Bibhuda is a Persian-readman. Knows very little Sanskrit. His dialouge must be of an educated mussalman.

Chakradhar always seeks God in man.

Chakradhar comes out from jail a nobler and purer. All the extreme bestiality of human nature dawns upon him and his sense of duty is awakened. These as it was never before.

The story shuld be put in Lucknow. Necessary changes should be made.

The Raja has three wives. He inherits the gaddi. He falls in mad love with Ahilya. Ahalya knows him (She knows how dull and pitiable his life is. She is also fond of riches. She marries him for money. But the Raja and sincere and everpowering tendencies gains her heart. The mutual love arises. The Raja is so immeresed in love that all considerations are vanished from his heart, wealth even son. He no longer pines for a son.

She is faithful to the Raja. Whatever she does, Raja approves. The Rani to come to live with her, although at first they hated her and thought she was coming to exploit the Raja.

اگلے ناول کرم بھومی (میدان عمل) کا خاکہ بھی انگریزی میں ہے۔ یہ پیش ہے :

1. Amarkant awakened. The whole outlook is transformed. His past life reviewed- His up at once.
2. While working scene Amar finds Sakina and Munni both there and a scene of humiliation oand shame comes upon him. He falls at their feet and begs forgiveness.....

(i) Scene be fine- the municipal resoulution passed (Presioners set free......)

(ii) Governer's Visit of inquiry- His decision.

(iii) Amarkant awakened. The whole outlook transformed. While working Scene- orders for relase arrive just them. Jubilation.

(iv) All proceed to Hardwar. Naina and Rein and all the others come from Benares to welcome.

Sukhada forms her ministry. Amar co-operates whole heartedly. No ill will. They work together, talk together, form plans together, but their privateselves are apart with one another. Mani devotes herself to the personal comforts of Amar.

1. Hori has two brothers Shobha and Hira. Bhola has two sons Kamta and Jangi and one daughter Jhunia, who is a widow. Hori has one son Gobar and two daughters Sona and Rupa. His wife is Jhinki.
2. Shobha is widow. Hira hardworing but rash and short temper.
3. Hori purchases the cow. The whole village comes to have a look. Shobha is indifferent but Hira grows jealous. He poisons the cow. Hori seen it but cannot report him to the police.
4. The whole village goes to the Zamindar to clebrate Dasahara festival. Hori sells his store of barely. He could not hide his face. He wants to increase his territory. Zamindar must be impressed. The party goes to Zamindar. There is a drama. A show. The Zamindar is humane and generuos. He tells his story. He is also a member of Distt. Board. There are officers to feast and please, endowments to pay. The tenants come satisfied. Jhunia also comes to the show. Gobar proposes. He is not married and marriage means money. Jhunia surrenders herself.
5. Jhunia gets a (son.......) daughter, Panchayat. Gobar goes away to Calcutta. Panchayat extorts heavy punishment. For redemption (the.....) Hori has to start on pilgrimage. His hereditary property is

mortgaged. He is unable to pay the interest. Gobar does not return. Then Sona is to be married. There is no money, no property. He is a day labourer now. The girls also go to work with him. The whole mentality is changed.

6. The property is to be redeemed. The girl is married. The property comes into possession. Then a quarrel with Hori's brothers for Mahua. Hori is beaten. He fights a suit against brothers. The brothers are jailed. Hori enjoys the scene, but in the end takes care of his family.

7. Bhola's sons separate. Jhunia is dead. His only child. Bhola begins to rear the child. He has surrendered his share to his sons and become a Sadhu. The Zamindar takes care of the daughter.

8. Zamindar's eldest son is a vakil and a member of council, and also a muncipal servant and a nationlist leader. He should be exposed for his hypocrisy, the younger son is a poet and an auther with some impulse. He marries Jhunia's daughter. His family out casts him. He is a social worker and is honoured by the tenants.

9. Hori's younger daughter is sold off. The crops have not failed but they brought only enough for rent. There were cattle to feed, his own mouth to feed. What could he do? He was weak. Jhinki was labouring hard to pull on. Then the old man sells off the girl, without knowledge of his wife. He manufactures a Tale to hide his shame.

10. Gobar returns a sobar man. Tell something of his sojourn abroad. Jhunia has been forgotten, but when he has made good deal by doubtful means, his spiritual awakening takes place. He hurries.His father is on death bed, but he would not receive him back. Gobar is reunited to Jhunia.

11. Bhola has brought a widow his wife much younger. He comes to live with Hori. A hut is built for him. He has taken to thieving as he can get no work. Jangi is attracted to this woman and secretly the meet. Then one day the woman gives him up and goes to Jangi shamelessly for years. At last one day the wife scolds him for er and

beats him with a broom. This finishes Bhola.

12. Hori drags on a weary and wretched existence. Gobar helps him indirectly through his mother who faithfully serves the husband. A last his time comes and he expires. Gobar gives him a gaudan.

    Introduce- agricultural exhibitions, uplift, literary movement, sugar mills, co-operation.

'منگل سوتر' کا خاکہ انگریزی میں دستیاب نہیں ہے مگر بقول ڈاکٹر کمل کشور گوینکا امرت رائے نے انھیں بتلایا تھا کہ انگریزی خاکہ ان کے پاس تھا مگر یہ ضائع ہوگیا۔ 'چوگان ہستی'، 'پردۂ مجاز'، 'میدان عمل' اور 'گئودان' کے جو خاکے پیش کیے گئے ہیں ان کی بنا پر وہ پہلے مسودے ہیں جو دستیاب ہیں۔ انھیں کے مختلف حصوں میں خاکوں کے جز ہیں، کہیں کہیں ان اشخاص کے نام بھی دیے گئے ہیں جن کی بنا پر کرداروں کی تخلیق کی گئی۔ پریم چند کے کاغذات میں ایک اور ناول کا خاکہ بھی ملا ہے جس کے آٹھ ابواب کی تفصیل دی گئی ہے۔ نواں خالی ہے۔ خاکہ پیش ہے:

"Two aspects- an unhappy married life due to different in outlook and mentality. There is enthusiasm, sacrifice, devotion, but also a longing, a burning for love, the heart is not awakened, there is no spititual awakenening, wife's sacrifices create love, spiritual awakening also comes; then whole outlook changed; the whole atmosphere is purified. A young punished for transportation in a political murder trial. His betrothed and father, both are transformed; when he returns, he find them ready to welcome him; all fear vanished.

The details should be worked out-- 160 passage- firtst chapter--- the trial and punishment; price.12...

Second, the betrothed girl was present at the court; her fiancess farewell letter.

Third, the father subscribed secretly to the fund of the political party and is ready to help in every way.

Fourth, the secret is divalged by one of the party; the police threaten the father, but he is adamant; his daughter in 1 encourages him.

Fifth, the daughter-in-law attends a political meeting and is vociferously cheered; she is elected president of the Congress Committee;

Sixth, Lahore Congress; she attends and delivers a speech at Lahore; the resolution for independence; she supports it in an excellent speech;

Seventh, the ratification; her efforts to form a lady workers union successful;

Eight, picketing by the lady and arrest.

کچھ محققین نے اپنی تصانیف میں پریم چند کے مسودوں کا ذکر کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ناولوں کے مسودے موجود ہیں۔ اس سلسلے میں کچھ ضروری باتوں کا ذکر واجب ہوگا۔ ہمارے یہاں یہ روایت رہی ہے کہ مسودہ آیا، دیکھا، ضرورت ہوئی تو ترمیم کی اور کاتب کو دے دیا۔ کاتب نے کتابت کی، پروف دیکھا گیا اور چھپائی کے لیے بھیج دیا پھر مسودہ ردی کی ٹوکری میں۔ یہ حشر تو اس آخری ناول کا ہے جو شائع کیا گیا۔ ہندی کے ناشروں کا حال بھی مختلف نہیں ہے۔ یہ غیر ممکن ہے کہ جس مسودے سے ناول شائع ہوئے ان کے اوریجنل کہیں محفوظ ہوں۔ مسودے تو کیا لوگوں کے پرائیویٹ خطوط تک ہماری رسائی نہیں ہے۔ صرف بنارس کا رام رتن پستک بھون ہے۔ گلی نندن ساہو ٹھیٹھرا بازار، چوک، بنارس، جن کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس 'چوگان ہستی'، 'گوشہ عافیت'، 'کایا کلپ' اور 'کرم بھومی' کے مسودے محفوظ ہیں۔

'بازار حسن' کے بعد اردو میں شائع ہونے والا پہلا ناول 'چوگان ہستی' ہے۔ یہ پریم چند کا اردو میں لکھا گیا آخری ناول ہے۔ جہاں اردو میں ناشروں کا قحط تھا وہاں ہندی میں پریم چند کی کتابوں کی مانگ تھی۔ اس لیے پریم چند نے اسے ہندی میں لکھا اور یہ 'رنگ بھومی' کے نام سے شائع ہوا۔ یہ ناول بہت مقبول ہوا۔ تب پریم چند نے اس کا ترجمہ اردو میں کروایا۔ 'چوگان ہستی' کے اردو کے پہلے ایڈیشن میں پریم چند نے لکھا کہ ''اگرچہ 'رنگ بھومی' پہلے اردو میں لکھا گیا تھا، مگر اس کا اردو ایڈیشن ہندی ایڈیشن سے شائع ہونے کے تیسرے سال بعد شائع ہو رہا ہے۔ ہندی ایڈیشن تیار کرتے وقت اردو مسودے میں ترمیم و اضافہ ہوا اور کئی ابواب ہندی میں اور بڑھائے گئے تھے کہ انھیں اردو میں شامل کرنا ضروری تھا۔ اس لیے سارا مسودہ ہندی مسودے کے مطابق کر کے دوبارہ لکھنا پڑا۔ میں اپنے کرم فرما اقبال منشی سحر ہنگامی کا بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے اس بار کو اپنے ذمے لیا اور کتاب اس صورت میں تیار

ہوئی جو آج آپ کے سامنے حاضر ہے۔ اگر انھوں نے دست عنایت نہ بڑھایا ہوتا تو شاید ابھی تک اس کتاب کو بہت عرصے تک میری فرصت کا انتظار کرنا پڑتا۔''

رام رتن پستک بھون میں رکھے 'چوگان ہستی' کا مسودہ شاید سحر ہتگامی کے ہاتھ کا ہوگا۔ پریم چند نے صرف نظرثانی کی ہوگی۔ پہلے صفحہ پر ''اوم'' لفظ لکھا ہے۔ بائیں حاشیے میں لکھا ہے Commenced on 1-10-22 اختتام پر لکھا ہے اپریل 1924۔ 'چوگان ہستی' کا مسودہ نیلی سیاہی میں ہے۔ آخری کئی صفحات کالی سیاہی میں ہیں۔ جون جولائی 1925 کی تاریخیں بھی ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے 116 Pages ہندی مسودہ Completed 12-8-24 ایک اور جگہ لکھا ہے۔

اسی مسودے کے آخر میں 'شطرنج کے کھلاڑی' کا مسودہ بھی ہے جب سحر ہتگامی اردو مسودہ تیار کر رہے تھے پریم چند اپنے اگلے ناول کایاکلپ میں مصروف تھے۔ اس لیے پریم آشرم کا ترجمہ بھی سحر ہتگامی سے کروایا اور اسے دارالاشاعت لاہور سے گوشۂ عافیت کے عنوان سے شائع کرایا۔

گوشۂ عافیت کے کچھ حصے رام رتن بھون میں ہیں۔ 15ویں باب کے چار صفحے اور انیسویں باب کے آخری صفحے سے لے کر 38ویں باب کے صفحے یہاں ہیں۔ ناول کی لکھاوٹ نیلی سیاہی میں ہے۔ 34ویں باب کے آخر میں کالی سیاہی میں، 8-5-25 تاریخ لکھی ہے اور 38 ویں باب کے اختتام پر 24-10-25 تاریخ لکھی ہے۔

افسانوی مجموعے

پریم چند کو جتنی شہرت ناول سے ملی اس سے کہیں زیادہ شہرت افسانوں سے ملی۔ اردو میں افسانہ نگاری کا ابتدائی دور تھا اور پریم چند افسانے کے بانی ٹھہرے۔ بقول پریم چند ''ان کا پہلا افسانہ ''دنیا کا سب سے انمول رتن'' تھا'' اور یہ 1907 میں شائع ہوا۔ تب سے لے کر تیس سالوں میں پریم چند نے اردو اور ہندی میں تین سو افسانے لکھے جو ان کے قلمی نام نواب رائے، د۔ر (دھنپت رائے) افسانہ کہن اور پریم چند کے نام سے شائع ہوئے۔ افسانہ کی تخلیق کتنی مشکل یا آسان ہے اس ایک خط سے ظاہر ہوتی ہے جو پریم چند نے دیانرائن کو 1917 میں لکھا تھا ''ایک وقت میں ایک ہی کام ہوسکتا ہے یاتو ناول لکھوں یا کہانیاں۔ ناول

میں ایک ہی پلاٹ کافی ہے اور اس کا لکھنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا ہر ماہ دو تین کہانیاں، کیونکہ دماغ ایک ساتھ دو مختلف کام نہیں سنبھال سکتا۔'' پریم چند کے افسانوں کے پہلے مجموعے ''سوزوطن'' میں پانچ قصے تھے۔ انگریز کلکٹر نے انھیں باغی قرار دیا اور ان کی جلدیں ضبط کرلیں۔ یہ مجموعہ نواب رائے کے قلمی نام سے شائع ہوا تھا۔ اب نیا نام پریم چند رکھا۔ بیس سال بعد 'سوز وطن' کے افسانوں کو 'سیردرویش' کے ساتھ ملا کر گیلانی الکٹرک پریس لاہور نے شائع کیا۔ اسی نسخہ سے کلیات کی نویں جلد میں انھیں پیش کیا گیا ہے۔

پریم چند کا اگلا مجموعہ 'پریم پچیسی' تھا جو زمانہ پریس کانپور سے دو حصوں میں شائع ہوا۔ ان میں جو افسانے شامل تھے وہ زمانہ، کہکشاں اور تہذیب نسواں میں شائع ہوئے تھے۔ پریم چند کا تیسرا افسانوی مجموعہ 'پریم بتیسی' تھا۔ اس کا پہلا حصہ زمانہ پریس کانپور سے اور دوسرا حصہ امتیاز علی تاج کے دارالاشاعت لاہور سے شائع ہوا۔ اس میں زمانہ، کہکشاں، تہذیب نسواں کے افسانوں کے علاوہ صبح امید، ادیب میں شائع شدہ افسانے بھی شامل ہیں۔ 'پریم پچیسی' اور 'پریم بتیسی' کے پہلے ایڈیشن کی کاپیاں اب آسانی سے دستیاب نہیں ہیں۔ آزادی کے بعد ادارۂ فروغ اردو نے انھیں شائع کیا۔ (حالانکہ 'پریم بتیسی' کے دوحصوں میں بتیس کے بجائے صرف اکتیس افسانے ہیں) ایک افسانہ چھوٹ گیا ہے۔ کلیات میں ادارۂ فروغ اردو کی شائع کی ہوئی کتابوں کی مدد لی گئی ہے۔

پریم چند کے افسانے اردو میں مقبول تھے مگر کتابی صورت میں ان کی بکری تسلی بخش نہیں تھی حالانکہ جب یہی افسانے ہندی میں شائع ہوئے تو دھوم مچ گئی اور دھڑادھڑ بکنے لگے۔ یہ غیرمعمولی شہرت اتنی زبردست تھی کہ جہاں ان کے ناول 'بازارحسن' کے لیے کوئی ناشر تیار نہیں تھا۔ وہاں اسے ہندی میں (سیواسدن) اتنی شہرت ملی کہ 'بازارحسن' کی اشاعت کے لیے تحریک کا کام کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہندی میں پریم چند کے افسانوی مجموعے کی اتنی مانگ تھی کہ لوگوں کی بھوک مٹتی ہی نہیں تھی۔ جہاں 'پریم بتیسی' کی اشاعت کے بعد آٹھ سال تک اردو میں ایک مجموعہ بھی شائع نہیں ہوا۔ وہاں اس عرصہ میں ہندی میں تیرہ مجموعے شائع ہوئے۔ (نوندھی، پریم پورنما، پریم پچیسی، نمک کا داروغہ، لال فیتہ، ٹالسٹائے کی کہانیاں، پریم پرسون، بینک کا دیوالہ، پریم دوادشی، پریم پرتما، پریم پرمود، شانتی، اگنی سمادھی وغیرہ)۔

1928 میں پریم چند نے اپنے خرچ پر نگار پریس لکھنؤ سے 'خاک پروانہ' کی اشاعت

کی۔ اس مجموعے میں چودہ افسانے تھے۔ کچھ سال بعد گیلانی پریس لاہور نے بھی 'خاک پروانہ' کی اشاعت کی۔ اس میں دو افسانے (تحریک اور علاحدگی) جوڑ دیے گئے۔ آزادی کے بعد اس کی اشاعت امرتسر سے ہوئی جس میں گیلانی پریس سے اجازت کا ذکر ہے۔ 'خاک پروانہ' کا پہلا ایڈیشن ہمیں مل گیا۔ 1928 میں لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور نے چودہ افسانوں کے مجموعے 'خواب خیال' کو شائع کیا۔ اگلے سال انڈین پریس الٰہ آباد نے 'فردوس خیال' کے عنوان سے بارہ افسانوں کا مجموعہ شائع کیا۔ اسی سال گیلانی پریس لاہور نے چالیس افسانوں کو 'پریم چالیسی' کی دو جلدوں میں شائع کیا مگر 1941 میں سید مبارک علی شاہ نے راقم الحروف کو بتلایا تھا کہ 'پریم چالیسی' کی فروخت تسلی بخش نہیں تھی اور انھوں نے شری پت رائے کو لکھا تھا کہ وہ لاگت ادا کر کے کتابیں اٹھوا لیں۔ 'پریم چالیسی' کے پہلے ایڈیشن کی کاپیاں آسانی سے دستیاب نہیں ہیں۔ مگر دونوں حصوں کو فروغ اردو دہلی نے شائع کیا ہے۔ یہ متن پہلے ایڈیشن پر ہے مگر ان پر سن اشاعت نہیں دیا گیا ہے۔

1933 میں لاہور کے ایک ناشر کتاب منزل کشمیری بازار نے پریم چند کے گیارہ افسانوں کو ''میرے بہترین افسانے'' کے عنوان سے شائع کیا۔ اس پر سن اشاعت تو نہیں دیا گیا ہے۔ مگر اس کے ٹائٹل صفحہ پر لکھا تھا ''منشی پریم چند مصنف گوشہ عافیت، جلوۂ ایثار، بازارحسن وغیرہ) انھیں گیارہ افسانوں کو ایک دوسرے ناشر راجپال اینڈ سنس لاہور نے بھی شائع کیا۔ ٹائٹل صفحہ پر لکھا تھا منشی پریم چند مصنف 'میدان عمل'، 'گئودان' وغیرہ) سن اشاعت کسی پر بھی نہیں دیا گیا۔ ظاہر ہے کتاب منزل کا ایڈیشن راج پال کے ایڈیشن کے بعد کا ہے۔ لاہور کے ہی ایک ناشر نرائن دت سہگل نے 1934 میں 'آخری تحفہ' کے عنوان سے تیرہ افسانوں کا ایک مجموعہ شائع کیا۔ پریم چند کے وفات سے ایک سال قبل دلی کے حالی پبلی کیشنز ہاؤس کتاب گھر نے پندرہ افسانوں کا مجموعہ 'زادراہ' شائع کیا۔ وفات سے قبل پریم چند نے دو مجموعوں کی اشاعت کی منظوری دی تھی جو ان کے وفات کے بعد نکلے۔ پہلا تھا 'دودھ کی قیمت' (عصمت بک ڈپو، دلی) 'دوسرا واردات' (مکتبہ جامعہ)۔ 'واردات' کا دسواں ایڈیشن 1960 میں شائع ہوا۔ پریم چند کی وفات کے بعد ان کے لاہور کے ناشروں نے شائع شدہ مجموعوں سے افسانے لے کر مختلف ناموں سے کچھ مجموعے شائع کیے جیسے 'جیل'، 'وفا کی دیوی' وغیرہ۔

مذکورہ بالا پانچ اہم مجموعوں کے ایڈیشن دستیاب ہیں مگر سن اشاعت کسی پر بھی نہیں ہے۔ شری پت رائے نے سولہ اپراپیہ کہانیوں کا مجموعہ سرسوتی پریس سے شائع کیا۔ یہ کہانیاں گوینکا کے اپراپیہ ساہتیہ میں بھی شامل ہیں۔ اور ان کے علاوہ بھی سولہ کہانیاں اس کتاب میں شامل کی گئی ہیں۔ ہندی میں پریم چند کی حیات میں مان سرورر کی دو جلدیں سرسوتی پریس نے شائع کی تھیں۔ بعد میں شری پت رائے نے چھ اور مجموعے اسی نام سے شائع کیے۔ منشی جی کے دوسرے فرزند امرت رائے نے پرانے رسائل سے لے کر دو جلدیں گپت دھن کے نام سے ہنس پرکاشن سے شائع کیں(1962)۔

جہاں اردو میں پریم چند کے افسانوی مجموعے پندرہ ہیں وہاں ہندی میں تیس سے زیادہ ہیں۔ اردو کے مجموعے 'سوز وطن'، 'پریم پچیسی'، 'پریم بتیسی'، 'پریم چالیسی'، 'خاک پروانہ'، 'خواب و خیال'، 'فردوس خیال'، 'زادراہ'، 'دودھ کی قیمت' اور 'واردات' میں افسانوں کی تعداد 192 ہے۔ اس کے علاوہ کچھ افسانے دوسرے مجموعوں میں ہیں جیسے سجان بھگت، پنساری کا کنواں اور معمہ وغیرہ، مگر ہندی میں افسانوں کی تعداد تین سو ہوجاتی ہے۔ ان میں ٹالسٹائے کی کہانیاں، جنگل کی کہانیاں، کتے کی کہانیاں شامل نہیں ہیں۔ کچھ سوانحی مضمون ہیں جن میں ان کے بچپن کی یادیں، اسکول کے تجربات، شادی ، پہلی تخلیق، جیون سار، بیوی کے نظر میں شوہر جیسے مضامین ہیں جنھیں افسانوں میں شامل کرلیا گیا ہے۔ ان تین سو افسانوں میں وہ افسانے بھی شامل ہیں جو نواب رائے افسانہ کہن یا د۔ر۔ کے نام سے شائع ہوئے۔ آٹھ دس افسانے ایسے ہیں جو بنگلہ یا انگریزی کے ترجمے ہیں ان پر وہ عام طور پر د۔ر لکھتے تھے۔ ویسے پریم چند نے اپنی ادبی زندگی کی ابتدا رویندرناتھ ٹیگور کی کہانیوں کے ترجموں سے کی تھی۔ جب کوئی افسانہ ان کو اچھا لگتا تو اس کا ترجمہ کرتے۔ خوف رسوائی، اپنے فن کا استاد، دھوکے کی ٹٹی بنگلہ زبان سے، روسی زبان سے، انگریزی زبان سے ترجمہ قیدی۔ دو افسانے برات اور تانگی کی جان شیورانی دیوی کے نام سے شائع ہوئے۔ ان کا اردو ترجمہ پریم چند نے واردات میں شائع کیا۔ کلیات میں یہ سب افسانے دیے گئے ہیں۔ داراشکوہ کا دربار اور بھرت کو ہم نے سوانحی خاکہ کے طور پر متفرقات میں شامل کیا ہے۔ محققین پریم چند یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کچھ قصے ابھی بھی تلاش کے بعد مل سکتے ہیں۔ کیونکہ بعض اوقات پریم چند افسانے لکھ کر بھول جاتے تھے۔ افسانہ رسائل کو بھیج دیا، شائع ہوا، کاپی آگئی اور معاوضہ مل گیا۔ دوست احباب

نے تعریف کی اور رسائل غائب ہوگئے۔ اگلے مجموعے کے لیے افسانے تلاش کیے جاتے، جو مل جاتے انھیں شائع کردیتے باقی جو نہ ملتے انھیں بھول جاتے۔ جون 1910 میں ایک افسانہ شکار شائع ہوا تھا۔ اسے پریم پچیسی میں شائع نہیں کیا گیا اور نہ ہی پریم بتیسی میں۔ بیس سال بعد اسے لاہور کے رسالے چندن میں شائع کرایا اور اسے آخری تحفہ میں شامل کیا۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے جب کلیات پریم چند شائع کرنے کے بارے میں یہ فیصلہ لیا کہ اس میں اردو کے علاوہ ہندی کی تمام تحریروں کو بھی شامل کیا جائے۔ قدیم رسائل کی ورق گردانی کرنا اور پریم چند کے خطوط کو مطالعہ ضروری تھا۔ کیونکہ ان خطوط میں بعض افسانوں کے حوالے بھی ملتے ہیں۔کوئی نصف صدی پہلے میں نے پریم چند کے اردو ہندی افسانوں کی فہرست تیار کی تھی یہ فہرست مکمل نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد بھی پریم چند کے افسانے تلاش کیے گئے۔ کچھ امرت رائے، کچھ شری پت رائے اور کچھ کمل کشور گوینکا نے۔ امرت رائے نے 56 افسانے گپت دھن کی دو جلدوں میں، شری پت رائے نے 16 کہانیاں اور گوینکا نے 16 کہانیاں پریم چند کا اپراپیہ ساہتیہ میں شائع کیے۔ امرت رائے نے قلم کا سپاہی میں 224 کہانیوں کی فہرست دی ہے۔ ڈاکٹر جعفر رضا اور شیلیش زیدی نے فہرست بنائی ہیں۔ یہ فہرستیں مددگار تو ہے مگر ان میں کچھ خامیاں بھی رہ گئی ہیں۔ ممکن ہے کلیات میں بھی کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں۔ اگلے ایڈیشن میں درست کیا جائے گا۔

پریم چند اپنے مضامین تو بہت سے رسائل میں شائع کراتے تھے، مثلاً اردوے معلیٰ علی گڑھ، آزاد (لاہور) مگر افسانے زیادہ تر زمانہ، آزاد، ادیب، کہکشاں، تہذیب نسواں، پھول، ہزار داستان، ذخیرہ، صبح امید، رہنمائے تعلیم، ہمایوں، عصمت، شاہ کار وغیرہ اور ہندی میں پرتاپ، سرسوتی، مادھوری، پربھا، چاند، وشال بھارت، سوادھینتا، ہنس اور جاگرن میں شائع کراتے تھے۔ زمانہ کے علاوہ باقی رسائل کی عمر بہت کم ہے کہکشاں چار سال، صبح امید چھ سال، ان رسائل کی فائلیں آج آسانی سے دستیاب نہیں ہیں۔ زمانہ کی فائلیں کچھ لائبریریوں میں ہیں مگر کچھ شمارے غائب ہیں۔ خدا بخش لائبریری، عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری اور ادارۂ ادبیات حیدرآباد، رضا لائبریری رام پور سے کچھ افسانے (نیچ ذات کی لڑکی، مہرپدر، حسن ظن، روئے حیات، دونوں طرف سے، موت اور زندگی) ملے۔ اردو میں تقریباً دو سو افسانوں کا مطالعہ کرکے یہ پتہ لگانا کہ کون سا افسانہ کس نام سے ہندی میں شائع ہوا یہ کام آسان نہیں

ہے۔ بعض اوقات پریم چند خود مجموعہ شائع کرتے وقت عنوان بدل دیتے تھے۔ دوا اور دارو کو بدل کر کپتان اور شامت اعمال کو خاک پروانہ کردیا۔ موت اور زندگی کو امرت، حسن و شباب کو کشمکش، کچھ کرداروں کے نام بھی بدل دیتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک کہانی جج اکبر ہے اس کے کرداروں کے نام ہیں صابر حسین عباسی، شاکرہ وغیرہ جب اسی افسانے کو ہندی میں بھیجا تو مہاتیرتھ نام دیا اور کردار رودمنی، کیلاش سکھدا وغیرہ تھے۔

پریم چند کے افسانوں کی مقبولیت دیکھ کر لوگ ان کا اردو سے ہندی میں ترجمہ کرلیتے تھے اور کبھی کبھی پریم چند کو معلوم بھی نہیں ہو پاتا تھا۔ دیانرائن نگم کو لکھتے ہیں (اکتوبر 25) ''زمانہ کے لیے ایک مضمون لکھا تھا اس کا ہندی ترجمہ کلکتہ کے ایک رسالے میں نکلا تھا۔ میں نے مضمون صاف کیا مگر ہندی میں نکلنے کے تیسرے دن اس کا ترجمہ لاہور کے پرتاپ میں نظر آیا حالانکہ لاہوری ترجمہ بالکل بھدا ہے مگر قصہ تو وہی ہے۔''

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں ''میرے قصوں سے آج کل بہت چور ہورہے ہیں۔ ممکن ہے آپ کو زیادہ نظر آتے ہوں مجھے (فلاں) دیکھنے کا موقع ملا...... حضرت نے میری عبارت کے پورے پورے پیراگراف نقل کرلیے ہیں۔ جنوری، فروری، مارچ تینوں تحریروں میں یہی حال ہے۔'' پریم چند کے مترجم بھی اگر متن میں تبدیلی کردیتے تھے تو وہ بہت زیادہ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اس لیے ان کے افسانوں کے متن کے بارے میں کوئی نظریہ اپنانا شاید ممکن نہ ہوگا۔

کچھ ناشر مجموعہ شائع کرنے کی پیشکش کرتے اور اگر پریم چند رضامند ہوجاتے تو ناشر اپنی طرف سے افسانوں کی فہرست پیش کرتے اور جو متن دستیاب ہوتا وہی اشاعت کے لیے لے لیتے۔ ایک مثال پیش ہے۔ پریم چند کا ایک افسانہ عفو زمانہ 1923 میں شائع ہوا۔ اس کا ہندی ترجمہ کشما ہے۔

(اردو متن) مسلمانوں کو اسپین پر حکومت کرتے کئی صدیاں گزر چکی تھیں، کلیساؤں کی جگہ مسجدیں بنتی جاتی تھیں، گھنٹوں کی خوش آئند مگر بے جان صداؤں کی موذن کی کرخت روحانی صدائیں سنائی دیتی تھیں۔ غرناطہ اور الحمرہ کی کنج رفتاری پر ہنسنے والے محلات بن چکے تھے۔ جن کے کھنڈر اب تک تماشائیوں کو اپنی شان ماضیہ کی جھلک دکھاتے تھے۔

(ہندی متن) مسلمانوں کو اسپین دیش پر راجیہ کرتے کئی شتابدیاں بیت چکی تھیں۔

کلیساؤں کی جگہ مسجدیں بنتی جاتی تھیں، گھنٹوں کی جگہ اذان کی آوازیں سنائی دیتی تھیں......وغیرہ وغیرہ۔

اسی ہندی متن کو لے کر کئی مترجم نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ عفو کی اشاعت کے تین سال بعد گیلانی پریس نے زمانہ کے متن کو 'پریم چالیسی' میں شائع کیا۔ مگر 'فردوس خیال' میں ہندی کے کیے ہوئے ترجمے کو شامل کیا ہے اور عنوان دیا معافی۔ یعنی عفو کا پہلے ہندی ترجمہ ہوا۔ چھما اور چھما کو اردو میں معافی کردیا گیا۔ اسی طرح کی مثال کئی دوسرے ترجموں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

کچھ افسانے ہیں جو پہلی بار اردو میں شائع ہوئے تھے مگر اس رسائل کے جس شمارے میں شائع ہوئے تھے وہ ہمیں نہیں ملے۔ ہمیں امید تھی کہ جن افسانوں کے اردو متن سے ہندی میں ترجمہ 'گپت دھن' یا 'پریم چند کا اپراپیہ ساہتیہ' میں نہیں کیا گیا وہ شاید ہم امرت رائے اور کمل کشور گوئنکا سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ کوشش کی گئی تھی مگر ہمیں کامیابی نہیں ہوئی۔ مستقبل میں کچھ افسانوں کا جیسے لاہور کے تہذیبِ نسواں میں شائع ہوا 'سانپ کی معشوقہ'، 'دو جنجال' لکھنؤ کے صبح امید میں چھپے 'بعد از مرگ' لاہور کے نیرنگ خیال میں 'وطن کی قیمت' ہمدرد میں شائع 'داروئے تلخ' کی دو قسطیں کہکشاں میں شائع 'اشک ندامت' اور آزاد میں شائع 'دیر و حرم' ریاست میں شائع 'قرابت' وغیرہ کا اوریجنل اردو متن دستیاب ہوجائے تو اسے کلیات کی ضمیمہ کے طور پر اگلی جلد میں شائع کیا جائے گا۔

افسانوں کے مسودے

کچھ سال قبل پروفیسر آلوک رائے نے راقم الحروف سے دریافت کیا تھا کہ کیا ممکن ہے کہ پریم چند کے افسانوں کے اوریجنل متن کہیں دستیاب ہوں۔ میں نے انھیں بتایا کہ شائع ہونے کے بعد افسانے کے مسودے کو ردی میں پھینک دیا جاتا تھا اور کچھ رسائل کی عمر ہی بالکل کم تھی۔ صرف سرسوتی پریس اور زمانہ کے علاوہ کوئی کاغذوں کو سنبھال کرنہیں رکھتا تھا۔ نگم کے وفات کے بعد یہ بات ختم ہوگئی۔ سرسوتی کے کچھ کاغذات شاید ناگری پرچارنی سبھا میں رکھے ہوں۔ جہاں تک مجھے علم ہے صرف رام رتن پستک بھون میں چار افسانوں کے متن رکھے ہیں۔ ایک ہے پریم چند کا آخری افسانہ 'کشمیری سیب'۔ دوسرا ہے 'رہسیہ' جو شاید پریس

کاپی ہے۔ تیسرا ہے 'شطرنج کے کھلاڑی'، 'چوگان ہستی' کے کچھ صفحات کے ساتھ اور چوتھا ہے 'ڈامل کا قیدی'۔ اس کا خاکہ انگریزی میں ہے اور اس کا پہلا متن بھی۔ مگر یہ افسانہ 'مان سروور' اور 'زادراہ' میں شائع افسانوں سے مختلف ہے۔

رام رتن بھون پستک میں رکھے افسانے کا خاکہ یوں ہے:

Sethji in ai village-bridge construction. He kills a young boy and set the bridge pillar erected. He is caught and sentenced for life. He returns after fourteen years and moves towards his home. He finds the same boy as his son. He is awestruck. His whole fortune has been ruined. His wife and child are living in obscurity and misery. Seth goes in quest of parents of the boy.... they are no where to be found. He comes his own house has been occupied by the...... He is building a bridge. His son is caught and killed in bridge construction. This turns him a wise man. He bows before the Lord with a true heart. He turns a new lease of life. All desires vanish. He is not more a heretic.

اس خاکہ کو پریم چند نے کاٹ دیا۔ پھر دوسرا خاکہ لکھا جو ذیل میں ہے:

Sethji returns in high spirits. A big construction has been given to him. He departs to his work the same day. The pillar refuse to rise. A sacrifice is necessary. A young boy is caught secretly and sacrificed. The Seth is caught and sentenced for. He returns to find his house in possession of others. After a long search he goes to the same bridge. It is being constructed. Wife recognises him and she now has a son. The Seth is awestruck. for it is the same boy whom he had sacrificed. What a change in the fortune. He now lives with his wife but is afraid of the son. One day he finds his own son sacrifuced in the construction. His wife already dead. His only source of life dried.

جب کہانی لکھی گئی تو اس پر کوئی عنوان نہیں لکھا گیا۔ کہانی کا مسودہ دستیاب ہے۔

ویسے بھی پریم چند اپنے قصوں میں کافی ترمیم و اضافے کرتے تھے۔ ان سب مشکلات کے باوجود اردو ہندی قصوں کو ملاکر تین سو افسانوں کو کلیات کی چھ جلدوں میں شامل کیا گیا ہے۔ ناولوں اور افسانوں کے جن مسودوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے انھیں شیورانی دیوی نے رام رتن پستک بھون کو دیا تھا۔ یہ آخری مسودے نہیں تھے۔ کچھ کے ڈرافٹ یا ان کے کچھ صفحات

وہ ہیں جنھیں رد کردیا تھا۔ اس بات کی تائید ایک ڈرامے کے کچھ صفحات سے ہوتی ہے جو رام رتن پستک بھون میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

ڈراما

پریم چند کو سیاست میں کافی دلچسپی تھی۔ ہندو مسلم اتحاد کے لیے کوشاں تھے۔ خواجہ حسن نظامی نے کرشن بیتی لکھی۔ پریم چند نے حضرت حسنؓ کی شہادت سے متاثر ہوکر کربلا لکھا۔ یہ پہلے ہندی میں 'کربل کتھا' کے عنوان سے شائع ہوا مادھوری نومبر 1923 کے شمارے میں پریم چند نے 'کربلا' مضمون بھی لکھا۔ اس کے ہندو کرداروں کو لے کر بحث و مباحثہ کا سلسلہ چلا۔ پریم چند نے جنوری 1925 کے شمارے میں جواب دیا۔ پھر انھوں نے اس خط کے ایک جز کو خود ترجمہ کیا اور کچھ اور جز نیز حیدر قریش سے کروایا۔ کوئی ناشر اس ڈرامہ کو شائع کرنے کو تیار نہیں ہوا تب اسے زمانہ کو بھیجا۔ مدیر دیانرائن نگم نے دوسروں سے مشورہ لیا۔ اس بارے میں کلیات جلد 15 اور 16 میں تفصیل دی جاچکی ہے۔ بعد میں یہ ڈرامہ زمانہ میں شائع ہوا۔ اس کے ایک ایکٹ میں یزید کی فوج فرات کے کنارے ہے۔ اس ندی سے دو میل دور امام حسین کا لشکر ہے۔ سعید نے فرات ندی کے پانی کو روکنے کا حکم دیا تھا۔ اس واقعہ کو لے کر شاید ایک باب لکھا جانا تھا۔ مگر یہ باب نہیں لکھا گیا۔ یا اسے کاٹ دیا گیا۔ اس لیے چوتھے سین کا ایک حصہ غائب ہے۔ ایک باب نکال دیا گیا۔ اس ڈرامے کو بعد میں پریم چند نے گیلانی پریس کو اشاعت کے لیے دیا۔ گیلانی صاحب نے راقم الحروف کو 1941 میں بتلایا تھا کہ انھوں نے مسودے کے متن میں کچھ ترمیم کرکے پریم چند کو واپس بھیجا۔ تب پریم چند بستر مرگ پر تھے۔ ان کی وفات کے بعد اسے لاجپت رائے اینڈ سنز نے شائع کیا۔ اس ڈرامے کے کچھ صفحات رام نرائن پستک بھون میں رکھے ہیں۔ کچھ صفحات لکھ کر کاٹ دیے گئے ہیں۔ یہاں پہلے ایکٹ کے صفحہ 62 سے دوسرے ایکٹ کے 111 صفحے تک کا مسودہ موجود ہے۔ بہت سارے صفحوں کو لکھ کر کاٹ دیا گیا ہے۔ جیسے چھٹے سین کو کاٹ دیا گیا ہے، پھر دوسرا ایکٹ شروع ہوتا ہے۔ شائع شدہ ایڈیشن کا چھٹا اور ساتواں باب بعد میں لکھا گیا۔

میری کتاب پریم چند کے خطوط، امرت رائے اور میری کتاب چٹھی پتری کی دو جلدیں اور کمل کشور گوئنکا کے اپراپیہ ساہتیہ میں شائع خطوط کو ملا کر کلیات کی جلد 17 میں پریم چند کے تقریباً سات سو خطوط شائع کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر گوئنکا کی کتاب اپراپیہ ساہتیہ میں وہ خطوط بھی ہیں جنھیں دوسرے ادیبوں نے پریم چند کو لکھے تھے۔ جیسے بنارسی داس چترویدی، اور جن کے جواب پریم چند نے دیے تھے۔ حواشی کے لیے ان چاروں خطوط کو تاریخ وار پیش کیا گیا ہے۔ ان خطوط کے لیے میں ڈاکٹر گوئنکا کا مشکور ہوں۔

کلیات کی 17 ویں جلد میں پیش کیے گئے پریم چند کے خطوط کی کتنی اہمیت ہے اس کا جائزہ لینا آسان کام نہیں ہے۔ پریم چند کے چھوٹے بیٹے امرت رائے نے مجھے پچاس سال قبل لکھا تھا کہ (خطوط کو اکٹھا کرنے کے بارے میں) آپ نے جو کام کیا ہے میں اس کی تمنا لیے بیٹھا ہوں۔ پریم چند کے ہم عصر اور مشہور ادیب سدرشن نے بھی راقم الحروف کو لکھا کہ آپ جو کام کر رہے ہیں وہ ثواب کا کام ہے۔ ابھی تک ہندی میں پتر ساہتیہ ہے ہی نہیں۔ آپ ہندی کے ادیبوں کو نئی راہ دکھلا رہے ہیں۔ نصف صدی گزرنے کے بعد میں آج دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان خطوط کے ذریعے سے مجھے پریم چند کی سوانح لکھنے کی تحریک ہوئی اور اپنے خطوط کی بنا پر میں پریم چند کی authentic لٹریری بایوگرافی اور پریم چند قلم کا مزدور لکھ سکا۔ میری کتابیں اور امرت رائے کی کتاب. قلم کا سپاہی ہیں جن خطوط کے اقتباسات دیے گئے ہیں ان میں سے 90 فی صدی ان خطوط میں سے ہیں۔ امرت رائے نے قلم کے سپاہی کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اگر ان کی رسائی ان خطوط تک نہ ہوتی تو ان کی کتاب ادھوری ہوتی۔

پریم چند سوانح عمریوں اور خطوط کو لے کر پریم چند پر جتنی کتابوں اور ریسرچ کام ہوئے ہیں اتنا کام دوسرے کسی ادیب پر نہیں ہوا۔ ان خطوط کے بارے میں کلیات جلد 17 میں مفصل بحث موجود ہے۔ اس کام کی شروعات ان خطوط سے ہوئی جو پریم چند نے دیا نرائن نگم کو لکھے تھے۔ ان خطوط کی تعداد ساٹھ سے زیادہ ہے۔ جب نگم صاحب زمانہ کا پریم چند نمبر شائع کرنے لگے تو انھوں نے اپنے مضمون میں خطوط کے حوالے دیے۔ ساٹھ سال قبل یہ خط

مجھے مل گئے۔ باقی خطوط کے لیے مجھے نگم کے پاس پھر جانا تھا مگر ان کا انتقال ہوگیا۔ میں نے ان کے لڑکے شری پت نرائن سے ملاقات کی مگر انھیں خطوط کا علم نہیں تھا۔ میں نے امرت رائے کو صورت حال سے مطلع کیا اور وہ نگم کے گرے ہوئے مکان کے ملبے سے خطوط کے بنڈل کو تلاش کر کے لائے۔ اسی طرح دلی میں جتیندکمار کی فائل سے میں نے پچاس خطوط کی نقل کی تھی۔ لاہور کے امتیاز علی تاج نے خطوط نقل کرنے کی اجازت دی۔ کچھ سال بعد بھشیم ساہنی نے کچھ خطوط کو آج کل (ہندی) میں شائع کرایا۔ بعد میں نقوش میں بھی یہی خطوط شائع ہوئے۔

دیانرائن نگم، تاج اور جینندر کمار کو لکھے خطوط اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کے علاوہ پریم چند کے بھائی مہتاب کے نام خطوط بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

مہتاب رائے کو لکھے پریم چند کے خطوط ادبی موضوع پر تو نہیں ہیں مگر انھوں نے پریم چند کے ساتھ سرسوتی پریس میں شرکت تھی۔ ان کے خط و کتابت سے پریم چند کی اقتصادی حالت پر روشنی پڑتی ہے۔ میں مہتاب رائے سے تین بار ملا۔ ایک بار تو وہ مجھے اپنی سائیکل پر بٹھا کر لمہی بھی لے گئے۔ انھوں نے مجھے مطلع کیا کہ میری ملاقات سے قبل کچھ اور لوگ بھی ان سے پریم چند کے خطوط لے گئے تھے جن کے پتے ان کے پاس نہیں تھے۔ جو خطوط ان کے پاس بچ رہے تھے وہ انھیں دینے کو اس لیے تیار نہیں تھے کیونکہ ان خطوط میں بھی اس چوٹی سے گر گئے جس پر انھوں نے بٹھا رکھا تھا۔ ان خطوط کو وہ عوام کے سامنے نہیں رکھنا چاہیں گے۔ بہت منّت سماجت کے بعد آٹھ دس خطوط انھوں نے مجھے دیے۔ کئی سال بعد انھوں نے دس بارہ خطوط کو امرت رائے کے حوالہ کیا۔ اب یہ دلی کے نہرو لائبریری میں ہے۔ انھیں بھی ہندی میں شامل نہیں کیا گیا۔ کلیات کی جلد 17 میں شامل ہیں۔

ان سب خطوط کے علاوہ بنارسی داس چترویدی کو لکھے خط بھی شامل ہیں جن کے اوریجنل اب نیشنل آرکائیوز میں محفوظ ہیں۔ کرم بھومی کے گجراتی مترجم شری جوشی نے انگریزی میں لکھا ایک بیش قیمت خط دیا جو شامل ہے۔ صحافی کیشورام سبھروال جن کا تعلق چاندنی چوک کے ہارڈنگ بم کیس سے تھا اور جو ٹوکیو میں جلاوطن رہ چکے تھے۔ انھوں نے پریم چند کی کچھ کہانیوں کا ترجمہ جاپانی اخباروں میں شائع کروایا تھا۔ کچھ پریم چند کے خط انھوں نے مجھے دکھلائے جن کے ترجمہ کلیات میں شامل کیے گئے ہیں۔ کچھ اور خطوط جے شنکر پرساد، شیورانی

دیوی، نرالا، شیو پوجن سہائے کے ذریعے مختلف کتابوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان سب خطوط کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ پریم چند کے خطوط کو اکٹھا کرنے کا کام ساٹھ سال سے برابر چل رہا ہے۔ اس سلسلے میں میری خط و کتابت شائع ہو چکی ہے۔[1]

اس کے باوجود کے. ایم. منشی، دلارے لال بھارگو اور ست رام سے خطوط لینے میں ناکام رہا۔ کے. ایم. منشی لاہور آئے تھے، میں ان سے ملا مگر ناکام رہا۔ دلارے لال بھارگو نے وعدہ تو کیا مگر نہ خطوط دیے اور نہ دکھائے۔ ان خطوط کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ پریم چند کی وفات کے بعد رنگ بھومی کے کاپی رائٹ کو لے کر عدالتی کارروائی بھی ہوئی تھی اور دلارے لال بھارگو کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

ایک صاحب مست رام تھے۔ ان سے تعلقات کی بات شیورانی دیوی نے کی تھی۔ ان کے پاس دس بارہ خط تھے جنھیں اخبار کی کسی فائل میں رکھ چھوڑا گیا تھا۔ وہ جوگی ہو گئے تھے۔ میں تین بار لکھنؤ گیا مگر ملاقات نہیں ہو سکی۔ آج پتہ نہیں وہ اس دنیا میں ہیں بھی یا نہیں۔

رام رتن پستک بھون میں پریم چند کے صرف دو خطوط دکھائی دیے۔ ایک خط جینندر کمار کے نام ہے۔ یہی ایک خط جو پریم چند نے جینندر کمار کو انگریزی میں لکھا۔ اس کا ترجمہ کلیات میں شامل کیا جا چکا ہے۔ دوسرا خط بنارسی داس چترویدی کے نام ہے جس کے ساتھ ممکن ہے سرشٹی کا آرمبھ برنارڈ شا کی کتاب کے ایک حصہ کا ہندی میں ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ "کروایا گیا ہے"۔ یہ ترجمہ کسی دوسرے شخص کا کیا ہوا لگتا ہے۔ شاید مترجم کی کاپی پریم چند کے ہاتھ کی ہے۔ پریم چند نے وشال بھارت کے ایڈیٹر کو لکھا۔ اسے شائع کریں۔ اگر مترجم کا نام دینا ہو تو۔ ر دے دیں مگر معاوضہ مناسب ہونا چاہیے۔

کلیات کی ایک جلد میں (18) آزاد کتھا پیش کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بتلانا ضروری ہے کہ قومی اردو کونسل نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہندی کی بھی سبھی تصانیف شامل ہوں اور اسے اردو رسم خط میں لکھا جائے تو آزاد کتھا کو بھی شامل کرنا چاہیے پریم چند پر رتن ناتھ سرشار کے فسانہ آزاد کا بڑا اثر تھا۔

آلیور کرام ویل جو پریم چند کا اولین مضامین تھا اور دو سال بعد شائع ہوا اور سودیشی تحریک جو آوازۂ خلق شائع ہوئے تھے۔ ان کا متن اردو میں دستیاب نہیں ہے۔ مگر امرت

1۔ دیکھیں ڈاکٹر شیام سنگھ ششی کی کتاب "پریم چند کے مدن گوپال"، وبھا پرکاشن الٰہ آباد۔

رائے نے وودھ پرسنگ کی پہلی جلد میں اس کا ترجمہ شائع کیا تھا۔ اسی متن کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

فرانس کے مشہور مصنف اناتول فرانس کی تصنیف تھالیس کا ترجمہ پریم چند نے ہندی میں کیا تھا اس سلسلے میں ایک دلچسپ امر یہ ہے کہ پریم چند نے دسمبر 1921 میں مادھوری میں ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا ''پیرا ہن مصر جاتی کے دھرم تتو'' بعد میں الٰہ اباد کے مریاد میں پرانی عمارتیں کے عنوان سے شائع ہوا۔ تھالیس کا ہندی ترجمہ اہنکار کے عنوان سے شائع ہوا۔ اسے کولکتہ کے بڑا بازار کمار سبھا کے سکریٹری رادھا کرشن نے شائع کیا۔ اس کتاب پر تبصرہ سرسوتی ستمبر 1923 میں شائع ہوا۔

یادگار

ساٹھ سال قبل جب میں نے پریم چند کی سوانح پر کام شروع کیا تھا تو مجھے احساس ہوا تھا کہ پریم چند کے متعلق رہائش، کتابیں اور روزمرہ کی دوسری اشیا کو محفوظ رکھنا چاہیے۔ میں نے شری پت رائے سے پیش کش بھی کی تھی۔ ان کی اپنی لائبریری کی کتابیں ان کا سامان بھی۔ ان کے مکان کے ایک کونے میں محفوظ کیا جائے تو اچھا ہوگا۔ مگر ناکام رہا۔

جس مکان میں پریم چند کی پیدائش ہوئی تھی وہ مکان میں نے دیکھا تھا اور اس کا فوٹو بھی لیا ہے۔ پریم چند کے صدسالہ کے موقع پر اس مکان کو مسمار کر کے وہاں پریم چند کی مورتی لگا دی گئی ہے۔ یہ کام ناگری پرچارنی سبھا نے انجام دیا۔ اس مکان کے نزدیک ہی وہ مکان تھا جسے پریم چند نے تعمیر کرایا تھا لیکن وہ مکان بھی آج مسمار ہو چکا ہے۔

ناول اور افسانوں کے مسودے کے علاوہ کچھ ضروری دستاویز ہیں جو شیورانی دیوی نے رام پستک بھون کو دیے ہیں۔ اسی میں پریم چند کا میٹرک اور ایف اے (1916) بی اے کے سرٹیفکیٹ بھی رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ جب پریم چند کو ہمیر پور میں سب ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول بنایا گیا تو اس کا خط جو W.J.Bacon انسپکٹر آف اسکول الٰہ آباد ڈویژن نے لکھا تھا وہ بھی موجود ہے۔ اس پر تاریخ 16/جون 1909 ہے۔ اس خط کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ شیورانی دیوی نے ''پریم چند گھر میں'' میں لکھا ہے کہ ان کی دوسری شادی ہونے کے بعد ان کی ترقی ہوئی۔ اس ترقی کی تاریخ وہی ہے، جو ان کی سروس بک میں لکھی ہے۔ سروس بک

میں نے گورکھپور میں دیکھی تھی۔ رام رتن پستک بھون نے مجھے بتایا کہ ایک زمانے میں پریم چند کی جنم پتری بھی وہاں موجود تھی جسے شیورانی دیوی نے انھیں دیا تھا لیکن یہ کسی نمائش میں گئی تھی اور واپس نہیں آئی۔ اس میں پریم چند کی تاریخ پیدائش 31/جولائی 1880 ہے (جبکہ سروس بک میں تاریخ 10/اگست 1881 ہے)۔

اس کے علاوہ رام رتن پستک بھون میں پریم چند کی ٹوپی، کوٹ، شیروانی، بوسیدہ جوتے بھی رکھے ہیں۔[1]

رام رتن پستک بھون میں چار صفحات سٹوری آف مین کائنڈ کے اردو ترجمہ کے بھی رکھے ہیں۔ یہ پریم چند کے ہاتھ سے لکھے تو نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں لاہور میں ایک بار سنا تھا کہ اس کتاب کا پنجاب یونیورسٹی کے لیے اردو ترجمہ کرنے کے لیے امتیاز علی تاج اور بکھیاری کے صلاح سے پریم چند کو پیش کش کی جانی تھی۔ اس سلسلے میں آگے کیا ہوا اس کا علم ہمیں نہیں مل سکا۔ رام رتن میں یہ صفحات صرف معمہ بن گئے ہیں۔

متفرقات

پریم چند چھتیس سال صحافت سے جڑے رہے، قارئین کو ان کے کچھ ناولوں اور افسانوں کی نقل تو دستیاب ہے مگر ان کے مضامین کے بارے میں علم نہیں ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے کچھ مضامین ایک کتاب میں شائع کر دیا۔ کئی سال بعد امرت رائے نے زمانہ اور دوسرے رسائل سے اردو کے 28 اور مضامین وودھ پرسنگ کے پہلے حصے میں شائع کیے۔ وودھ پرسنگ کے دوسرے اور تیسرے حصے میں انھوں نے پریم چند کے ہندی تبصرے، ایڈیٹوریل، دیباچے، مضامین وغیرہ شائع کیے ہیں۔

وودھ پرسنگ کی پہلی جلد میں اردو مضامین ہندی میں پیش کیے گئے تھے ان کے اردو متن کی تلاش کی گئی۔ مختلف لائبریریوں سے مضامین اکٹھے کیے گئے۔ دو مضامین آلیور کرام ویل اور سودیشی تحریک (جو آوارۂ خلق میں شائع کیے گئے تھے) کا اردو متن حاصل نہیں ہوا۔ انھیں ہندی سے لیا گیا ہے۔ وودھ پرسنگ (حصہ اول) کے 28 مضامین کے علاوہ 42

1۔ رام رتن پستک بھون کے مُرار ی لال کیٹریا نے راقم الحروف کو بتلایا تھا کہ ایک روسی ادیب لینن گراڈ یونیورسٹی کے وکٹر بالن اس اشیا کا فوٹو ہی نہیں ان کی لمبائی چوڑائی وغیرہ بھی ناپ کر لکھ کر لے گئے تھے۔

مضامین اور تلاش کر کے متفرقات کی بیسویں اور اکیسویں جلد میں شامل کیا گیا ہے۔ ان میں کچھ مضامین وہ ہیں جنھیں امرت رائے اور گوینکا حاصل نہیں کر سکے اور جن کی فہرست انھوں نے اپنی تصانیف میں دی ہے۔ رسالہ ادیب، الہ آباد سے بھی کچھ مضامین لیے گئے ہیں۔ کچھ مضامین خدا بخش لائبریری نے مہیا کیے۔ باکمالوں کے درشن میں پریم چند کے سوانحی خاکے شامل تھے۔ اس کا نسخہ ہمیں مانک ٹالا نے دیا۔ کتاب کے پہلے ایڈیشن میں (1928) کچھ خاکے نہیں تھے اور دوسرے ایڈیشن (1932) میں پریم چند مسلم مشاہیروں کے پانچ خاکے اور شامل کیے۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن دستیاب نہیں ہوا۔ ناشر کے پاس بھی نہیں۔ ایک خاکہ مانک ٹالا صاحب نے دیا اور دو خدا بخش لائبریری پٹنہ نے مہیا کیے۔ میں ان کا ممنون ہوں۔ 'عورت کی فطرت' اور 'بہارستان' کے دیباچے مجھے گوینکا کی کتاب سے ملے۔ ان سب مضامین کو تاریخ وار ترتیب دیا گیا ہے۔ کچھ مضامین کی تلاش ناکام رہی، امید کرتا ہوں کہ اہلِ علم تلاش کرلیں گے تو انھیں مستقبل میں شائع کیا جائے گا۔ آخر میں عرض کرنا چاہوں گا کہ مشکلات کے باوجود کلیات پریم چند کی 24 جلدیں شائع ہوگئی ہیں۔ میری کوشش تھی کہ پریم چند کا مستند متن شائع کیا جائے۔ کچھ چیزیں نہیں مل سکیں۔ مثال کے طور پر اسرار معابد کو امرت رائے نے ہندی میں شائع کیا تھا۔ میں نے سوچا یہ مسودہ اور ان کہانیوں کا جن کا ترجمہ گپت دھن میں پیش کیا تھا۔ ان کا اردو متن کا ترجمہ امرت رائے کے گھر پر موجود ہونا چاہیے۔ رحیل صدیقی کو اس تلاش پر لگایا مگر ناکامی ہوئی۔ ممکن ہے مستقبل میں کچھ افسانے، مضامین اگر ملتے ہیں تو اگلے ایڈیشن میں اس کا مستند متن پیش کیا جائے۔

کتابیات

تصانیف پریم چند (اردو)

ناول

اسرار معابد	آوازۂ خلق، بنارس	اکتوبر 1903
ہم خرما وہم ثواب	منشی نول کشور، لکھنؤ	1907
جلوۂ ایثار	انڈین پریس، الٰہ آباد	1912
بازار حسن	دارالاشاعت، لاہور	1918
گوشۂ عافیت	دارالاشاعت، لاہور	1928
چوگان ہستی	لاجپت رائے اینڈ سنز، لاہور	1927
پردۂ مجاز	لاجپت رائے اینڈ سنز، لاہور	1923
نرملا	گیلانی پریس، لاہور	1929
بیوہ	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی	1932
غبن	لاجپت رائے اینڈ سنز، لاہور	1932
میدان عمل	مکتبہ جامعہ، نئی دہلی	1934
گئودان	مکتبہ جامعہ، نئی دہلی	1939

افسانوی مجموعے

سوز وطن	زمانہ پریس، کانپور	1908
پریم پچیسی (حصہ اوّل)	زمانہ پریس، کانپور	1915
پریم پچیسی (حصہ دوم)	زمانہ پریس، کانپور	1918
پریم بتیسی (حصہ اوّل)	زمانہ پریس، کانپور	1920

پریم بتیسی (حصہ دوم)	دارالاشاعت، لاہور	1920
پریم چالیسی	گیلانی الیکٹرک پریس، لاہور	1930
خاک پروانہ	نگار پریس، لکھنؤ	1928
خواب و خیال	لاجپت رائے اینڈ سنز، لاہور	1928
فردوس خیال	انڈین پریس، الٰہ آباد	1929
زادراہ	حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی	1936
دودھ کی قیمت	عصمت بک ڈپو، دہلی	1937
واردات	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی	1937
آخری تحفہ	نرائن دت سہگل، لاہور	1934
میرے بہترین افسانے	کتاب پریس، لاہور	1934
نجات	مکتبہ چند، لاہور	1935
دیہات کے افسانے	دارالاشاعت، لاہور	1939
باکمالوں کے درشن	رام نرائن لال، الٰہ آباد	1929

ڈرامے

کربلا	لاجپت رائے اینڈ سنز، لاہور	1932
روحانی شادی	عصمت بک ڈپو	1933
رام چرچا	لاجپت رائے اینڈ سنز، لاہور	1929
انصاف (گالسوردی کے ڈرامہ کو ترجمہ)	ہندوستانی اکادمی، الٰہ آباد	1930

خطوط

پریم چند کے خطوط (مدن گوپال)	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی	1968

مضامین

مضامین پریم چند	قمر رئیس، علی گڑھ	1960

فہرست مضامین

حصہ اول : پریم چند کے سوانحی خاکے

پریم چند کی بعض تصانیف کے حالات	ایڈیٹر زمانہ
پریم چند کے خیالات	ایڈیٹر زمانہ
زمانہ اور پریم چند	ایڈیٹر زمانہ

حصہ دوم : پریم چند کی افسانہ نگاری

پریم چند کی افسانہ نگاری	خودنوشت حالات منشی پریم چند
پریم چند افسانہ نگار کی حیثیت سے	مولانا عبدالماجد دریاآبادی بی.اے. ایڈیٹر صدق
پریم چند کے آرٹ پر ایک سرسری نظر	مسٹر ایچ ایل گاندھی بی.اے.
پریم چند اور دیہات	مسٹر اوپندر ناتھ اشک بی.اے.، ایل.ایل. بی.
مل مزدور فلم کیسے بنی	شریجت للت کمار
پریم چند کی زندگی اور تصانیف پر ایک نظر	سیدعلی جواد زیدپوری
پریم چند کے ناول	مسٹر طالب الہ آبادایم.اے.
پریم چند کا ایدیش	سیدمقبول حسین بی.اے.ایل ایل بی احمد پوری
میدان عمل (تنقید)	مسٹر مالک رام ایم.اے.ایل.ایل.بی.
گئودان (تنقید)	مسٹر مالک رام ایم.اے.ایل.ایل.بی.

حصہ سوم : اردو شاعروں کا خراجِ تحسین

افسانہ گوے بزم ادب	حضرت راز چاندپوری
یادِ کمال	حضرت محشر لکھنوی
اردو ہندی کے سنگم پر	حضرت سیماب اکبرآباد
پریم چند کی یاد میں	حضرت سروش
پریم چند اور ان کا رتبہ	حضرت فرحت کانپوری بی.اے.ایل.ایل.بی.
آہ! منشی پریم چند	منشی جگناتھ پرشاد آزاد بی.اے.
بساط ماتم	عبدالسلام اختر ہوشیارپوری
نوحۂ وفات پریم چند	منشی گدیش سہائے سکسینہ بی.اے.ایل.ایل.بی.
آہ منشی پریم چند	مہاشہ جیمنی سرشار خیرپوری
خراجِ عقیدت	رائے زادہ نگیشور دیال صوفی،ایم.اے،ایل.ایل.بی.

بادشاہ اور ادیب	حضرت احسان بن دانش کاندھلوی
قطعۂ تاریخ وفات پریم چند	منشی اقبال ورما سحر ہنگامی
تواریخ انتقال ناگہانی	پروفیسر حامد حسن قادری ایم.اے.
منشی پریم چند کی تصانیف	

فہرست اقتباسات

پریم چند اور علامہ یوسف علی	
فرشتہ خصلت پریم چند	اقتباس خط حضرت افسر میرٹھی
پریم چند کی خصوصیت	ڈاکٹر سچدانند سنہا وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی
پریم چند بہ حیثیت مصنف	سریجت سرت چنڈ چٹوپادھیائے آنند راؤ جوشی
	رائے بہادر شیام سندرداس کی رائیں
پریم چند کی تمنائیں	پنڈت بنارسی داس چتر ویدی ایڈیٹر وشال بھارت
پریم چند کے بہترین افسانے	(خود ان کی نگاہ میں)
پریم چند کا آرٹ	مولانا عبدالحق بی.اے. ایڈیٹر ''اردو''
پریم چند کا فلمی چہرہ	از فلمستان۔ (لاہور)
اقوال و اقتباسات پریم چند	

ہندی تصانیف

ناول

پریما	انڈین پریس، الٰہ آباد	1907
وردان	گرنتھ بھنڈار، ممبئی	1920
سیواسدن	ہندی پستک ایجنسی، کلکتہ	1918
پریم آشرم	ہندی پستک ایجنسی، کلکتہ	1922
رنگ بھومی	گنگا پستک مالا، لکھنؤ	1925
کایاکلپ	سرسوتی پریس، بنارس	1926
نرملا	چاند پریس، الٰہ آباد	1927

پرتگیا	سرسوتی پریس، بنارس	1929
غبن	سرسوتی پریس، بنارس	1931
کرم بھومی	سرسوتی پریس، بنارس	1933
گودان	سرسوتی پریس، بنارس	1936
منگل سوتر	ہنس پرکاشن، الٰہ آباد	1948

افسانے، ڈرامے اور مضامین کے مجموعے

سپت سروج	ہندی پستک ایجنسی، گورکھپور	1917
نوندھی	ہندی گرنتھ رتناکر، ممبئی	1918
پریم پورنیما	ہندی پستک ایجنسی، گورکھپور	1918
بڑے گھر کی بیٹی	ہندی پستک ایجنسی، گورکھپور	1921
پریم پچیسی	ہندی پستک ایجنسی، کلکتہ	1923
ٹالسٹائے کی کہانیاں	ہندی پستک ایجنسی، کلکتہ	1923
پریم پرسُون	گنگا پستک مالا، لکھنؤ	1924
پریم دوادشی	گنگا پستک مالا، لکھنؤ	1926
پریم پرتگیا	بھارگو پُستک مالا، بنارس	1926
پریم پرمود	چاند پریس، الٰہ آباد	1926
شانتی	ہندی پستک ایجنسی، کلکتہ	1927
اگنی سمادھی	نول کشور پریس، لکھنؤ	1928
پریم چترتھی	ہندی پستک ایجنسی، کلکتہ	1929
پریم تیرتھ	سرسوتی پریس، بنارس	1929
پانچ پھول	سرسوتی پریس، بنارس	1929
پریم پنچمی	گنگا پستک مالا، لکھنؤ	1930
سپت سمن	سرسوتی پریس، بنارس	1930
سمریاترا	سیتارام سکسیریا، کلکتہ	1930

مرتک بھوج	موتی لال، ہریسن روڈ، کلکتہ	1932
پریرنا	سرسوتی پریس، بنارس	1932
سروسریشٹھ کہانیاں	وشوساہتیہ گرنتھ مالا، لاہور	1933
پنچ پُرسون	ہندی پستک ایجنسی، کلکتہ	1934
نوجیون	گوپال پبلشنگ بانکی پور، پٹنہ	1935
کفن	سرسوتی پریس، بنارس	1936
مانسرور، جلد اول	سرسوتی پریس، بنارس	1936
مانسرور، جلد دوم	سرسوتی پریس، بنارس	1936
مانسرور، جلد سوم	سرسوتی پریس، بنارس	1938
مانسرور، جلد چہارم	سرسوتی پریس، بنارس	1939
مانسرور، جلد پنجم	سرسوتی پریس، بنارس	1946
مانسرور، جلد ششم	سرسوتی پریس، بنارس	1946
مانسرور، جلد ہفتم	سرسوتی پریس، بنارس	1946
مانسرور، جلد ہشتم	سرسوتی پریس، بنارس	1947
مانسرور، آٹھ جلدیں	ہنس پرکاشن، الٰہ آباد	
گپت دھن، دو جلدیں	ہنس پرکاشن الٰہ آباد	1962
اپراپیہ سولہ کہانیاں	سرسوتی پریس، بنارس	1962
کربل کتھا	گنگاپستک مالا، لکھنؤ	1924
سنگرام	ہندی پستک ایجنسی، کلکتہ	1933
پریم کی ویدی	سرسوتی پریس، بنارس	1933
آزاد کتھا	سرسوتی پریس، بنارس	1925
قلم تیاگ اور تلوار	سرسوتی پریس، بنارس	1940
کتّے کی کہانی	سرسوتی پریس، بنارس	1936
جنگل کی کہانیاں	سرسوتی پریس، بنارس	1938
شیخ سعدی	پستک ایجنسی، گورکھپور	1918

سکھ داس	سرسوتی پریس، بنارس	1926
درگاداس	سرسوتی پریس، بنارس	1938
گارلسوری کے ڈرامے	ہندوستانی اکادمی، الہ آباد	1929-30
چاندی کی ڈبیا	ہندوستانی اکادمی، الہ آباد	
ہڑتال	ہندوستانی اکادمی، الہ آباد	
نیائے	ہندوستانی اکادمی، الہ آباد	
اہنکار (اناتول فرانس کا ناول)	کلکتہ پُستک بھنڈار، کلکتہ	1923
پتا کے پتر پتری کے نام	الٰہ آباد لا جرنل پریس، الٰہ آباد	1931
سرشٹی کا آرمبھ	ہنس پرکاشن، الٰہ آباد	1938
ساہتیہ کا اُدیشہ	ہنس پرکاشن، الٰہ آباد	1954
کچھ وچار	سرسوتی پریس، بنارس	
چھٹی پتری (حصہ اول)	مدن گوپال، امرت رائے	1962
چھٹی پتری (حصہ دوم)	امرت رائے، مدن گوپال	1962
دودھ پرسنگ	ہنس پرکاشن، الٰہ آباد	
شیورانی دیوی 'پریم چند گھر میں'	سرسوتی پریس، بنارس	1945
پریم چند کا اپراپیہ ساہتیہ (دوجلدیں)	کمل کشور گوئنکا، دلی	1988
پریم چند وشوکوش (دو جلدیں)	کمل کشور گوئنکا، دلی	1981

ہنس پریم چند اسمرتی انک مئی 1937 سمپادک بابو راؤ وشنو پراڑکر

1۔ میں لٹ گئی۔ شری متی شیو رانی دیوی۔

2۔ پریم چند۔ میں نے کیا جانا اور کیا پایا۔

3۔ گن گراہکتا۔ شری اودھ اُپادھیائے۔

4۔ پریم چند جی کی کلا اور ان کا منُشیہ۔ شری ایلا چند جوشی۔

5۔ پریم چند کی یاد۔ شری رام نریش ترپاٹھی۔

6۔ مہان ساہتیہ کار کی اسمرتی میں۔ شری چندر گپت وِدیا لنکار۔
7۔ ویڈ کا ونیہ۔ شری پرکاش ایس. اے. اے..
8۔ کوی کا آنترن شری متی نلینی
9۔ شردھانجلی۔ سیٹھ جمنا لال جی بجاج
10۔ پریم چند کی دین۔ شری ہری بھاؤ اُپادھیائے
11۔ شری پریم چند کی انترہ ورشٹی۔ شری ادے شنکر بھٹ۔
12۔ پریم چند جی۔ شری اے. چندر حسن ایم. اے۔
13۔ ہندی ساہتیہ میں پریم چند کا استھان۔ شری دھیریندر ورما۔
14۔ پریم چند اور دیہات۔ شری اُپیندر ناتھ اشک۔
15۔ پریم چند: ہندی کی سروسرشٹھ رچناتمک پرتبھا۔ شری رام ناتھ سُمن۔
16۔ پریم چند زندہ باد۔ شری رام وریچھ بنی پوری۔
17۔ میرا بھی کچھ کھویا۔ ڈاکٹر دھنی رام پریم۔
18۔ سورگیہ پریم چند جی۔ شری بھگوان داس ہالنا۔
19۔ سورگیہ آتما کی اسمرتی میں۔ شری نیوا سا چاریہ۔
20۔ دکھن بھارت میں پریم چند۔ برجن چند شرما۔ ہندی پرچارک مدراس۔
21۔ پریم چند جیسا میں نے پایا۔ شری جنادھن رائے۔
22۔ کیول تین خط۔ بھدنت آنند کوشلیان۔
23۔ پریم چند۔ شری رِشبھ چارج جین۔
24۔ شری پریم چند جی کی یاد میں۔ (مہیش پرساد مولوی عالم فاضل)
25۔ پریم چند (گوری شنکر مشر دِجندر)
26۔ منشی پریم چند مرحوم (محمد عاقل جامعہ ملیہ)
27۔ منشی پریم چند میری نگاہ میں۔ (اشفاق حسین)
28۔ پریم چند جی کی کچھ اِسمرتیاں (احمد علی ---)
29۔ پریم چند جی۔ منشیہ اور لیکھک کے روپ میں (پروفیسر سنسدھیہ ایم. اے)
30۔ پریم چند بھارتیہ کرشکوں کا کنٹھ سور (پیرنجن سین)

31۔ شن اسمرتیاں (سُدرشن)
32۔ نوین بھاؤ دھارا کے پرورتک (درگا پرساد پانڈیہ۔۔۔)
33۔ پریم اسمرتی (بندے علی فاطمی)
34۔ سنسمرن (بھنورمل سندھی)
35۔ پرنام (پریہ دویودی)
36۔ پریم چند جی کی سروتم کہانیاں (آنند راؤ جوشی)
37۔ پریم چند جی کا کلا کے پرتی درشتی کونڑ (دیوی شنکر واجپئی)
38۔ پریم چند جی کو ہم نے دیکھا۔ (وبجناتھ کیڈیا)
39۔ پریم چند جی (سدگوروشرن اوستھی ایم.اے)
40۔ پریم چند کی کہانی کلا (پرکاش چند گپت)
41۔ پریم چند کا رچنا رہسیہ (جگن ناتھ پرسادشرما ایم.اے)
42۔ سنتوش جیون کا سب سے بڑا دھن (کیشری کشورشرن)
43۔ مانو ہردے کے کوی (وریشورسنگھ)
44۔ کرشک بتودھو پریم چند (گرون)
45۔ ہندی ساہتیہ کے ابھی مان پریم چند (نُسویا پرساد پاٹھک)
46۔ شری پریم چند جی (شریمتی اوشا دیوی مترا)
47۔ پریم چند جیکی کرتی شری پراڑکر
سمپادکیہ نویدن

ہنس (پریم چندسمرتی انک) 1937
اوشارانی پریم چند اور ان کے اپنیاس دلی 1972

ثانوی ماخذ

احتشام احمد ندوی، گئودان کا تنقیدی مطالعہ فیصل الحسنین
امرت رائے، قلم کا سپاہی الٰہ آباد 1962
پریم چندسمرتی الٰہ آباد 1959

چٹھی پتری	الہ آباد	1962
اندوناتھ مدان پریم چند ایک وویچن	دلی	1946
گودان اور مُولیانکن	الہ آباد	1971
پریم چند ہندی کلا کار		1949
پریم چند چنتن اور کلا		
پریم چند پرتبھا	الہ آباد	1967
آفاق احمد، پریم چند سناسی	بھوپال	1994
بھرت سنگھ پریم چند کے ناری پاتر	دلی	1973
پریم نارائن ٹنڈن پریم چند : ان کی کلا اور ان کی کرتیہ کلا		1942
پریم چند اور گرام سمسیا	آگرہ	1941
پدم سنگھ کملیش پریم چند اور ان کی ساہتیہ سادھنا دلی		1972
پرملا گپتا پریم چند اور ان کے نالوں کی تکنیک		
ترلوکی نرائن دیکشت، پریم چند	کانپور	1952
رام بلاس شرما، پریم چند آلوچناتمک پرچے بنارس		1941
بھاشا اور سماج،		
پریم چند اور ان کا یگ	دلی	1952
روی شنکر شُکل راشٹر بھاشا کی سمسیا	لکھنؤ	
رام دین گپت، پریم چند اور گاندھی واد	پٹنہ	1961
رام رتن بھٹناگر، پریم چند	الہ آباد	1998
کلاکار پریم چند	الہ آباد	1951
راج پال شرما، گودان پنر مولیانکن	دلی	1973
راجیشور گورو، پریم چند ایک ادھین	بھوپال	1961
رکشاپوری، پریم چند ساہتیہ میں ویکتی اور سماج دلی		1970
رام کرشن مشر گودان	دلی	1967
سمکشا	دلی	1970

جعفر رضا، پریم چند کہانی کا رہنما الٰہ آباد 1969

اردو ہندی کتھا کار الٰہ آباد 1983

جناردن پرساد جھا دوج، پریم چند کی اپنیاس کلا۔ چھپرا 1935

جتیندر ناتھ پاٹھک، کتھا کار پریم چند بنارس 1955

جتیندر کمار، پریم چند ایک کرتی ویکتو دلی 1967

حسام الدین غوری، پریم سوگ حیدرآباد 1937

سریش چندر، اپنیاس کا پریم چند دلی 1965

ستیندر، پریم چند اور ان کی کہانی کلا آگرہ

سبھدرا، پریم چند ساہتیہ میں گرامیہ جیون دلی 1972

ستیندر، پریم چند اور ان کی کہانی کلا آگرہ

سریندر ناتھ تواری، پریم چند اور شرد چند کے اپنیاس دلی 1967

سروج پرساد، پریم چند کے اپنیاس الٰہ آباد 1972

سریندر آنند، پریم چند کہانی کار

شمیم نکہت، پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار، لکھنؤ 1975

شری پتی شرما، کہانی کار پریم چند کاشی 1948

شری نواساچاریہ، پریم چند اور ان کے اپنیاس لکھنؤ 1972

شورانی دیوی، پریم چند گھر میں بنارس 1945

شیلا گپتا، پریم چند اور ان کا ساہتیہ الٰہ آباد 1972

شیلیش زیدی، پریم چند کی اپنیاس یاترا علی گڑھ 1978

کمل کشور گوینکا، پریم چند کے اپنیاس کا شِلپ وِدھان دلی 1973

گوینکا، پریم چند کا اپراپیہ ساہتیہ دلی 1988

گوینکا، پریم چند وشوکوش دلی 1981

کمل کوٹھاری وجے دان دیتھدا، پریم چند کے پاتر دلی 1970

کرشن چندر پانڈے، پریم چند کے ہون داس کے ودھائپ تتو اکشر پرکاشن دلی 1970

گوپال رائے، گودان ادھین کی سمسیائیں پٹنہ 1958

گنگاپرساد وِمل، پریم چند	دلی	1968
گپتا لال، پریم چند کے ناری پاتر	دلی	1965
قمر رئیس، مضامین پریم چند	دلی	1960
لکشمی نرائن لال ، ہندی کہانی کے شلپ وِدھان کا وکاس		
محمد اکبر الدین صدیقی، پریم چند اور ان کی افسانہ نگاری	حیدرآباد	1946
مدن گوپال، قلم کا مزدور	مکتبہ جامعہ نئی دہلی	1966
پریم چند کے خطوط	مکتبہ جامعہ نئی دہلی	1968
چٹھی پتری (دو جلد)	ہنس پرکاشن	1962
پریم چند کی آپ بیتی	دلی	2003
مانک ٹالا، پریم چند اور تصانیف پریم چند	نئی دہلی	1985
مانک ٹالا، پریم چند کچھ نئے نکات	نئی دہلی	1988
مانک ٹالا، پریم چند حیات نو	نئی دہلی	1993
زمانہ کا پریم چند یادگار نمبر	نئی دہلی	2003
کتھا کار پریم چند	الہ آباد	1951
من متھ ناتھ گپت، پریم چند وِیکتو ساہتیہ کار	الہ آباد	1961
مہندر بھٹناگر، اتیہاس کار پریم چند	بنارس	
نریندر کوہلی، پریم چند کے ساہتیہ سدھانت	نئی دہلی	1966
نند دلارے باجپائی، ساہتک وچن	الہ آباد	1952
نلن وِلوچن شرما، ہندی اتہاس	پٹنہ	1968
وشمبھر ناتھ، پریم چند	الہ آباد	1961
ہنس راج رہبر، پریم چند جیون کلا اور کرتو		1962
ہرسروپ ماتھور، اتیہاس اور شلپ	کانپور	1952
ہمانشو شریواستو، پریم چند پیڑوں میں	بنارس	1958
یگیہ دت شرما، ہندی کے اتیہاس کار		

کانپور کے ماہوار رسالہ زمانہ کا پریم چند یادگار نمبر اور بنارس کے ہندی رسالہ ہنس کا

پریم چند سمرتی اتک میں کئی ہم عصر ادیبوں اور دانشوروں نے اپنے Impresions شائع کیے تھے۔ ان کی اہمیت کے مدنظر ادت رائے نے اپنی کتاب پریم چند سمرتی گرنتھ نے پریم چند اور گورکی اور ڈاکٹر کمل کشور گوینکا نے پریم چند کے سن سمرن میں ان کے کئی مضامین کو شامل کیا ہے۔

اردو رسائل جن سے مدد لی گئی

ادیب الٰہ آباد
آئینہ الٰہ آباد
الناظر لکھنؤ
آزاد، لاہور
آزاد کانپور
اردو ادب معلّٰی علی گڑھ
بندے ماترم، لاہور
پیغام حق
پھول، لاہور
تمدّن، لاہور
تہذیب نسواں لاہور
چاند، لاہور
رہنمائے تعلیم لاہور
جامعہ نئی دلی
ریاست نئی دلی
شباب اردو
شاہکار لاہور
صبح امید لکھنؤ
عصمت نئی دلی
فروغ اردو
فکر نظر
فلمستان
فنکار
کلیم، نئی دلی
کہکشاں، لاہور
مخزن، لاہور
معارف، لاہور
نوبہار، لاہور
نقوش، لاہور
نقاد
نگارستان
نیرنگ خیال، لاہور
وکیل نوبہار
وطن
ہزار داستاں، لاہور
ہمدرد، دلّی
ہمدم
ہمایوں، لاہور
بندے ماترم، لاہور
نکہت، الٰہ آباد
فروغ اردو، لکھنؤ
چندن، لاہور

بہارستان، لاہور
العصر، لکھنؤ
اردو، اورنگ آباد

ہندی رسائل

آج، بنارس
بھارت، الٰہ آباد
بھارت متر، کلکتہ
پربھا، کانپور
پرتاپ، کانپور
شری شاردا
سوادھینتا
سمالوچک
سدھا
سودیش، گورکھپور
سرسوتی، الٰہ آباد
مادھوری، لکھنؤ
وینا، پٹنہ
وشوامتر، کلکتہ
جاگرن، بنارس
مریادا، کاشی
وِشال بھارت، کلکتہ
ہنس، بنارس

ثانوی مآخذ (ہندی)

اردو- ساہتیہ کا آلوچناتمک اِتیہاس: پروفیسر احتشام حسین، الٰہ آباد، 1966
اردو- ساہتیہ کا اِتیہاس: برج رتن داس: کاشی، س. 2007 وی.
کتھا کے تتو: ڈاکٹر دیوراج اُپادھیائے، پٹنہ، 1957
کھڑی بولی کا آندولن: شتی کنٹھ مشر، کاشی س. 2013 وی.
کھڑی بولی کا لوک ساہتیہ: برج رتن داس، بنارس. 1968 وی.
گاندھی واد اور مارکس واد: شری کرشن دت پالی وال، پٹنہ، 1958
گرامین ہندی: ڈاکٹر دھیریندر ورما، الٰہ آباد، 1955
دکھنی ہندی: ڈاکٹر بابورام سکسینا، الٰہ آباد، 1952
نئی ہندی- ساہتیہ- ایک بھومیکا: پروفیسر پرکاش چند گپت، بنارس، 1946
پریم چند: پُورَو ہندی اپنیاس: ڈاکٹر کیلاش پرکاش، دہلی، پ.ب. 1962
پریم چند اسمرتی: امرت رائے، الٰہ آباد، 1956
بھاشا اور سماج: ڈاکٹر رام والاس شرما، نئی دہلی، 1961 دی.

راشٹریہ بھاشا کی سمسّیا: پنڈت روی شنکر شکل، لکھنؤ، س. 2002 وی.
راشٹریہ بھاشا پر وِچار: پنڈت چندر بلی پانڈے، کاشی، س. 2002 وی.
راشٹر بھاشا ہندی، سمسّیائیں اور سادھان: ڈاکٹر دِونیدر شرما، دہلی 1965
ہندی ادبھاؤ وِکاس اور روپ: ڈاکٹر ہردیو بہاری، الہ آباد، پ.ب. 1965
ہندی- ساہتیہ: ڈاکٹر ہزاری پرساد دویدی، دہلی، 1964
ہندی- ساہتیہ کا اِتیہاس: اچاریہ رام چند شُکل، وارانسی، س. 2018 وی.
ہندی ساہتیہ کی بھومیکا: ڈاکٹر ہزاری پرساد دویدی، ممبئی، 1950
ہندی اُپنیاس: ڈاکٹر شیونرائن شری واستو ج، ورانی، پ.س.س. 2016 وی.
ہندی اُپنیاس: ڈاکٹر رام درش مشر، دہلی، پ.س. 1968
ہندی اُپنیاس- ادبھاؤ وِکاس: ڈاکٹر سریندر سنہا، دہلی، پ.س. 1965
ہندی اُپنیاس ساہتیہ: برج رتن داس، بنارس، پ.س. 2013 وی.
ہندی کہانی، ادبھاؤ اور وکاس: ڈاکٹر سریش سنہا، دہلی، 1967
ہندی کہانیوں کی رچنا- وِدھی کا وِکاس: ڈاکٹر لچھمی نرائن لال الہ آباد، 1953
ہندی کہانی کی رچنا- پَرکریا: ڈاکٹر پرمانند شریواستو، کانپور، 1965
ہندی- ساہتیہ کے اسّی برس: ڈاکٹر شیودان سنگھ چوہان، دہلی، 1961
ہندی ساہتیہ کوش، بھاگ 1 اور 2: (س.) ڈاکٹر دھیریندر ورما، ورانسی، سَنوت، 2015
ہندی ساہتیہ - بیسویں شتابدی: اچاریہ نند دلارے واجپئی، الہ آباد، 1959
ہندی کے اُپنیاس کار، ڈاکٹر یکیہ دت شرما، دہلی، اکتوبر، 1951
ہندی بھاشا- آندولن: لچھمی نند، الہ آباد، س. 1885
ہندی، اُپنیاس کا اُدبھاؤ اور وِکا: ڈاکٹر پرتاپ نارائن ٹنڈن، لکھنؤ، 1960

ثانوی مآخذ (انگریزی میں)

Communalism and the Writing of India History : Dr. R. Thaper, Dr. H. Mukhia & Dr. B. Chandra, New Delhi, 1969.

Discovery of India : Jawahar Lal Nehru, Calcutta, 1945.

Hindi Prachar Movement : M.P. Desai, Ahmedabad, 1957.

(The) History of the Congress : Dr. B. Pattabhi Sitaramayya, Bombay, 1946.

History of the Freedom Movement in India, Vol. II : Dr. Tara Chand, New Delhi, 1961.
(A) History of Urdu Literature, Mohd. Sadiq, London.
Indian Divided : Dr. Rajendra Prasad, Bombay, 1947.
(The) Indian Nationalism and Hindu Reform : Charles H. Heimsmath, Princeton 1964
Indo-Aryan & Hindi : Dr. Sunit Kumar Chatterji, Firma K.L. Mukhopadhyaya, Calcutta, II Ed., 1960
Linguistic Affairs of India : Ram Gopal, Bombay, 1966.
Linguistic Survey of India, Vol. I, Part I, New Delhi 1977.
Language Conflict and National Development : Jyotirindra Das Gupta, 1970.
Lokamanya Tilak : A Biography : Ram Gopal, Bombay, 1956.
Mahatma Gandhi, The Last Phase, Vol. I & II, Pyare Lal, February, 1958.
Modern Islam in India : Wilfred Cantwell, Lahore, 1963.
National Language for India : Z.A. Ahmad, Allahabad, 1941.
Renanscent India : H.E.C. Zacharias, London, 1983.
Social Background of the Indian Nationalism : A.R. Desai, Bombay, 1959.
Survey of India History : K.M. Panikar, Bombay, 1962.
Thoughts on National Language : M.K. Gandhi, Ahmadabad, 1957.
Unity of India : Jawahar Lal Nehru, London, 1941.

ثانوی مآخذ (انگریزی)

Alok Rai Nirmala (Tr.) O.V.P., New Delhi, 2001
Amrit Rai Premchand
Inder Nath Madan Premchand, Lahore, 1946

Gurdial Malik, Short Stories of Premchand, Nalanda, Bombay, 1946

Gupta, P.C., A Handful of Wheat (Tr.) by Premchand, P.P.H. New Delhi, Premchand, Sahitya Akademi, New Delhi, 1968

Govind Narain Sharma, Premchand, Twayne Publishers, Boston, U.S.A, 1978

Jai Ratan and P. Lal, Godan, Jaico, Bombay, 1956

Lal, P. and Nopani Short Stories of Premchand Vikas, New Delhi, 1980

Madan Gopal Premchand, Bookabode, Lahore, 1944

Premchand A Literary .... , 1964

The Shroud and other stories, Sagar, Delhi, 1972

The Best of Premchand, Cosmo Publishers, New Delhi, 1998

Madan Gupta Secret of Culture, Jaico, Bombay, 1959

Narvane, V.S., Premchand Life and Work, Vikas, New Delhi, 1980

Roadarmal, The Gift of a cow, George Allen and Unwin, London, 1968

Rubin, David, The World of Premchand

Siegfrid, Schiultz, Premchand : A Western Appraisal, I.C.C.R., New Delhi, 1891.

پریم چند کے ادبی کارناموں پر تحقیقی کام کرنے والوں میں مدن گوپال کی اہمیت مسلم ہے پریم چند کے خطوط کے حوالے سے بھی انھیں اولیت حاصل ہے۔ ان کی پہلی کتاب انگریزی میں بہ عنوان "پریم چند" 1944 میں لاہور سے شائع ہوئی۔ اسی کتاب کی وجہ سے غیر ممالک میں بھی پریم چند کے بارے میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ "ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ لندن" نے لکھا ہے کہ مدن گوپال وہ شخصیت ہے جس نے مغربی دنیا کو پریم چند سے روشناس کرایا۔ اردو، ہندی ادیبوں کو غیر اردو ہندی حلقے سے متعارف کرانے میں مدن گوپال نے تقریباً نصف صدی صرف کی ہے۔

مدن گوپال کی پیدائش اگست 1919 میں (ہانسی) ہریانہ میں ہوئی۔ 1938 میں سینٹ اسٹیفن کالج سے گریجویشن کیا۔ انھوں نے تمام زندگی علم و ادب کی خدمت میں گزاری۔ انگریزی، اردو اور ہندی میں تقریباً 60 کتابوں کے مصنف ہیں۔ پریم چند پر اکسپرٹ کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ ویسے پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا کے ماہر ہیں۔ مختلف اخبارات، سول ملیٹری گزٹ لاہور، اسٹیٹس مین اور جن ستہ میں بھی کام کیا۔ بعدازاں حکومتِ ہند کے پبلکیشن ڈویژن کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے 1977 میں ریٹائر ہوئے اس کے علاوہ دینک ٹریبون چندی گڑھ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے 1982 میں سبکدوش ہوئے۔

ISBN 81-7587-050-8